خدابخش لائبریری پٹنہ

جرنل

۸۱ — ۸۳

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ

خدابخش لائبریری جرنل

پٹنہ



خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

رجسٹریشن نمبر ۲۳۴۲۳/۷۷
شمارہ : اکاسی تا تراسی
قیمت: پچھتر روپے

سالانہ :
۳۰۰ روپے (ہند میں)
۶۰ ڈالر ایشیا
۱۲۰ ڈالر دیگر ممالک

۱۹۹۳ء

مصطفےٰ کمال ہاشمی نے لبرٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) دہلی میں چھپوا کر خدا بخش لائبریری، پٹنہ سے شائع کیا۔

فہرست

جہانِ ودود

بابری مسجد/رام جنم بھومی دستاویزات

اشاریے

مراسلات

حصہ انگریزی



چند اہم اخبارات و رسائل

قاضی عبدالودود

فہرست



حرفے چند

قاضی صاحب کے کارناموں کو ان کی خواہش کے مطابق یکے بعد دیگرے پیش کرنے کا منصوبہ بن گیا، جس میں اوّلیت مختصر / بالذات تحریروں کو دی جانی تھی۔ ان میں بحیثیت محقق محمد حسین آزاد، عبدالحق اور غالب کا جائزہ تھا؛ کلام دلدار اور دیوان رضا عظیم آبادی کی تدوینات تھیں؛ اور ایک منتخب مجموعہ 'اثبات بہار' کی ترتیب تھی جس میں ان کی ہر نوع کی ایک تحریر شامل رہے۔ بحیثیت محقق محمد حسین آزاد والا جائزہ اور دیوان رضا کی تدوین، مکتبہ جامعہ کے لائق سربراہ شاہد صاحب کی جانسوزی سے جنوری ۸۴ء میں قاضی صاحب کے ہاتھوں میں پہنچ چکی تھیں۔ اثبات بہار کی وہ صرف پہلی کاپی دیکھ پائے (گریہ ابھی کتابت کی منزلوں سے گزر رہی تھی)، رہے نام ذات حق کا!! اور رہے نام حق کی جستجو کرنے والے اس بے لاگ محقق کا جس نے سچ کی تلاش میں، سچ سننے، سچ دیکھنے اور سچ کہنے کی ایک بار قسم کھائی تو موت تک اس کو نبھا دیا!! سچ، صرف سچ، اور سچ کے سوا کچھ بھی نہیں!!

یہ ان مضامین کا مجموعہ ہے جو قاضی صاحب نے وقتاً فوقتاً اردو کے بعض اہم رسائل اور اخبارات کے بارے میں لکھے۔ ان میں اکثریت بہار سے نکلنے والے پرچوں کی ہے۔ (استثنیٰ: اسعد الاخبار آگرہ، لسان الصدق کلکتہ، نوائے کیمبرج)۔

یہ مضامین بیشتر اسی شکل میں پیش کیے جا رہے ہیں جس طرح پہلی بار مختلف رسالوں میں چھپے۔ نوائے کیمبرج والے مقالے کے ایک آف پرنٹ پر قاضی صاحب کی اصلاحیں بھی ہیں، اُسے جوں کا توں لے لیا گیا ہے۔ اسی مضمون کا ایک صفحہ تمام و کمال ان کے اپنے خط میں مل گیا ہے، اس کا عکس آخر میں شامل ہے۔

——————— ع ر ب

اسعد الاخبار، آگرہ

یہ سلسلۂ مضامین اسعد الاخبار کے حسب ذیل نمبروں کے مطالعے پر مبنی ہے: سنہ ۱۲۶۵ھ: نمبر ۸۰، ۱۴ محرم مطابق ۱۱ دسمبر ۱۸۴۸ء تا نمبر ۱۲۸ (۲۶ ذی الحجہ مطابق ۱۲ نومبر ۴۹ء)؛ سنہ ۱۲۶۶ھ نمبر ۱۲۹ تا نمبر ۱۶۲ (۱۶۱ اور ۱۶۲ کے آخری ورق غائب ہیں)، نمبر ۱۶۴، نمبر ۱۶۷ (۲۵ رمضان مطابق ۵ اگست سنہ ۵۰ء)۔ سنہ ۱۲۶۷ھ: نمبر ۱۸۳ (۷ محرم، مطابق ۲ دسمبر ۵۰ء) تا نمبر ۱۹۲ (۱ ربیع الآخر مطابق ۲۳ فروری سنہ ۵۱ء)، نمبر ۱۹۴، نمبر ۱۹۵، نمبر ۲۰۱ تا نمبر ۲۰۶ (۹ رجب مطابق ۱۲ مئی سنہ ۵۱ء)۔ سب پرچے ایک ہی جلد میں ہیں[2] اور جناب سید حسن عسکری صاحب کی وساطت سے مستعار ملے ہیں۔ میں ان کا نہایت ممنون ہوں۔

اسعد الاخبار آگرہ سے نکلتا تھا، اور اس کے مہتمم قمر الدین خاں تھے۔ پہلا نمبر[1] غالباً دوشنبہ ۲۲ جمادی الآخر سنہ ۱۲۶۳ھ مطابق ۷ جون ۱۸۴۷ء کو نکلا تھا۔ عبارت ذیل سے جو ضروری تغیر کے ساتھ ہر ہفتے اخبار کے پہلے صفحے پر ہوا کرتی تھی، اخبار کی قیمت، یوم اشاعت وغیرہ کا حال معلوم ہوگا:

یا رحیم۔ اسعد الاخبار، نمبر ۸۰، جلد اول، تاریخ چودھویں محرم سنہ ۱۲۶۵ھ مطابق گیارہویں دسمبر روز دوشنبہ۔ یہ اخبار ہفتے میں ایک بار دوشنبے کے دن چھاپا جاتا ہے۔ قیمت اس کی آٹھ آنے مہینہ اور محصول ڈاک ذمہ خریدار۔ نمبر ۸۰ میں اس عبارت نے صفحۂ اول کا قریب قریب نصف لے لیا ہے۔ اخبار کا کاغذ سفید، تقطیع ۱۱ ½ × ۷ ½ انچ، صفحات ۴ — اور ہر صفحے میں دو کالم ہوا کرتے تھے۔ اس اخبار کا صفحہ اول و دوم اسلامی تاریخ کے لیے وقف ہوتا تھا۔ عبارت ذیل بہ طور عنوان ہر ہفتے چھپا کرتی تھی: اس اخبار میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے زمانۂ متبرکہ کا حال واقعہ اصحاب فیل سے شروع کر کے تھوڑا تھوڑا ہر اخبار میں چھاپا جاتا ہے۔ جب بفضلہ یہ حال تمام ہو چکے گا تو اہل بیت طاہرین اور خلفائے راشدین اور معرکۂ جگر سوز کربلا اور دوازدہ امام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حالات بے کم و کاست بہ تدریج و تفریق لکھے جائیں گے، تا خلایق کو ان حالات فیض سمات پر بہ خوبی آگاہی ہو۔ نمبر ۸۰ میں سریۂ رجیع کی کیفیت اور حضرت عاصم کی شہادت کا ذکر ہے۔ نمبر ۲۰۶ میں محاصرۂ طائف کے بعد کے واقعات کا ذکر ہے۔ عبارت ذیل نمبر ۹۹ سے نقل کی جاتی ہے:

---

[1] نمبر ۸۰، ۱۱ دسمبر ۱۸۴۸ء کو نکلا تھا۔ اس حساب سے بہ شرطے کہ کوئی ہفتہ ناغہ نہ ہوا ہو پہلے نمبر کی تاریخ اشاعت ۷ جون ۱۸۴۷ء ٹھہرتی ہے۔ پیش نظر نمبروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ تہواروں کے موقع پر بھی یہ اخبار برابر نکلا کرتا تھا۔ [2] عرض و طول دونوں میں کچھ کاغذ جلد بندی میں کٹ گیا ہوگا۔

غزوۂ خندق ایک عجب مصائب خیز محاربہ تھا کہ مشرک بڑی شوکت وحشت سے نوبت بہ نوبت لڑتے آتے اور آنحضرت کے خیمے کا قصد کرتے تھے، لیکن، اللہ تعالیٰ ان کو اتنی فرصت و قابو نہ دیتا کہ خندق سے اتر آئیں۔ بہادرانِ اسلام راہ خدا میں جاں بازی پر آمادہ ہو کر ان کا مقابلہ اور آں حضرت بہ نفس نفیس راتوں کو خندق کے بعض مواضع کی نگہبانی میں مصروف رہتے۔ چنانچہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایام غزوۂ خندق میں سعد ابن ابی قاص نے بڑی بڑی کوششیں کیں اور خندق میں ایک ایسا موضع تھا کہ تعجیل کے سبب اُسے اچھی طرح نہ کھود سکے تھے، ہوا دھر سے دشمنوں کے آجانے کا خوف تھا حضرت رسالت پناہ ہر شب آپ اس موضع پر جا کر وہاں کی حفاظت کیا کرتے۔ جب سردی سے دست و پا ٹھٹھرنے لگتے تو خیمے میں میرے پاس آتے۔ میں ان کے تاپنے کو آگ جلا کر انھیں گرم کر دیتی۔ حضرت سردی رفع کر کے پھر وہیں چلے جاتے۔ ایک رات آپ خیمے میں گرم ہونے کے لیے آگ تاپ رہے تھے کہ باہر کسی شخص کے اسلحہ کی کھڑکھڑاہٹ سنی گئی۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ سعد ابن ابی وقاص ہے، آپ نے فرمایا کہ آج کی رات خندق کے اس موضع کی حفاظت سعد ابن ابی وقاص ہی کرے۔ سعد نے قبول کیا، اور وہاں چلے گئے۔"

اخبار کے تیسرے صفحے کے پہلے کالم میں ابھی نصف کالم، کبھی، اس سے زیادہ پہلے حکمائے متقدمین کے حالات و مقالات شائع ہوتے تھے۔ پھر حکمائے متاخرین کے حالات و مقالات کا سلسلہ شروع ہوا جب یہ ختم ہو گیا تو کتاب اخبار الاخیار سے اخذ کر کے صوفیہ کے حالات لکھے جانے لگے۔ اقتباس ذیل نمبر ۱۳ سے ماخوذ ہے:

"اس نے (یعنی جالینوس نے) کہا ہے کہ جس آدمی میں عقل نہ ہو علم اُسے کچھ فائدہ نہیں دیتا اور کہا ہے جو بیمار کہ اشتہائے طعام رکھتا ہو بہتر ہے اس تندرست سے جو اشتہا نہ رکھتا ہو اور کہا ہے بدترین لڑکوں کا وہ لڑکا ہے جسے شرم وحیا نہ ہو اور کہا ہے جو کہ اپنے تئیں عاقل ترین مردم سمجھتا ہو وہ بے عقل ترین مردم ہے اور فرمایا کہ حلیم اور بردبار آدمی ہے کہ ظلم وستم کرنے پر قادر ہو اور نہ کرے اور زیردستوں کا جور اٹھائے۔ ایک دن حکیم نے ایک بڑے جسیم و فربہ آدمی کو دیکھا کہ لوگ اس کی نہایت تعظیم کر رہے تھے۔ پوچھا کہ اس شخص میں کیا بزرگی ہے جو تم اس کی اتنی تعظیم کرتے ہو۔ لوگ بولے اس نے ایک مری ہوئی گائے کو کمر پکڑ کر زمین سے اٹھا لیا تھا۔ حکیم بولا کہ اگر اسی میں بزرگی ہے تو تم گائے کی تعظیم کیوں نہیں کرتے جو ہمیشہ اپنے جسم کو لیے پھرتی ہے۔"

خبروں، اشتہاروں، گورنمنٹ گزٹ کے، اقتباسوں اور نظموں وغیرہ کے لیے زیادہ سے زیادہ جگہ جو اس اخبار میں نکل سکتی تھی وہ ۳½ کالم تھی۔ اپنے ناظرین کو دنیا کے حالات سے باخبر رکھنا اخبار کا پہلا فرض ہے۔ یہ فرض کس طرح انجام دیا جاتا تھا، اس کا اندازہ ذیل کے اقتباسات سے ہو گا:

دہلی سے متعلق خبریں: ۱۰۱ ایک بلک ٹرین یعنی بیل کی ڈاک گاڑی دہلی اور انبالہ کے درمیان جاری ہوئی ہے اور سنا جاتا ہے کہ لدھیانہ تک مقرر کی جائے گی"۔ الحقائق۔

۱۰۳ مہاراجہ ہندو راؤ نے بہ تقریب شادیانہ فتح پنجاب کے جشن کیا اور شہر دہلی اور چھاؤنی کے سب معتبر لوگوں کو اپنے ہاں بلاکر ضیافت کی' دہلی اردو اخبار

۱۰۴ اخبار الحقائق میں دہلی گزٹ سے منقول ہے کہ منشی عمو جان جو پہلے دہلی کی ایجنسی میں سررشتہ دار تھے، اور اب سدرلینڈ صاحب کی سفارش سے راجا الور کے مختار رہتے۔ ان دنوں الور سے دہلی میں آئے، الور کے کارپردازوں نے اُن کی غیبت میں راجا کے آگے اُن کی رشوت ستانی اور غبن مالِ سرکار کی بہت سی بدیاں کیں (کرم خوردہ) نے انھیں دہلی سے بلاکر قید کر لیا، اور بلا ثبوت جرم دس لاکھ روپیا تاوان ان سے مانگا اور حکم دیا کہ دہلی کا رہنے والا کوئی ملازم تا انفصالِ مقدمہ الور سے کہیں جانے نہ پائے۔

۱۰۵ ان دنوں دہلی میں فقیروں بھکاریوں کی کثرت ہے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ زیور (کرم خوردہ) گلی کوچے میں تنہا پاکر بہکائے جاتے ہیں۔ ہر شہر و قصبہ میں شرفا کو چاہیے کہ لڑکوں کی احتیاط کریں یا زیور نہ پہنائیں۔ ممکن ہے کہ ایسے فقیر اور شہر و قصبات میں بھی پہنچیں۔ (الحقائق)

۱۱۹ حضور والا نے بہ سبب کثرت باراں اور سرسبزی دشت و بیاباں کے موادِ عشرت و شادمانی دیکھ کر ۱۰ شوال کو پھول والوں کی سیر پھر مقرر فرمائی، کیوں کہ پہلی سیر میں بہار کے یہ سامان نہ تھے چناں چہ پھول والوں کے چودھری کو پنکھے کی تیاری کا حکم دیا، اُس نے فوراً تیار کیا اور ۱۰ شوال کو پنکھا چڑھا' اور کچھ لوگ بھی جمع ہوگئے، دہلی اردو اخبار۔

۱۲۱ از روئے خطِ دہلی کے معلوم ہوا کہ منشی عمو جان ریاست الور میں تین لاکھ رُپے ادا کرچکے ہیں اور اب تک اُن کی رہائی نہیں ہوئی اور رُپیا طلب ہوتا ہے۔ ستم رسیدگان اور شہر دہلی میں مکانات اور زیور بیچ بیچ کر زرِ تاوان ادا کرتے ہیں، الحقائق۔

۱۲۲۔ بادشاہ دہلی نے ایک خط واسطے مقرر ہونے ولی عہد کے ملکہ معظمۂ انگلستان کے نام پر لکھا تھا، سو وہ خط نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کے ملاحظے میں گزرا۔ انھوں نے اس خط کو صاحب ایجنٹ دہلی کے پاس واپس بھیج کر لکھ بھیجا کہ بلا واسطہ خط و کتابت فی مابین ملکہ و بادشاہ ناممکن ہے۔ نواب لفٹنٹ گورنر ۴ اکتوبر کو دہلی میں داخل ہوں گے، اور دو روز وہاں قیام کرکے بہ سبیل ڈاک آگرہ میں آئیں گے۔ الحقائق

۱۲۶۔ ۲ ذی حجہ کو حضور والا خواجہ صاحب سے تشریف لاکر باغ روشن آرا میں رونق افروز ہوئے۔ دہلی اخبار

۱۲۸۔ بہ موجب حکم والی سرکار کے خاص کوتوالی میں یا اُس کے قریب ایک عدالت مقرر ہوئی ہے جس میں ایک صاحب اسسٹنٹ مجسٹریٹ اجلاس فرماتے ہیں' اور انھیں اجازت ہے کہ وہاں ہر روز

جلوس فرما کر مقدمات خفیفہ ہر روز فیصل کریں آج کا کام دوسرے دن پہ نہ رہے اور چوں کہ اہل مقدمات کو صاحب مجسٹریٹ کی کچہری میں شہر باہر جانا پڑتا تھا تو آمد و رفت میں بڑی تکلیف اور ہرج ہوتا تھا، اور جو لوگ کہ اکثر اوقات ناحق حوالات اور قید میں دو چار روز رہ جاتے تھے۔ اُن کے لیے یہ بند و بست مفید ہوگا، اور صاحب مجسٹریٹ کو بھی شہر میں رہنے کا حکم ہے۔ اور ان دنوں حکام طبیعت انسداد قمار بازی[۵۱] از بس متوجہ ہے اور اس باب میں احکام سخت جاری ہوئے ہیں۔ دہلی اردو اخبار۔

۱۴۷ دہلی اردو اخبار میں مجمع الاخبار بمبئی سے منقول ہے کہ درخواست نواب گورنر جنرل بہادر کی درباب موقوفی ولی عہد شاہ دہلی اور موقوف کرنے خطاب بادشاہی کے اس خاندان سے اور انقطاع آداب و القاب مناسب بادشاہی کے دارالسلطنت لندن میں بھیجی اور وہاں کے اعیان و ارکان کے ملاحظے سے گزری۔ مسیر مرکوز خاطر ملکہ معظمہ انگلستان کا یہ ہے کہ خطاب و القاب اور آداب بادشاہی خاندان تیموریہ میں قائم رہے، اور تقرر ولی عہد کا بموجب مرضی بادشاہ دہلی کے ظہور میں آئے۔ لیکن، اعیان سرکار کمپنی بہادر اس باب میں انکار رکھتے ہیں۔ اور اس مقدمے میں دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ دیکھا چاہیے کہ مرضی جناب ملکہ معظمہ کی قائم رہتی ہے یا خواہش سرکار کمپنی کی۔

۱۴۸ حضور والا نے صاحب رزیڈنٹ کے نام حکم دیا ہے کہ قطب صاحب سے روشن چراغ دہلی کی درگاہ تک اثنائے راہ میں پل اور سڑک تیار کرا دیں، جو کچھ اس میں خرچ پڑے، بادشاہی جاگیر سے مجرا لے لو۔ زبدۃ الاخبار

۱۵۰ اخبار الحقائق میں مرقوم ہے کہ پانڈی باز لوگ جو ماخوذ عدالت ہوئے تھے الحال پیش گاہ صاحب مجسٹریٹ سے ان کے واسطے حکم قید شش ماہی اور دو دو سو روپے جرمانے کا صادر ہوا۔

۱۸۴ - صادق الاخبار میں لکھا ہے کہ ان دنوں بدرالدین علی خاں[۵۲] مہر کن نے جو اس فن میں وحید العصر ہیں، بموجب فرمایش ملکہ معظمہ انگلستان و ایماے جناب صاحب ایجنٹ دہلی کے دو مہر کندہ کی ہیں، ایک تو ملکہ معظمہ انگلستان کے نام کی، دوسری شاہ زادہ البرٹ شوہر ملکہ معظمہ کے نام کی، ملکہ معظمہ کی مہر میں یہ عبارت ہے: "شہنشاہ سلیماں جاہ کیواں بارگاہ، خاقان الدہر، سلطان البحر، مورد الطاف ایزد رحمن، پادشاہ انگلستان و ایرلنڈ و فرماں فرما ملک ہند ناصر دین مسیحا، ملکہ معظمہ وکٹوریا، اور شاہ زادہ موصوف کی مہر میں یہ عبارت ہے: "المؤید بتائید الٰہی فخر خاندان شہنشاہی برنسوک، انیس معزز ملکہ معظمہ، رفیع القدر، والا شان، سرآمد بارگاہ انگلستان البرٹ فرانسس، اگسٹس، چارلس ایمان ڈول[؟] سکول" از زبدۃ الاخبار

---

۵۱ قمار بازی کے جرم میں غالب کو سزا اسی زمانے میں ملی تھی۔

۵۲ دہلی سے متعلق قریب قریب کل خبریں جمع کر دی گئی ہیں عدے خطوط غالب میں ان کا نام آتا ہے۔



اسعد الاخبار میں اودھ کے متعلق ذیل کی خبریں ملتی ہیں:

۸۲ ۱۱ر جنوری (۱۸۴۹ء) "دہلی اردو اخبار میں مرقوم ہے کہ کرنیل رچمنڈ صاحب رزیڈنٹ لکھنؤ کلکتہ کو تشریف لے گئے، اور کپتان برڈ صاحب رزیڈنسی کے کام کا انجام دیتے ہیں، اگرچہ ابھی تقرر کرنیل سلیمن جنٹ گورنمنٹ گزٹ میں نہیں چھپا، مگر قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ بے شک صاحب ممدوح عہدۂ رزیڈنٹی اودھ پر مقرر ہوں گے۔ ان دنوں انتظام مالی اس ریاست کا بہت ابتر ہے اور خرچ آمدنی سے بہت زیادہ ہے۔ اور اخبار الحقائق میں لکھا ہے کہ لکھنؤ کی ریاست کے دخل و خرچ میں ایسی کمی بیشی ہے کہ کچھ تعجب نہیں کہ اس سال کے آخر شاہ اود (اودھ) اپنا تھوڑا ملک سرکار کمپنی پاس گروی رکھیں اور کچھ روپیہ قرض لیں۔ اور افواہ سنا جاتا ہے کہ غلام رسول خاں جو سابق میں کوتوال تھے، بالفعل لکھنؤ میں بہ عہدۂ بخشی گری مقرر ہوئے"

۸۷ "ماہ صفر کی ۲۴ تاریخ کرنیل سلیمن صاحب بہادر جو بہ عہدہ رزیڈنٹی لکھنؤ مقرر ہوئے ہیں، لکھنؤ میں داخل ہوئے، اور چوں کہ ان دنوں مزاج بندگان سلطانی[1] بیمار ہے، رزیڈنٹ بہادر سے اولاً ملاقات نہیں ہوئی، ولی عہد نے مراسم تعظیم و مدارات ادا کیے، بعد ازآں حضرت سلطانی سے ملاقات ہوئی۔"

۸۹ نواب سید حامد علی خاں[2] بہادر سخت پریشان خاطر ہیں کہ سلون اور بیسواڑہ سے روپیہ وصول نہیں ہوتا۔ سلونی کے سرکش لڑائی کو تیار ہوتے ہیں مگر روپیہ نہیں دیتے۔ سال گذشتہ کے کئی لاکھ روپیہ باقی تھے۔ سال حال کی قسطیں بھی رکیں اور کارگزاران شاہی کا یہ حال ہے کہ اگر سرکش لوگ روپیہ دیتے بھی ہیں تو کارگزار کھا جاتے ہیں۔ ان دنوں نواب ممدوح کی نسبت بادشاہ کا یہ حکم ہوا کہ اپنے قبائل لکھنؤ میں بلالو، سو بادشاہ کو یہ دغدغہ ہوا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ بھاگ کر چل دیں، اور حضرت سلطانی کسل و ناتوانی کے سبب محل سے نہیں نکلتے۔ بہت دنوں سے امرا و اعیان کا سلام نہیں ہوتا۔ نواب[3] وزیر کبھی کبھی در دولت تک باریاب ہو جاتے ہیں، سو پس پردہ ہی سے سلام کرکے باہر چلے آتے ہیں عن ایضاً (یعنی زبدۃ الاخبار)

۹۱ زبدۃ الاخبار میں مرقوم ہے کہ طویلۂ خاص سلطانی کے سائیسوں نے جن کی آٹھ سات مہینے سے تنخواہ نہیں بٹی تھی متفق ہو کر وزیرالممالک کو دربار جاتے ہوئے گھیر لیا، اور جو کچھ ان کے دل میں آیا سو کہا۔ آخر کار یہ ہوا کہ صبح کو ان کی تنخواہ بانٹ دی گئی تب جھگڑا رفع ہوا۔

---

[1] اس زمانے میں واجد علی شاہ بادشاہ اودھ تھے [2] ان کے خسر اعتماد الدولہ افضل علی خاں بلوچ نصیرالدین حیدر کے زمانے میں اودھ کے وزیر رہ چکے تھے۔ حامد علی خاں مرزا غالب کے احباب میں تھے۔ ان کا نام خطوط غالب میں آتا ہے [3] علی نقی خاں وزیر تھے۔

۹۲ "نواب اعتماد الدولہ سید حامد علی خاں بہادر کو علاقہ سلوں و بیسواڑہ کا اجارہ ملا، اور انھوں نے اپنی طرف سے نواب ممتاز الدولہ غلام علی خاں بہادر کو دیا۔ ممتاز الدولہ نے اپنی خوش تدبیری سے ایسا بندوبست کیا کہ بیسواڑہ کے سب سرکشوں کو زیروزبر کر ڈالا، اور خراج سلطانی وصول کر کے نواب سید حامد علی خاں بہادر ناظم علاقہ کے واسطے سے خزانۂ عامرہ میں داخل کیا۔ اُن کی کارگزاری اعیان سلطانی کو بہت پسند آئی۔ سارے لشکر کی کمان افسری کا عہدہ نواب ممتاز الدولہ کے لیے تجویز کیا، اور یہ منصب ایسا ہے کہ سارے چکلہ دار اس کے مطیع ہوتے ہیں۔ نواب سید حامد علی خاں نے جب دیکھا کہ ممتاز الدولہ کی ترقی ہوئی، آتش رشک میں جلے، اور انواع و اقسام کے حیلے اٹھا کر نواب ممتاز الدولہ کو کان پور بھیجا، اور نواب ممتاز الدولہ باوجودے کہ نواب سید حامد علی خاں سے انھیں کچھ سروکار نہ رہا تھا، مگر بہ پاسِ محبت اپنے فوائد سے قطع نظر کر کے کان پور کو روانہ ہوئے۔ جب وہ چلے گئے تو نواب سید حامد علی خاں نے صورتِ حال اپنے حسب مراد دیکھ کر وزیر الممالک سے عرض کیا کہ نواب ممتاز الدولہ نے میرے ساتھ دغا کی، اور زرِ خراج سلطانی لے کر کان پور چلے گئے اور مجھے مواخذے میں ڈال گئے اور اپنے اس دعوے کی تصدیق کے لیے ضلع کان پور کی دیوانی کچہری میں ممتاز الدولہ کے نام نالش کرادی۔ اب دیکھیے اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ افسوس صداقت و راستی بہت کم رہ گئی اور دغابازی و حیلہ سازی جہان میں پھیل پڑی۔ جب اعاظم و اکابر میں یہ معاملے ہونے لگے تو عوام الناس کا کیا اعتبار رہا" عن ایضاً (یعنی زبدۃ الاخبار)

۹۳ "دریں ولا لکھنؤ کے خط سے معلوم ہوا کہ نواب سید حامد علی خاں بہادر نے تقریب پانچ لاکھ روپے کے خزانۂ شاہی میں داخل کیے اور پانچ لاکھ روپے بہ سبب عدم گنجائش کے حضور والا نے از راہ پرورش و سادات پروری کے بہ سفارش بعض اراکین سلطنت کے معاف فرمائے، اور دو لاکھ روپیہ کی تخفیف سابق میں فرمائی تھی۔ بعد اس کے نواب علی نقی خاں بہادر نے نواب موصوف کو خلعت دلوا کر علاقے پر بھیجا" از اخبار الحقائق

۹۶ "سلوں کا پرگنہ نواب سید حامد علی خاں بہادر کے اجارے سے خارج ہو گیا، اور مرزا قدرت اللہ بیگ خاں بہادر سے متعلق ہوا۔ اب اُن کی کوشش و تدبیر سے اُس پرگنے کی بدانتظامی کچھ کم ہوئی، اور سرکش لوگ راہ پر آئے، اور سرکاری روپے ادا کرنے میں مستعد ہوئے ہیں۔ عجب نہیں کہ وہاں کی بدانتظامی خوش انتظامی سے مبدل ہو جائے اور کچھ فتنہ و فساد باقی نہ رہے" عن ایضاً (یعنی زبدۃ الاخبار)

۹۸ "اس شہر کے عمائد میں سے ایک کے ہاں لکھنؤ کا خط آیا اس سے معلوم ہوا کہ شاہ اودھ کو مرض لاحقہ سے صحت ہوئی غسل صحت کے دن جمیع ارکان ریاست نے نذریں گزاریں۔ حضرت شاہ نے فقرا و مساکین کو بہت سی خیر خیرات کی۔ اور سنا گیا کہ مرزا قدرت اللہ بیگ خاں سے پرگنہ سلوں کا بندوبست نہ ہو سکا۔ ناچار کنارہ کش ہو کر اپنے تئیں صحیح سلامت جریدہ کان پور میں پہنچایا اور مواخذۂ سلطانی سے ایمن ہوئے" عن ایضاً (یعنی زبدۃ الاخبار)

۱۰۲ زبدۃ الاخبار میں مرقوم ہے کہ بہ نسبت ایام گزشتہ کے بادشاہ کی بیماری کو افاقہ ہے، مگر ابھی

صحت کلی نہیں ہوئی' کیوں کہ حضرت سلطانی پرہیز کرنے میں قاصر ہیں، اور کان پور میں مشہور ہے کہ عاملوں کی خیانت سے بادشاہ کا مزاج سخت درہم برہم ہے' کسی کے ہاتھ سے انتظام دل خواہ نہیں ہو سکتا، اب حضرت سلطانی کا ارادہ مصمم ہے کہ حسبِ رزیڈنٹ کی رائے پر بندوبست کریں اور ریاست کے امور کا حل و عقد اور جمیع مہمات جزوی و کلی اُنھیں کے تفویض کریں تاکہ بندوبست کی صورت ہو' اور سلطنت کا کچھ ٹھیک ٹھکانا لگے۔ الحاصل' جو کچھ شدنی ہے چند روز میں ظاہر ہوئی جاتی ہے۔ اور اخبار الحقائق میں مندرج ہے کہ صاحب مہتمم دہلی گزٹ لکھتے ہیں کہ سالِ آئندہ سے اس ملک میں انگریزی انتظام ہوتا کا"

۱۰۶ زبدۃ الاخبار میں مرقوم ہے کہ شاہ زادہ ولی عہد نے اس جہان سے انتقال کیا۔ اُس کا سن ہنوز حدِ بلوغ کو نہیں پہنچا تھا۔ اب شاید دوسرے شاہ زادے کو جو پانچ برس کا ہے ولی عہد کریں۔ اور وہاں کے بندوبست کی بابت جو خبریں کہ ہمارے پاس آرہی ہیں اس وقت ان کا لکھنا مصلحت نہیں' پھر کبھی لکھیں گے"

۱۱۲ ایک بزرگ کے خط سے معلوم ہوا کہ محاصل لکھنؤ جو ایک کروڑ ساٹھ لاکھ روپیا تھا' اب صرف ساٹھ لاکھ روپیا رہ گئے ہیں اور بس۔ ان دنوں مولوی نہال الدین اور قاضی محفوظ علی خاں اور مولوی عنایت حسین اور چوتھے ایک اور شخص جن کا نام معلوم نہیں' رعایائے حدودِ ممالکِ سرکار کمپنی بہادر اور رعایائے ملک لکھنؤ کے تصفیۂ تنازع کے واسطے امین مقرر ہوئے ہیں' اور ہر ایک کا پانسو در ماہہ ٹھہرا ہے۔ حضرت سلطانی کبھی علیل کبھی تن درست رہتے ہیں، صحت کامل ابتک نہیں ہوئی۔ از زبدۃ الاخبار

۱۱۳ اکثر اطراف کے خطوں سے واضح ہوتا ہے کہ بارش کی وہاں بھی شکایت ہے۔ گرد و پیش تو البتہ بارش ہو گئی ہے۔ مگر لکھنؤ میں نہیں برسا، اگرچہ آثار نمایاں ہیں۔ خلل تخمہ اور اسہال و بدہضمی کا اکثر ہونے لگا ہے بلکہ بعض بعض کو ہیضہ بھی ہوا ہے' اور پورب میں وبا ہے۔ الحقائق

۱۱۶ میر مہدی داروغہ سرکار ولی عہد اور مولوی نوازش علی' میر منشی اپنے لڑکے سمیت نکالے گئے اور کان پور میں داخل ہوئے۔ وہ لوگ جو کہ قدیم سے وظیفہ پاتے تھے، اگلے برس نہ ملنے کے سبب در دولت پر پڑے شور و غل پکار رہے ہیں۔ الغرض لکھنؤ کا حال تباہ ہے۔ بعض تو فاقے سے جاں بہ لب ہیں بعض (کرم خوردہ) وغیرہ امراض سے جاں بر نہیں ہوتے۔ سالِ گذشتہ میں ناظموں کے ذمے ایک زرِ خطیر باقی رہا تھا، امسال بھی دو لاکھ کے قریب خلل ہوا ہے۔ ایسی ریاست کا خدا حافظ از زبدۃ الاخبار

۱۱۷ ۱۲ رمضان تک لکھنؤ میں بارش نہ ہوئی تھی، خلائق پریشان اور آسمان کی طرف نگراں تھی' مگر الحمد للہ کہ ۲۳ سے ایسا برسا کہ ہر طرف ندی نالے چل نکلے اور ہوا کی برودت سے تپش کم ہوئی۔ ان دنوں لکھنؤ میں ہیضہ وبائی کی شدت ہے۔ ایک خط کی رو سے معلوم ہوا کہ مولوی عبد الغنی، گماشتہ مصطفائی جو اکثر بلاد میں کتاب فروشی کو آتے جاتے تھے، مبتلائے ہیضہ ہو کر اسی جہان سے رحلت کر گئے۔

عاملوں کے ظلم سے مظلوموں کا ناک میں دم ہے۔ نہ راہِ رفتن نہ روے ماندن۔ اگر کوئی مظلوم لکھنؤ میں جانا
چاہتا ہے تو راہ کے محافظ جانے نہیں دیتے کہ مبادا رزیڈنٹ پاس جاکر فریاد کرے اور رزیڈنٹ بہادر
عاملوں کے ظلم سے آگاہ ہوں۔ ۲۱ رمضان کو کہ وہ دن جنابِ علیؑ کی شہادت کا دن ہے، لکھنؤ کے ہر
گلی کوچے میں تبرا ہوتا تھا، اور آدمیوں کے غول کے غول شہر میں تبرا کہتے پھرتے تھے۔ حضرت سلطانی
شب و روز محل میں رہتے ہیں، اور کارپردازانِ سلطنت کام میں معروف ہیں عن القصد (یعنی زبدۃ الاخبار)
۱۱۸ اب وہاں کی آب و ہوا با اعتدال ہے۔ بارانِ رحمت خوب برسا، ہیضہ و بائی بالکل نیست و نابود ہوا
اور خبر تازہ یہ ہے کہ ان دنوں حضرت سلطانی کی توجہ سخن گوئی کی طرف بہت ہے۔ چاہتے ہیں کہ کتاب
منظوم حملۂ حیدری کو اپنی فکرِ رسا سے اردو میں ترجمہ کریں۔ چنانچہ بعض علماے دانش مند اور خوش نویس
جواہر رقم مامور ہوئے ہیں کہ ہر وقت حاضر رہ کر مسودہ صاف کرتے رہیں۔ صاحب زبدۃ الاخبار کی
اس باب میں یہ راے ہے کہ بادشاہوں کا کام نظمِ ملک میں مشغول ہونا ہے، نہ نظمِ سخن میں۔ اگر حضرت
سلطانی اس کام کو جناب ملک الشعرا قاضی محمد صادق خاں، اختر کو سپرد کریں تو کیا خوب ترجمہ ہو، اور
خود بہ دولت امورِ سلطنت کے نظم میں توجہ کریں تو کس خوبی سے ملک آراستہ ہو۔ جناب موصوف
کی راے اس امر میں کیا خوب صحیح و سلیم ہے۔
۱۲۰ زبدۃ الاخبار میں مرقوم ہے کہ دریں ولا بہ سبب شروع ہونے سال کے جمیع ناظم اور چکلہ دار لکھنؤ
میں حاضر آئے ہیں، اور نواب اعتماد الدولہ سید حامد علی خاں بہادر اور چودھری حشمت علی جو سرکار کے
باقی کی بابت قید تھے، ضامنی پر چھوٹ گئے، اور پھر چکلہ داری اور نظامت کے امیدوار ہیں۔ الحال کہ
کسی کو نظامت کا خلعت نہ ہوا تھا۔ بادشاہ سلامت اکثر محل میں رہتے ہیں، دربار میں بہت کم آتے ہیں
اعیانِ سلطنت میں سے وزیر الممالک نواب علی نقی خاں کبھی کبھی باریاب ہو جاتے ہیں، باقی سب سلام مجرے
محروم ہیں۔ شرف الدولہ غلام رضا خاں معروف بہ جگناتھ نیابتِ وزارت کا کام انجام دیتے ہیں اور
نواب منور الدولہ احمد علی خاں بہادر بہ اتفاق نواب ممتاز الدولہ خویش نواب ملکہ زمانیہ کے کربلا جانا
چاہتے تھے، بادشاہ نے منع کیا کہ چند روز اس سفر کو ملتوی رکھو۔ اور ان دنوں بہ حکم بادشاہی لکھنؤ کے سارے
چھاپے خانے بند ہو گئے، اور حکم ناطق ہے کہ جو کوئی لکھنؤ کے مطبع والوں میں ظاہر یا پوشیدہ کچھ چھاپے گا
سرکار بادشاہی کا مجرم ہوگا۔ اس حکم سے اہالی مطبع کی جان سی نکل گئی ہے، مگر صاحب زبدۃ الاخبار کو
چھاپے خانوں کی اس خبر پر ہنوز اعتمادِ کلی نہیں ہے۔ فقط۔
۱۲۱ زبدۃ الاخبار میں مرقوم ہے کہ ہفتۂ گذشتہ میں مسموعاً لکھا گیا تھا کہ بادشاہ کے حکم سے جمیع چھاپے خانوں
کے کام بند ہو گئے۔ اس ہفتے میں ایک خط سے اس بات کی صداقت ہوئی اور معلوم ہوا کہ سب چھاپے خانے والے
لکھنؤ میں رہنے سے بیزار اور دل برداشتہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ لکھنؤ سے کان پور میں جا رہیں، لیکن

خوف یہ ہے کہ مبادا جاتے وقت علاقۂ لکھنو کے راہ دار اور گزربان بادشاہی حکم کے بہانے سے آلات مطبع چھین لیں، سو اب اس تدبیر میں ہیں کہ رزیڈنٹ بہادر کا توسل پیدا کرکے وہاں سے نکلیں، تا کان پور تک صحیح سلامت پہنچیں۔

۱۲۲ زبدۃ الاخبار میں مرقوم ہے کہ افواہاً سنا گیا کہ جناب صاحب رزیڈنٹ بہادر نے اس ریاست کی مصلحت اندیشی کی راہ سے یہ تجویز کی ہے کہ منصب وزارت نواب منور الدولہ احمد علی خان بہادر کو ملے، اور نواب شرف الدولہ بہادر نائب وزیر ہوں، چنانچہ انھوں نے اپنی یہ رائے نواب گورنر جنرل کے حضور لکھ بھیجی۔"

۱۲۳ زبدۃ الاخبار میں مرقوم ہے کہ ان دنوں صاحب رزیڈنٹ بہادر اور وزیر اعظم مدار الدولہ نواب علی نقی بہادر کے درمیان کچھ شکر رنجی ہے۔ وصی علی خاں جو صاحب رزیڈنٹ کے حکم سے لکھنؤ سے نکالا گیا تھا، اور کان پور میں جاکر اس نے قیام کیا تھا، بادشاہ سے پھر کچھ خفی مخفی سازش کرکے لکھنو میں آگیا۔ وزیر اعظم صاحب کو صاحب رزیڈنٹ بہادر کی رنجیدگی کا بڑا رنج ہے۔ چاہتے ہیں کہ کسی طرح صفائی ہو جائے۔ اور خبر ہے کہ صاحب رزیڈنٹ بہادر تمام ممالک محروسۂ لکھنو کا دورہ کریں گے، تا رعایا کا احوال اور ناظموں کا معاملہ بچشم خود دیکھیں۔ حضرت بادشاہ سلامت معاملات سلطنت سے بالکل دست بردار ہو کر رات دن محل میں عیش کرتے ہیں۔

۱۲۴ زبدۃ الاخبار میں ایک خط کی رو سے مرقوم ہے کہ نواب اعتماد الدولہ سید حامد علی خاں بہادر سرکار بادشاہی کے باقیات بابت جو بیس لاکھ سے زیادہ ہے محبوس ہوئے اور تمام اثاث البیت از قسم اسپ و فیل و نقرہ آلات و ملبوسات و شال و دوشالہ کے نیلام ہوگیا، اور اس کا زر قیمت بادشاہی خزانے میں داخل ہوا، مگر افسوس ہے کہ ہزار روپے کا مال سو کو، اور سو کا دس کو بکا۔ نواب موصوف کا بڑا نقصان ہوا۔ صاحب موصوف کے نائب بھی بند بلا میں پڑگیا، اور بیسواڑہ کا علاقہ نواب موصوف کی مستاجری سے نکل گیا، اور اس کے تین حصے کیے گئے۔ ایک حصہ قطب الدین خاں کو ملا اور دو حصے اور دو آدمیوں کو کہ ان کے نام معلوم نہیں سپرد کیے گئے۔ حضرت بادشاہ رات دن رضی الدولہ کے مکان میں جو ایک مطرب بادشاہی میں سے ہے۔ جلوس فرما رہتے ہیں، اور مہمات سلطنت کا حل و عقد وزیر اعظم مدار الدولہ نواب علی نقی خاں بہادر کے حوالے ہے۔ ممالکِ محروسہ میں ہر طرف لوٹ مار ہو رہی ہے۔ کوئی دن نہیں کہ مسافر مارے نہ جاتے ہوں اور کوئی رات نہیں کہ دولت مندوں کے گھروں میں چور نہ پڑتے ہوں۔ اکثر مظلوم و ستم دیدہ لوگ نواب وزیر کی ڈیوڑھی پر داد فریاد کو جاتے ہیں، مگر ڈیوڑھی بان اور پہرے چوکی والے ان بے چاروں کو نواب تک جانے نہیں دیتے۔

۱۲۷ ایک شخص لکھنؤ سے صاحب دہلی گزٹ کو یوں لکھتا ہے: تم نے جو دریافت کیا ہے کہ سرکار انگریزی

بعد بند و بست کر دینے ملک اودھ کے وہ ملک آپ رکھے گی' یا نواب کو دے دے گی۔ میری یہ رائے ہے کہ سرکار وہ ملک نواب سے جو ہمارا قدیم دوست ہے اور جنگ برما اور نیپال میں ہمارے شامل رہے اور دوستی رکھی اور کبھی ہمارے آزار کا خواہاں نہیں ہوا، نہیں لے گی۔ ہم نے یہ ملک نواب کو ۱۷۶۵ء میں دیا تھا' اور ۱۸۰۱ء میں نواب سعادت علی خاں نے دوام کے واسطے کمپنی کو اپنا ملک دے دیا، کہ جس کا محاصل ایک کرور ۳۵ لاکھ روپے سالانہ تھا، لیکن اب کمپنی کو اس میں دگنا بلکہ تگنا اُس سے وصول ہوتا ہے۔ اس سال میں بھی دوبارہ ملک باقی ماندہ نواب کو دیا گیا کہ وہ اور اس کے ورثا اُس پر قابض رہیں گے اور اپنا اختیار اُس پر رکھیں گے۔ ان مواثیق پر مہریں لارڈ ہیسٹنگز اور گورنر فرانسس ویلزلی اور لارڈ مورنگٹن کی ہیں' کیا ان لوگوں کے نہ ہونے سے اور وقت گزر جانے سے یہ عہود اور مواثیق بھول جائیں گے؟ میرے نزدیک تو ایسا نہ ہوگا۔ علاوہ اس کے طریق کرنیل سلیمن سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو یہ ارادہ نہیں ہے۔ وہ فقط یہ چاہتے ہیں کہ شاہ اودھ کو نصیحت نیک واسطے مقرر کرنے ایک اچھے وزیر اعظم کے دیویں اور اگر وہ نہ مانے تو بہ جبر ایک وزیر معقول مقرر کرا دیں اور جس شخص کو کرنیل صاحب نے مناسب سمجھا ہے وہ حقیقت میں لائق اس عہدے کے ہے۔ یہ سچ ہے کہ بیماری سے شاہِ اودھ کی کرنیل سلیمن صاحب کو بہت سے خیال ہیں' لیکن جب کہ گورنر جنرل نے دوسرے بیٹے شاہِ اودھ کو ولی عہد مقرر کیا تو اب کچھ اندیشے کی بات نہیں ہے' از اخبار النواح۔

١٢٩ پہلے سماعی خبر مشہور ہوئی تھی کہ لکھنؤ کے چھاپے خانے جو بند تھے پھر جاری ہو گئے۔ اب اخبار باغ و بہار سے معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی، ہنوز ویسے ہی بند ہیں۔ غرۂ ذی حجہ کو خلعت داروغگی مطبع سلطانی کا شیخ مذہب علی کو ہوا اور چھاپا خانہ حاجی محمد حسین کا بند ہو گیا، اور داروغہ جدید نے سب چھاپے خانے والوں کو بلا کے اسی وقت حکم دیا کہ سب یا تو آکر سلطانی مکان میں چھاپیں، یا مچلکا دیں کہ تمام عمر اس شہر میں پھر کبھی نہیں چھاپیں گے۔ از اخبار الحقائق

١٣٤ بعض معتمدین کی تحریر و تقریر سے معلوم ہوا کہ صاحب رزیڈنٹ بہادر ملک کے انتظام پر متوجہ ہیں، اور نواب وزیر الممالک ... ملک کا بند و بست امانی ساٹھ لاکھ سے زیادہ کر چکے ہیں' اور انتظام ملک پر مستعد ہیں۔ نائبان معزولین بہ سبب اپنی منفعت کے جو مستاجروں سے ہوتی تھی ملک کو امانی نہیں ہونے دیتے تھے۔ اب جو مدار المہام نے بند و بست کیا، اور سرکار کے حکم کو اپنی منفعت پر مقدم سمجھ کر بند و بست امانی کیا سب اہلکار اُن سے برخلاف ہو گئے کہ ملک کے امانی ہونے سے اُن کی منفعت ہاتھ سے گئی۔ اور وصی علی خاں جو موافق حکم صاحب رزیڈنٹ بہادر کے فیض آباد چلے گئے تھے' نواب مدار الدولہ بہادر نے ان کے اہل و عیال کی رنجیدگی دیکھ کر صاحب رزیڈنٹ بہادر سے زیادہ از حد التماس کر کے انھیں فیض آباد سے بلایا، چنانچہ خان موصوف حسب الحکم دونوں سرکار کے لکھنؤ میں آئے۔ یقین ہے کہ جب صاحب رزیڈنٹ بہادر ان کی لیاقت

کارگزاری سے مطلع ہوں گے۔ موافق عرض نواب وزیر اور ارشاد حضرت بادشاہ کے حکم اُن کی بحالی کا صادر فرمائیں گے فقط۔

۱۴۱ لکھنؤ کا حال بھی کچھ حیدرآباد کی ریاست سے ابتری اور بے انتظامی میں کم نہیں، بلکہ بڑھ کر ہے۔ ایک دوست کے خط سے معلوم ہوا کہ نواب وزیر الممالک بہادر نے سپاہ وغیرہ کی تنخواہ بانٹنے کے لیے بارہ لاکھ روپے کی درخواست کی اور حضرت سلطانی حکم عطائے زرِ مطلوبہ وزیر الممالک بہادر کا خزانچی کے نام نافذ ہوا۔ ہنوز روپیا نکلنے نہ پایا تھا کہ انیس الدولہ و رضی الدولہ وغیرہ مقربان خاص نے کچھ اُلٹی سیدھی باتیں کرکے حضرت سلطانی کے مزاج کو درہم برہم کر دیا اور اُس روپے کا ملنا موقوف کرایا۔ علیٰ ہذا القیاس اور امور سلطنت کا انتظام بھی کچھ ایسا ہی سمجھا چاہیے۔ افسوس کی بات ہے کہ جب شاہ و وزیر کسی امر نیک کی صلاح و تدبیر ٹھہراتے ہیں مشیر بے تدبیر چکنی چپڑی باتیں کرکے بادشاہ کا مزاج اس طرف سے پھیر دیتے ہیں۔ من ایضاً (یعنی زبدۃ الاخبار)

۱۴۲ افواہ ہے کہ جناب رزیڈنٹ بہادر جو ماہ دسمبر ۱۸۴۹ء میں گھاگرہ کے اُس پار کے ملکوں کا دورہ کرنے کے لیے تشریف فرما ہوئے ہیں، آخر فروری میں مراجعت فرما کے رونق افزائے لکھنؤ ہوں گے۔ ان کے تشریف لانے کے بعد عجب نہیں کہ اس ملک کا بہ وجہ احسن بند و بست کیا جائے اور ساری بے انتظامی اور خرابی رفع ہوئے۔ کہتے ہیں کہ صاحب رزیڈنٹ کا دورہ خالی از مصلحت نہیں ہے۔ ارباب گورنمنٹ کو وہاں کی بے انتظامی دیکھ دیکھ کر ایک مدت سے خیال لگ رہا تھا۔ اب خدا نے چاہا تو وہاں کی ساری خرابیاں اُٹھ جائیں گی، اور سپاہ و رعیت کو امن چین ملے گا۔ از زبدۃ الاخبار

۱۴۷ زبدۃ الاخبار میں مرقوم ہے کہ لکھنؤ کے خط سے معلوم کہ حکیم علی حسن کو جو اُس سرکار کے ایک بڑے نامور معتمد و مقرب ہیں حسب رضامندی صاحب رزیڈنٹ کے متوسطی کے عہدے پر مقرر کیا، کیوں کہ رزیڈنٹ بہادر کو یہ منظور تھا کہ اس خدمت پر کوئی ایسا شخص مامور ہو جو وزیر کے بے وساطت بادشاہ کے حضور جا سکے۔ سو حکیم مذکور کے سوا ایسا اور کوئی نہ ملا۔ اس لئے انھیں کو اس خدمت پر مقرر کیا، مگر وزیر الممالک اُن کے تقرر سے مکدر ہیں۔ کیا کریں۔ صاحب رزیڈنٹ کی مرضی سے چارہ نہیں۔

۱۴۹ ایک خط سے معلوم ہوا کہ دیوہ جہاں گیر آباد کے علاقے میں جو صف شکن خاں پسر بلندہ خاں کے تحت حکومت ہے، زمین داروں نے بسبب گاؤکشی کے مسلمانوں پر بلوہ کیا، جدال و قتال کی نوبت پہنچی، مسلمان کم تھے مغلوب ہوئے۔ صف شکن خاں لکھنؤ میں تھا، یہ حال سُن کر جلد روانہ ہوا اور مفسدوں سے لڑائی ٹھان دی، جب یہ خبر رزیڈنٹ کو پہنچی، تو دو توپ اور دو کمپنی چپراسیوں کی پلٹنیوں سے صف شکن خاں کی کمک کو رزیڈنٹ بہادر نے بھیجیں۔ نواب وزیر الممالک نے صاحب رزیڈنٹ سے کہا کہ

مفسدوں کی کثرت ہے' اور فوج سرکاری کم ہے۔ اس جماعتِ کثیر سے عہدہ برآ نہ ہوسکے گی۔ فوج سلطانی کے تیار ہونے تک دونوں پلٹنیاں متوقف رہیں صاحب رزیڈنٹ شملہ۔ اس بات پر کچھ توجہ نہ کی، اور پلٹنیوں کو روانہ کیا گیا۔ گیارھویں جمادی الاولیٰ کو خبر آئی کہ سپاہ انگریزی بھی بہت مقتول ہوئی اور سردار فوج بھی جو کمان افسر ہو کر گیا تھا، مارا گیا - صاحب رزیڈنٹ نے برہم ہو کر ایک پلٹن بہت سے میگزین کے ساتھ روانہ کی' اور بادشاہی پلٹنیں بھی روانہ ہوئیں دیکھا چاہیے کہ اس فوج کے پہنچنے کے بعد کیا معاملہ ہوتا ہے۔
عن ایضاً اخبار کا نام کرم خوردہ)

۱۵۱ وہاں کے خط سے واضح ہوا ہے کہ نواب گورنر جنرل کیلئے ضیافت کا سامان تیار ہو رہا ہے۔ نواب وزیر اپنے سفر کا سامان درست کرتے ہیں۔ جس وقت گورنر جنرل کانپور میں داخل ہوں گے، نواب وزیر استقبال کے لئے لکھنؤ سے کانپور جائیں گے۔ ان دنوں ایک رات کو حضرت سلطانی وزیر الممالک کے گھر محفلِ جشن میں گئے۔ وہاں جو حرکات کہ ملازمان حضرت سلطانی سے ہوئیں اُن کے لکھنے کی ادب اجازت نہیں دیتے، یعنی جو کچھ مطرب لوگ کرتے ہیں' اُس سے ہزار درجہ بہتر بندگانِ حضرت عالی نے کیا
عن ایضاً (یعنی زبدۃ الاخبار)

۱۵۳ باغیوں کی گڑھی پر جو انگریزی اور سلطانی فوج گئی تھی' اُس کا حال مطلع الاخبار میں یوم مرقوم کو لفٹنٹ اندر یہ صاحب اور دس سپاہی مقتول اور ۲۵ آدمی مجروح ہوئے' اور توپ خانے کے ۱۱ آدمی مقتول ہوئے، اور بادشاہی فوج میں ستر آدمی مارے گئے، اور باغیوں میں سے جو قریب پانسو آدمی کے تھے آدمی کام آئے، آخر کار رات کو باغی چھوڑ بھاگے فقط۔

۱۵۴ وہاں کے ایک خط سے واضح ہوا کہ ایک شخص گم نام نے ایک اینٹ پر چند سطریں لکھ کر صاحب رزیڈنٹ کی کوٹھی کے احاطے میں ڈال دی۔ اس کا خلاصہ مضمون یہ تھا کہ جس وقت صاحب رزیڈنٹ بہادر ملک اودھ کے دورے کو گئے تو رعیت خوش تھی کہ اب خوب بندوبست ہو کر فتنہ موقوف ہو جائے گا، لیکن ایک مدت ہوئی کہ رزیڈنٹ ادھر اُدھر سے پھر پھرا کر اپنے بنگلے میں آن بیٹھے، اور خلق کو کچھ آسایش و بہبودی نہ ہوئی۔ پس صاحب رزیڈنٹ نے اس تکلیف کرنے سے کیا مصلحت سوچی تھی۔ الحاصل لوگ اُس اینٹ کو صاحب رزیڈنٹ پاس لے گئے' انھوں نے انگریزی میں اس کا ترجمہ کر کے گورنر جنرل کے پاس بھیجا اور اینٹ حضرت سلطانی کے پاس بھیج دی عن ایضاً (یعنی زبدۃ الاخبار)

۱۵۷ اس ریاست کا مآل کار جو کچھ سال با سال سے عقلا اور دانش مندوں کے ذہن میں آیا کرتا ہے اب اس کے ظہور کا وقت نزدیک معلوم ہوتا ہے' یعنی جو کچھ ہونا ہے غالباً اسی سال کے اکتوبر یا نومبر میں آجائے گا۔

لہ امراؤں کو خبر تھی کہ کیا ہونے والا ہے' لیکن واجد علی شاہ کو اپنے دوسرے مشاغل سے اتنی فرصت کب تھی کہ ان امور سے باخبر رہتے۔

ارباب گورنمنٹ نے تو ہرچند از راہِ شفقت لکھنو کے رئیس کو سمجھایا، مگر کوئی نصیحت اثر پذیر نہ ہوئی۔ اب سرکار انگریزی کی جانب سے وہاں رفع شر ہونے کو جو تدبیر کہ عمل میں آئے گی مستحسن ہوگی۔ ۲۴ تاریخ مئی کے ایک خط سے واضح ہوا کہ امرائے بادشاہی میں سے چھ شخص جو خلوت و جلوت میں ہر وقت بادشاہ کے انیس تھے قہر سلطانی میں مبتلا ہو کر محبوس ہوئے، اور ان کے گھروں کا سارا مال و متاع ضبط ہوگیا۔ محبوسوں کے یہہ نام ہیں۔ رضی الدولہ، قطب الدولہ، وحید الدولہ، ثابت الدولہ، نجیب الدولہ، نشاط الدولہ۔ اور اس خط میں لکھا ہے کہ عجب نہیں کہ چند روز میں انیس الدولہ، مصاحب الدولہ، مستقیم الدولہ، مطیع الدولہ، یہہ چاروں آدمی بھی کہ ہنوز مصاحبت سلطانی میں گرم ہیں مبتلائے بند و زنداں ہو جائیں۔ از زبدۃ الاخبار

۱۶۵ کہتے ہیں کہ نواب عالی جناب امیر اعظم گورنر جنرل بہادر موسم زمستاں کے شروع میں ملک اودھ کی طرف تشریف لے جائیں گے اور ریاست کا بند و بست نئی طرز پر کریں گے، اور عجب نہیں کہ رایات دولت و اقبال حدود نیپال تک جائیں، اور اُس ملک کے مفسدوں سے بھی اطمینانِ کلی حاصل کی جائے۔ از زبدۃ الاخبار

۱۶۶ رضی الدولہ وغیرہ مصاحبان شاہ اودھ جو موقوف ہوئے۔ سو ایسا مسموع ہوتا ہے کہ حضرت ظلِ سبحانی ان لوگوں کے فراق میں ایسا رویا کرتے ہیں کہ رونے کی آواز محل کے باہر تک جاتی ہے۔ از دہلی اخبار

۱۶۷ درین ولا بہ مقام موہان علاقہ لکھنؤ کے خلیل خاں صاحب اہل سنت اور غلام محمد خاں اہل تشیع سے نزاع و جنگ ہوئی۔ خلیل خاں کی تلوار سے غلام محمد مارا گیا۔ اور خلیل خاں قید ہوا، یہہ مقدمہ مجتہد کے سپرد ہوا ہے اور خلیل خاں پر انواع انواع ایذا رسانی ہوئی ہے۔ دیکھا چاہیے انجام کیا ہو۔ از مطلع الاخبار

۱۶۸ درمیان رزیڈنٹ بہادر و حضرت سلطانی کے جو ایک شخص متوسط رہا کرتا تھا سو اب یہہ عہدہ موقوف ہوا۔ مگر اس خبر میں اختلاف ہے، بعضے کہتے ہیں کہ حضرت سلطانی ہی کو متوسط کا رکھنا منظور نہ تھا، اور بعضے کہتے ہیں کہ صاحب رزیڈنٹ بہادر کو متوسط کا عہدہ اور اس کا رہنا پسند نہ تھا، اس سبب موقوف ہوا۔ بادشاہ کو تو اس عہدے کا قائم و برقرار رہنا منظور تھا۔ بہر حال اس بات کی صداقت پیچھے سے معلوم ہو جائے گی۔ نواب اعتماد الدولہ سید حامد علی خاں بہادر کا معاملہ بھی عن قریب طے ہوگا اور مطالبہ و مواخذہ سے نجات پائیں گے۔ از زبدۃ الاخبار۔

۱۶۹ وہاں کے خط سے معلوم ہوا کہ ان دنوں سرفراز و کنچنی کے گھر مستی کی تقریب بڑی دھوم دھام کی محفل تھی حضرت سلطانی بھی وزیر الممالک سمیت اُس کے ہاں تشریف لے گئے اور شہر کی ساری کنچنیاں میں اُس کی قدر و منزلت بڑھائی۔ فی الحقیقت حضرت سلطانی کا رتبہ تو کچھ کم نہ ہوا مگر اس کنچنی کا مرتبہ بلند ہوگیا۔ بہ قول سعدی علیہ الرحمت: ز قدر و شوکت سلطان نگشت چیزے کم الیٰ آخرہ۔ جب حضرت سلطانی وہاں سے مراجعت کر آئے تو باغ دل کشا میں اُس کنچنی کو بلوا کر عیش و سرور کی خوب

دادوی' عن ایضاً (زبدۃ الاخبار)

۲۰۵ ان دنوں حضرت سلطانی مہمّات سلطنت کی طرف کچھ توجہ فرما ہیں۔ اور یہہ بھی ظاہر ہوا ہے کہ وزیر عظیم نواب علی نقی خاں بہادر سے انتظام سلطنت کا بہ وجہ احسن نہیں ہوسکتا، اس واسطے یہہ مرکوز خاطر ہے کہ جو شخص لائق اس منصب بزرگ کے ہو، اس خدمت پر مامور اور ممتاز فرمایا جائے، اور لکھنؤ میں مشہور ہے کہ عن قریب نواب روشن الدولہ بہادر کان پور سے طلب فرمائے جائیں گے اور خلعت وزارت کا عنایت ہوگا، مگر یہہ بات ابھی معتبر نہیں ہے۔ عن زبدۃ الاخبار

۲۰۶ وہاں کے خط سے معلوم ہوا کہ ان دنوں بادشاہ کی طبیعت وزیر سے ناراض ہے، اور ناراضی کے سبب مختلف سُنے جاتے ہیں۔ بہ قول شخصے جتنے مُنہ اتنی باتیں۔ مگر قوی تر سبب یہی ہے کہ وزیر سے ملک کا بندوبست نہیں ہو سکتا۔ حاصلِ مُلک بہت کم وصول ہوتا ہے اور جو کچھ وصول ہوتا بھی ہے تو بے جنگ و جدل نہیں ہوتا اور لڑائی بھڑائی سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے سو فوج کشی میں خرچ ہو جاتا۔ الحاصل وزیر و امیر، عامل و ناظم سے جو ہے سو آلودہٴ غرض ہے، مُلک کی سود و بہبود کر کسی کو کچھ کام نہیں۔ اس صورت میں ملک کا بندوبست کہاں سے ہو۔ از زبدۃ الاخبار۔

اسعد الاخبار میں 'رُپیا' کا املا ہر جگہ روپیہ ہے اور کبھی کبھی اس کے ساتھ فعل جمع آنے پر بھی اس کی جمع نہیں دی اس کی مثالیں غالب کے خطوط میں بھی ملتی ہیں۔



دہلی اور اودھ کے متعلق خبریں نقل کی جا چکی ہیں، اب ہندوستان کے دوسرے حصّوں ممالک اسلامی اور یورپ کے متعلق خبروں کا انتخاب دیا جاتا ہے:

۸۴۔۔ ایک راجا یا رئیس نے پانچ رپے درماہے کا ایک شخص نوکر رکھ کر رزیڈنٹ کے دربار میں برسم وکالت حاضر رہنے کو مقرر کیا اور موکل صاحب خود بھی دربار جایا کرتے تھے۔ ایک دن۔۔ مؤکل خود نہ گئے۔۔ صاحب رزیڈنٹ نے اس سے پوچھا کہ آج تمہارا موکل کیوں نہیں آیا۔ وکیل صاحب اول دفعہ تو کچھ نہ سمجھے خاموش بیٹھے دیکھا کیے صاحب نے دوسری دفعہ پوچھا تو وکیل بہادر نے جواب۔۔ کہا کہ "ہوں" اور اس لطافت سے ادا کیا کہ اس کی کیفیت کا درک سماعت "تلفظ" پر منحصر ہے۔ صاحب رزیڈنٹ نے ان کی "ہوں" سن کر انہیں دربار سے نکلوا دیا۔ جب راجا یا رئیس۔۔ پانچ رُپے کا وکیل دربار میں رکھیں تو بجز ایسے شخصوں کے کون اس مشاہرے پر ایسا عہدہ قبول کرے گا جس کا یہ نتیجہ نکلے۔ از دہلی اردو اخبار۔

۸۵ ۔۔ جس دن سے۔۔ سراج الملک بہادر مہمات وزارت سے دست کش ہوئے ہیں اطراف و جوانب حیدرآباد میں بڑی بے انتظامی ہے۔ چنانچہ نواب اقتضاد الملک کے تعلقے میں۔۔ افاغنہ نے یورش کر کے قلعے کو اپنے تصرف میں کر لیا اور قلعہ دار کو اسیر کر لیا اور دو لاکھ رپے کا مال و متاع جو قلعے میں فراہم تھا سب پر قابض ہو گئے بڑی خرابی اور کشت و خوں سے پھر قلعہ ہاتھ آیا۔ زبدۃ الاخبار

۸۷ ۔۔ محمد وزیر کوتوال ۔۔۔ نے خود پسندی کی راہ سے جوانان عرب کو شہر (حیدرآباد دکن۔ و۔ا) کے دروازہ پر تعین کر کے حکم دیا کہ انگریزوں کو شہر میں مت آنے دو۔ رزیڈنٹ بہادر نے یہ خبر سن کر بندگان عالی کو اطلاع کی۔ حضور کوتوال پر بہت خفا ہوئے اور چار ہزار رپے جرمانہ کیا۔۔ مشہور ہے کہ حضرت بندگان عالی کو نواب سراج الدولہ بہادر کی معزولی سے حسرت و پشیمانی ہے۔ دوسرا کوئی انہیں ایسا نہیں ملتا جو سرانجام امورات کر سکے۔" زبدۃ الاخبار

۹۱ حلیہ دیوان مولراج، "عمر ۳۳ سال کم و بیش پانچ فٹ ساتھ انچھ (کذا) کا قد، دست و پا متوسط گندم رنگ بلند پیشانی، چھوٹی آنکھا د ضع سے وقار و تمکین ظاہر اور چہرے سے عزت و حیا نمایاں ریشمی تارنجی قبا سے اور رنگین پگڑی باندھے تھا، ایک اس کا ماموں سردار پیچھے اور دو گورے اور منیجر بمحر صاحب (کذا) اس کے داہنے ہاتھ۔۔۔"

۱۰۰ ایک اخبار سے معلوم ہوا کہ شاہ خاں ایران نے شاہ مرحوم کے شہزادوں کو اضلاع مختلفہ ایران کے تقسیم کر دیے ہیں اور چونکہ شاہ زادے قریب چار سو کے ہیں، اس لیے خیال کیا جاتا ہے کہ ہر ایک شہر۔ تحت حکومت ان شہزادوں کے ہو گیا ہو گا۔ سو یہ امر انتظام رعایا کے حق میں بہت مضر تصور کیا جاتا ہے کیوں کہ غالباً اب رعایا پر ظلم بہت ہو گا۔" دہلی اردو اخبار۔

..تحتِ حکومت ان شاہزادوں کے ہوگیا ہوگا۔ سو یہ امر انتظام رعایا کے حق میں بہت مضر تصور کیا جاتا ہے کیوں کہ غالباً اب رعایا پر ظلم بہت ہوگا" دہلی اردو اخبار

۱۰۱ مجمع الاخبار سے صاحب زبدۃ الاخبار لکھتے ہیں کہ قیصر روم اور شہنشاہ روس الی مصالحت کی میعاد گزر گئی سو اب شاہ روس نے ..لڑائی پر کمر باندھی ہے اور روس کی تین لاکھ فوج نے قسطنطنیہ کا عزم کیا ہے سلطان روم بھی جنگ کا سامان کر رہے ہیں اور جمیع سلاطین فرنگستان خصوصاً ارکان دولت ملکۂ معظمۂ انگلستان اور وزرائے سلطنت فرانس و اسپین و اسطریہ (کذا) وغیرہ سلطان روم کی مدد کو تیار ہوئے ہیں اور جمیع سلاطین کے ایلچی بیچ بچاؤ کرنے کو آئے ہیں کہ پھر نئے سر سے مصالحت کرا دیں ... اللہ تعالیٰ ان سب کی کوشش کا نتیجہ بخشے اور خلق اللہ کی خوں ریزی نہ ہو اور اگر ان کی سعی کارگر نہ ہوئی تو لڑائی ہوگی اور فرنگستان کے سب سلاطین شاہ روم کی طرف ہو کر روسیوں کی لڑائی میں مردانگی کریں گے۔

۱۰۲ تعبیر خواب مہاراجا رنجیت سنگھ متوفی: صاحب زبدۃ الاخبار مرقوم فرماتے ہیں کہ ہمیں خوب یاد ہے کہ ۱۸۳۳ء میں کلکتہ کے ایک انگریزی اخبار میں لکھا تھا کہ انہیں دنوں مہاراجا.. نے خواب میں دیکھا کہ ایک جوان فریدوں فر با سپاہ بے کراں مشرق سے نکل کر پنجاب پر حملہ آور ہوا اور سکھوں کو متواتر شکست دے کر سارا ملک پنجاب لے لیا اور سکھ لوگ خستہ و زبون ہو گئے اور خود مہاراجہ بھاگ کر آوارۂ دشت و بیاباں ہوا ہے اور ایک پہاڑ کے مغموم کھڑا ہو کر ہر چند روتا چلاتا ہے مگر کوئی اس کی نہیں سنتا۔ مہاراجا.. یہ خواب دیکھ کر بہت پریشان خاطر اٹھا اور مصاحبوں سے یہ واقعہ بیان کیا۔ سب نے دلاسا دی اور خواب کی تعبیر بالعکس بیان کی۔ اللہ تعالیٰ نے سولہ برس بعد اب وہ تماشا دکھا دیا اور اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی کہ لشکر انگریزی کی قوتِ قاہرہ سے تمام ملک پنجاب مسخر و مفتوح ہوا اور سکھوں کی حکومت تمام ہوئی"

۱۰۲ . خبر مدراس: اخبار الحقائق میں مرقوم ہے کہ اس مقام میں لوہے کا راستہ تیار ہونا شروع ہوا ہے مگر مزارعین بسبب نقصان اراضی و کشت کاری کے معترض ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وے لوگ اس کے فوائد سے آگاہ نہیں ورنہ معترض نہ ہوتے۔

۱۰۳ . خبر فرنگستان.. ملکۂ اسپین نے پوپ کی کمک کو اور رعایائے رومن کی تنبیہ کو سپاہ بے کراں روانہ کی ہے کیوں کہ رعایائے رومن نے پوپ کو سلطنت سے خارج کر دیا ہے۔

۱۰۴ . بمبئی: زبدۃ الاخبار میں مجمع الاخبار سے منقول ہے کہ ان دنوں بحر قلابہ کے کنارے ایک سڑی ہوئی مچھلی نکلی... اس کے دونوں دانت مثل دندان فیل منہ سے باہر نکلے (کرم خوردہ) طول اس کا ۹۰ فٹ اور عرض ۲۱ فٹ تھا۔

۱۰۵ . صاحب اخبار الحقائق نے اس جوہر بیش بہا (کوہ نور) کا حال شملہ اخبار سے مفصل لکھا ہے..

احمد شاہ کابل میں لایا، شاہ شجاع الملک کے ہاتھ لگا... جس وقت شجاع الملک نے لاہور میں آکر رنجیت سنگھ کے پاس پناہ لی، رنجیت سنگھ نے شاہ کا کھانا پانی بند کرکے پہرا گھر پر بٹھلا کے یہ ہیرا.. چھین لیا۔ اب وہی.. صاحبان عالی نشان انگریز بہادر نے بہ زورِ شمشیر اُس کی اولاد سے لے لیا اور تمام ممالک پنجاب کو خس و خاشاک سے پاک کرکے عدل و داد سے معمور کیا۔ وہ ہیرا ملکۂ معظمہ کی نذر کو بھیجا جائے گا۔ کیا خوب ہو اگر سرکار یہ حکم دے کہ لیجاتے وقت لاہور سے کلکتہ تک ہر ایک بڑے شہر میں وہاں کے باشندوں کو دکھاتے جائیں..“

۱۰۶ ”کوئی شاہزادہ خاندان تیمور سے کہ اپنے تئیں مرزا سلیمان شکوہ کا بیٹا بیان کرتا ہے، ٹونک مال سے وارد بھوپال ہوا ہے، کربلائے معلیٰ اور مکۂ معظمہ میں جانے کہتا ہے، مختار ریاست نے چالیس روپے زادِ راہ دیے، عمر حضرت کی ساٹھ برس کی ہوگی۔ بدن لاغر اور قویٰ ضعیف ہیں“ مطلع الاخبار

۱۰۷ زبدۃ الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک خط حیدر آباد سے ہمارے پاس آیا ہے، کہ ساہوکاران نامور.. در دولت پر حاضر ہوئے اور... اپنے قرض کا رُپیا مانگا۔ حضور نے ہر ایک کو فہمایش کرکے فرمایا کہ دو مہینے اور صبر کرو.. فوج کے لوگ رات دن دولت پر دھنا دے کر تنخواہ کے لیے واویلا کرتے ہیں۔

۱۰۹ نابھہ: ”نواب گورنر جنرل بہادر.. والی نابھہ کی خدمت گذاری سے بہت خوش ہوئے، کیوں کہ راجا صاحب نے مبلغ ساٹھ (کذا) لاکھ روپے لودھیانہ کے خزانے میں داخل کیے۔ حق تو یہ ہے کہ ممالک پنجاب کے راجوں میں سرکار انگریزی کا ایسا دلی خیر خواہ اور خالص دوست کم ہوگا۔ بندگان نواب گورنر جنرل بہادر نے بھی.. اُن کے القاب میں نسبت سابق تعظیم و تکریم زیادہ فرمائی چنانچہ سابق ”رفعت و عوالی مرتبت خصوصیت و محبت دستگاہ سلمہ ربہ“ لکھا جاتا تھا، اب.. یہ القاب مقرر کیا“ رفعت و عوالی مرتبت استظہار مخلصاں راجا نریندر سنگھ راجا نابھہ سلمہ اللہ تعالیٰ“

۱۰۹ بمبئی: فوائد الناظرین میں ٹیلی گراف سے منقول ہے کہ.. وہاں پانچ لاکھ چھبیس ہزار ایک سو اکیس آدمی تھا۔“

۱۰۹ کلکتہ: سلطان الاخبار مطبوعہ یکم جولائی سے معلوم ہوا کہ حاکمان فوجداری کلکتہ نے حکم دیا ہے کہ کوئی ہتھیار باندھ کر شہر میں نہ نکلے مگر اجازت لے کر اور ہر قوم کے امیر و فقیر ہندو مسلمان اپنے تعزیے اور بت اور برات کو ڈھول اور نقارہ بجا کر نہ نکالیں، خصوصاً دریا کنارے اور بہو بازار اور قصاب ٹولہ اور چورنگی محلے۔ چاروں طرف، کیوں کہ ان مقاموں میں انگریزان نامور رہتے ہیں اور باجے کی آواز سے ان کی طبیعت ملول اور نیند اُچاٹ ہوتی ہے۔“

۱۱۴ فرینس سے ایک فوج واسطے بچانے پوپ کے.. گئی ہے... اہل روم نے اس فوج کو بار بار شکست دی اور یہ بھی سنا جاتا ہے کہ رومیوں نے تمام مکانات عالی کے نیچے نقب کھود دی ہیں اور یہ ارادہ پختہ باندھا ہے کہ در صورت نصیب ہونے شکست کے شہر کو اڑا دیویں گے۔ دیکھا چاہیے کہ شوق آزادی کے یہ معنی ہیں کہ اُس کے حاصل ہونے کی خاطر آدمی جان و مال کا بھی دریغ نہیں کرتا ہے مگر برعکس اس کے بعض جگہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ

مال و دولت کی طمع سے لوگ نعمتِ آزادی کو ہاتھ سے ڈال دیتے ہیں۔ الحقائق

۱۱۴ فہرست آبادی شمالی مغربی اضلاع: دہلی ایک لاکھ، ۳۴ ہزار نو سو ستہتر۔۔ بنارس ۱۰۲۴۴۵۱۔۔ تمام ممالک مغربی میں ایک کروڑ بچانوے لاکھ، ۵۰ ہزار ہندو اور ۳۷ لاکھ سینتالیس ہزار مسلمان ہیں۔

۱۱۵ "نرخ آج جو الحقائق نے لکھا یہ ہے: گندم ۲۴ سیر، نخود ۳۴ سیر، برنج ۱۶ سیر، ارد ۲۰ سیر، مونگ ۲۰ سیر، ارہر ایک من دس سیر، موٹھ ۳۰ سیر، جوار ایک من، باجرا ۳۶ سیر، جو ایک من ۱۰ سیر، سرسوں ۲۱ سیر، تل ۲۰ سیر، مسور ۳۰ سیر۔۔۔"

۱۱۶ اخبار انگریزی سے واضح ہوا کہ روم فرانسیسیوں کے تصرف میں آگیا۔ الحقائق۔

۱۱۸ "پرچہ اسعد الاخبار مطبوعہ ۲۹ رمضان نمبر ۱۱۶ میں مرقوم ہوا ہے کہ روم فرانسیسیوں کے۔۔ تصرف میں آگیا۔ اس کو بعض ناظرینِ اخبار ولایت روم کی خبر سمجھے سو ایسا نہیں بلکہ یہ لفظ روم ایک شہر کا نام ہے جو قوم روما کا ملک، کے پوپ کا دار الحکومت ہے۔۔"

۱۱۹ دیوان سوراج: جزیرۂ سنگاپور میں قید رہے گا کہ مدت العمر وہیں۔ اپنے ملک و دیار کی مفارقت میں۔۔ بسر کرے۔ زبدۃ الاخبار

۱۲۲ فی الحال انگلستان میں ایک ایسی کل بنی ہے جس سے خود بخود روٹی پک کر تیار ہو جاتی ہے۔ الحقائق و تعلیم الخلائق۔

۱۲۶ الحقائق سے واضح ہوا کہ کئی برس سے ایک شخص امریکہ سے برف جہاز پر لاد کر کلکتہ میں لاتا تھا اور دو آنے سیر بیچتا تھا۔ اب ایک اور بھی سوداگر لانے لگا اور اس نے ایک آنے سیر کر دی۔ تعجب کی بات ہے کہ برف سی چیز آٹھ دس ہزار کوس سے کس کس حکمت و احتیاط سے لاتے ہیں اور کیسی سستی بیچتے ہیں۔"

۱۲۷ الحقائق میں مندرج ہے کہ مسٹر اندرسن صاحب نے جو لندن میں ایک بڑا نامور بازی گر ہے ملکۂ معظمہ کے روبرو عجیب عجیب تماشے اور بازیاں کیں۔۔ شاہزادہ البرٹ۔۔ کا رومال لے کر سب کے روبرو آگ میں ڈال دیا۔ رومال جل کر خاک ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں وہی رومال جوں کا توں آگ میں سے نکال کر شاہزادے کے ہاتھ میں دیا۔ دوسری یہ کہ شاہزادے کی ٹوپی اپنے ہاتھ میں لے کر رنگ برنگ کے کھلونے اور انواع اقسام پھول ٹوپی میں سے نکال کر سب کو دکھائے۔ تیسری یہ کہ ایک پیالہ قہوہ سے تمام حاضرین کو پیٹ بھر بھر پلایا اور پیالہ ویسا ہی بھرا رہا۔۔۔ عہد جہانگیر۔۔ میں ہندوستان کے بازی گروں نے حضور شاہی میں بھی ایسی ایسی بازیاں اور شعبدے کیے تھے جو ا۔۔رسن کی بازیوں سے بدائع غریب تر تھے۔ از زبدۃ الاخبار۔ اس تیسری بازی کی کیفیت ہمیں خوش نہ آئی کیوں کہ بازی گران شعبدہ پیشہ کے ایسے کھیل جو بزرگ گزیدہ ایزدی کے اعمال سے مشابہ ہوں، ہمیں پسند نہیں۔ غالب کہ صاحبان پادری ہماری اس رائے کو پسند فرمائیں، کیونکہ اسلئے کہ ایسے کھیل دیکھ کر یہود۔۔ کو حضرت عیسیٰ ۔۔ کے بعض اعمال کی تکذیب کے لیے ایک لاجواب حجت ہاتھ آتی

اور اُن کی گمراہی بڑھتی ہے۔ پس اے مسلمانو اور اے ہنود و عیسائیو تم دنیا کے کھیل کود لہو و لعب میں بہت ہوشیاری سے کام کرو، اپنے اپنے بزرگان دین کے افعال کی نقل کر کے ٹھٹھے اور ظرافت میں مت ڈالو حضراتِ ملوک و امراے والاشان جو بہ ظاہر ایسے امور پر توجہ فرماتے ہیں.. تو اُن کو اسی ذریعے سے غریبوں کی پرورش منظور ہوا کرتی ہے۔

۱۳۰ گوالیار: الحقائق میں مالوہ اخبار سے منقول ہے.. کہ ۲۱ تاریخ کو خریطہ اسمی مہاراجا صاحب کا پڑھا گیا اس میں لکھا تھا کہ مہاراجا صاحب کی مہر کلاں میں "فدوی شاہ عالم بادشاہ" درج ہے سو اب بجاے ان الفاظ کے "فدوی شاہ انگلستان" لکھوانا چاہیے۔

۱۳۷ ۲۶ تاریخ اکتوبر ۱۸۴۹ء کو.. کورٹ آف ڈائرکٹرس میں ایک صاحب نے انگریزوں جلیل القدر میں سے بطور تذکرہ یہ بات بیان کی کہ امیران سندھ کو ناکردہ گناہ مجرم... قرار دے کر اوج حکومت اور ریاست سے گرا دیا اور بہ کمال بے رحمی.. جلا وطن کیا... اگر قصور اُن کا ثابت ہو تو لے لینا اُن کے ملک و مال کا بجا ہے اور اگر اُن کی بے قصوری ظاہر ہو تو.. اُن بے چارے بے گناہوں کو ملک و مال ان کا پھیر دینا اور ہر ایک کو ان کے وطن مالوف میں پہنچا دینا عین عدل و انصاف ہے دہلی اردو اخبار

۱۴۱ حیدرآباد دکن: اُس طرف کی تحریرات سے واضح ہوا کہ شہر صفر سنہ حال کی ۲۹ تاریخ اُس دارالحکومت میں بڑا فساد مچا.. جوانان لشکر مسلح ہو کر آستانِ دولت پر چڑھ آئے اور لوگوں کی آمد و رفت بند کر دی، اور اپنی تنخواہ کے لیے دھرنے کر بیٹھے۔ اُن کی دیکھا دیکھی سائیس اور فیل بان اور رتھ بان بھی اکٹھے ہو آئے اور.. رستہ رک گیا، صبح سے شام تک ایک قیامت مچی رہی، آخرالامر عمدۃ الدولہ بہادر نے ان سب کی تسلی کی اور.. دو دن کا وعدہ کیا.. لیکن، بہ اسباب ظاہر کوئی ایسی صورت نظر نہیں آتی کہ یہ وعدہ صورت ایفا دیکھے، کیوں کہ جب اہالیان سرکار.. نے دو سال تک کچھ تدبیر تقسیم تنخواہ کی نہیں کی تو دو دن میں کیا کریں گے۔ بالجملہ وہاں.. بڑی ابتری اور بے انتظامی ہو رہی ہے۔ زبدۃ الاخبار

۱۴۵۔ جو فتنہ اور فساد کہ آپس میں سلطان روم اور شہنشاہ روس کے واقع تھا بڑی کوششوں اور تدبیروں سے ایلچیان کارداں اور وزیروں خردمند نے باہم صلح کروا دی ...! از زبدۃ الاخبار



۱۴۵ ۔ معلوم ہوتا ہے کہ نواب گورنر جنرل بہادر نے مقرر ہونا بورد ایڈمنسٹریشن ملک پنجاب کا ناپسند فرمایا۔ کس واسطے کہ اس کے انتظام اور بندوبست سے کچھ سرکار کو فائدہ حاصل نہ ہوا۔ غالب ہے کہ جناب شوکت مآب لفٹنٹ ٹامسن صاحب بہادر ملک پنجاب میں بھی مدارالمہام مقرر ہوئیں۔ اخبار النواح۔

۱۴۶ ۔ حیدرآباد دکن: معلوم ہوا کہ باسٹھ لاکھ روپیا سپاہ انگریزی کی تنخواہ کی بابت جو سرکار حیدرآباد کی نوکر ہے۔۔۔ باقی ہے۔۔ ان دنوں صاحب رزیڈنٹ بہادر نے بہ ناچاری کپتان ڈیویسن صاحب کو راجا رام بخش بہادر کے پاس بھیج کر یہ کہلا بھیجا کہ آج تک بہتیرے وعدے ہوئے اور ایک بھی پورا نہ ہوا یہ سب لوگ گھبرائے جاتے ہیں۔۔ زرنقد نہ ہو سکے تو صوبہ برار میں سے تھوڑا سا ملک علیحدہ کر دو کہ اس کے محاصل سے زرقرضہ وصول کر لیا جائے گا۔۔۔ ابھی یہ حال نہیں کھلا کہ حضور والا نے اس باب میں کیا ارشاد فرمایا۔" زبدۃ الاخبار۔

۱۴۷ ۔ خبر مدرسہ اکبرآباد: جمعرات کے دن جناب لفٹنٹ گورنر بہادر نے مدرسے میں تشریف لا کے امتحان سالانہ کی رپورٹ سنی۔۔۔ بعد اس کے پہلے دخانی گاڑی کا بیان کیا گیا اور پھر وہ گاڑی مدرسے کے احاطے کے اندر آہنی سڑک پر چلائی گئی۔۔ صدہا ہندوستانی و انگریز یہ تجربہ دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے۔

۱۴۹ ۔ اخبار النواح میں بہ حوالہ۔۔۔ انگلشمین کے مرقوم ہے کہ نواب رضا حسین خاں والی مرشدآباد کی بی بی بہ عارضہ چیچک فوت ہوئی۔ بی بی کے غم میں نواب صاحب بہادر نے بھی زہر کھا لیا اور یہ بھی لکھا ہے کہ ڈھائی برس ہوئے کہ اس نواب کی والدہ بھی اسی طرح مری تھی۔

۱۵۰ ۔ حیدرآباد: رخلاصہ) امیر امام علی اور میر ببر علی روہیلوں کے جمعدار کے درمیان بڑی خانہ جنگی ہوئی امام علی اپنے ۱۷ ہمراہیوں کے ساتھ مارا گیا۔ زبدۃ الاخبار۔

۱۵۰ ۔ خبر لاہور۔ تبرکات اسلامیہ جو تیمناً توشہ خانہ مہاراجا صاحب میں ہے بہ حکم سرکار انگریز بہادر کے کسی سید کو مرحمت ہوگا۔ زمانۂ سابقہ میں اس تبرکات کے عوض کسی نواب نے کئی لاکھ روپے مہاراجہ صاحب کو دینے تجویز کیے تھے۔ مگر مہاراجا صاحب نے تبرکات کو علیحدہ کرنا پسند نہ کیا تھا۔ اخبار الحقائق۔

۱۵۴ ۔ (خلاصہ) سید قربان علی رئیس اترولی کو ۱۸۴۲ء میں منصفی کی سند ملی تھی ۳ مئی ۱۸۵۰ء کو حکام صدر نے انہیں عہدۂ وکالت صدر عطا کیا۔ وکالت کا کام ہر شخص کر لیتا ہے، لیکن یہ ہر شخص کا کام نہیں کیونکہ وکیل میں قناعت، خلوص، اتحاد یعنی موکل کے فائدے کو اپنا فائدہ اور اس کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھنا، خداترسی، دینداری، علم، متانت، تحریر خوش، تقریر برجستہ و جاذب ظاہری

راست گفتاری یہ سب ہونی چاہییں اور ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے۔ سید قربان علی صاحب "ان سب صفات کے متصف ہیں"

۱۵۵ ۔ اکبرآباد: مرزا حسام الدین بیگ خلف مرزا مغل بیگ مرحوم کا مقدمہ جو بر صیغہ اپیل صدر نظامت میں دائر تھا، تمام ہوا اور ان کے حق میں دورے سے جو سات برس کی قید بامشقت پابہ جولاں کا حکم ہوا ہے سو وہ حکم بحال رہا۔ بڑے افسوس کی بات ہے۔

۱۵۹ ۔ مجمع الاخبار بمبئی میں انگریزی اخبار لندن سے منقول ہے کہ ملکۂ معظمہ کے وزیروں کا اختیار و اقتدار روز بروز کم ہوتا جاتا ہے۔ اور ارباب پارلیمنٹ کے حضور ان کی بات کا کچھ اعتبار نہیں ہوتا اس بات سے سب کو معلوم ہوتا ہے کہ عن قریب ان وزیروں کی تغیر و تبدل ہو اور نئے مقرر ہوں۔ زبدۃ الاخبار۔

۱۶۰ ۔ زبدۃ الاخبار میں مجمع الاخبار بمبئی سے منقول ہے کہ عمدۃ التجار حبیب ابن یوسف نے حاجیوں کی آسائش و آسانی کے لیے دخانی جہاز مقرر کیا ہے جس سے۔۔ ساڑھے تین مہینے میں حج و زیارت سے بہرہ اندوز ہو کر پھر آیا کریں۔ سو ایسا ہوگا کہ غرہ ذیقعدہ ۱۲۶۶ھ کو بمبئی سے جہاز کا لنگر اٹھے گا اور بیسویں پچیسویں تک جدہ میں پہنچ جائیں گے۔۔ جہاز کا کرایہ اس تفصیل سے ہوگا کہ ڈیوسہ کا مقام جو بہت اعلیٰ ہوتا ہے فی سفر ڈیڑھ سو روپیا، اور مقام چھتری فی کس سوا سو روپیا اور بالائے تونک فی نفر پچھتر روپیا۔

۱۶۶ ۔ ان دنوں ڈاکٹروں نے میسمیریزم کا ہنر ایجاد کیا ہے اس سے جس کو چاہیں بے ہوش کر کے غائبات کا حال پوچھ لیں چنانچہ ایک دن اسی ہنر سے ایک لڑکی کو بے ہوش کیا پھر اس سے شہر لیغا اور وہاں کی کلیسیا پھر شہر اس کار برو جو فرنگستان میں بڑا ہی شہر ہے حال پوچھا لڑکی نے سب جگہ کا حال پتا وار بتایا۔ کہتے ہیں کہ میسمیریزم کا کمال یہ ہے کہ جس وقت کسی کو بے ہوش کر کے وہاں سے اس کی آنکھیں باندھ دیں اور جس علم اور جس زبان کی کتاب کو اس کے آگے رکھ دیں وہ اسے پڑھ دے اور اوروں کو اس کا مطلب سمجھا دے۔ زبدۃ الاخبار۔

۱۶۷ ۔ حیدرآباد دکن: نظام الملک نے ایک نہایت عمدہ کوچ اور ایک کرسی ہاتھی دانت کی کہ جس پر تحریر طلا بہت صفائی سے منقوش ہے ملکۂ معظمہ کو بطور تحفے کے بھیجے ہیں۔ (اخبار الحقائق)

۱۸۵ ۔ حیدرآباد دکن: ان دنوں حضرت بندگان عالی نے جمیع اعیان و ارکان سلطنت پر جو ملازم قدیم ہیں تاکید کی ہے کہ سب مل کر اپنی اپنی وسعت کے لائق زر نقد داخل خزانۂ حضور کریں یہاں تک کہ پچاس لاکھ روپے جمع ہو جائیں تاکہ رزیڈنٹ کے تقاضے سے۔۔ نجات حاصل ہو چناں چہ اکثر ملازمین نے روپیا داخل کیا ہے اور راجا رام بخش بہ سزا دل متعین ہیں۔۔۔ راجا اندر کور کا یہ حال ہے کہ روپیا دینا ان پر دشوار ہے۔ زبدۃ الاخبار۔

۱۸۶ ۔ لاہور: مسٹر ایلیٹ صاحب سکرتر اعظم نے تواریخ کی کئی کتابیں بڑی خوش خط مہاراجا رنجیت سنگھ کے کتب خانے

کئی کئی سو روپے کو خرید کی ہیں اور ایک روز صاحب موصوف جناب فقیر سید نور الدین احمد کے گھر جا کر ان کے کتب خانے میں سے چند جلد تواریخ عاریتہً لے آئے۔ اخبار الحقائق

۱۸۷ ۔ صاحب زبدۃ الاخبار تحریر فرماتے ہیں کہ ہم نے سنا ہے کہ اعیان و ارکان سلطنت انگلستان کو منظور ہے کہ گورنمنٹ آگرہ کا اختیار و اقتدار نسبت سابق کے زیادہ تر ہو جائے۔۔ سو نواب معلی جناب امیر کبیر فرماں روائے کشور ہند کو ایما کیا ہے کہ ریاست ہائے عظیمہ راجستان جو زبدا اور ستلج کے اس پار واقع ہیں ان سب کے معاملات کو آگرہ کی گورنمنٹ سے متعلق کر دیں جیسے کہ پہلے بہ عہد حکومت لارڈ منٹگمری صاحب بہادر لفٹنٹ گورنر آگرہ سے متعلق تھے۔ خدا کرے کہ یہ خبر سچ ہو۔۔ بہر اس ملکۂ جلیلہ کے اقتدار کی ترقی موجب آبادی اکبر آباد متصور ہے۔

۱۸۸ ۔ احمد آباد: اخبار آفتاب عالم تاب میں یوں لکھا ہے کہ ایک مہاجن نے واسطے تعلیم ہندو لڑکوں کے ایک مدرسہ قائم کرنا چاہا۔ جب اس بات کی اطلاع صاحب کلکٹر کو ہوئی تو صاحب مذکور نے اس کو بہت تحسین و آفریں کی اور سر دربار راؤ بہادر کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اخبار الحقائق۔

۱۸۸ ۔ حیدر آباد: اخبار انگلشمین میں بہ حوالہ ایک چھٹی آمد حیدر آباد کے مرقوم ہے کہ صاحب رزیڈنٹ بہادر نے نواب نظام الملک بہادر کو واقف کر دیا ہے کہ اگر زر قرضہ تاریخ معہودہ پر ادا نہ ہوگا تو۔۔ صاحب رزیڈنٹ کو حکم ہے کہ پھر اس معاملے میں تحریک نہ کریں عوام کی رائے یہ ہے کہ بعد اس کے کچھ ملک من جملہ قلم رو نواب صاحب بہ سرکار اپنا دخل کرے گی۔ اخبار النواح

۱۹۵ ۔ اکبر آباد: جناب ولایت حسین خاں صاحب بہادر قاضی القضات صدر جو اپنے عہدے سے مستعفی ہو کر بہ حصول پنشن تعلقات سے کنارہ کش ہوئے ہیں ان کی جگہ مولوی محمد اسد اللہ صاحب مفتی عدالت فتح پور مقرر ہوں گے۔ زبدۃ الاخبار۔

۲۰۱ ۔ حیدر آباد دکن: کورٹ آف ڈائرکٹرس نے ملک حیدر کو شامل کرنا ممالک سرکاری میں نامنظور کیا۔ اخبار النواح۔

۲۰۴ ۔ جو تحفے کہ راجا گلاب سنگھ نے لاٹ صاحب کو پیش کش کیے تھے لاہور میں سب کا نیلام ہو گیا۔ دہلی اردو اخبار۔

۲۰۵ ۔ ان دنوں ڈاکٹر سپرنگ صاحب پرنسپل مدرسہ کلکتہ نے چاہا تھا کہ علم طبیعی اور جغرافیہ اور فارسی اور اردو طلبہ کو سکھایا جائے لیکن طلبہ نے نہ مانا اور مقابلہ کیا۔ ارباب کونسل تربیت نے اس بات پر۔ سرکش لڑکوں کو مدرسے سے نکال دیا۔ لیکن وہ بہ ہیئت مجموعی اکڑ اپنی اپنی جگہ پر بہ زور بیٹھ گئے اور آخر کار ارباب پولس نے انہیں نکال دیا۔ دہلی اردو اخبار

۲۰۶ ۔ حیدر آباد دکن کے خط سے واضح ہوا کہ ظفر یار جنگ کی مین کے سپاہیوں نے کئی برس تنخواہ نہیں پائی تھی لاچار تنگ ہو کر۔۔ در دولت پر مجمع کر کے داد فریاد کرنے لگے۔ ان کی دیکھا دیکھی لشکر کے اور لوگ بھی مثل افغانوں اور سکھوں کے جو تنخواہ کو ترستے تھے۔۔ در دولت پر حاضر ہوئے ۔۔۔ حق بہ جانب لشکر یوں کے ہے کہ جب برسوں سے تنخواہ نہ پائیں تو

بھوک کے مارے بلوہ نہ کریں تو کیا کریں۔ لیکن بندگان عالی نے ان بیچاروں کے حال تباہ پر رحم نہ کرکے حکم دیا کہ ان لوگوں کو دولت سے نکال دو۔ جب وہ نہ نکلے تو توپ خانہ منگوا کر اڑا دینے کا حکم دیا اور ایک باڑ بھی چلوا دی کئی آدمی چھرے سے اڑ گئے۔ باقی ماندوں نے جب یہ حال دیکھا تو اپنی اپنی جھاؤنیوں کو چلے گئے۔ بعد ازاں حضرت نے حکم دیا کہ ان لوگوں کو موقوف کردو اور تنخواہ دے دے کر نکال دو۔ زبدۃ الاخبار

(۵۰) شہر کلکتہ کے نافہم لوگوں میں مشہور ہے کہ ڈاکٹری مدرسے میں موٹے اور جسیم آدمیوں کو پکڑ کر خون اور چربی اور مغز نکالتے ہیں کہ اس سے کچھ ایسی نئے بنائیں گے جس سے ملتان فتح ہو جائے سو اس خوف سے جسیم اور فربہ آدمی چھپے پھرتے ہیں۔ ایک دن چند کہاروں کے پکڑنے کو برقنداز دوڑے۔ کہار ڈرے کہ ہمیں چربی نکالنے کو پکڑیں گے بازار کی طرف بھاگے وران کے بھاگنے اور غل شور کا ہنگامہ برپا ہوا کہ بازار لٹ گیا۔ واہ کلکتہ کے لوگ بھی کتنے بیوقوف ہیں۔ سلطان الاخبار ۱۳ دسمبر

(۹۴) اس طرف کے اخبارات سے معلوم ہوا کہ جزیرۂ امریکہ میں ایک ملک ہے مکسیکو وہاں کے رہنے والوں اور امریکہ کے لوگوں میں ایک سال سے لڑائی تھی آخر اہل امریکہ غالب آئے، اور ایک ملک کالیفورنیا چھین لیا۔ وہاں ایک دن ایک سوداگر نے کسی کام سے گڈھا کھودا، سو مٹی میں سونے دانے نکلے۔ لوگوں کو تعجب ہوا۔ سوچنے لگے کہ شاید یہاں سونے کی کھان (کذا) ہو۔ تلاش و جستجو کی تو ایک خطہ پچاس کوس لنبا اور اسی قدر چوڑا ایسا پایا گیا اس میں جہاں کھودا خالص سونے کے دانے نخود کے برابر سے لے کر آدھ سیر کے ٹکڑوں تک نکلے ... سرکار انگریز بہادر نے اب تک اس ملک کا بندوبست نہیں کیا کیونکہ پایہ تخت سے بہت دور اور نیا قبضے میں آیا ہے، غالب کہ چند روز بعد کچھ بندوبست کیا جائے۔



۱۰۸ : (خلاصہ) اخبار الحقائق کے حوالے سے لکھا ہے کہ موراج کے مقدمے کی کارروائی اُردو میں ہوتی تھی (بعض الفاظ کم رخلاصہ)

۱۱۵ : زبدۃ الاخبار میں دہلی اُردو اخبار سے مرقوم ہے کہ .. لاہور سے عن قریب اس مضمون کے اشتہار جاری ہوں گے کہ پنجاب کی ساری رعیت .. ہتھیار - سرکار میں داخل کرے اور جو یکم اکتوبر سنہ حال تک کسی کے گھر میں ہتھیار نکلیں گے اُسے سزا ہو گی اور قید کیا جائے گا۔

۱۱۵ : حکام الہ آباد نے بہ نظر دور اندیشی کوتوالی الٰہ آباد کی ایک انگریز کو دی ہے' اس واسطے کہ وہ طرفدار نہ مسلمان کا ہوگا نہ ہندؤوں کا - اور کوتوال حال نے حکم دیا ہے کہ جامع مسجد میں .. لوگ بھیڑ بھاڑ سے نماز پڑھنے نہ پائیں - باعث اس حکم کا فساد سال گذشتہ ہے .." (اخبار الحقائق -

۱۱۷ : زبدۃ الاخبار میں مرقوم ہے کہ رمضان کی ۱۰ ار .. کو صاحب رزیڈنٹ بہادر حسب الطلب .. دربار میں تشریف لے گئے اور دو گھنٹے تک .. مشورہ کرتے رہے - اس خلوت میں نواب وزیر الممالک شمس الامرا بہادر بھی باریاب نہ ہونے پائے .. جب صاحب ممدوح رخصت ہو گئے حضور والا نے نواب شمس الامرا کی نسبت حکم دیا کہ آج سے تم اپنے تئیں معزول سمجھو اور اپنے گھر بیٹھو' دربار میں آنا ضرور نہیں .."

۱۲۲ : " .. دانایان فرنگ نے اب نئی وضع اور انداز کا اوزار چھاپنے کا ایجاد کیا ہے .. نئی کل بلا وسیلے آدمی کے خود بہ خود بہ زور دخان کے چلتی ہے اور ۲۵ ہزار سے کم کا غذ ایک دن میں نہیں نکلتا

۱۲۸ : خبر حیدر آباد : جماعت افغان نے .. جو قدیم نوکر ہیں' تنخواہ کا تقاضا کر کے .. در دولت پر مستعد خون ریزی ہوئے .. بعض سرداران صلاح اندیش نے .. دم دلاسا دے کے در دولت سے ٹالا۔ راجا رام بخش نے ساٹھ لاکھ روپیا جو بندگان عالی کو نذرانہ دینا مقرر کیا ہے اُس کی ادا کا دو مہینے وعدہ کیا ہے۔

۱۴۰ : اُسی مہینے (فروری ۱۸۵۰ء) کی ۱۸ ر تاریخ کو شاہ سلطان بخش صاحب .. جو دنیا و مافیہا سے دست بردار اور بڑے عامل زبردست تھے .. طرف ملک بقا کے روانہ ہوئے .. نعش .. بہ سبیل ڈاک (دلی) کھڑکھڑیا روانہ فرخ آباد ہوئی۔"

۱۴۱ : رعایائے کشمیر مہاراجا گلاب سنگھ .. کے ہاتھوں بہت تنگ آ گئی ہے .. محصول .. مال اور زمین وغیرہ پر اب دوگونہ لیا جاتا ہے - شال بافوں پر تو یہ تباہی آئی ہے کہ بھٹی پرانی کملی بھی اُن کے پاس نہیں رہی - کہتے ہیں کہ مہاراجا .. شال اور چاول .. آدھی قیمت پر مول لے کر دور دور ملکوں کو بھیج دیتے ہیں - (خلاصہ : شکایت کا کوئی اثر نہ ہوا - مہاراجا نے یہ جواب دیا کہ اگر اس طرح تم راضی نہیں تو انگریزی کلکٹر تم پر مقرر کرا دیں گے ؛ زبدۃ الاخبار -

۱۴۲ : خلاصہ : زبدۃ الاخبار میں مجمع الاخبار کے حوالے سے لکھا ہے کہ کلکتہ میں ایک نیا قانون مرتب ہوا ہے کہ تبدیل مذہب سے کوئی شخص محروم الارث نہیں ہو سکتا۔ اس قانون کے جاری ہونے میں بڑی بڑی قباحتیں ہیں۔ لوگ اس کی تردید و تنسیخ کی کوشش کرتے ہیں۔

اسعد الاخبار خبروں کی بہم رسانی کی کوئی خاص کوشش نہیں کرتا تھا۔ مقامی خبروں کو چھوڑ کر اس کی قریب قریب کل خبریں دوسرے اردو اخباروں سے ماخوذ ہوتی تھیں۔ قمر الدین خاں غالباً انگریزی نہیں جانتے تھے اس لئے انگریزی اخباروں سے براہِ راست استفادہ بھی ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ اسعد الاخبار میں بظاہر اس کا التزام تھا کہ کسی اخبار سے کوئی خبر بغیر حوالہ دیے ہوئے نقل نہ ہو۔ اس کے دفتر میں غالباً کل اردو اخبار بھی نہیں پہنچتے تھے۔ اکثر خبروں کے آغاز میں اس قسم کا کوئی فقرہ نظر آتا ہے۔ "فلاں اخبار میں فلاں اخبار سے مرقوم ہے"۔ خبریں اکثر باسی ہوا کرتی تھیں، اور اس میں ان کے لیے اتنی کم جگہ تھی کہ اکثر اہم خبریں چھوٹ جایا کرتی تھیں۔ صرف اس اخبار کو پڑھ کر کوئی شخص اپنے ماحول سے باخبر رہنے کا مدعی نہیں ہو سکتا تھا۔ اسعد الاخبار کو بیرونِ ہند کی بہ نسبت ہندوستان سے زیادہ دلچسپی تھی، اور برطانوی ہند کے مقابلے میں یہ اخبار دیسی ریاستوں کی خبریں زیادہ دیا کرتا تھا۔ جنگ کی خبریں بھی بالالتزام دی جاتی تھیں۔ یورپ کی خبریں باوجود اس کے کہ یورپ میں اس زمانہ میں سیاسی بے چینی بہت زیادہ تھی، کم ملتی ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ اس عہد میں ہندوستانی یورپ کے حالات سے اس قدر کم واقف تھے کہ تشریح و تفسیر کے بغیر خبروں کو سمجھ بھی نہیں سکتے تھے۔ ممالک اسلامی کی خبروں سے کسی غیر معمولی دلچسپی کا اسعد الاخبار سے پتا نہیں چلتا۔ باوجود اس کے کہ وہ زمانہ روم و روس کی لڑائی کا تھا، اس جنگ کی کم خبریں اس اخبار میں ملتی ہیں۔ عجائب و غرائب اور جدید ایجادات کا ذکر اخبار میں بہت ہے۔ اور خبروں کے کالموں سے وکلا اور حکام کی مدح سرائی کا بھی کام لیا جاتا تھا۔ اسعد الاخبار میں مقالات افتتاحی نہیں ہوتے تھے۔ کبھی کبھی خبروں کے ساتھ رائیں بھی ہوا کرتی تھیں، ان کا نمونہ اوپر گزر چکا ہے۔

اسعد الاخبار کو سیاسیات سے (حکام کی وقتاً فوقتاً مدح سرائی کے سوا، اور یہ بھی زیادہ نہیں) دلچسپی نہ تھی۔ لیکن بعض دوسرے اخباروں کی رائیں جو اس اخبار میں نقل ہوئی ہیں اُن سے پتا چلتا ہے کہ سیاسی آزادی کے تصور سے لوگ قطعاً نا آشنا نہ تھے۔ انگریزوں کی زر پرستی اور ہوسِ ملک گیری سے بے خبر نہ تھے، گو محض دبی زبان سے اس کا ذکر کرتے تھے۔ دیسی ریاستوں میں رعایا پر جو ظلم ہوتا تھا، اس کے متعلق زیادہ آزادی کے ساتھ اظہار خیال کیا جاتا تھا۔

ذیل کے اقتباسات سے یہ معلوم ہوگا کہ اس اخبار میں ادبی دلچسپی کا کیا کیا سامان ہوتا تھا، اور ادب یا ادیبوں سے متعلق کون کون سی خبریں شایع ہوئی تھیں :

میرزا غالب ۹۲ : ۹۳ میں پنج آہنگ غالب کا منظوم اشتہار درج ہے۔ اس کے متعلق مہتمم اسعد الاخبار کا بیان ہے کہ "یہ اشتہار بسبیل ڈاک میرے ایک مخدوم والا شان نے واسطے درج کرنے اخبار کے میرے پاس بھیجا" یہ اشعار بظاہر غلام نجف (حکیم غلام نجف خاں) کے ہیں۔ لیکن اُن کے شاعر ہونے کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔ عجب نہیں کہ یہ اشعار خود میرزا غالب کے ہوں۔" نقل اشتہار منظوم طبع پنج آہنگ نثر مصنفۂ حضرت مرزا اسد اللہ خاں صاحب بہادر غالب جو اپریل مہینے میں قیمت بھیجے تین روپے اور جو اس کے بعد بھیجے گا چار روپے دینے پڑیں گے۔ نظم:

مژدہ اے رہ روانِ راہِ سخن — پایہ سنجانِ دستگاہِ سخن
طے کرو راہ شوق زود از زود — آن پہنچی ہے منزلِ مقصود
پاس ہے اب سوادِ اعظمِ نثر — دیکھیے چل کے نظمِ عالمِ نثر
سب کو اس کو سواد ارزانی — چشم بینش ہو جس سے نورانی
یہ تو دیکھو کہ کیا نظر آیا — جلوۂ مدعا نظر آیا
ہاں یہی شاہ راہ دہلی ہے — مطبع بادشاہ دہلی ہے
منطبع ہو رہی ہے پنج آہنگ — گل و ریحان و لالہ رنگا رنگ
ہے یہ وہ گلشن ہمیشہ بہار — بار ور جس کا سرو گل بے خار
نہیں اس کا جواب عالم میں — نہیں ایسی کتاب عالم میں
اس سے انداز شوکت تحریر — اخذ کرتا ہے آسمان کا دبیر
مرحبا طرز نغز گفتاری — حبذا رسم و راہ نثاری
نثر مدحت سرائے ابراہیم — ہے مقرر جو اب پے تعلیم
اس کے فقروں میں کون آتا ہے — کیا کہیں کیا وہ راگ گاتا ہے
تین نثروں سے کام کیا نکلے — ان کے پڑھنے سے نام کیا نکلے
ورزش قصۂ کہن کب تک — داستان شہہ دکن کب تک
تا کجا درس نثر ہائے کہن — تازہ کرتا ہے دل کو تازہ سخن
تھے ظہوری و عرفی و طالب — اپنے اپنے زمانے میں غالب
نہ ظہوری ہے اور نہ طالب ہے — اسد اللہ خاں غالب ہے
قول حافظ کا ہے بجائے درست — ہر کرا پنج روز نوبت اوست
تھے وہ سر گرم خود نمائی سے — شمع بزم سخن سرائی سے
آج یہ قدر دانِ معنی ہے — پادشاہ جہانِ معنی ہے

نثر اُس کی ہے کارنامۂ راز　　نظم اُس کی نگارنامۂ راز
دیکھو اس دفترِ معانی کو　　سیکھو آئین نکتہ دانی کو
اس سے جو کوئی بہرہ ور ہو گا　　سینہ گنجینۂ گہر ہو گا
ہو سخن کی جسے طلب گاری　　کرے اس نسخے کی خریداری
آج جو دیدہ ور کرے درخواست　　تین بھیجے رُپے و بے کم و کاست
منطبع جب کہ ہو چکے گی کتاب　　زرِ قیمت کا ہو گا اور حساب
چار سے پھر نہ ہو گی کم قیمت　　اس سے لیویں گے کم نہ ہم قیمت
جس کو منظور ہو کہ زر بھیجے　　احسن اللہ خاں کے گھر بھیجے
وہ بہارِ ریاضِ مہر و وفا　　جس کو کہتے ہیں عمدۃ الحکما
ہیں جو ہوں درپے حصولِ شرف　　نام عاصی کا ہے غلام نجف
ہے یہہ القصہ حاصلِ تحریر　　کر نہ ارسالِ زر میں ہو تاخیر
چشمہ انطباع جاری ہے　　ابتدائے ورق شماری ہے"

دیوانِ تفتہ ۱۸ : ان دنوں دیوانِ تفتۂ سکندر آبادی اس مطبع میں چھپنا شروع ہوا ہے اور یہہ دیوانِ تفتہ وہی دیوان ہے جس کا اشتہار اخبار ہٰذا میں اواخر ۱۸۴۷ء میں دیا گیا تھا۔ بسبب عدم فرصتی کے اب تک ملتوی رہا۔۔ شعرائے متاخرین میں ایسا فارسی کلام کسی کا کم دیکھنے میں آیا۔ اس کی فصاحت کے اعتبار سے اگر تفتہ کو صائب وقت اور اُس کے وطن سکندر آباد کو اصفہان کہیے تو بجا ہے اور اس کا چھاپا اس کیفیت سے ہوتا ہے کہ ولایتی پیپر" کا غذ نہایت شفاف و آب دار اور اکیس سطر کا صفحہ بہ خط نستعلیق بہ قلم متوسط لکھا جاتا ہے۔ اس کی ضخامت ۲۵ جزو سے زیادہ ہو گی اور اشعار پندرہ ہزار سے زیادہ ہیں۔۔ اس کی قیمت بالفعل چار رپے ہیں اور آج سے دو مہینے کے بعد چار رُپے آٹھ آنے اور پھر دو مہینے کے بعد پانچ رُپے ہو جائیں گے ... درخواست مع قیمت کے اس مطبع میں بھیج دیں۔ دیوان موصوف بعد اختتام طبع۔۔ بہ سبیل ڈاک بہ صیغۂ بیرنگ بھیجی جائے گی (کذا) اور اس دیوان میں)۔۔ ہر غزل دو غزلہ ہو" (ایک زمین کی دو غزلیں دی ہیں۔ دوسری غزل کا مقطع یہہ ہے:

ساقی بیار مے کہ من تفتہ ام کنوں　　نواب عہد خویشم و با خانم آشنا

لفظ "خانم" کے متعلق لکھا ہے کہ دریں لفظا چہ خوش ایہام ست۔ یہہ اطلاع بھی ملتی ہے کہ منشی محمد ظہور علی خاں صاحب بہادر نائب و مختارِ کل ریاست ٹونک نے دیوان کے چھپوانے میں مالی مدد دی تھی۔ اور رائے جگل کشور وکیل محکمۂ عالیہ صدر دیوانی نے بہ نظر اعانت مصارف طبع ۲۰

جلدوں کی قیمت اشاعت سے پیشتر ادا کردی تھی) نمبر ۱۱۶ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰ اگست ۱۸۴۹ء تک دیوان ربع سے کچھ زیادہ چھپ چکا تھا۔ یہہ بھی لکھا ہے کہ" اسداللہ خاں غالب دہلوی تو اس کے بہت ہی ثنا خواں ہیں" نمبر ۱۲۸ سے پتا چلتا ہے کہ بارھویں نومبر ۱۸۴۹ء تک ۳۰۴ صفحے چھپ چکے تھے۔ اس نمبر میں نمونۂ کلام بھی ہے

غلام امام شہید: نمبر ۱۱۶ میں یہہ خبر درج ہے، بہ ظاہر اس کا تعلق اس مقدمے سے ہے جس کا ذکر نمبر ۱۲۶ وغیرہ میں ہے: ۱۰ اگست کو محکمۂ صدر دیوانی میں نو اشخاص بڑے ذی عزت کہ بعض اُن میں اپنے عہدے کی رو سے سررشتے کے ایک رکن رکین تھے، مراد آباد کے کسی مقدمے میں بہ اشتباہ رشوت ستانی حوالات میں گئے اور کہتے ہیں حکم یہہ ہوا ہے کہ تحقیقات کے لیے مراد آباد بھیجے جائیں۔ امید کہ بعد تحقیقات کے بہ ثبوت بے جرمی کے رہائی پائیں" ۱۲۵ "ہولسن صاحب بہادر کلکٹر و مجسٹریٹ مراد آباد اکبر آباد میں داخل ہوئے۔ کہتے ہیں کہ اب یہاں رہ کر عملۂ صدر کے مقدمات کی تحقیق کریں گے"
۱۲۶ ہولسن صاحب .. جس کام پر .. مامور ہوئے ہیں اُس کی تحقیقات میں سرگرم ہیں"۔
۱۳۴ منشی رسول بخش اور نہال الدین محرر نے جو عملۂ صدر سے مراد آباد کی فوج داری میں ماخوذ ہوکر دورہ سپرد ہوئے تھے دورے سے سزا پائی۔ منشی موصوف چار سال کی میعاد اور محرر مذکور کو تین سال کو بلا مشقت قید ہوئی۔ اور اور لوگ جو ہولسن صاحب کے حسب الطلب مراد آباد گئے ہیں اُن کا مقدمہ وہاں درپیش ہے۔ نہیں معلوم انجام کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ انجام بخیر کرے"
۱۴۷ " یہہ کمترین .. (یعنی مہتمم اسعد الاخبار) جو بہ تقریب ادائے شہادت نیک معاشی مولوی آل حسن صاحب منصف کے مراد آباد کو گیا تھا سو بعد ادائے شہادت مراد آباد سے رخصت ہوکر ہفتۂ گذشتہ میں وارد اکبر آباد ہوا" ۱۴۸ "عمال صدر کا مقدمہ جو مراد آباد میں دائر تھا صاحب سشن جج کے محکمے میں اس نہج سے فیصل ہوا۔ مولوی غلام جیلانی صاحب وکیل صدر و مولوی غلام امام صاحب پیش کار و منشی محمد قاسم صاحب مسل خواں تین سال، اور مولوی بدر الحسن صاحب مسل خواں اور مولوی آل حسن صاحب منصف دو دو سال۔ اب ان صاحبوں کا اپیل صدر میں دائر ہوا اور مسل مقدمہ مراد آباد سے صدر میں طلب ہوئی۔ اللہ اپنے فضل و کرم سے سب صاحبوں کو بری کرے" ۱۵۲ (۲۶ مئی ۵۰ء) " عملۂ صدر ماخوذہ مراد آباد کا مقدمہ جو صدر نظامت آگرہ میں اپیل ہوا تھا، اس میں تین شخصوں کی بہ اتفاق رائے دو حاکم کے رہائی ہوئی، وہ تینوں اشخاص یہہ ہیں: مولوی سید آل حسن صاحب منصف، مولوی غلام امام صاحب شہید پیش کار صدر، منشی محمد قاسم صاحب مسل خواں صدر۔ اب تین اشخاص مولوی غلام جیلانی صاحب وکیل صدر و منشی سراج الدین صاحب پیش کار و مولوی بدر الحسن صاحب مسل خواں جو باقی رہے، بفضلہ تعالیٰ

حاکم سوم کی رائے سے یہ بھی رہائی پائیں گے" ۱۵۵ "مولوی سید آل حسن .. و منشی سید محمد قاسم .. جنھیں .. رہائی ہوئی ہے داخل اکبر آباد ہوئے۔ اغلب کہ اب اپنے اپنے کام پر بحال ہوں۔ مولوی غلام امام صاحب .. بالفعل مراد آباد سے رام پور کو چلے گئے ہیں، جس وقت کہ یہاں آئیں گے غالباً وہ بھی اپنے کام پر بحال ہوں گے" ۱۵۶ "مولوی غلام جیلانی .. اور منشی سراج الدین .. اور مولوی بدر الحسن .. کے حق میں فیصلہ ضلع کا بحال رہا۔ اکثر اشخاص اس سانحے کا ملال و افسوس کرتے ہیں۔ اب ظاہراً ان کی بریت کی بجز اس کے کہ فضل ایزدی شامل حال ہو اور اپیل ولایت سے رہائی کا حکم ہو اور کون صورت باقی ہے۔ اللہ ان بزرگواروں کی مشکل آسان کرے"۔

گلدستۂ انجمن مصنفہ منشی واجد علی خاں صاحب مہتمم زبدۃ الاخبار۔: ۹۰ "ہر ایک خاص و عام پر ظاہر ہے کہ ایک مدت سے حکام وقت کی کچہریوں میں تحریر زبان اردو کی جاری ہے اور کاغذات معاملات و مقدمات دیوانی و فوج داری و کلکٹری اسی زبان میں لکھے جاتے ہیں اور تحریر فارسی یک قلم موقوف ہوگئی ہے مگر اہل دفتر کہ نوشت و خواند فارسی کے عادی تھے جو کچھ مطلب اور مضمون زبان اردو میں لکھتے ہیں وہ بعینہٖ گویا ترجمہ فارسی کا ہوتا ہے اور اردو کے محاورے اور روز مرے کے بالکل خلاف ہے۔ اگرچہ زبان اردو زبان اہل ہندوستان کی ہے مگر تحریر اور تقریر میں بہت فرق اور تفاوت ہے .. ہر ایک زبان کے اہل علم جب کچھ مطلب لکھتے ہیں تو بہ نسبت ان کی تقریر کے تحریر کی فصاحت اور بلاغت کچھ اور ہی ہوتی ہے اور وہ بغیر پڑھے کسی کتاب کے کہ جس میں قاعدے اور اصول اور محاورات اور اصطلاحات اور کنایات وغیرہ منضبط ہوں ہرگز حاصل نہیں ہوتی۔ زبان اردو میں بہت سی مثنویاں اور دیوان اور قصے کہانی کی کتابیں تصنیف ہوئیں اور ان کتابوں میں مصنفوں نے محاورات .. کو بڑی خوبی و لطافت سے بیان کیا ہے مگر ایسی کوئی کتاب آج تک تصنیف نہیں ہوئی کہ جس کے پڑھنے سے جو لوگ کہ زبان اردو سے ناواقف ہیں اور شوق سیکھنے کا رکھتے ہیں ان کی زبان درست اور آراستہ ہو اور محاورات سے بہ خوبی واقف ہوں اور جو کہ محاورات اردو سے واقف ہیں ان کی بھی آنکھیں کھل جائیں۔ اس واسطے اس خاکسار .. مہتمم زبدۃ الاخبار نے ایک کتاب کہ جس سے وہ سب فائدے حاصل ہوں تصنیف کی اور نام اس کا گلدستۂ انجمن رکھا ہے۔ خوبی اور لطافت اس کتاب کی دیکھنے پر موقوف ہے اگر ہم کچھ اپنی زبان سے بیان کریں تو مناسب اور زیبا نہیں ہے ... اور اس کتاب کی تیرہ سطر کے صفحوں سے بیس جز کی ضخامت ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس ہفتے سے مطبع زبدۃ الاخبار میں اس کتاب کا چھاپا شروع ہوگا اور کوئی مانع پیش نہ آئے تو دو ڈھائی مہینے میں چھپ کر تیار ہو جائے گی ... قیمت اس کی آج کی تاریخ سے پندرہویں (کذا) مارچ سنہ حال تک کہ

ایک جہینا کامل ہو چار رُپے ہیں اور بعد اس کے کچھ بڑھ جائے گی.. اس کتاب کو اسی قیمت قلیل میں نہایت ارزاں سمجھیں.. اس کی خریداری سے دریغ نہ فرمائیں کہ اس خاکسار نے کیا کیا خون جگر کھاکر.. اس گوہر بے بہا کو مرتب کیا ہے اور لوگوں کے فائدے کے واسطے قیمت اس کی کم کرکے نقصان اپنے ذمے لیا ہے. اگرچہ میر انشاء اللہ خاں مرحوم نے ایک رسالہ کہ نام اس کا دریائے لطافت ہے محاورات اُردو میں تصنیف کیا ہے اور جان گلکرسٹ صاحب نے چند اوراق قواعد صرف و نحو اُردو میں لکھے ہیں. اگر ہم اس کی شرح کریں تو زیبا نہیں، مثل مشہور ہے چھوٹا منہ بڑی بات مگر جنھوں نے دریائے لطافت اور رسالۂ جان گلکرسٹ کو ملاحظہ فرمایا ہے جب اس گلدستۂ انجمن کو بچشم انصاف مطالعہ فرمائیں گے تو اس وقت حقیقت ہر ایک کی اُن پر بخوبی ظاہر اور روشن ہو جائے گی. تفصیل اس کتاب کے بابوں کی. پہلے باب میں حروف تہجی کے قاعدے ہیں اور ہندی کے مصدروں کا بیان ہے. دوسرے باب میں ہندی شلوں کا بیان ہے جو اہل اُردو کے محاورے میں آتی ہیں تیسرے باب میں مصدروں اور لغات محاورہ کے معنیوں (کذا) کا بیان ہے. چوتھے باب میں اصطلاحات اور کنایات کا بیان ہے پانچویں باب میں ہندی صرف و نحو کا بیان ہے. چھٹے باب میں علم معانی و بیان کا ذکر ہے. ساتویں باب میں علم حساب کا بیان ہے. آٹھویں باب میں مراسلات و مکاتبات ہیں نویں باب میں دلی اور لکھنؤ کے ہر ایک فرقے کے محاورات کا بیان ہے" ۹۱ اس نمبر میں مہتمم اسعد الاخبار نے گلدستۂ انجمن کے متعلق کچھ لکھا ہے. اس کے چند فقرے یہ ہیں: "تحصیل قواعد زبان اُردو کے لئے ایسی کتاب اب تک دیکھنے میں نہیں آئی.. مخفی نہ رہے کہ زبان اُردو کا عجب حال ہے اگرچہ یہ زبان اہل ہند کی بولی ہے مگر اس کی تحریر میں اکثر اشخاص عاری ہیں" "مولوی منشی واجد علی خاں صاحب نے جن کے علم و فضل اور ہمہ دانی کا حال ہندوستان میں ہر فرد بشر خصوصاً اہل علم پر اظہر من الشمس ہے ایسی کتاب تصنیف کی کہ گویا اُردو کی شاہ راہ میں ایک چراغ روشن کر دیا" (۲۱ و ۲۴ ستمبر ۱۸۴۹ء) : اس نمبر میں کتاب پر تبصرہ مہتمم اسعد الاخبار کی طرف سے ہے. معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا انطباع حسب وعدہ دو مہینوں میں نہ ہو سکا. چند فقرے یہ ہیں" گلدستۂ انجمن.. جو.. باہتمام جناب مصنف کے طبع ہوتی تھی اور کئی بار اخبار ہذا میں اس کے اوصاف حمیدہ سے کچھ کچھ مرقوم ہو چکا ہے اب.. اختتام کو پہنچی. ساری کتاب تیرہ سطر کے صفحے سے ۲۷ جز کی ضخامت ہوئی... پہلے باب میں حروف تہجی اور مصادر ہندی کا بیان ہے. دوسرے میں ضرب المثل ہندی تیسرے میں مصادر و لغات ہندی. چوتھے میں اصطلاحات و کنایات اردو پانچویں میں تذکیر و تانیث لغات عربی و فارسی و ہندی بموجب محاورہ اردو چھٹے میں اردو صرف و نحو. ساتویں میں علم معانی و بیان. آٹھویں میں حساب کے اصول و ضوابط. نویں میں علما و حکما و شعرا وغیرہ کے محاورات. دسویں میں آداب تحریر مراسلات و مکاتبات علی حسب مراتب

.. جناب مصنف کی ہمت اور سیر دلی یہاں تک ہے کہ ہر چند کہ ضخامت دونی ہوگئی لیکن .. وہی پہلی قیمت رکھی"۔ ۱۲۲۔ اس نمبر میں گلدستۂ انجمن سے ایک خط بہ طور نمونہ نقل کیا گیا ہے:

میر صاحب عالی قدر سلامت، ایک ہنگی آنب (کذا) جو بہ کمال شفقت سیکشن کہار کے ہاتھ آپنے بھیجا ہے بہ سلامت پہنچے۔ رقعے میں جتنے دانے کہ شمار میں لکھے تھے وہ سب گنتی میں درست نکلے حق یہہ ہے کہ کہار ہنگی کو بڑی خبرداری سے لایا کہ ایک دانے کو بھی اُن میں سے ضائع و خراب ہونے دیا سبحان اللہ کیا خوب آنب ہیں کہ اُن کی شادابی و چاشنی کے بیان سے مُنہ میں پانی بھر آتا ہے اور حلاوت و شیرینی کے بیان میں لبیہ لب وصل ہوجاتا ہے۔ اگر حوران بہشتی دنیا میں آکے ایک قاش اُس کا کھائیں تو اس قدر محو لذت ہو جائیں کہ دنیا سے بہشت بریں کو ہرگز پھیر (کذا) نہ جائیں۔ سیندریا اگرچہ چاشنی دار و نہایت لذیذ ہے مگر ہر پل کچھ اور چیز ہے۔ اس لطف و ذائقہ کا آنب آج تک اس دیار میں کھانے میں نہیں آیا اور نہ کسی جگہ سُراغ و نشان اُس کا پایا۔ وصف میں اُس کے دل میرا مسرور ہے اور ادائے شکر میں اس نعمت کے زبان میری معذور ہے۔ حق تعالیٰ کی عنایت سے خانۂ شفقت آباد اور دل آپ کا ہمیشہ خرم و شادرہے فقط زیادہ والسّلام"

اس نمبر میں ایک قطعۂ تاریخ اختتام کتاب خود مصنف کی تصنیف سے شائع ہوا ہے۔ آخری بیت یہہ ہے: سر وجد سے عقل نے دی نشاں جہاں میں یہہ ہے گلشن بے خزاں (۱۲۵۹+۶)

مطلع العلوم و مجمع الفنون مصنفۂ منشی واجد علی خاں: اس نام کی ایک کتاب مطبوعۂ مطبع زبدۃ الاخبار کا اشتہار نمبر ۸۸ میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اواخر دسمبر ۱۸۴۳ء میں یہہ کتاب چھپ کر تیار ہوگئی تھی اور اس کی قیمت دس رُپے تھی۔

دیوان نیاز بریلوی فارسی و اُردو: ۸۶ میں سید جعفر علی بے تاب اکبرآبادی طالب علم مدرسہ اکبرآباد کی طرف سے یہہ اطلاع شائع ہوئی ہے کہ نیاز کا دیوان مطبع قطب الاخبار میں خط شیخ احمد حسین ناز (خوش نویس کامل شاعر شیریں زبان) اور بہ اہتمام منشی محمد امیر خاں چھپنا شروع ہوگیا ہے۔ ربیع الاول کے آخر تک قیمت ایک رپیا، ربیع الآخر تک سوا روپیا، اور اس کے بعد ڈیڑھ رپیا، مقرر کی گئی تھی۔ ۹۵ میں اس کے بارے میں یہہ لکھا ہے کہ ضخامت قریب ۷ جز کے ہے اور نصف کے قریب چھپ چکا ہے۔ ۱۰۳ (جمادی الاخریٰ ۱۲۶۵ھ) سے یہہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک چھپ چکا تھا، لیکن قیمت صرف ایک رپیا تھی۔

سکندر نامہ اُردو سید اعظم علی: ۱۳۱ میں یہہ اشتہار مہتمم اسعد الاخبار کی طرف سے مندرج ہے: "سکندر نامہ بہ نظم اُردو (کرم خوردہ) جناب سیادت مآب عمدۂ رؤسا کے شہر اکبرآباد سید اعظم علی صاحب

سے ۸۱ میں یہہ اطلاع ہے کہ چھپ کر تیار ہے" تمام علوم و فنون سے اس میں بحث کی ہے۔"

میر منشی سابق مدرسۂ سرکار، جو ابتدا میں بہ مطبع اکبری واقع آگرہ چھپنا شروع ہوا تھا اور قریب بہ نصف وہاں چھپا، بعد ازاں اس مطبع میں آیا تھا۔ اب اختتام کو پہنچا۔۔ جس صاحب کو خریدنا منظور ہو تا عرصۂ یک ماہ فی جلد تین روپے۔۔ بعد یک ماہ فی جلد چار روپیہ قیمت ہو جائے گی' اور لطف کیفیت کتاب اُس کے دیکھنے پر منحصر ہے۔ جناب مترجم نے۔ گویا سحر کیا ہے کہ ایک شعر کا ترجمہ ایک ہی شعر میں کیا۔"

مفتاح التواریخ مصنفۂ بیل: ۱۱۹ میں اس مشہور کتاب کے طبع اوّل کا اشتہار درج ہے جس کے اقتباسات یہ ہیں: "نسخۂ دل پسند مفتاح التواریخ جو اس مطبع میں منطبع ہوتا تھا اختتام کو پہنچ کر مجلد و مرتب ہو گیا۔۔ تیاری میں دیر جو واقع ہوئی اُس کا سبب یہ ہے کہ۔۔ مسٹر طامس ولیم بیل صاحب ملازم محکمۂ صدر بورڈ کو اوّل تو یہ منظور ہوا کہ۔۔ ملتان کے حال پر تمام کریں سو فتح ملتان کے انتظار انتظار میں مسودے کا اتمام ملتوی رہا۔۔ بعد ازاں فہرست بنانے میں دیر لگی ورنہ یہ کتاب اوائل ۱۸۴۹ء میں تمام ہو جاتی۔۔۔ اب تک اس کی قیمت فی جلد آٹھ روپے تھی، جس جس نے قیمت پیشگی داخل کی تھی اب اُن کے پاس بھیجی جائے گی اور آئندہ سے فی جلد عـہ قیمت ہوئی۔ اس کی تقطیع شیو رام پوری کاغذ کے تختے کے چار ورق ہیں اور ۲۵ سطر کا صفحہ ہے۔"

تذکرہ گلشن بے خزاں مصنفۂ حکیم قطب الدین باطن اکبر آبادی: "اس ہیچ مداں نے ایک تذکرۃ الشعرا گلستان بے خزاں نام بہ جواب تذکرۂ گلشن بے خار تالیف نواب محمد مصطفٰے خاں دہلوی شیفتہ تخلص کے تالیف کیا ہے اور طرز اس کی برعکسِ طرز گلشن بے خار کے ہے کہ اُس کے مؤلف نے بہ راہ استغنا مزاجی کے شعرا کی تحقیر اور اکثر ترک اسم نویسی شاعران ذوی الاقتدار اور صفت اپنی اور اپنے دوستوں کی لکھی ہے اور اس احقر نے۔۔ سب کو حسب مراتب بہ تعظیم یاد کیا ہے۔۔ وے صاحب جن کی نظر سے۔۔ گلشن بے خار بھی گزر گیا ہو گا وہ جانیں گے کہ مؤلف تذکرہ ثانی نے مؤلف اوّل کے کلام کو کس منصفی و لطافت سے رد کیا ہے۔۔ اس کی ضخامت تخمیناً ۲۴ جزو اور قیمت فی جلد ۳ روپے ہو گی۔۔ جس کو اس کی خریداری منظور ہو خالی درخواست بلا زرِ ثمن بہ طور پوسٹ پیڈ (کذا)، بہ پتہ (کذا)، و نشان تاج گنج محلہ کٹرۂ عمر خاں کے میرے پاس بھیج دیں جب اس کا چھپنا شروع ہو گا تو قیمت اہل درخواست سے منگوائی جائے گی۔" ۱۱۹



میرزا کلب حسین خاں ڈپٹی کلکٹر نادر تخلص : ۸۵ میں "مرزا غلام زین العابدین رئیس نامور شہر اکبرآباد" کی طرف سے اشتہار مندرج ہے کہ "خلاصۂ قانون مال وکلکٹری مصنفہ میرزا کلب حسین خاں (ان سے مجھے تلمذ سخن بھی حاصل ہے) جسے پہلی بار منشی عبدالرحیم خاں محرر محکمۂ عالیۂ کمشنری نے مطبع اسعد الاخبار میں چھپوایا تھا، اور جو تا اختتام طبع دو روپے اور بعد کو تین تین چار چار روپے کو بکی ہے، دوبارہ مطبع اسعد الاخبار میں زیر طبع ہے۔ لیکن اس بار قیمت تا اختتام طبع عہ اور بعد کو ع؎ مقرر کی گئی ہے۔" اس اشتہار سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ منشی عبدالرحیم بھی اس کتاب کو کسی اور مطبع میں چھپوا رہے تھے اور انھوں نے اس کی قیمت تین روپے قرار دی تھی۔ ۱۱۷۰ میں ایک اشتہار منشی عبدالرحیم خاں کی طرف سے اس مضمون کا درج ہے کہ "کتاب توصیف زراعت مصنفۂ مرزا کلب حسین خاں جس میں تمام احوال متعلق دیہہ وحال پیداوار ہر ایک جنس وترکیب کاشت غلہ و اصطلاحات و محاورہ مردمان سکنۂ دیہہ وخواص اکثر چیزہاے روئیدگی واحوال بارش ونچھتر واقسام اراضی وغیرہ اکثر امور متعلقۂ زمینداری وکاشتکاری درج ہیں" مطبع قطب الاخبار آگرہ میں چھپی ہے۔ قیمت دو روپے ہے۔ ۱۲۳۰ میں نادر کے دو قطعے اختر کے متعلق مرقوم ہیں، جن کا ذکر آئندہ ہوگا۔ ۷۵ اور ۱۵۹۔ فضائل الشہدا مطبع اسعد الاخبار میں چھپ کر (ضخامت قریب ۱۳ جز فی صفحہ ۱۷ سطریں) جون ۱۸۵۱ء میں شایع ہوئی۔ قیمت آخر جون تک دو روپے بعد کو ۳ روپے قرار دی گئی تھی۔ ۱۵۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۹ درخواستیں ۱۷ جون تک آچکی تھیں۔

قاضی محمد صادق علی خاں اختر ۱۲۴۰: اگرچہ ضلع اٹاوہ مرزا کلب حسین خاں صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر کے اقدام سے رونق بے اندازہ رکھتا تھا۔ مگر اب بسبب قدوم میمنت لزوم جناب حشمت وشوکت مآب قاضی محمد صادق علی خاں اختر۔ جو وہاں کی تحصیل داری پر مقرر ہوکر تشریف لائے بحکم نور علی نور شہر اٹاوہ کی کچھ اور ہی رونق ہوگئی از آں جاکہ جناب قاضی صاحب کے اوصاف حمیدہ سے ہر دیار کے لوگ خوب واقف وآگاہ ہیں اس شہر کے رہنے والے ان کے تشریف لانے سے ایسے خوش ہوئے ہیں کہ گویا خضر ملا۔ میرزا کلب حسین خاں صاحب نے ان کے تشریف لانے اور عہدۂ تحصیل داری پر مقرر ہونے اور مکان کچہری کے آراستہ کرنے کی تاریخ مستخرج فرمائی اور سخندانوں سے مورد احسنت ہوئے۔ قطعۂ تاریخ در تہنیت ورود۔

شدہ جلوہ افروز شہر اٹاوہ   بود آں کہ اہل سخن را کرم
نیے نوبہار گلستان احسان   کہ از فیض او در کف گل زر آمد

ہمہ تن لطیف و سراپا مصفا ۔۔۔ کہ آئینۂ آسا پُر از جوہر آمد
حلاوت بود در کلامش بدان سان ۔۔۔ کہ ہر لفظ شیریں تر از شکر آمد
قدومش سرور دل خستہ بادا ۔۔۔ کہ گویند احباب او خوشتر آمد
فیوض حضورش ہمی خواست خاطر ۔۔۔ پس از مدتے این تمنا بر آمد
چو سال ورودش بجستم ز نادر ۔۔۔ بگفتا باوج ابد اختر آمد ۱۲۶۵ھ

قطعۂ تاریخ مکان کچہری بیت آخر: "تاریخ بنائے او بہ فکر نادر + آمد ز سر اوج بنائے اختر"
قطعۂ تاریخ منظوری عہدۂ تحصیل داری "منظور حکام" سے تاریخ نکالی ہے۔

مرزا حاتم علی مہر ، ۱۱۷: تاریخ تقرر عہدۂ منصفی از حافظ بلاقی اکبرآبادی متخلص بہ زر:
انگریز نے حکومت جب مہر کو عطا کی ۔۔۔ جو مجھے فلک سے عیسیٰ بولے خوشی مبارک
تاریخ زر نے لکھی یہ آب زر سے اس دم ۔۔۔ لے مہر تجھ کو ہوئے یہ منصفی مبارک ۱۲۶۵ء

امداد علی خاں ، ۱۴۰: ایک شخص امداد علی خاں نام عمدہ رئیس سکندرآباد ضلع علی گڑھ جو سید امام علی شاہ اکبرآبادی کے مریدوں میں سے تھے اور ۴۴ برس سے اپنے پیر کے مکان میں رہتے تھے ماہ ربیع الاول کی ۶ تاریخ پیر کے دن رہ گرائے عالم بقا ہوئے۔ یہ شخص بڑے ظرافت پسند تھے اور ریاوہ گوئی میں ایک کمال بہم پہنچایا تھا۔ ان کی غزلیں دور دور مشہور ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ اپنے وقت کے جعفر زٹلی تھے۔ سید نثار علی شاہ جو ان کے مرشد زادے ہیں انھیں حسب وصیت ان کے تاج گنج میں مرشد کی پائینتی دفن کیا، اور محفل سوم میں لالا چھوٹے لعل (کذا)، کو جو خان مرحوم کے شاگرد رشید ہیں اور مزخرفات گوئی میں استاد سے بڑھ کر قدم رکھتے ہیں پگڑی بندھوائی"

سید محمد علی تپش اکبرآبادی: ۹۷ میں ۱۲ شعروں کی ایک فارسی غزل ہے جس کا مقطع یہ ہے:
ز خوش قدان سیہ چشم مدعا مطلب ۔۔۔ دلا کنارہ ازیں ہائن و وفا مطلب

۹۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ تپش نے فارسی زبان کے قواعد اور عروض و قافیہ پر ایک رسالہ اردو میں "مولوی غلام جیلانی وکیل عدالت صدر دیوانی" کی نذر کے لیے لکھا تھا اور ان سے اس کی درخواست کی تھی کہ اسے چھپوا دیں۔ ۱۰۸ سے پتا چلتا ہے کہ معیار الشعرا کی ترتیب تہذیب انھیں کے ذمے تھی۔

ہ ۱۲۶۳ھ عہ اس شخص کی ایک غزل (۱۲ شعر، اسی زمانے کے ایک اخبار میں (جس کے ابتدائی ورق غائب ہیں اور جو غالباً قطب الاخبار آگرہ ہے) نظر آئی۔ مقطع میں تخلص کی جگہ نام ہے
ہے ارادہ یہ عشق درگا میں + جا رہوں آگرے سے متھرا میں
ہم کو کافی ہے چپنی بھر پانی ؛ بے حیا ڈوبتے ہیں دریا میں

عبدالرحمٰن خاں انصاف رئیس اکبرآباد : ۸۸ میں ، شعروں کی ایک غزل ہے۔

عشق کس کو ہے محبت کا اثر کس کو ہے — حضرت دل کہو اب درد جگر کس کو ہے
عذر بےجا نہ کرو وعدۂ فردا نہ کرو — آج کی بات کہو کل کی خبر کس کو ہے
اس کے نقاد ہیں بازار جنوں کے نقاد — سکۂ داغ جو پرکھے یہ نظر کس کو ہے

لالا بابو لال ذائق رئیس نواح کالپی مقام کدورہ : قدسی کی مشہور نعتیہ غزل پر مخمس ۹ بند :

جو نہ ہوتا ترے اقدام مقدس کا ظہور — کشور دیں متین سے سبھی رہتے دور
حضرت حق کو ہوا کفر مٹانا جو ضرور — ذات پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور الخ

قاضی محمد قاسم قلی خاں ناظر جہان آباد قاسم تخلص : ۱۰۲ میں ایک ہی مضمون کی ۴ رباعیاں عربی فارسی اردو اور بھاکھا میں ہیں :

ہے سخی کون زمانے میں بھلا تیرے سوا — تو نے تو حاتم طائی کو بھی شرمندہ کیا
ہر کوئی تیری سخاوت سے جہاں میں بے شک — رات دن تیری صفت از تہِ دل ہو کرتا
داتا کو سنسار ماں داتا تو ہیں چھوڑ — حاتم مارے لاج کے پڑت ہے تورے گوڑ
دھارین پن کا تورے جگ ماں بہت بکھان — ہرا جھیٹھا کرت ہے سیر دو ہرا جوڑ

۱۰۵ میں ایک قصیدۂ فارسی اور ۱۲۴ میں ایک غزل فارسی مرقوم ہے۔

شرح قصائد و قطعات انوری مصنفۂ ابوالحسن مدرس اول درجۂ فارسی مدرسۂ آگرہ ۸۰ و ۸۵ : ۸۰ میں قصائد مع شرح کا اشتہار ہے ، ۸۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف حل طلب مقامات کی شرح تھی۔ اور ۲۰ مئی ۱۸۵۵ء تک اس کا چھپنا شروع نہ ہوا تھا۔ ۱۰ اجزا ، ۱۷ سطریں فی صفحہ ، قیمت ۴ روپے۔

شرح مقامات حریری مع متن مصنفہ کریم الدین مدرس دوم درجۂ اردو مدرسۂ آگرہ : مصنف نے اعلان کرایا ہے کہ اس کے چھپوانے کا ارادہ ہے۔

افسانۂ رنگین مصنفۂ نواب امجد علی خاں رئیس قصبۂ دیوی فتح پور ہنسوا : پہلا اشتہار اس کا قصۂ رنگین کے نام سے ۱۰۱ میں چھپا تھا۔ ۱۵۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ اپریل ۱۸۵۶ء میں اس کا چھاپا تمام ہوا۔ "جس قدر دانی نے اس کی عبارت نثر اردو اور نظم قصائد کو دیکھا بہ دل جان پسند کیا" فسانۂ عجائب کی طرز کا قصہ تھا ضخامت ۱۰ اجز قیمت ایک ماہ تک ایک روپیہ۔

مثنوی فارسی مصنفۂ منشی واجد علی خاں مہتمم زبدۃ الاخبار ۱۲۶ یہ مثنوی زبدۃ الاخبار میں چھپی تھی موضوع "شکایت گردش فلک" قمر الدین خاں نے اسے معیار الشعرا میں شائع کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے

وفات منشی شیخ مصلح الدین "عمدۂ رؤسائے فتح پور سیکری مدرس مدرسۂ اکبرآباد : ۲۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰ ذی الحجہ ۱۲۶۵ھ کو وفات ہوئی۔ ان کے اخلاق حمیدہ اور فارسی دانی کی بہت تعریف

کی ہے۔ اسی نمبر میں ایک فارسی مثنوی مہتمم زبدۃ الاخبار کی لکھی ہوئی ہے۔ جس کے آخری مصرع میں مادۂ تاریخ ہے: "آہ وافسوس وغم"۔ ۱۳۰ میں مہتمم اسعد الاخبار کی تصنیف سے دو قطعے فارسی میں ہیں پہلے قطعے کے دو شعر یہ ہیں: گرچوں اوستادم ازجہاں رفت ٭ مرا در فرقت خود کرد غمگیں
چو استاد شفیع جاں نوازے ٭ بہ والے بزرگ شفقت آگیں

وفات شاہ سلیمان صاحب مقیم تونسہ: کوہ نور کے حوالے سے لکھا ہے کہ "ماہ صفر ۱۲۶۶ھ کی ساتویں تاریخ شب جمعہ کو بعد ادائے نماز تہجد ۔۔ رہگرائے عالم قدس ہوئے" ۲۰۱ میں دو قطعات تاریخ وفات فارسی میں ہیں۔ پہلا "مولوی حسین علی صاحب رئیس فتح پور ہنسوہ" کا لکھا ہوا ہے اور دوسرا "منشی نہال الدین، سررشتہ دار صدر الصدوری" فتح پور کی تصنیف سے ہے۔

وفات حافظ محرم علی خیرآبادی: ۲۰۱ میں منشی نہال الدین کی تصنیف سے ایک فارسی اور ایک اردو قطعہ ہے۔ "ہوا ماہ غروب" سے تاریخ نکلتی ہے۔ ۱۲۶۶ھ۔

وفات شیخ خدا بخش کوتوال لاہور: ۱۰۸ میں بلاقی چند مترجم بورڈ پنجاب کی تصنیف سے ایک قطعۂ تاریخ ہے ۱۲۶۷ھ سال وفات ہے۔

گلزار نسیم: ۱۳۵ میں مطبع اکبری کی طرف سے اس مثنوی کے متعلق یہ اشتہار چھپا ہے کہ ایک مصور نسخہ ولایتی کاغذ پر جس کی ضخامت بارہ جزکے قریب ہوگی ۱۵ر جنوری ۱۸۵۰ء تک طبع ہو جائے گا۔ قیمت ۳۱ دسمبر ۱۸۴۹ء تک ایک روپیا اس کے بعد ڈیڑھ روپیا۔ مثنوی کا نام گل بکاؤلی لکھا ہے۔

فوائد جلالیہ: عربی کے قواعد نحو فارسی نظم میں نہایت اختصار کے ساتھ عبدالشکور ساکن فتح پور ہنسوہ نے لکھے تھے۔ اس کے متعلق اطلاع ۱۳۲ میں ہے اور کل اشعار بہ اقساط ۱۳۳ تا ۱۳۶ میں چھپے ہیں۔ مصرع اوّل: "بود تحمید الٰہ العالمین رب السما" ۱۰۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس رسالے کے چھپوانے کا ارادہ تھا۔

مثنوی عجیب: "منشی موہن لعل غالب" نے سنگھاسن بتیسی ہندی کے قصوں کو اردو میں نظم کیا تھا۔ ان کی وفات کے بعد رادھا گوبند محافظ دفتر کمشنری آگرہ نے مطبع اسعد الاخبار میں اس کے چھپنے کا ارادہ کیا تھا۔ ۲۰۳ میں اس کا اشتہار ہے ضخامت ۲۵ جز کے قریب، قیمت قبل انطباع ایک روپیا بارہ آنے، بعد انطباع ڈھائی روپے۔

رامائن ہندی: ۱۹ میں اشتہار ہے کہ رامائن خط ناگری جس کی قیمت ۳ روپے ہے مطبع اسعد الاخبار یا مطبع زبدۃ الاخبار سے مل سکتی ہے۔

محمد رضی الدین خاں بہادر صدر الصدور کول: ۱۱۰: "منشی درگا پرشاد نشاط رئیس سکندرآباد نے جناب ۔۔ ممدوح کے ضلع علی گڈھ کی عدالت دیوانی میں اجلاس فرمانے کی تاریخ نہی ہے۔

فارسی میں ہو، لفظ "خدا ترس" سے تاریخ نکلتی ہے۔

شبر علی خاں عاجز رئیس مراد آباد: عاجز کا کلام فارسی (قصیدہ) ۱۵۳ اور ۱۸۵ میں ہے۔

قمر الدین خاں قمر و سید حسین شاہ بخارائی واصف مقیم کول: ۱۰۶ "ان دونوں جناب.. واصف.. نے اپنی ایک پانچ شعر کی غزل میرے پاس بھیجی.. کہ میں بھی اس زمین میں غزل کہوں ہر چند کہ فکر سخن عالی طبعوں کا کام ہے، مجھے اس کوچے سے کیا آشنائی ہے۔ مگر بہ پاس خاطر.. میں نے بھی غزل کہی" قمر کی غزل کے چند شعر یہہ ہیں:

گنج در ریخت بہ قرباں تو گل از شبنم
یکے از نذر گذاران تو گل از شبنم

گرمی حسن تو تنہا جگر لالہ نہ سوخت
گشت غرق عرق از شان تو گل از شبنم

گل ز شبنم بہ چمن گاہ نہ دست است قمر
خامہ ات ریخت بہ دیوان تو گل از شبنم

استخراج نام حضرت علی ۱۵۶: سید عباس علی مصنف سنبھل رئیس کول کی ۱۱ شعروں کی ایک اردو مثنوی جس میں "ایک ایسا قاعدہ نکالا ہے کہ اس پر عمل کرکے جس چیز کے نام سے چاہو علی کا نام نکال لو"

مظہر العجائب مصنفہ سید فخر الدین احمد ڈیٹرن نویس محکمۂ صدر آگرہ: ۸۸ و ۹۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب فن طب میں بہ زبان اردو لکھی گئی تھی اور زیر طبع تھی، قیمت دو روپے۔

مشاعرۂ اکبر آباد ۸۰: ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کی شب کو "منشی سید ابوالحسن صاحب مدرس اول درجۂ فارسی مدرسۂ آگرہ کے مکان پر محفل مشاعرہ منعقد ہوئی۔ .. کلام شعرا.. معیار الشعرا.. میں مطبوع ہوگا"

مشاعرۂ اکبر آباد و معیار الشعرا: ۱۰۸ "۲۵ جون ۱۸۷۸ء اتوار کی شب کو مشاعرہ ہوا۔ اکثر شعرائے اکبر آباد اور بعض سخنوران عجم تشریف لائے۔.. وے شائقان سخن جو مشاعرے میں تشریف نہ رکھتے تھے بہ ملاحظۂ معیار الشعرا جو اس مطبع میں چھپتا ہے اور سید مدد علی تپش اس کی تہذیب و ترتیب کا اہتمام کرتے ہیں محظوظ ہوں گے۔ .. ہر شاعر کی غزل منتخب ہوکر لکھی جاتی ہے اور قیمت اس کی چار آنے ماہوار ہے... سید مدد علی تپش کے پاس بہ محلۂ زین خانہ یا بہ مطبع ہٰذا درخواست بھیجیں"۔

مشاعرۂ اکبر آباد ۱۳۴: "بہ محلۂ پیپل منڈی ایک اور مشاعرہ مقرر ہوا ہے، اور شہر کے نامی شعرا سب اس میں تشریف لے جاتے ہیں۔ میر مشاعرہ کا ارادہ ہے کہ طرح کی غزلیں پندرھویں دن چھپوا دیا کریں اور چار آنے ماہوار اس کی قیمت رکھیں۔ .. ناظر جنسی دھر کے مکان پر جگت نرائن کے پاس رقعہ بھیج کر منگالیں"

خلاصۂ قانون دیوانی مولفۂ طفیل احمد وکیل محکمۂ صدر دیوانی: ۹۵ میں اس مضمون کا اشتہار ہے کہ مطبع اسعد الاخبار سے اپریل ۱۸۴۹ء تک چھپ کر شائع ہو جائے گا۔ قیمت قبل انطباع آٹھ اور بعد انطباع دس روپے۔

خلاصۂ سررشتۂ مال از محمد تقی الٰہ آبادی: ۱۰۴ قیمت جون ۱۸۴۹ء تک عہ بعد کو ـــہ۔

خلاصۂ قوانین دیوانی مسمّٰی بہ مسائل قوانین مولفۂ لالا ایسری پرشاد منصف، لالا چندی پرشاد منصف و لالا نند بہاری لعل وکیل: ۱۳۱ و ۱۳۵ مطبوعۂ مطبع اسعد الاخبار، ضخامت ولایتی کاغذ پر ۲۰ جز قیمت ۵ روپیے

۱۴۲: اس مضمون کا اشتہار کہ سید عباس علی منصف سنبھل ضلع مراد آباد نے "کتاب فیصلہائے صدر کا جو بموجب آئین ۱۲ اگست ۱۸۴۳ء لکھے جاتے ہیں ایک خلاصہ .. تیار کیا ہے .. ضخامت .. قریب ۲ جز کے ہوگی اب .. اس کو چھپوایا چاہتے ہیں اور قیمت اس کی ایک روپیہ مقرر کی گئی ہے۔"

۱۵۵: مطبع اکبری کی طرف سے اشتہار ہے کہ سید قربان علی وکیل عدالت صدر دیوانی نے قانون دیوانی ترتیب دیا ہے جس میں ڈاک کے قانون کا خلاصہ بھی شامل ہے مطبع مذکور میں چھپے گا۔ ضخامت ۱۲ یا ۱۴ اجزا قیمت قبل انطباع ۳ بعد کو للعہ۔

۲۰۴: محمد عبد الکریم کی کتاب بندوبست پرگنہ جات جب مختار ریاست بھوپال کے سامنے پیش ہوئی تو انھوں نے مصنف کو سو روپے دیے۔

گلستاں: ۱۱۶ و ۱۲۷۔ ایران سے ایک صاحب جلیل القدر اس کا ایک صحیح نسخہ مطبوعۂ طہران اپنے ساتھ لائے تھے۔ مطبع اسعد الاخبار نے اس کی نقل ۱۸۴۸ء میں چھاپنی شروع کی تھی جو نومبر ۱۸۴۸ء میں تمام ہوئی ضخامت بارہ جز، قیمت عسہ، باوجود اس کے کہ اشتہار میں یہ لکھا تھا کہ قیمت بعد انطباع بڑھ جائے گی ۱۴۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ جنوری تک یہی قیمت تھی یہ علم نہیں کہ اس کے بعد قیمت میں اضافہ ہوا یا نہیں۔

تفسیر عزیزی مطبوعۂ لکھنؤ ۲۰۵: اس کی قیمت ۱۲ روپے تھی۔

کتب فارسی مطبوعۂ کلکتہ ۸۹: "اگرچہ سنگین چھاپے کی حسن لطافت (کذا) و صفائی واضح ہو مگر ان کتابوں کا بھی خوب ہے اور قیمت ایسی ارزاں ہے کہ چھاپہ سنگین کے نصف سے بھی کم ہے": مجموعۂ نعمت خان عالی مشتمل بر جنگ نامہ و حسن و عشق و وقائع حیدر آباد ۱۲، سہ نثر ظہوری مع مینا بازار و پنج رقعہ ۱۲، توقیعات کسریٰ ۱۲، مجموعہ مشتمل بر نثر نشب تعریف زبدہ ۸، رقعات عالمگیری ۶، وقائع حیدر آباد ۵، مجموعہ مشتمل بر نحو میر جمل ترجمہ خلاصہ مصباح شرح مأۃ عامل، تواریخ نبوی: ۹۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ قمر الدین خاں کا ارادہ تھا کہ وہ تاریخ جو اسعد الاخبار میں بہ اقساط شائع ہو رہی تھی۔

بعد اختتام کتابی جلد میں چھپوائی جائے، اور اس کے دیباچے میں مستقل خریداران اسعد الاخبار کے نام بھی لکھے جائیں تاکہ ان کا نام "ابد الدہر صفحۂ روزگار پر قائم و یادگار رہے" پتا نہیں کہ یہ کتاب چھپی یا نہیں۔ اس تاریخ کی وجہ سے بہت لوگ اسعد الاخبار کے پرانے پرچوں کی تلاش میں رہتے تھے، یہاں تک کہ انھیں دوبارہ چھپوانا پڑا تھا۔

پادری جی جی مور مترجم قوانین گورنمنٹ گزٹ آگرہ: ۱۲۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ ستمبر ۱۸۴۹ء کو ان کی وفات ہوئی انھوں نے کوئی وارث نہیں چھوڑا۔ اُن کی جگہ لیڈلی صاحب کے سپرد ہوئی ۱۰۷ میں "جی پی لیڈلی صاحب بہادر مترجم گورنمنٹ گزٹ آگرہ" کی طرف سے اشتہار ہے کہ گورنمنٹ گزٹ کی قیمت ۱۸۵۱ء سے للعہ سالانہ ہے، لیکن یہ تجویز قرار پائی ہے کہ سوائے رخصت اور تقرر عہدہ داران متعہد و غیر متعہد و اشتہارات زائدہ کے نقل گزٹ کی بجنسہ بہ چھاپۂ سنگ چھپوا کر فروخت کی جائے اور قیمت فی ماہ آٹھ آنے مقرر کی ہے۔ محصول ڈاک ذمۂ خریدار ہوگا۔

مولود شریف" مؤلفۂ مولوی محمد حیات علی صاحب افضل علمائے فرقۂ امامیہ: ۱۹۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ سید محمد صفدر علی نے اسے مطبع اسعد الاخبار میں چھپوا کر وقف کر دیا تھا۔

نہر فتح پور سیکری: مسٹر جیکسن کلکٹر و مجسٹریٹ آگرہ نے فتح پور سیکری میں مرزا احسان علی بیگ تحصیل دار کے اہتمام سے ایک نہر جاری کرائی تھی۔ قطعۂ تاریخ نوشتۂ واجد علی خاں ۱۱۸ میں اور مرزا محمد علی منصف فتح پور سیکری اور مرزا غلام زین العابدین، عابد اکبرآبادی کے قطعات تاریخ ۱۲۳ میں مندرج ہیں۔ عابد کے قطعۂ تاریخ کی آخری بیت یہ ہے:

"لے سرِ حرف جیکسن پھر دیکھ — سیل رحمت کی نہر جاری ہے" ۱۲۶۵ھ

قرآن مجید مع ترجمۂ اردو و فارسی ۱۰۱ اور ۱۱۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ "عالم العلامہ.. قاضی القضاۃ سید ولایت حسین خان بہادر" نے مطبع حسینی آگرہ میں قرآن مجید کا ایک نسخہ بڑی تقطیع پر چھپوایا تھا، جس میں شان نزول اور فوائد مولوی عبد القادر" وغیرہ کے علاوہ فارسی اور اردو کے ترجمے شامل تھے۔ اس کی قیمت بعد انطباع صہ مقرر کی گئی تھی۔ اس کا اشتہار فارسی زبان میں "علامۂ زماں مولوی سید محمد بدر الحسن صاحب سل خوان" کی طرف سے شائع ہوا تھا۔

اسعد الاخبار میں جو نظمیں شائع ہوئی ہیں، ان میں پنج آہنگ کے منظوم اشتہار کے سوا کوئی قابل اعتنا نہیں۔ اور اس کی اہمیت بھی اس بنا پر نہیں کہ شاعری کا اعلیٰ نمونہ ہے، بلکہ اس سبب سے ہے کہ غالب کی ایک مشہور تصنیف سے اس کا تعلق ہے اور غالباً خود غالب کی لکھی ہوئی ہے۔ شاعروں سے متعلق جو اطلاعات اس اخبار میں ملتی ہیں وہ محض اتفاقی طور پر آگئی ہیں کتابوں کے بارے میں جو کچھ نقل ہوا ہے وہ زیادہ تر اشتہارات سے ماخوذ ہے۔ یہ خبر نہیں کہ اشتہارات مفت چھپتے تھے یا ان کی اجرت لی جاتی تھی۔ اس زمانے میں پتھر کا چھاپا ٹائپ کے چھاپے سے بہتر سمجھا جاتا تھا اور لکھنؤ کے مطابع کی فوقیت تسلیم کی جاتی تھی (میرا حوصلہ تو لکھنؤ کے کلام اللہ مطبوعہ کو دیکھ کر پست ہوا جاتا تھا" ۱۴۰) کتابوں کی قیمت آج کل کے مقابلے میں بہت زیادہ ہوتی تھی، لیکن ٹائپ کی چھپی ہوئی کتابیں نسبتہً سستی ہوتی تھیں۔ عموماً یہ کوشش کی جاتی تھی کہ قیمت کتاب چھاپے جانے سے قبل ہی وصول کر لی جائے۔ بیشتر کتابوں کے اشتہار میں یہ لکھا ہوا ہوتا تھا کہ بعد انطباع قیمت بڑھا دی جائے گی۔ لیکن ہمیشہ اس پر عمل ہوتا تھا یا نہیں یہ مشتبہ ہے۔

۱۸۴۳ - ۱۸۵۱ء میں آگرہ صوبے کا صدر مقام تھا اور اس کی اہمیت آج کل کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی اس زمانے میں یہاں بہت سے مطابع تھے، اور متعدد اخبار نکلتے تھے: جن میں سے کم از کم ایک انگریزی میں تھا۔

قمر الدین خاں ایک لفٹنٹ گورنر کی تعریف میں لکھتے ہیں (۱۲۶) "خصوصًا اہالی مطبع تو ان کے حسن توجہ اور التفات کے از بس ثنا خواں ہیں اور یہ انھیں کی قدر شناسی کے سبب سے ہے کہ اس شہر میں کئی مطبع جدید قائم ہوئے ہیں، کیوں کہ ہر ایک مطبع کی چھپی ہوئی کتاب بہ قدر دانی تمام خریدتے ہیں اور اپنے حضور میں طلب فرماتے ہیں، اور جمیع مطابع کے اخبار بھی لیتے اور جناب محمد اسمٰعیل منشی محکمہ لفٹنٹی سے ان کا خلاصہ کروا کے اپنے حضور منگواتے ہیں"۔

اس زمانے کے آگرہ میں جو مطابع تھے، ان میں سے حسب ذیل کا ذکر اسعد الاخبار میں ہے۔ مطبع اسعد الاخبار جس میں اسعد الاخبار اور معیار الشعرا چھپتے تھے، پہلے پھلتی بازار میں تھا، بعد کو اسی کے متصل دوسری جگہ منتقل ہوا (۱۰۸) اس کی ابتدا ایک کل سے ہوئی تھی لیکن، اس کی توسیع اس حد تک ہوئی تھی کہ ستمبر ۱۸۴۹ء پانچ کلیں آگئی تھیں (۱۱۹)۔ اس مطبع میں اپنی کتابوں کے علاوہ باہر کی کتابیں بھی چھپتی تھیں اور بقول قمر الدین خاں یہ مطبع "نامور امصار و دیار" اور "دوستوں کو خوشی کا موجب اور دشمنوں کو رشک و حسد کا باعث" تھا۔ مطبع زبدۃ الاخبار، مطبع قطب الاخبار (مطبع قادری کا بھی نام آیا ہے، لیکن یہ غالبًا مطبع قطب الاخبار کا دوسرا نام ہے۔ مطبع اکبری، مطبع مصدر النوادر (غالبًا آگرہ ہی میں تھا) مطبع جام جمشید غالبًا جنوری ۱۸۵۰ء کے لگ بھگ جاری ہوا، اس کے مالک بابو شب چندر ناتھ تھے جن کا ایک مطبع اسی نام کا میرٹھ میں بھی تھا۔ مطبع حسنی قاضی القضاۃ میر ولایت حسین خان بہادر کے مکان میں تھا۔

ذیل کے اخباروں کے نام تینوں سال کے پرچوں میں ملتے ہیں: اخبار الحقائق و تعلیم الخلائق دہلی اردو اخبار، زبدۃ الاخبار آگرہ، مجمع الاخبار بمبئی، نزہت الارواح (اخبار النواح آگرہ (اوائل ۱۸۴۹ء سے جاری ہوا، مہتمم حکیم جواہر لعل تھے "عجب کیفیت اور لطف و خوبی سے مطبوع ہوتا ہے")، قطب الاخبار آگرہ (اواخر دسمبر ۱۸۴۸ء سے جاری ہوا" اس کے مہتمم منشی محمد امیر خاں ہیں اور وہ بہت شائستگی اور تہذیب سے چھاپا جاتا ہے")، آگرہ میسنجر، قران السعدین، انگلشمین، جام جمشید میرٹھ، دہلی گزٹ۔

۱۸۶۵ء اور ۱۸۶۶ء کے پرچوں میں: سلطان الاخبار، کلکتہ، عمدۃ الاخبار بریلی، مطلع الاخبار، مفصلات (ایک جگہ معصلیٹ)، انڈین ٹائمس۔

۱۸۶۶ء اور ۱۸۶۷ء: کوہ نور لاہور (۲۰ جنوری ۱۸۵۰ء "جنوری.. کی چودھویں تاریخ سے.. منشی ہر سکھ رائے کے اہتمام سے جو پیشتر جام جمشید میرٹھ کے مہتمم تھے، جاری ہوا ہے۔

ازآں جاکہ پنجاب اور کشمیر اور کابل کی خبروں کے اکثر لوگ شائق رہتے ہیں، اب اس اخبار کے ذریعے سے وہاں کے حالات .. بے وقت دریافت ہوجایا کریں گے اور اخبار انگریزی سے ترجمہ نہ کرنا پڑے گا .. مہینے میں چار بار پیر کے روز چھپا کرے گا۔ قیمت ۱۶عہ سالیانہ اور بہ رسم اڈوانس (کذا) عہ .. چھ ورق کا اخبار ہوا کرے گا" زبدۃ الاخبار) مالوہ اخبار[للعہ] ٹیلی گراف اور کوریر بمبئی،

صرف ۱۲۶۵ھ: مفتاح الاخبار، فوائد الناظرین، خیر خواہ ہند مرزاپور، رئیس الاخبار مدراس، فرینڈ آف انڈیا، بنارس ریکارڈ، ٹیلی گراف (ایک جگہ تیلگریف، غالباً بمبئی کا ٹیلی گراف اور کوریر) سپکٹیٹر (اسپکٹیٹر؟)[سلہ]، اخبار میرٹھ[صہ] بمبئی اخبار، شملہ اخبار

صرف ۱۲۶۶ھ: باغ و بہار، اعظم الاخبار[سلہ]، ہندو انٹیلجنسر، محتشم الاخبار جاورہ (۱۴ رجب ۶۶ھ "ان دنوں .. نواب محتشم الدولہ غوث محمد خاں بہادر والی جاورہ نے ایک مطبع سنگین قائم اور .. محتشم الاخبار دو ورقہ بہ عبارت فصیح اردو جاری کیا ہے۔ منشی مرزا نصر اللہ بیگ .. مہتمم .. قیمت بارہ روپے سالیانہ") مارننگ کرانیکل کلکتہ، انڈین میل؟ نزہت الاخبار (نزہت الارواح؟) اخبار انگلش؟ ہرکارہ بنگال

۱۲۶۷ھ: صادق الاخبار، آفتاب[۵] عالم تاب، سٹیزن، دریائے نور لاہور، ہرکارہ، جام جمشید آگرہ (۶ جنوری ۱۸۵۱ء کے پرچے میں اشتہار ہے کہ جنوری ۱۸۵۱ء سے ہر ہفتے سنیچر کے دن زیر اہتمام بابو شب چندر ناتھ آگرہ سے ۸ صفحوں پر شائع ہوا کریگا۔ قیمت سالانہ پیشگی ۹ روپے)

ہ آگرہ بہ قول دتاسی عہ جس کے نیچے نشان ہے اُس اخبار کے متعلق یا تو علم ہے کہ انگریزی میں تھا یا قیاساً ایسا سمجھا گیا ہے۔ سہ ۳ محرم ۱۲۶۶ھ کے پرچے میں نام آیا ہے۔ یقیناً ۶۶ھ کے قبل سے وجود میں تھا للعہ سب سے پہلے ۱۰ محرم ۱۲۶۶ھ کو اس کا ذکر آیا ہے۔ یقیناً ۱۲۶۶ھ کے قبل سے وجود میں تھا۔ صہ یہ مشتبہ ہے کہ اس نام کے اخبار تھے، بمبئی اور میرٹھ میں اخبار تھے، لیکن نام کچھ اور ہوگا۔ سلہ اسعد الاخبار کے ساتھ اسی تقطیع پر ایک اخبار ۸ صفحوں کا ہے جس کے ابتدائی ۴ صفحے غائب ہیں، اس کے مہتمم کا نام امیر خاں تھا اور یہ مطبع قادری میں طبع ہوا تھا۔ اس کے آخری دو صفحوں میں احمد خاں صوفی کی فارسی غزل اور ولی اللہ ضیا، رضا علی، ہوشش محمد یار خاں نگار، نایاب نیاز محمد خاں، نثار وزیر خاں، وزیر ڈاک منشی متخلص بہ وحشی، لالا چھوٹے لعل کی طرح غزلیں اردو میں ہیں۔ سلہ ۱۲۶۷ھ میں جو خبر اس اخبار کے حوالے سے درج ہے، اس کے ساتھ یہ تصریح نہیں کہ جام جمشید آگرہ سے ماخوذ ہے یا جام جمشید میرٹھ سے۔ لہ مترجم وحشی قرآن مطبع قادری میں بھی چھپا تھا۔ ۱۵۰.



اُس عہد کے اخبار نویسوں میں جس قسم کی نثر رائج تھی اور جس کے نمونے اسعد الاخبار میں ملتے ہیں اس کی کیفیت یہ ہے:

(۱) اخبار نویسوں نے عام طور پر مقفیٰ نثر کو ترک کر دیا ہے اور نثر عاری لکھتے ہیں۔ گلدستۂ انجمن کا ایک خط جو اسعد الاخبار میں چھپا تھا اور جسے میں نے بھی نقل کیا ہے بڑی حد تک نثر مقفیٰ میں ہے۔ اس زمانے میں جو لوگ انشا پردازی کے مدعی تھے وہ اسی طرح لکھتے تھے۔ یہ خیال کہ نثر مقفیٰ تکلف محض ہے کم لوگوں کے دماغ میں آیا ہوگا۔ اخبار نویسوں کا نثر عاری کو اختیار کرنا عصمت بی بی ست از بے چادری کا معاملہ ہے۔

(۲) اسلوب بیان پر انگریزی کا اثر مطلق نہیں گو انگریزی کے الفاظ زبان میں داخل ہو گئے ہیں۔

(۳) اسلوب بیان پر فارسی کا اثر اس حد تک نمایاں ہے کہ کہیں کہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جملے کا جملہ فارسی سے ترجمہ کر لیا گیا:
الحمدللہ کہ کارگذاران مطبع اسعد الاخبار و طبع کنندگانِ حائلِ فیض آثار چمنستان ثلث اول کی بہ چشم ادب سیر کر کے گلزار ہمیشہ بہار ثلث دوم میں آ پہنچے۔

(۴) مقفیٰ جملے متروک ہیں لیکن ہم قافیہ اسما و صفات متروک نہیں، اور ان سے اکثر محض آرائشِ کلام مقصود ہوتی ہے: اخلاقِ حمیدہ اور صفاتِ پسندیدہ، حالات فیض سمات طرز خوب چھاپہ مرغوب صفحۂ زیبا گلدستہ گلستانِ صدق و صفا، لشکرِ ظفر پیکر، کراماتِ ظاہرہ اور برکاتِ باہرہ۔

(۵) کسی لفظ کے ساتھ اس کا ہم معنی لفظ اکثر بے ضرورت استعمال کیا جاتا ہے: مشتاقانِ حکایاتِ عجیبہ و مشتاقان قصص غریبہ۔

(۶) تعظیمی اور تعریفی الفاظ اس قدر زیادہ استعمال ہوتے ہیں کہ لکھنے والے پر درباری شاعر کا گمان ہوتا ہے۔ گورنر جنرل کی طرف اکثر ان لفظوں میں اشارہ کیا جاتا ہے "نواب مغفر الیہم" "جناب معتشم الیہ" واجد علی شاہ کی بیماری کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے: "مزاج بندگانِ سلطانی بیمار ہے" ضلع علی گڑھ کے ایک رئیس کی شان میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں: خاں صاحب والاشان عمدۂ خوانین بلند مکاں امیر الامرائے زماں فخر رؤسائے ہندوستاں اگلا سرحد دیارِ دار الاسلام، مشتاق طواف بیت اللہ الحرام، عاشق زیارت روضۂ منورہ حضرت رسولِ انس و جاں، اعنی جناب محمد داؤد خاں سلمہ الرحمٰن،

(۷) اکثر اخبار نویس اداے مطالب پر قادر ہیں لیکن ان کی نثر عموماً بے رنگ اور بے جان ہوتی ہے۔ بعض کی نثر میں تعقید اور کہنگی اوروں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ واضح والائح ہو کر ایک چھاپہ خانہ جدید

کہ روکش نگار خانۂ چیں ہے ساتھ نام جام جمشید کہ واقعہ میں خبر دینے والا ہر عجیب و غریب کا ہے۔ بیچ مقام..
اکبر آباد کے اس نحیف بابو شب چندر ناتھ غریب نے تیار کیا ہے اور اس میں کتابیں .. اور اخبارات اطراف
منطبع ہوں گے بالفعل واسطے رفاہ خاص و عام کے قیمت اخبار کی ۱۲ ر ماہواری کہ جس کے نو روپے سالیانہ
ہوتے ہیں اور بہ شرط پیشگی دینے کے بحساب ۱۰ ماہیانہ کے کہ جس کا سات روپیا سالانہ ہوتا ہے علاوہ
خرچ ڈاک کے کہ وہ ذمے خریدکنندۂ اخبار کے ہے مقرر کی گئی .. اور وہ اخبار بھرے ہوں گے ساتھ
اچھی اچھی خبروں کے اور صحیح صحیح احوالوں کے کہ جس میں ہر لغو اور جھوٹ نہ ہوگا بلکہ بے اختیار جی سماعت پر
اس کے لگے گا"

ذیل کے انگریزی الفاظ اسعد الاخبار میں ملتے ہیں :

براعظم، ملک اور قوم : فرنگستان (یورپ کے لیے ہر جگہ یہی مستعمل ہوا ہے)، فرنگی، امریجہ (جزیرۂ امریجہ میں میکسیکو)
امریکا (ہ کے ساتھ بھی، ممالک متحدہ کے لیے)، انگلستان (ملکۂ وکٹوریا کی مہر میں یہی نام تھا)، انگلنڈ، انگلستانی
انگریز (" جتنے انگلستانی انگریز .. سپریم کورٹ کے محکوم تھے" زبدہ) جوانان انگلستانی (زبدہ)، انگلش
(انگلش بڑے فہمیدہ .. ہیں" سلطان الاخبار)، عہد دولت انگلشیہ، "تاجران انگلشیہ، انگریز"، انگریزی
حکومت جب مہر کو عطا کی"، سرکار انگریز بہادر سرکار انگریزی، انگریزی بولی، انگریزی
ملاح (النواح)، انگریزی سوداگر (النواح)، افسر انگریزی (اردو) فرانس، فرینس، فرانسیس (فرانسیسی کہیں
نظر نہیں آیا)، فرنچ (صرف ایک جگہ: کمپنی فرنچ ایکو سٹریز)، روس، پروشیہ، اسپین، ہالینڈ، بلجیم، ڈنمارک
سارڈین، اسکاٹ لینڈ، ایرلنڈ (شاہی مہر میں بھی اسی طرح)، ارلنڈ، رعایائے رومن، اسٹریا، اسٹریہ
(ط اور ت کے ساتھ بھی)، ایشیا۔ کرانی (" اکثر انگریز ولایتی و کرانی صرف بہ شوق تماشا کچہری میں آتے" اسعد)
خطاب اور لقب : ملکۂ معظمہ کوئین وکٹوریا، زار یعنی شہنشاہ روس، ڈیوک، مارکوش، مارکوئیس، ارل،
رائٹ انریبل گورنر جنرل بہادر، مراتب باتھ (اردو)، لیڈی صاحبہ (گورنر جنرل کی بی بی کے لیے
استعمال ہوا ہے)، لارڈ (د کے ساتھ بھی)، شاہزادۂ والا تبار پرنس البرٹ، آنریبل کمپنی بہادر۔ x
عیسائی مذہب سے متعلق : پوپ یعنی پادری اعظم، پادری، رومن کاتھلک، گرجا۔ گرجا گھر۔
لڑائی سے متعلق : کماندر انچیف (کماندر کی جگہ کمندر اور کمنڈر بھی)، جرنیل، جرنل، برگیڈیر جنرل (برگیڈر
(ڈ کے ساتھ بھی)، برگڈیر (د کے ساتھ بھی)، برگڈ (ڈ النواح)، میجر جنرل، اجیٹن جنرل، صاحب اجیٹن،
اجوٹنٹ، کرنیل، میجر، کپتان، گڈمہ کپتان "گڈمہ کپتان لوگ .. پیمایش کر رہے ہیں کہ جہاں مناسب ہو
چھاؤنی پڑے" النواح)، لفٹنٹ (ت کے ساتھ بھی)، کمان افسر، افسر کمان، کمان افسری،
افسر کمیدان (یہ لفظ کسی انگریزی فوج کے سردار کے لیے استعمال نہیں ہوا)، سارجنت، سارجن (اردو)،
ترپ، انستری، کمپنی، کنپنی (ٹ اردو)، پلٹن، اٹ، ایلاٹمن (الحقائق)، رسالہ، باری گارد، بوڈی گارڈ؟)

گارد، سپاہیاں گارڈ، افواج کنجنٹ (کنٹنجنٹ) سپرمینا (کوہ نور) سپرمنیر (مطلع)، رجمٹ، رجمت (ث اردو)
ونگ رجمت، بیٹری، میگزین (میگزین کے چھکڑے"، "ایک میگزین میں ۴۰ من باروت") یسج ٹرین ("پانسو سوار
... رسالہ سندھ سے بگڑے؟ یسج ٹرین یعنی قلعہ کشا توپ ... ملتان کو آتے ہیں") مسکوٹ، مسکوٹ گجر،
آر یگلر رجمٹ، اور گیولر، رسالۂ چہارم اریگلر، لام ٹوٹنا (زبدہ والنواج ف۔ لام کو صاحب نور اللغات نے
انگریزی لکھا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کون سا لفظ بگڑ کر لام ہوگیا) بم کا گولہ، پریٹ، احاطہ کانٹین، رشتہ
ملٹری فنڈ، کمپو، کمپنو، کمپ (ذ اردو) کنپ، کیمپ (کیمپ ایک آدھ جگہ) کورٹ مارشل (ث اردو)
کمیدانی، کمسریت کا گودام (ذ اردو)، پلٹن (ت سے بھی ث) پلاٹن (الحقائق)، لفٹنٹ، لفٹنت
لین (ث "سپاہ کو بہ مجبوری اپنی لینیں چھوڑنی پڑیں" اردو) ہ کوٹر شکست ہونا (اردو)
کورٹ مارشل (ث اردو) "کورٹ (فوجی جرائم کے لیے "کورٹ واسطے تحقیقات کے مقرر ہوئی ہے" اردو)، گودام
انجینیر (ذ اردو)

حکومت کے اداروں، قانون اور سرکاری ملازمتوں سے متعلق: گورنر جنرل (ان کے لیے لات صاحب، لاٹ
صاحب اور لاڈ صاحب بھی مستعمل ہوا ہے)، لفٹنٹ گورنر (لفٹنٹ کئی طرح لکھا ہے) محکمہ لفٹنٹ گورنری محکمہ
لفٹنٹی گورنری آگرہ، گورنر بمبئی، کمشنر، کمشنری، کلکٹر (کلکٹر) اور کلکر (یہ کئی جگہ ہے۔ نہ معلوم محض کاتب کی
غلطی ہے یا اس زمانے میں کچھ لوگوں کی زبان پر اس طرح بھی تھا۔ ایک جگہ یہ الفاظ ہیں، ریاست کشمیر
کی خبر ہے: انگریزی کلکٹر تم پر مقرر کروائیں گے)، ارباب پارلمنٹ، صدر بورڈ، امنائے بورڈ (بورڈ بھی)
ڈپٹی کلکٹر، صاحبان سول یعنی ارباب قلم، سرکار کمپنی بہادر، بورڈ ایڈمنسٹریشن (ڈ اور ت کے ساتھ بھی،
مجسٹریٹ (ث اور ت کے اختلاف کی ہر ممکن صورت)، مجسٹریٹ (یہ بھی کئی جگہ ملتا ہے، پتا نہیں کہ کاتب کی
غلطی ہے یا یہ شکل بھی رائج تھی)، گورمنٹ، گورمنٹ (دونوں ت کے ساتھ بھی)، کاغذ اشامپ،
صاحبان کونسل بنگالہ، ارباب کونسل لندن، انڈیا ہوس کوٹ افڈ ڈکٹرس، کورٹ دایرکٹرس، کورٹ آف
ڈائرکٹرس، کورٹ آف ڈائی رکٹرس (ز کے ساتھ بھی ایک جگہ ہے)، سلیکٹ کمیٹی، ارباب کونسل ولایت
گورمنٹی (ت کے ساتھ)، کمیٹی کے دن ("مال کمیٹی کے دن پیش کیا جائے" تاجر دن لفٹ گورنری کا) پنشن،
کلکٹری (ت کے ساتھ بھی قانون اور عدالت)، کمشنری، صدر بورڈ، جنرل آرڈر (گورنر جنرل کا) کنسٹرکشن
(لیکن گورمنٹ گزٹ کے خلاصے میں کنسٹرکشن)، سرکیولر، سرکولر، سرکلر (زیادہ سرکیولر) سپریم کورٹ، سوپریم
کورٹ، رپورٹ، رپوٹ، (ہر دو اردو ث) ریپرٹ نویس، ڈکری نویس، ڈگری اور دگری بھی لیکن
اس اخبار میں اکثر گ ایک مرکز کے ساتھ لکھی جاتی ہے۔ غالباً صرف ڈگری مروّج تھا) صاحب رجسٹر صدر دیوانی
(رجسٹرار) کمرانی (بہ معنی منشی الصدر)، بریسیڈنٹ میمبر (دونوں اس کمیٹی کے لیے جو مولراج کے مقدمے کی سماعت
کے واسطے مقرر ہوئی تھی)، ڈپٹی کلکٹر (ڈپٹی اور ڈبٹی بھی)، سکرتر، سیکرٹر، سکرتر اعظم، سیکرٹری،

جیلخانہ: پولیس، پولس، سپرنٹنڈنٹ دو اوورت کے جملہ اختلافات کے ساتھ، اپیل (ذ)، اسسٹنٹ کمشنر (لفظ اسسٹنٹ کی ایک شکل ایسسٹنٹ)، عہدہ: پریسیڈنسی کونسل پنجاب، ممبر کونسل ڈپٹی گورنر اسسٹنٹ مجسٹریٹ، صاحب انڈر سیکرٹری

متفرق امور: بوتل، ساشن، بسکٹ (ز)، ڈبیاں قسم تلیچہ (کذا جس کو بسکٹ کہتے ہیں الحقائق)، اسٹرین (یعنی ریل کے ڈاک کی گاڑی الحقائق)، نیلام (ذالنواح الحقائق)، نمبر (جیسے سرکلر نمبر ۳)، بگھی کوچ، گودام (ذ، اردو)، نمبر وار، آہنی پیپے (پیپا کی جمع اسعد)، استر (مثر صرف ایک جگہ)، لیڈی (عام خواتین کے لیے)، میم (کسی فرنگی کی بی بی یا کوئی فرنگی عورت (آیا (اسعد الاخبار)، یہ لفظ مغربی نہیں لیکن اہل مغرب کے ذریعہ سے ہندوستان میں پھیلا ہے، اردلی کے سوار

علم و تعلیم سے متعلق: پرنسپل مدرسہ، آگرہ کالج (صرف ایک جگہ عموماً مدرسہ)، اسکالرشپ (اسعد الاخبار)، علم انجینیرنگ گورنمنٹ آف انڈسٹری (ارباب کونسل تربیت)، ڈپلومہ (منصفی کا ڈپلومہ)

ڈاک اخبار اور طبع سے متعلق: پریس (ذ، اسعد)، کاپی اور کاپی نویس (اسعد)، پرسم اڈوانس (زبدہ)، پوسپیڈ (پوسٹ پیڈ)، چھاپا، چھاپاخانہ، نمبر اخبار، نمبر کہیں کہیں ملا، ایڈیٹر، کاغذ بہ جیفہ بیرنگ، ڈاک پارسل (ت، اردو، اسعد)، گورنمنٹ گزٹ، ریل، ٹیل، ولایت سے پہنچی، مفوائد الناظرین، تمام پوسٹ ماسٹر جنرل (پوسٹ بھی)، جنرل پوسٹ ماسٹر، چھاپنا، چھپنا (چھاپا کو نور اللغات میں پرتگالی سے ماخوذ لکھا ہے)۔

جہاز سے متعلق: کپتان، نیٹ، نیٹ، مستول۔

مال سے متعلق: محصول، پرمٹ، ٹیکس، زرٹیکس، مجسٹریٹ بہادر کوتوال... کی کارگزاری سے بہت خوش ہوئے اور علاوہ زرٹیکس کے کچھ اور بھی... اقرار کیا، کوتوال کو زرٹیکس کیا؟، ٹریزری، بل (ذالنواح)

زمین اور پیمائش سے متعلق: ایکڑ (acre)، انچ (INCH)، فٹ (نمبر کے لیے کئی جگہ نمٹ)، نمبر بندی اور باب نمبر بندی دیہات کے۔

ڈاکٹر (دو اوورت کے جملہ اختلافات کے ساتھ)، ایک جگہ ڈاکٹر کے بعد مٹر بھی مستعمل ہوا ہے، ڈاکٹری مدرسہ، ہسپتال (سلطان الاخبار)، اسپتال (ت)، اسپتالیں (اردو اسعد)، اسسٹنٹ سول سرجن، کلوروفارم، کلوری فارم

دیگر ریاستوں سے متعلق: رزیڈنٹ (دو اوورت کے ہر ممکن اختلاف کے ساتھ)، رزیڈنٹی، رزیڈنسی، ایجنٹ، ایجنٹ (ت کے ساتھ بھی)، ایجنسی، ایجنٹی، اسسٹنٹ ایجنٹ، ایجنٹ گورنر جنرل بہادر، نائب ایجنٹ، پولیٹیکل ایجنٹ، صاحب اسسٹنٹ بہادر، گوالیر اسسٹنٹ دوم، اسسٹنٹ دہلی، افواج کمپنی، ڈ، ذکر، نٹ، موٹ، اخباروں کے مکمل نام نہیں لکھے گئے۔

قران السعدین

(۱) نواب محمد شریف خاں (۲) آزردہ کی دو غزلیں (۳) "لفظ تبدیلی" (۴) کتاب کریم الدین متعلق محاورات و امثال اردو (۵) زبان اردو، دہلی لکھنؤ (۶) لفٹنٹ سدرلینڈ "اجنٹ گورنر جنرل" (۷) مردم شماری دہلی و تعداد مساجد (۸) عنایت علی خاں داماد نواب رامپور (۹) حافظ قاری سید جعفر علی (۱۰) میر قاسم علی (۱۱) معیار شعرا کذا (۱۲) غلام رسول سابق کوتوال۔

"قرانُ السعدین" دہلی کے ۱۸۴۸ء کے شمارے نیشنل آرکائوز دہلی میں موجود ہیں اور میں نے انھیں سرسری نظر سے دیکھا ہے۔ مقالۂ ہٰذا اس یادداشت پر مبنی ہے جو میں نے اس کے متعلق چند ہفتے قبل لکھی تھی۔

(۱) نواب محمد شریف خاں انگریزوں کے حامیوں میں تھے۔ ان کی وفات پیشاور میں بتاریخ ۲۰ دسمبر ۱۸۴۷ء کو ہوئی۔ (شمارۂ ۱۲ فروری)

(۲) شمارۂ ۷، ۲۰ مارچ میں آزردہ کی دو غزلیں ہیں:

(۱)

انصاف کر کہ لاؤں میں پھر کونسا وہ دن
محشر کے روز بھی جو نہ دادِ جگر ملے

پروانہ وار ہے حدِ پرواز شعلے تک
جلنے ہی کے لیے مجھے یہ بال و پر ملے

آنے سے خط کے جاتے رہے وہ بگاڑ سب
بن آئی اب تو حضرتِ دل تو خضر ملے

کیا شکر کا مقام ہے مرنے کی جا ہے دل
کچھ مضطرب سے آج وہ بیرونِ در ملے

عالم خراب ہے نہ نکلنے سے آپ کے
نکلو تو دیکھو خاک میں کیا گھر کے گھر ملے

ہے شامِ ہجر آج تو او ظالم او فلک
گردش وہ کر کہ شام سے آ کر سحر ملے

گو پاس ہو یہ چین تو ہے اس بگاڑ میں
کیا لطف تھا لڑے وہ ادھر اور ادھر ملے

دل نے ملا دیں خاک میں وہ وضعداریاں
جوں جوں مڑ کے وہ ملنے سے ہم بیشتر ملے

ٹوٹے یہ بخیہ زخم کا ہم دم کہیں سے لا
خنجر ملے کٹار ملے، نشتر ملے

تھا اصل میں مراد ڈبونا جہان کا ۔۔۔ قابل سمجھ کے گو یہ ہیں چشم تر ملے
اس کی گلی میں لے گئے آزردہ کو اسے ۔۔۔ دی تھی دعا یہ کس نے کہ جنت میں گھر ملے

(۲)

اک بات پر بگڑ کے نہ جو عمر بھر ملے ۔۔۔ اس سے طریق صلح کی کیا صلح سر ملے
باہم سلوک تھا ترے دور حسن میں ۔۔۔ یہ رسم اٹھ گئی کہ بشر سے بشر ملے
دل محو چشم یار تھا بیمار پڑ گیا ۔۔۔ کچھ ان پرستشوں کا بھی آخر ثمر ملے
اے نالہ تو نے ساتھ دیا آہ کا تو کیا ۔۔۔ امید کیا اثر کی جو دوا بے اثر ملے
صدمہ جگر پہ پہنچے تو ہو دل میں کیوں نہ درد ۔۔۔ کیا فرق کچھ جدا نہیں ہیں دل جگر ملے
ہم کو ہمارے طالع بد نے ڈبو دیا ۔۔۔ اچھے تھے گر نصیب ترکیوں چشم تر ملے
دھوؤں صد آب تیغ سے اے بہتر جو کبھو ۔۔۔ دامن سے تیرے دامن داغ جگر ملے
امید اپنی ہیں اس کی ملے یوں صبا سے ہم ۔۔۔ جس طرح بے خبر سے کوئی بے خبر ملے
جو کچھ نہ دیکھا تھا سو وہ دیکھنا پڑا ۔۔۔ اس بیوفا سے پہلے تھے کیا دیکھ کر ملے
دیکھے ہنر جو اپنے ہے وہ جانے اس کا کام ۔۔۔ ہم کو تو عیب دیکھ کے اپنے ہنر ملے
مہر جہاں فروز دکھا دوں جبیں کو میں ۔۔۔ گر سنگ آستانۂ خیر البشر ملے
ملنے سے اس کے گھٹتی ہے کیا شان تیری حسن ۔۔۔ آزردہ خستہ حال بھی ملے تو گر ملے

(۳) ۱۱ گیارہ اپریل کے شمارے میں "لفظ تبدیلی" مستعمل ہوا ہے۔ ص ۱۷۰

(۴) ۱۷ اپریل۔ کریم الدین مدرس اردو مدرسۂ آگرہ کی کتاب متعلق محاورات امثال اردو تالیف کی ہے۔ یادداشت کے بعض الفاظ جو کتاب کے موضوع کے بارے میں ہیں۔ پڑھے نہیں جاتے۔

(۵) زبان اردو دہلی و لکھنؤ کی بحث۔ ص ۲۵۶ شمارہ ؟

(۶) ۲ جولائی، بتاریخ ۲۴ ماہ گذشتہ بھرت پور میں لفٹنٹ سدرلینڈ اجنٹ گورنر جنرل کی وفات ہوئی۔ یہ آگرہ میں دفن ہوئے۔

(۷) تعداد مساجد دہلی ۲۶۱ قلعہ کو چھوڑ کر باشندگان دہلی کی تعداد ۹۷۰، ۱۳۷ تھی: نصرانی ۳۲۲، مسلمان ۶۶۱۲۰، ہندو ۷۱۵۳۰۔ شمارہ ؟

(۸) ۲۲ اگست شب دوشنبہ گذشتہ عنایت علی خاں داماد نواب رامپور کو باورچی ہدایت اللہ نے زہر دیا مر گئے۔

(۹) ۵ ستمبر ۲۹ رمضان ۱۲۶۴ھ "مولوی حافظ سید جعفر علی" نے حامد علی خاں کی مسجد میں قرآن ختم کیا۔ محفلِ ختم میں کالے صاحب (بہادر شاہ کو ان سے "بیعت") صدر الدین صاحب اور امین الدین خاں شریک تھے۔

(۱۰) میر قاسم علی منصف پانی پت قران السعدین کے خریدار تھے۔ شمارہ ؟

(۱۱) اشتہار معیار شعرا (کذا) از ابو الحسن مشتہر کے مکان میں ہر پندرھویں دن مشاعرہ ہوتا ہے۔ ہر مشاعرہ کی غزلیں "دو ورقہ" میں طبع کرائی جائیں گی۔ "نصف آخر صفحہ" میں علم عروض و قافیہ کی بحث غزل سے پہلے شاعر کا حال ہوگا۔ پہلا پرچہ ۲۱ نومبر کو طبع ہوگا۔ شمارہ ؟ ص ۲، ۵

(۱۲) غلام رسول خاں سابق کوتوال فی الحال بخشی لکھنؤ مقرر ہوئے ہیں۔ شمارہ ؟

••

پٹنہ ہرکارہ ۱۸۵۵ و ۱۸۵۶ء

"پٹنہ ہرکارہ" صوبہ بہار کے قدیم ترین اخباروں میں ہے۔ اس کے حسب ذیل ۱۶ شمارے جن میں سے کچھ ناقص (ن) پیش نظر ہیں۔ ان میں ۱۱ کتب خانۂ خدا بخش پٹنہ میں ہیں، باقی ماندہ منیر کی پرانی خانقاہ کے کتب خانے سے ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ کی نمائش کے لیے آئے ہیں۔ (۱) جلد ۱ نمبر ۱ بابت ۱۱ اپریل ۵۵ء = ۳ شعبان ۱۲۷۱ھ (۲) ۱/۵ (۳) ۱/۱۵ (۴) ۱/۱ (۵) ۱/۴ (۶) ۱۱/۴ (۷) ۲/۴ (۸) ۱/۸ (۹) ۲/۸ (۱۰) ۳/۹ ن (۱۱) ۱/۱۰ ن (۱۲) ۲/۱۱ (۱۳) ۱/۱۲ (۱۴) ۲/۱۳ ن ۱/۱۴ ۵۶ء ن (۵) ۲/۱۵ (۱۶) ۱/۱۶۔ بہار ہرکارہ ستمبر ۵۶ء سے اخبار بہار کے نام سے موسوم ہوا، اور اس کے بھی کچھ شمارے موجود ہیں؛ اس کا حال کبھی اور مرقوم ہوگا۔ ذیل میں پٹنہ ہرکارہ کے شمارہ ہائے مذکور کے بعض مندرجات کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) "قبل اس کے اشتہار دیا گیا تھا کہ تین پیمانہ کبیر الاخبار مقام کٹرہ کھر دوھر لعل علاقہ تھانہ گھاٹ خواجہ کلاں محلات شہر پٹنہ باہتمام سیدشاہ امید علی بزبان اردو طبع ہوکر خدمت میں ناظرین اخبار کے پہنچا کرے گا اور قیمت اس کاغذ کی ایک روپیہ ماہواری اور بطور پیشگی سالانہ نو روپیہ لیا جائے گا، مگر شاہ امید علی مہتمم نے قبل اجرائے کاغذ کبیر الاخبار کے بتاریخ ششم صفر ۱۲۷۱ھ سفر آخرت اختیار کیا۔ اس سبب سے اس قدر توقف اجرائے اخبار میں ہوا۔ الحال .. اشتہار دیا جاتا ہے کہ نام اس اخبار کا پٹنہ ہرکارا (کذا) مقرر کیا گیا اور ہر مہینے انگریزی کی پہلی اور گیارہویں اور اکیسویں تاریخوں کو اخبار بزبان اردو جس میں خبریں ہفت اقلیم کی اور آئین اور قانون اور تبدیلی اور بحالی و رخصت و معزولی حکام اور علاوہ اس کے اشعار و لغز و حکایات نادرہ اور اصول ہر علم و فنون طبع ہوا کریں گے اور سوائے اس کے کتابہائے ہر علوم مع تصویر و بے تصویر طبع ہوکر فروخت ہوگی، چنانچہ بالفعل نسخۂ چہار گلزار طبع ہوتی (کذا) ہے۔۔ واضح ہو کہ جو خبر مثل ہجو کسی شخص کے جس میں تذلیل و تحقیر کسی کی ہو ہرگز طبع نہ ہوگی۔ برخلاف اس کے کہ جو خبر ایسی صحیح کہ وقوع اس واقع کا بلا تشکیک و تمہید ہو، چند وہ محمول ہو اوپر قدح یا مدح کے چار و ناچار طبع ہونا اس کا ضرور ہوگا۔"

۲۰ر فروری کو "کچھ گورے رنگروٹ واسطے بھرتی پلٹنوں براہ جگراون انبالہ کو جاتے تھے، انھوں نے جگراون میں رجب علی خاں بہادر رئیس جگراون سابق میر منشی پریسیڈنسی پنجاب کے پروردہ کبوتروں پر بندوقیں چلائیں۔

ان کے نوکروں نے شور کیا اور انھیں پکڑنے لگے، تین بھاگ نکلے لیکن ایک پکڑا گیا۔ اسے .. خوب پٹھرک (کذا) دی اور لاکر قفس تھانہ میں بند کیا۔" گوروں نے اپنے افسر کو جاکر خبر دی اس نے "طرم یعنی بگل تیاری کا بجوایا" اور پلٹن عازم جگراؤں ہوا۔ یہاں خبر آئی تو تھانے کا دروازہ بند کرنا چاہتے تھے، لیکن، اس کے قبل ہی گورے آگئے اور انھوں نے جملہ اسے سنگین سے زخمی کیا۔ گورے رجب علی خاں بہادر کے یہاں پہنچ کر "انھیں نہایت زیر و زبر کر بری طرح پیش آئے کہ تحریر حالات میں شگاف دہان قلم مفتوح نہیں ہوسکتا اور عزم بالجزم کیا کہ گلشن خانہ کو رشک لالہ زار کریں مگر چاکران مولوی صاحب (رجب علی خاں بہادر) نے انطفا اس آتش غضب کا بآب زر کیا۔" گوروں نے شہر میں لوٹ مچائی، بیس پچیس آدمی زخمی ہوئے جن میں گوبند لعل تھانیدار بھی ہیں۔ رپورٹ صاحب ضلع لدھیانہ کو گئی ہے اور تحقیقات ہو رہی ہے۔ "سپاہیان گورہ (کذا) رعایا پر نہایت ظلم و تعدی کرتے ہیں، چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ شہر لاہور میں بعد شام ایک گورے نے نمستے لچھے (کذا) رام... سررشتہ دار جوڈیل کمشنر کے سر پر چوبدستی ماری کہ جوئے خوں رواں ہوئی اور قصور اس کا اسی قدر تھا کہ صاحب کو آتے دیکھ کر راستے میں نہ بچا اور ادب نہ کیا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ مردمان اس ولایت کو احتراز انھوں سے نہایت ضرور ہے ورنہ مضرت اپنی متصور، بمصداق مثل اپنی عزت اپنے ہاتھ ہے۔"

لکھنؤ کی خبریں: قریب ۲۰۰ خاکروب مسلمان ہوئے اور "بکمال کر و فر سینہ زناں برہنہ سر واسطے زیارت درگاہ .. امامین کے گئے۔" ان کی دعوت کے اخراجات شاہ اودھ نے دیے۔ ان کی شناخت کے لیے "ایک قسم کا تاج گاودم سرکار شاہی سے عنایت ہوا۔" دوسری خبر یہ ہے کہ مجتہد نے "جگرناتھ گار ہنگر کے قتل کا فتویٰ بدیں دلیل نہیں دیا کہ ایک آدمی مسلمانوں کے ایک آدمی کو قتل کرے تو البتہ اس پر از روے شرع.. قصاص لازم آوے گا.. ایک آدمی بہت آدمی کو قتل کرے تو قاتل بمکافات جرم قاتل حبس دوام کے متصور ہو گا۔"

۱۲۷۱ھ کی ۲۵ رجب کو قاسم علی خاں کے صاحبزادے کی شادی فرزند علی خاں کی بیٹی سے ہوئی، اور ۵ مارچ کو (مطابق جمادی الثانی ۱۲۷۱ھ) حکیم ابوالحسن کی وفات ہوئی۔ انکا تخلص محزوں، رَاسخ کے شاگرد تھے۔

اس شمارے میں حسب ذیل اخباروں کے حوالے ہیں: الحقائق، دوربین، آفتاب ہند بنارس، بنگال ہرکارہ (یہ غالباً انگریزی)۔

(۲) اختلاف سید عبداللہ اور راجہ بتیا کے معاملات داد و ستد کا ذکر۔ "ایک چھٹی انگریزی کلکتہ سے مرسلۂ اقسر پادریان متضمن بدعوت دین عیسائی بکمال شد و مد ہر اضلاع و امصار میں بیشتر اکثر حکام ہندستانی و عقلائے فرق ہنود و مسلمانی کے مشتمل بطلب جواب پہنچی ہے چنانچہ ان دنوں عظیم آباد میں.. اس کا چرچا ہو رہا ہے۔" آیندہ ہفتے میں اس

کا ترجمہ شائع کرنے کا وعدہ۔

ایک حکایت متعلق گنا بیگم و عمدۃ الملک یہ صحیح ہو یا فرضی "عمدہ" کی جگہ "عماد" چاہیے۔

اس شمارے میں حسب ذیل اخباروں کا ذکر: مرآۃ الاخبار و کوہ نور (بحوالہ دوربین) عمدۃ الاخبار سورت، آفتاب ہند، لاہور کرانکل۔

(۳) جواب تحریر عیسائیاں (فارسی) از عبداللہ۔

"مخبر ہمارا خبر دیتا ہے کہ بتاریخ ۲۱ شعبان.. صاحب مجسٹریٹ بہادر (شاہ آباد) جیل خانہ میں تشریف لے گئے اور چاہا کہ قیدیان ظروف گلی میں کھانا کھاویں اور پانی پیویں مگر قیدیان نے اس بات کو قبول نہ کیا۔ یہاں تک کہ نوبت کشت و خون کی پہنچی۔.. مخبر تفصیل مجروحین و مقتولین نہیں لکھتا ہے.. بلکہ اسی قدر کہ اس وقت تک قیدیان بے آب و دانہ جیل خانہ میں بند ہیں۔.." "جو کچھ صاحب اخبار دوربین نے.. لکھا ہے نہایت خوب.. ہے.. خلاصہ اس کا یہ ہے۔ چند روز ہوئے کہ گروہ نصاریٰ کلکتہ نے ایک مجلس ملقب بہ ینگ مینس کرسچین اسوسی ایشن.. واسطے شیوع ملت عیسائی.. ترتیب دی ہے، بلکہ اکثر جلسہ انھوں کا ٹون ہال میں ہوتا ہے، چنانچہ ان دنوں ایک اہالی جلسہ نے.. کئی ہزار نسخے دوورقی.. باشندگان قلمرو سرکار کے پاس بھیجا ہے" "چٹنہ مہر کادہ کی رائے" "سرکار نے اب تک کوئی زبردستی بہ نسبت رعایا نہیں فرمائی بلکہ ہمیشہ عدل و انصاف ہی رہا.. اور یہی باعث تھا کہ قیام سلطنت تا ہنوز باقی ہے.. بالفعل کہ دعوت سوے ملت عیسائی ناموں میں لکھی گئی ہے عجب نہیں کہ یہ امر فتنہ پردازوں نے برپا کیا ہو اور نمایش استحکام بنائے ملت منظور ہے مگر در پردہ انہدام خانۂ ریاست مقصود اور اگر بالفرض کوئی اشہب زباں کو میدان بیاں میں یوں دوڑائے کہ خود سرکار.. کو منظور ہے کہ تمام اقوام دین عیسائی بزور شمشیر قبول کریں جیسا کہ زمانہ نبی صلعم سے زمانے تک شاہان اسلام کے یہ طریقہ جاری رہا۔ پس اگر سرکار نے بوقت سلطنت دعوت طرف دین اپنے کے کیا قباحت تو یہ بات اس کی ناشی عن الغفلت اور قیاس اس کا قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ زمانہ نبی صلعم میں ہرگز اولاً شمشیر علم نہیں ہوئی بلکہ معجزے اور دلائل سے اتمام حجت کی گئی.. مگر صرف تکبر و عناد کی راہ سے انکار کرتے گئے اور درپے ایذا ہوئے تب.. لاچار دست قبضۂ شمشیر پر لے گئے۔"

(۴) تفاصیل متعلق قیدیان شاہ آباد۔

اخبار اٹدسیٹن ورڈ (کذا) دہلی سے معلوم ہوا کہ مہاراجہ بخت سنگھ والی جودھپور دہلی آئے اور لفٹننٹ گورنر آگرہ سے اجازت چاہی کہ بادشاہ سے ملیں، جواب آیا کہ بدون اجازت گورنر جنرل کوئی ہندوستانی رئیس بادشاہ سے

ملاقات نہیں کر سکتا۔ ۱۰ شعبان کو مسلمانان کلکتہ کا ایک جلسہ محلہ تالتا میں محمد منظر خلف قاضی غلام سبحان مرحوم سابق قاضی القضات صدر کلکتہ کے مکان پر زیر صدارت قاضی عبدالباری قاضی کلکتہ منعقد ہوا اور عبدالرؤف اور محمد مظہر نے تقریریں کیں۔ یہ قرار پایا کہ صلاح و فلاح اہل اسلام کے لیے انجمن بنائی جائے۔ قاضی القضات فضل الرحمن خاں بہادر اس کے صدر، قاضی عبدالباری نائب صدر، حاجی محمد خاں "میر مہتمم" اور محمد وجیہ، عبدالصمد، عبداللطیف، عبدالرؤف، عبدالجبار، فضل کریم، غلام عیسیٰ، رحمت علی، احمد جواد علی، عبدالحمید اور غلام یحییٰ (سب کے نام کے قبل باستثنائے منشی فضل کریم "مولوی") اہلیان جلسہ منتخب ہوئے۔

ایک ہاتھی چار سو ستائیس روپوں میں خرید ا گیا۔

(۵) جواب رسالہ دعوت نامہ عیسائی (اردو)۔

(۶) "میر ہدایت علی باشندۂ دہلی کہ.. کسی کو اتنی جرأت نہیں کہ ان سے مرغبازی کر سکے۔ تمام عمر.. اسی شغل میں صرف کی اور کل املاک خبر گیری میں کھلاڑیاں اس فن کے تباہ.. کیا اور.. دقیقات اس فن کے مرزا احمد علی سے کہ لکھنؤ میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا سیکھے اور مرشد آباد میں جا کر نواب.. مرغ لڑا کے بہت کچھ حاصل کیا.. بالفعل ایک بازی میر کفایت علی خلف میر رحم علی ساکن محلہ گرہٹہ کے روسا اس شہر کے ہیں، ان سے دھوکے میں ہار گئے.. بعد ازاں ۹ عدد بچہ مرغ میر کفایت علی کے یہاں پیدا ہوئے، ایک کو میر ہدایت علی نے مرغی کہا، اس پر شرط ہوگئی۔ میر ہدایت علی بولے کہ یہ مرغ نکلے تو میں سید نہیں۔ اس کے بعد کچھ مذہبی گفتگو ہوئی، یہ بولے کہ مرغی نکلے تو سید کفایت علی شیعہ ہو جائیں، اس کے خلاف ہو تو ہدایت علی سنی ہو جائیں۔ یہ بات قلمبند بھی کر لی گئی اور فریقین نے اس پر دستخط کر دیے، لکھا کہ تبدیل مذاہب نہ کرے تو کافر و مشرک ہو۔ بہتوں نے بچے کو دیکھا اور اسے مرغی بتایا، لیکن دو ماہ بعد مرغ نکلا۔ ہدایت علی نے اب تک اعلان تبدیل مذہب نہیں کیا۔

خبر قید خانہ شاہ آباد۔

اس شمارے میں جام جہاں نما کا ذکر۔

(۷) سو آردوں کے بلوے سے متعلق تفاصیل "بہت سے سپاہیان افواج سرکاری اور دو صاحبان افسران اہل ولایت" "مقتول ہوئے تھے۔ ڈھاکہ میں عیسائیوں کو لوٹنے، زخمی کرنے اور کسی کو مع زن و فرزند پکڑے جانے کی خبر (بحوالہ بنگال ہرکارہ) خبر متعلق بھرت پور، بحوالہ "چشمۂ فیض۔ فتح جنگ کیے از پسران شاہ شجاع الملک لندن جانے والے تھے اطراف لکھنؤ میں پہنچ کر مر گئے۔ تابوت لدھیانہ گیا۔ وفات حکیم ایوب علی بتاریخ ۳ اگست "، طبیبوں میں بے نظیر

تھا اب عظیم آباد میں طبیب کہنہ مشاق باقی نہ رہا۔"

(۱۰) ہنومان گڑھی کی خبر۔ آفتاب ہند سے خبر متعلق اندور قیاساً منقول اس میں مشیر الدولہ رائے امید سنگھ کا نام۔ اس شمارے میں چشمۂ فیض ددور بین کا حوالہ بھی ہے۔

(۱۱) "احسان حسین خاں.. کو بعد انتقال وصی علی خاں کے حسب مشورہ.. بڑے صاحب.. اس مقدمے میں مشیر.. بنایا۔ اب دنوں یہ دونوں.. (چونکہ شمارہ ناقص ہے، یہ پتا نہیں کہ احسان حسین کے علاوہ کون شخص مشیر تھا) مشیر خاص وزیر اعظم کے ہیں، مگر بعضے مفتریوں نے حضرت شاہ اودھ کے مزاج کو مولوی صاحب کی طرف سے منحرف کر دیا ہے اس واسطے چاہتے ہیں کہ وعدہ مندرجۂ اقرار نامہ کو باطل کر دیجئے اور بڑے صاحب بھی امتناع شر و فساد میں کوشش کرتے ہیں اور باطن میں.. معاون ہندوؤں کے ہیں لیکن مجتہدین لکھنؤ ہمہ تن معروف بمدد۔ مسلمانان مجاہدین کے ہیں اور مرزا منعم.. کو توال فیض آباد کو وزیر اعظم نے اپنے حضور میں طلب کر لیا ہے اور مرزا آغا علی.. بھی لشکر میں جانے کا بہانہ کر کے دیہات پر چلے گئے۔ خبر ہے کہ وہ بھی لکھنؤ جاویں گے اور.. لکھنؤ کا یہ حال ہے کہ اکثر شعرائے شہیدان ہنومان گڑھی کے حال میں مرثیہ لکھا ہے.. وہ.. ہر کوچہ و بازار میں شہر والے پڑھتے پھرتے ہیں.. مجلسوں میں رشوت خواران مقدمہ مسجد پر برملا تبرا ہوا کرتا ہے مگر.. رشوت خوار.. غیرت پذیر نہیں ہوتے اور مقام کھری علاقہ خیر آباد میں جو کچھ ہندوؤں و مسلمانوں میں خونریزی ہوئی اس کی کیفیت بھی.. علیحدہ لکھی جاتی ہے" (یہ کیفیت علیحدہ مرقوم ہے)۔

"خبر سہسرام" کئی ماہ قبل شاہ رحیم الدین سجادہ نشیں "آستانۂ حضرت شاہ دیوان لودھن فوت ہوئے تھے اور ان کے بیٹے شاہ عبدالرزاق ان کے جانشیں ہوئے تھے شاہ کبیر الدین احمد سجادہ نشیں درگاہ حضرت شاہ درویش نے ایک مدرسہ جدید واسطے حفاظ قرآن.. کے سوائے مدارس علوم عربی و فارسی.. سابقہ کے جاری کیا ہے۔"

(۱۲) انگلشمین سے معلوم ہوا کہ شاہ اودھ نے "شمسی مہینوں" کے عوض حسب ذیل نام مہینوں کے مقرر کیے ہیں، سرکاری کاغذات میں یہی لکھے جائیں گے: وجدی، محمدی، اختری، سکندری، سلیمانی، نبی (کذا)، امامی، صنوبری، مراتب، منصوری، حسنی، اثنا عشری۔ بنارس میں بعلت گاؤکشی "بڑا فساد ہوا۔ خاص شہر لکھنؤ کیا بلکہ تمامی قلمرو میں شاہ اودھ کے.. نہایت غدر عظیم پیدا ہوا ہے"۔ وزیر الملک نے امیر علی سے "مسجد متنازع" ہنومان گڑھی کے تیار کرا دینے کا وعدہ کیا تھا، اس کی مدت ۲۷ محرم کو منقضی ہو گئی اور تعمیل شرائط اقرار نامہ عمل میں نہ آئی۔ امیر علی نے عزم فیض آباد کیا۔ وزیر الملک نے جہاد سے باز رکھنے کے لیے مفتی سعد اللہ و مفتی یوسف کو "مع افواج سلطانی و ۵۲ ضرب توپ" بھیجا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان سپاہی امیر علی سے ملے ہوئے ہیں اور خود ان کے ساتھ ہزاروں مجاہدین ہیں۔ خاص لکھنؤ

میں بھی "فساد عظیم برپا ہے۔" کسی نے ایک تہخانے میں گائے کی ایک ران اور دوسرے میں سر ڈال دیا۔ اس سبب سے کل ہندو اور مسلمان مستعد فساد ہیں۔ شاہ اودھ نے منادی کر دی ہے کہ مہاجن جوہری اور صراف اپنی دکانوں سے ہوشیار رہیں۔ یہ سب چشم دیدہ ہے۔ سنا ہے کہ "خرراجگاں دیگر بلاد مثل حیدر آباد وغیرہ" رزیڈنٹ کے پاس پہنچے ہیں۔" فریقین اپنی قوم کے سائی اور .. معاون ہیں۔ مشہور ہے کہ رزیڈنٹ نے کہوا بھیجا ہے کہ اگر مہاراجہ نیپال اس بلوے میں شریک ہوئے تو "ہم کو بجز سکوت" چارہ نہ ہوگا۔ اس شمارے میں کسی نئے اخبار سے کوئی چیز لینے کا ذکر نہیں، اخبار دوربین سے ایران کے متعلق جو کچھ نقل ہوا ہے وہ دوربین نے گلشن نوبہار سے لیا تھا۔

(۱۳) قاسم علی خاں کے بیٹے احمد نواب کی شادی ولایت علی خاں کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ قاسم علیخاں کی بیٹی نے والدین کی مرضی کے خلاف ولایت علی خاں سے نکاح کر لیا۔ تفاصیل درج ہیں، جن کا معتدبہ حصہ ضائع ہوگیا ہے۔

(۱۴) بعد شہادت امیر علی میر محمد نے خروج کیا ہے۔ بنگال ہرکارہ لکھتا ہے کہ شاید ان کے لیے بھی شاہ اودھ نے قتل کا حکم دیا ہے۔ بعض خبروں کے لیے قران السعدین دہلی کا حوالہ (قران السعدین نے بحوالۂ مالوہ اخبار خبر درج کی ہے۔) شہر روم سے متعلق معلومات صادق الاخبار سے منقول۔

(۱۵) تاریخ انگلستان مسلسل چھپ رہی ہے، آغاز یکم فروری ۵۶ء سے۔ سید امیر خاں فرقتی مختار عدالت دیوانی پٹنہ کا ذکر۔ اخبار آگرہ سے متعلق اطلاع۔ غزل فارسی سید منور علی پیر بیگھہ ضلع بہار۔" ایک خط کا یہ خلاصہ ہے کہ شاہ اودھ نے تمام شہر لکھنؤ میں منادی کی ہے کہ کوئی فرد بشر ایسا لفظ زبان پر نہ لاوے کہ اب سرکار انگلشیہ .. اودھ کو اپنے تحت دتصرف میں لاوے گی ورنہ ناک کاٹ لی جاوے گی چنانچہ دو آدمیوں کی ناک بعلت اسی جرم کے کاٹی گئی .. خلاصہ دوسرے خط کا مطابق خلاصہ قطعہ اول کے ہے مگر اسی قدر اختلاف ہے جو کوئی ایسا لفظ زبان پر لاوے گا وہ بسواری خر شہر میں تشہیر کیا جاوے گا چنانچہ کوتوال شہر نے حضور میں وزیر اعظم کے عرض کی کہ یہ خبر .. ہر خاص و عام کی زبانوں پر جاری .. ہے، اس قدر گدھے کہاں سے میسر آویں گے جو اس قدر عوام الناس سزا پاویں گے۔"

(۱۶) غزل فارسی (کرم خوردہ) اللہ متخلص خاطر بر غزل مداح۔

کسی شمارے کا ایک ٹکڑا الگ سے ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوتاروں نے اپنا سکہ بھی جاری کر دیا تھا۔

(بحوالۂ دوربین)

پٹنہ ہرکارہ کسی نقطۂ نظر سے اچھے اخباروں میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

••

اخبار الاخیار مظفر پور

اخبار الاخیار کے صفحۂ اول میں مرقوم ہوا کرتا تھا کہ یہ "سینٹفک سوسیٹی (کذا) صوبہ بہار" کا اخبار تھا اور مطبع "چشمۂ نور" واقع قصبہ مظفر پور ضلع ترہت" میں چھپا کرتا تھا۔ یہ مہینہ میں دو بار نکلتا تھا اور اسکی سالانہ قیمت جس میں ڈاک کا محصول شامل نہ تھا، بارہ روپے تھی۔ اسکے صفحہ (۱) میں یہ شعر بھی ہوا کرتا تھا۔

چشمۂ نور لمعۂ طور است　　　ہر چہ بینی ضیاء آں نور است

ایک شمارے میں ۱۶ صفحات (تقطیع) ہوا کرتے تھے اور کاغذ اتنا برا استعمال ہوتا تھا کہ اب "ہاتھ آئیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے" کا معاملہ ہے۔

شمارہ ۱۴، ۱۵۔ اپریل ۱۸۶۹ء: (۱) "ایک صاحب استفسار فرماتے ہیں کہ یہ اخبار بائیں طرف سے کیوں لکھا جاتا ہے۔ ان کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ بہت تھوڑے دنوں میں انگریزی اور اردو دونوں میں چھاپا جائیگا اس واسطے پہلے سے بائیں طرف سے لکھا جاتا ہے۔" (۲) نیر اکبر بجنور کی تعریف یہ ظاہرا سید زین العابدین احمد مہتمم مطبع زین المطابع بجنور کا اخبار تھا۔ (۳) بیان تحقیقات ہارنر صاحب در باب زمین" از اخبار نسیم جونپور (۴) "جوابات سوالات اسکندر از مسٹر جارج خش بہادر جاگیر دار ہرچند پور وغیرہ (۵) "نواب ناظم بنگالہ جو انگلستان کو تشریف لے گئے ہیں.. مارسیلز میں پہنچ گئے ہیں"۔

(۶) " ایک ہر ماسار (کذا) رسالہ حال میں کلکتہ میں انڈین اسٹوڈنٹ کے ________ نام سے چھپا ہے۔ قیمت تین روپے بارہ آنے سالانہ" از علیگڈھ ۔ (۷) "پنڈت بابو دیو شاستری مدرس علم ہندسہ مدرسہ سنسکرت واقع بنارس نے علم ہندسہ میں وہ کمال بہم پہنچایا کہ فضلائے یورپ نے بھی ان کی لیاقت کو تسلیم کیا، لمعائے امتیاز صلۂ حسن استعداد دیا ۔ برس ہوئے کیمسن صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے ایک جبر و مقابلہ کسی پنڈت صاحب سے فرمائش کی ۔ جناب ڈائرکٹر نے بہت پسند فرمایا اور بموجب اشتہار مجریہ ۳۰ اگست ۱۸۶۸ء گورنمنٹ سے ایک ہزار روپیہ انعام دلایا۔" از میور گزٹ (۸) تتمہ مضمون۔ در بارہ اثبات سکوت زمین" از سید وارث علی (۹) "ترغیب تعلیم نسواں و طفلاں" از میور گزٹ (۱۰) خبر متعلق "آگرہ" منقول از منصیات بحوالہ اخبار عالم

شمارہ ۱۵ یکم مئی۔ (۱) " تقریر ... سید امداد علی خاں سیکریٹری سینٹفک سوسیٹی۔ در باب تعلیم زناں" (۲) اخبار رفیلکٹر سے واضح ہوا کہ پنڈت جگت نراین منصف درجہ اول متھرا بمشاہرہ چھ سو ماہواری جس کی ترقی ہزار تک ہو سکتی ہے۔ عدالت ہائی کورٹ

شمارہ ۱۴ تا ۴۴ پیش نظر ہیں، اخبار الاخیار کا پہلا شمارہ جیسا کہ شمارہ سے معلوم ہوتا ہے ۶۸ء کی ۱۰ ستمبر کو نکلا تھا۔ شمارہ ۴۴ تک انگریزی کا پتا نہیں۔ شمارہ ۱۴ تا ۳۰ میں جن اردو فارسی اخباروں کے نام درج ہیں وہ اس مقالے میں موجود ہیں مگر یہ الزام نہیں کہ ان کے حوالے سے کچھ منقول ہے سب کا ذکر ہو۔ علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ؟

ممالک مغربی و شمالی کے ڈپٹی رجسٹرار مقرر ہوئے ہیں۔ پنڈت صاحب اول آگرہ کی عدالت ججی میں مترجم ہوئے تھے۔ (۳) "بعض کیا بلکہ اکثر آدمی ایسے ہیں کہ وہ خاصے مشہور انگریزی خواں اور اپنے آپ کو بھی وہ بڑا مستعد اور لیق سمجھتے ہیں مگر جب ان سے کوئی چھٹی پڑھوائی جاتی ہے یا کسی اخبار کا ترجمہ کرانے کی نوبت آتی ہے تو غوطہ کھانے لگتے ہیں۔" از جلوہ طور (۴) اس شمارے میں کوہ نور اور چشمۂ علم سے بھی کچھ باتیں نقل ہوئی ہیں۔ (۵) جلوہ طور کی ایک تحریر نقل ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس اخبار کے کئی سو پرچے گورنمنٹ نے خریدنا منظور کیا تھا۔ اور میور گزٹ کو ہدایت کی تھی کہ "نصف اردو اور نصف ناگری میں مضامین علمی و ترغیب و تحریص تعلیم نسواں کی شائع کرو۔ پس آئندہ سے میور گزٹ میں ناگری کا التزام رہے گا۔"

شمارہ ۱۶، ۱۵ مئی: (۱) تقریر سید وارث علی۔ در بارہ بحالی رواج زبان اردو۔ (۲) فروری ۶۹ء سے اخبار مفید علم آگرہ سے جاری ہوا ہے، مہینے میں دو بار، قیمت مع محصول (۲) روپے (۸) آنے "ہمراہ اخبار دو دو ورق .. تزک جہانگیری کا بلا قیمت پہنچا کریگا" مشتہر احمد خاں صوفی (۳) پنڈت شیو ناتھ سکریٹری لٹریری سوسیٹی فتحپور کا خط حمایت اردو میں بنام مہتمم علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ شمارہ ۱۷، ۱۰ جون: (۱) قطعہ وبیت شاہ محمد یحییٰ ابو العلائی:

مرزا نوشہ جناب غالب — در فن سخن وری یگانہ
از اہل سخن ربود دلہا — در شہر بطرز جاودانہ
کیفیت نثر او چہ گویم — دارا ند از دلبرانہ
از کشور ہند تا بفارس — زد کوس کمال خسروانہ
بگذاشتہ خاک پاک دہلی — در شوق بہشت جاودانہ
سال آں بے نظیر یحییٰ — گو بود نظیری زمانہ

غالب ناماور کہ گر قتے از قلم خود کار سیف — رحلت کرد و سالش گفتم حیف جناب غالب حیف

(۲) رباعی متعلق وزارت منشی امیر علی خاں بہادر،

عالی منصب امیر با مجد و علا — نایب شاہ اودھ از لطف خدا شد
تاریخ وزارتش پیشش یحییٰ — خوانیم وزارت مبارک باد

(۳) "مرزا رجب علی بیگ، سرور .. کی وفات .. سے نہایت رنج ہوا۔ مرزا صاحب .. مہاراجہ بنارس کے پاس نوکر تھے۔ اور اس زمانے میں بڑے نامی گرامی شعرا اردو میں شمار کیے جاتے تھے جن کی کتاب فسانۂ عجائب بھی اردو میں مشہر آفاق ہے۔"

(۴) انعامات سنہ ۱۸۶۸ء و ۱۸۶۹ء اور رسالہ جبر و مقابلہ (ہندی)، از پنڈت بابو دیو شاستری جبر و مقابلہ (ہندی) ۱۰۰۰ روپے گذشتہ

تہذیب مضامین اخلاق (اردو) از کالیچرن ندیم الطلباء (کذا) (اردو ڈاکٹری) از جانسن مدرس علم تشریح، مدرسہ ڈاکٹری آگرہ، مفید خلائق (اردو تعلیم زناں) از عنایت حسین، ...۳ روپے ایک درویش کے قصے از نل شاعر کی تصنیف انگریزی کا ترجمہ نظم میں بزبان اردو" از محمد عبداللہ خاں امین عدالت الٰہ آباد، ...۱ روپے زیب النساء (اردو مبتدی لڑکیوں کے لئے اردو) ۵۰ روپے قواعد زبان ترکی (اردو) از محمد مرزا مدرس ضلع اسکول کانپور ۵۰ روپے) کتابوں کی خریداری اور سرکاری چھاپے خانے میں چھپوائے جانے کے متعلق اطلاعات بھی ہیں مگر اس طرح کے بیشتر یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کس کا کس سے تعلق ہے) از علیگڈھ (۵) "مطبع ہاشمی میرٹھ نے ایک بہت بڑی خیر و برکت کا کام کیا ہے .. یعنی بعد ختم قرآن مجید مع التفسیر دو ترجمتین کے حمائل شریف مترجم خیالی اور مظاہر الحق ترجمہ مشکوٰۃ شریف ... طبع فرما رہے ہیں .. قرآن میں ایک ترجمہ اردو .. شاہ عبدالقادر ... کا اور دوسرا ترجمہ فارسی المسمی بہ فتح الرحمان ... شاہ ولی اللہ .. کا اور حاشیے پر تفسیر حضرت ابن عباس .. طبع ہو کر تیار ہے .. مظاہر الحق .. تین ماہ سے چھپتی ہے .. مؤلف یعنی .. محمد قطب الدین .. نے بذریعہ تحریر بخط خاص (کذا) .. اجازت الطباع دی ہے .." از جلوہ طور (۶) خبر سیول سروس از اردو گائیڈ۔

شمارہ ۱۹ یکم جولائی: "انتخاب اسپیچ .. لفٹنٹ گورنر .. ممالک مغربی و مشرقی بتقریب دربار عام الٰہ آباد بتاریخ ۲۴ مئی ۱۸۶۹ء" زبان "ہندوستانی"۔ " .. میں منت و سماجت کرتا ہوں کہ ان تمام امور میں آپ سے فیاضی قابل تحسین کے ظہور میں آئی، جو اشخاص کہ بہت آمدنی رکھتے ہیں، وہ کئی سو روپے لکھ کر اس پر اکتفا کرتے ہیں اور پھر اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ہم نے ایسی فیاضی کی گویا حاتم وقت ہو گئے، لیکن، اے صاحبو، جو عالی ہمتی اور فیاضی کہ دوسرے ملک مثل بمبئی وغیرہ کے دولتمندوں نے اپنے ملک کے لوگوں کے فائدے کے لئے اس قسم کے امور مفید عام میں کرنے سے کی ہے اس پر نظر کرو۔" از علیگڈھ

شمارہ ۲۰، ۱۵ جولائی: "کے .. ہندوستانی اب کی دفعہ سول سروس میں پاس ہوئے .. رامیش چندر دت، بہاری لال گپتا، سرندر ناتھ بنرجی، سری پد بابا جی ٹھاکر" از علی گڈھ (۲) اخبار نور الابصار و اخبار نو ہیل کھنڈ (۳) پائنیر میں .. ہے کہ وہابیوں سے جیل خانہ آباد ہوتا جاتا ہے۔ ایک پیر باشندہ داناپور اور دو مشہور وہابی راج شاہی کے اور ایک مشہور مولوی مالوہ کا جنہوں نے سرحد کے پار نوبھرتیاں اور روپیہ بھیجا تھا۔ اور شہادت کا خیال خام پکایا تھا .. ہر ایک جیل خانے میں پہونچا اور .. گورنر جنرل .. کی یہ تجویز ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے جو در پردہ لڑاوہ (لڑائی) کا سرکار .. سے رکھتے تھے اور قید سے سزایاب ہوئے، ان .. کو قرار واقعی سزا دیجاوے اور ایسی تحقیقات کی جاوے کہ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہوے .. اسکے واسطے جناب جنرل میکوونی صاحب بہادر مقرر ہوئے ہیں" از دو دین و جلوہ طور۔

شمارہ ۲۳ یکم ستمبر: (۱) حوالہ برق خاطف مبئی، (۲) اعلان من جانب" اس، ای فیلن انسپکٹر مدارس قسمت شمالی و مغربی اضلاع داناپور" : رسالہ انجنیری مؤلفہ صادق علی جسکو بہار سینٹفک سوسیٹی نے یہاں تصنیف کیا تھا۔ ملاحظہ کیا گیا۔ .

رسالہ مفید .. ہے اور عبارت سلیس میں .. ہے .. نقول سالہ مذکور کے کتب خانے میں کھی جاویں کہ طالب العلمان مدارس کو .. انعام میں دی جاوے گی۔

شمارہ ۲۴، ۱۵ ستمبر: (۱) "مضمون .. سید وارث علی .. در بارہ تحقیق حقوق متعلق اراضی"، (۲) "تشریف فرمائی لفٹنٹ گورنر بنگالہ بدولت سرائے .. منشی امیر علی خاں بہادر" "ہم کو یاد نہیں آتا کہ ایک قرن کے اندر کوئی گورنر یا لفٹنٹ گورنر شہر کلکتہ کے حضرات اسلامیان کسی کے کاشانہ اقبال میں نزول اجلال فرمائے (کذا) ہوا اور سوا نواب امیر علی خاں اور شاہزادہ غلام محمد کے .. تیسری ستمبر سب شنبہ کو .. سر ولیم گری لفٹنٹ گورنر .. کی تشریف فرمائی کی تقریب میں ایک عمدہ جلسہ منعقد ہوا تھا .. گیارہ یا ساڑھے گیارہ بجے کو .. گورنر ممدوح رخصت ہوئے۔ منشی امیر علی خاں .. عبداللطیف خاں بہادر اور .. کبیر الدین احمد .. سواری تک مشایعت کر کے رخصت کرائے .. عمدہ ساز جو وہاں بجے تھے یہ تھے سارنگی، سرود، رباب، بین، اسرار، ستار جن کے بجانے والے ہر ایک یکتائے روزگار تھے .. ایسے یکتایان عصر کا اس بنگال میں آنا فقط .. بادشاہ اودھ کی قدر دانی .. کے طفیل سے ہے .."

(۳) مطلع واجد علی شاہ اور اس پر امیر علی خاں کی غزل (صرف چند اشعار اس بعد ترکیب بندش ساختم گلہائے مضمون را بسیر دم لیلی دل نخلند بید مجنوں را موقع پر نقل کیے جاتے ہیں۔

دل از جا بردم و دادم بکف عشق جگر خوں را — بہار ناقۂ لیلے اسیر دم دست مجنوں را

لب ہر کس نیارد داستان عشق سنجیدن — شنواز ہاتفی افسانۂ لیلے و مجنوں را

امیر افتد چوں بر من یک نگاہ حضرت اختر — نخواہم بر سر خود سایۂ مرغ ہمایوں را

(۴) امیر علی خاں کا ایک قصیدہ بھی مدح واجد علی شاہ میں ہے جس کا مصرعہ یہ ہے: اے خسرو یگانۂ اقلیم سروری (۵) "بادشاہ اودھ در صحن کوٹھی اسد منزل سعد رمنہ جانوران عجوبہ روزگار مرتب فرمودہ اند۔ اندرون رمنہ .. لب تالاب موسم بہ چشمۂ حیات کوٹھی نو احداث فرمودہ در و دیوار ہائے کوٹھی .. نقش و نگار .. از کار طلا طیار ساختہ و بالائی آں گنبد مطلا" "قطعہ تاریخ نور منزل کوٹھی شاہی" (مصنفہ امیر علی خاں کی بیت اول یہ ہے

جہانداری کہ باشد جان عالم — بود واجد علی سلطان عالم

مادہ تاریخ: عشرتگہ سلطان عالم۔ ۱۲۸۶۔

شمارہ ۲۵ اکتوبر: ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر اس امر پر مامور ہوئے تھے کہ ایک کتاب تالیف کریں جس میں "صوبجات مذکور (اگر اور صرف بنگالہ) کے کل اضلاع .. کے مشہور و شریف خاندان ہائے اہل اسلام کا احوال بخوبی بیان کیا جائے"۔

شمارہ ۲۶، ۱۵ اکتوبر: بمبئی میں ایک نیا مذہب مراج پنتھ جاری ہوا ہے۔ ہندو اور مسلمانی مت دونوں کی شرکت سے اور معتقدین اسکے شری کرشن جی کو بھی مانتے ہیں اور حضرت محمد .. کو بھی"

شمارہ ۲۷، یکم نومبر: (۱) موزہ کربلائے معلی" "حاجی ندمان علی دین شیرازی نے لکھا ہے .. اور اسکے صحیح ہونے پر انہوں نے اپنی گواہی

کی (کذا) فقط ترجمہ پانیر نمبر ۱۷۶ مطبوعہ ۱۱ اکتوبر (کذا) جلوہ طور صاحب ایڈیٹر پانیر نے تعرف صداقت معجزہ تحریر کی ہے اور کچھ حال نہیں لکھا مگر ایڈیٹر جلوہ طور کو کشف الاخبار بمبئی مطبوعہ ۲۰ ستمبر سے کہ اس اخبار کے مہتمم نے بھی اسکی صحت کا ثبوت کامل بڑے بڑے تاجروں اور معززوں کی چٹھی کا دیا ہے، معلوم ہوا ہے .. ۷ جمادی الثانی ۲۸۶ھ کو، قیصر روم کی فوج نظام کا ایک شخص .. کمربستہ و شمشیر بدست حرم ... روضہ امام مظلوم کے دروازے پر گیا حضرت کا کفش بردار جو دروازہ اول پر رہتا تھا، اس نے منع کیا کہ .. اس بے ادبی سے روضے میں جانا خلاف ادب ہے تب اس بے حیا نے جواب دیا کہ میں ...... دروازہ اول سے گذر کر .. دروازہ دوم کے قریب آیا کہ .. ایک ہاتھ نمودار ہوا اور ایک طمانچہ اس روسیاہ کے چہرے پر ایسا پڑا کہ گردن پھر گئی اور زبان باہر نکل آئی، پچھاڑ کھا کر دروازے سے دور جا کر .. گر پڑا، اسکا علاج ممکن نہ ہوا اور یہ مر گیا (۲) وفات اعظم خاں امیر کابل (۳) فرینڈ آف انڈیا لکھتا ہے کہ ایک مہر دستیاب ہوئی ہے جس میں الفاظ ذیل کندہ ہیں: افتخار الدولہ احتشام الملک ولیم ڈگلس نخس بہادر شہامت جنگ سنہ ۱۲۲۵ھ" (۳) "نامہ نگار انگلش مین رقمطراز ہیں کہ ایک مرتبہ .. ایک جہاز جس میں یہ مارس کوین صاحب سوار تھے، متصل جزیرہ ملیا کے تباہی میں آ گیا تھا۔ اور قبل اسکے وہ انگریزی لنگر گاہ تھا، وہاں سے بہت سے آلات و اسباب لوگ چھوڑ کر چلے آئے تھے جب صاحب موصوف وہاں پہنچے تو دیکھتے کیا ہیں کہ اس جزیرے میں بندروں کی بود و باش ہے اور جو سرکاری مکان وہاں تھے اس مکان کے ایک گوشے میں قریب سو بندروں کے میزوں پر سر جھکائے .. ہاتھ میں قلم لیے مثل کرانیوں کے بیٹھے دوات میں قلم ڈبو ڈبو کر کچھ لکھتے تھے جب ایک بندر کاغذ کو بالکل لکھ چکا تب اس نے اس ورق کو بڑے معزز بندروں کے ہاتھ میں دیا انہوں نے بعد ملاحظہ اور دستخط (کذا) کے ایک اور بندر کے حوالے کیا، اس بندر نے بعد دستخط کے ان بندروں کے ہاتھ میں دیا جو باہر حاضر تھے۔ ان بندروں نے بذریعہ ڈاک اور بندروں کے بڑے پرانے بندر کو جو محافظ دفتر تھا پہنچایا"۔

شمارہ ۲۸ .۱۵ . نومبر: (۱) مضامین علم طبیعات (۲) نصر اللہ خاں تعلقہ دار مقرر ہوئے مشاہرہ ...۱ روپے مقرر ہوا۔

شمارہ ۲۹، ۱، دسمبر: (۱) تقریر .. سید فرزند احمد صفیر بلگرامی فوائد علم و معائب ہم کے بیان میں" (۲) پنڈت کاشی ناتھ ساکن آگرہ نے علم اخلاق کی ایک کتاب کا فارسی سے ترجمہ کیا ہے۔ سر ولیم میور کی رائے میں مفید ہوگی۔ دربار عام "خلعت فاخرہ" اور ..۵ روپے انعام ملیں گے (۳) امداد علی خاں جج اسمال کاز کورٹ سکریٹری سوسائٹی کے بڑے صاحبزادے سید ابوالحسن خاں مصنف علیگنج سیوان کی شادی بہار شریف میں شاہ لطافت حسین کی صاحبزادی سے ہونے والی ہے۔

شمارہ ۳۰، ۱۵ دسمبر: (۱) ترجمہ قصیدہ (عربی) بو علی سینا از حکیم آغا علی خاں طبیب نظفر پور (۲) بکر صفیر بلگرامی فساد زبان میں"۔

"شمارہ ۳۱ تا ۳۴ کے بارے میں کبھی اور لکھا جائے گا۔ وہ مطالب جو میرے مضامین "سید احمد خاں" اور "اخبار الاخیار" اور "سینٹفک سوسائٹی" بہار میں پیش ہوئے ہیں اس مقالے میں اسی صورت میں درج ہوئے ہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہ تھا۔

۱ شائع کردہ فکر و نظر علیگڈھ۔ ۲ شائع کردہ بہار کی خبریں، پٹنہ (خاص نمبر)

اخبارالاخیار مظفر پور اور سید احمد خاں

اخبار الاخیار "سین ٹیفک سوسیٹی صوبہ بہار، قصبہ مظفر پور ضلع ترہت" کا پانزدہ روزہ اخبار تھا۔ یہ سوسائٹی بتاریخ ٢٤ مئی سنہ ١٨٦٨ء قائم ہوئی تھی؛ اس کے صدر سید محمد تقی خاں اور سکریٹری سید امداد علی تھے۔ اس کا ایک مجلد جس میں ١٥ اپریل سنہ ١٨٦٩ء سے لیکر ١٥ دسمبر سنہ ١٨٧٠ء کے شمارے (شمارۂ ١٤ تا ٤٤) موجود ہیں، جناب شاہ مقبول احمد (سنٹرل کالج کلکتہ) نے کتبخانۂ ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ کی نمائش کے لئے مستعار دئیے تھے، اور میں نے اکثر کا مطالعہ کیا ہے۔

ذیل میں وہ چیزیں پیش کی جاتی ہیں، جن کا تعلق سید احمد خاں سے ہے۔

"عطائے خطاب: جناب مولوی سید احمد خاں بہادر کو حضور ملکہ معظمہ ... نے تمغائے اسٹار آف انڈیا اور خطاب کمپینین اسٹار آف انڈیا سے معزز و ممتاز فرمایا۔ بلاشبہہ اس بات سے ہماری سوسیٹی کے ممبروں اور ان کے دوستوں کو بیحد خوشی ہوگی... صاحب سکرٹر انڈیا آفس نے جو چٹھی... سید احمد خاں کے نام لکھی تھی اس کی نقل ذیل میں مندرج ہے: چٹھی۔

چٹھی: از مقام دفتر ہند مورخہ ٣ جون سنہ ١٨٦٩ء۔ میرے دوست سید احمد خاں سی ایس آئی، میں اس بات کے بیان کرنے میں نہایت خوش ہوں کہ ملکہ معظمہ دام اقبالہا نے آپ کو اسٹار آف انڈیا کا کمپینین مقرر فرمایا اور میں اس پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ راقم آپ کا دوست، جی۔ ڈبلو۔ کرہ" (١٥ جولائی سنہ ١٨٦٩ء)۔

«سفر ولایت کی ترغیب: «.. فی زمانتا هماری سوسیٹی کے ایف اربری سکرٹری جناب مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر سی ایس آئی ... اپنی ذاتی همت کی بدولت لندن میں پہنچے اور .. اولوالعزمی هندستانیوں کی جبلی عادت کے برخلاف هوئی، .. جب تک هندوستانی رعایا خاص لندن میں جاکر اپنی ملکه معظمه کی دلی توجه اور اهل یورپ کے اس ذاتی اخلاق کو جو وه اپنے ملک میں مسافروں کے حال پر مبذول فرماتے هیں، آنکھ سے نه دیکھه لینگے، هرگز اس کے جی میں اپنی گورنمنٹ کا پکا خلوص پیدا نه هوگا اور جو حق گورنمنٹ کا اس پر واجب هے اس سے پورا پورا ادا نه هوگا - جب مولوی صاحب .. لندن .. گئے تو تمامی ممبران انڈیا کونسل سے ملاقات هوئی اور چند ممبران پارلیمنٹ بھی ان سے ملے اور یه سب صاحب نہایت اخلاق .. کے ساتھ پیش آئے - اور یقین هے که اب وه بحضور .. سکرٹری آف اسٹیٹ بھی باریاب هوئے هونگے - جب مولوی صاحب .. وهاں کسی جلسے میں بلائے جاتے هیں، تو ارباب جلسه ان کی خاطرداری .. میں کسی قسم کی کوتاهی نہیں کرتے .. سر جان لارڈ .. بہادر گورنر جنرل سابق کی عنایتیں .. هرگز بیان میں نہیں آسکتیں .. دو مرتبه خاص مولوی صاحب .. کی فرود گاه پر تشریف لائے اور ایک جلسے میں خاص مولوی صاحب .. کی نسبت اپنی ایک اسپیچ میں بہت کچھ فرمایا اور بدرجهٔ غایت .... تعریف و توصیف کی .. علی گڑھ» (۱ ستمبر) -

«برٹش انڈین ایسو سی ایشن اضلاع شمال و مغرب: سید احمد خاں ایف آنریری سکرٹری نے بموجب هدایت ایسو سی ایشن کے تمام عرضداشتیں جو ایسو سی ایشن نے واسطے فلاح هندوستان کے وقتاً فوقتاً گورنمنٹ هندوستان کے روبرو پیش کی تھیں، اور جن کو ایسو سی ایشن نے علحده علحده رسالوں میں چھاپا هے بحضور .... سکرٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا یعنی وزیر هند کے گزرانیں، چنانچه ان کی عرضداشت .... اور اس کا جواب جو پیشگاه .... وزیر هند سے مرحمت هوا .... اخبار میں مندرج .... هے» (اس کے بعد عرضداشت اور اس کا جواب) علی گڑھ (۱ ستمبر) -

«خطبات الاحمدیه علی العرب والسیرة المحمدیه: «حضرت .. کے حالات زندگی اور ان مضامین میں جو ان کے حالات سے متعلق هیں ایک کتاب کی اول جلد مشتہر هوگی جس کو .. سید احمد خاں بہادر .. مصنف .. تبیین الکلام نے جواب مضمونوں کے سلسلے کے مطابق تیار کیا هے .. نہایت فکروتردد کے ساتھ بلا تعصب و حمایت امر تصنیف میں بڑی تحقیقات کی هے ..

اس بات پر اس نے اپنا دلی افسوس ظاہر کیا ہے کہ ان مصنفوں (انگریز سیرت نگاران پیمبر صاحب) میں سے کسی نے وضعی اور اصلی حدیثوں میں امتیاز نہیں کیا، چنانچہ اس مصنف نے ان تمام وضعی اور غیر صحیح احادیث کو جن کو ہر ایک تعلیم یافتہ اور صاحب تمیز مسلمان نے پہلے ہی سے باطل اور غیر سند سمجھکر مدتوں سے خارج کر رکھا ہے، ان روایتوں اور مقولوں سے صاف ممتاز کر دیا ہے جن پر اس وجہ سے اعتماد کلی کرنا چاہیے کہ ان کے خالص اور صحیح سمجھنے کے واسطے بہت سے دلایل موجود ہیں ۔ یہ کتاب انگریزی میں لکھی گئی ہے، لیکن جو عبارت عبری . . . یا عربی . . . سے لی گئی ہے وہ بجنسہ نقل کردی ہے ۔ امید ہے کہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بہت صاف اور نہایت صحیح ہوگا، اس وجہ سے کہ مصنف . . کے ایک دوست یعنی عالم انگریز نے اس پر نظر ثانی کرنا اپنے ذمہ لیا ہے . . اول جلد میں مضامین مندرجۂ ذیل ہونگے : اول ملک عرب کا تواریخی جغرافیہ، دوم مذہب اسلام سے پیشتر جو عرب تھے ان کے طور طریق اور دستور، سوم عرب میں جو اسلام سے پہلے مذہب رائج تھے ان میں سے اسلام کس مذہب سے نہایت مشابہ ہے اور آیا اس تعلق سے اسلام کی اصلیت ربانی ثابت ہوتی ہے یا صرف بناوٹ پر اس کی بنا ثابت ہوتی ہے، چہارم مذہب اسلام عموماً لوگوں کے حسن معاشرت اور مذہب عیسوی اور یہود کے حق میں مفید ہوا ہے یا مضر، پنجم مسلمانوں کا علم البیان، ششم مذہبی روایتیں اور بحث اس امر کی کہ ان پر کس قدر اعتبار کرنا چاہئے، ہفتم قران مجید، ہشتم تاریخ مکہ شریف مع بیان ان مشہور . . باتوں کے جن کو آں‌حضرت کے بزرگوں نے مکہ شریف کی نسبت شرعاً قرار دیا ہے ۔ نہم بیان حسب و نسب آں‌حضرت کا، دھم توریت اور انجیل میں آں‌حضرت کی نسبت جو پیشگوئیاں ہوئیں، ان کا بیان، یازدھم معراج و شق قمر، دوازدھم آں‌حضرت کی پیدایش اور لڑکپن کا حال ۔ . . اس کتاب کی اول جلد جو بہت جلد مطبع سے نکلیگی بلا انتظار دوسری جلد کے بہم پہنچ سکیگی . . اور جلد اول کی قیمت ۱۰ روپیہ ۸ آنہ مقرر ہوئی ہے اور مسٹر ٹربنر کمپنی . . . لندن کے پاس مل سکتی ہے از علی‌گڑھ» ۔

«اخبارا لاخبار خدا . . سید احمد خاں . . کی سعی . . کو مشکور کرے . . ابھی تک نظر سے بھی نہیں گزری، مگر جی قبول کرتا ہے کہ داد صداقت دی ہے ۔ خدا کرے اس کا ترجمہ فارسی یا اردو بھی جلد ہو جائے . . » (۱ مارچ ۱۸۷۰ء) ۔

«توقیر سید احمد خاں بمقام لندن : سین‌ٹیفک سوسیٹی علی‌گڑھ کے اخبار سے

واضح ہوا کہ ۱۱ مارچ . . . کو . . . ملکہ معظمہ . . . نے . . دربار فرمایا اور اس . . . میں . . . سید احمد خان بہادر . . . باریاب مجرا و ملازمت ہوئے . . . ملازمت کے لئے ہماری سوسیٹی کے آنریبل پیٹرن جناب ہز گریس ڈیوک آف آرگائل وزیر ممالکت ہند نے تحریک فرمائی تھی . . . شمالی مغربی اضلاع کے صرفہ غیر متعہد میں سید احمد خان ہی پہلا شخص ہے جس نے انگلینڈ میں جاکر اسٹار آف انڈیا پایا اور حضور ملکہ معظمہ کی دست بوسی سے تمام اپنے ملک کے لوگوں کو فخر کرنے کا موقع دیا» ۔ اخبار الاخیار نے بھی اس پر اظہار مسرت کیا ہے ۔ (۱۵ مئی)

«روداد جلسہ خاص سینٹیفک سوسیٹی صوبہ بہار مقام مظفرپور ، واقع ۸ مئی . . : سکرٹری . . . نے . . . خط . . . سید احمد خان . . . بہادر . . . کا مرقومہ ۶ اپریل . . . جو . . . لندن سے آیا تھا ، درپیش کرکے اس قدر مضامین جو خریداری کتب عربیہ[1] مترجمہ زبان انگریزی و جرمنی و فرنچ سے متعلق تھے ، پڑھکر سنائے ۔ بعد مباحثہ یہ بات قرار پائی کہ مبلغ ہزار روپیہ واسطے خریداری کتب عربیہ کے جو متعلق امتحان درجہ اعلیٰ یونیورسٹی سے ہیں اور زبان انگریزی خواہ جرمنی خواہ فرانسیسی سے بزبان عربی ترجمہ ہوکر ولایت انگلستان یا مصر خواہ دوسرے ملکوں سے میسر ہوں . . . سید احمد خان . . . بہادر کی خدمت میں روانہ ہوں اور ہنڈوی اس کی بذریعہ پریسیڈنٹ . . . بنک بنگال سے طلب کی جائے اور ایک خط اطلاعی خدمت . . . خان . . ممدوح کو بھیجا جائے اور انتخاب . . خط . . . اخبار الاخیار میں مندرج ہو» (۱۵ مئی) ۔

«انتخاب خط . . . سید احمد خان . . . بنام مولوی سید امداد علی خان بہادر سکریٹری بہار سینٹیفک سوسیٹی جو لندن سے آیا ہے . . . : رسالہ کہ درباب نقصان تعلیم ہندوستان نوشتہ بودم شاید روانہ کردہ بودم ، چوں معلوم شدہ کہ نرسیدہ است ، گمان بردم کہ نوشتم و روانہ نساختم ۔ الحال دو جلد آں روانۂ خدمت شریف است بملاحظہ خواہد رسید ۔ الحال بصلاح وصوابدید بعض احباب اینجا عریضداشتے تیارمیشود ، ویک رسالۂ دیگر مینویسم ، آں ہمہ کاغذات بذریعہ سوسیٹی بحضور حکام ہند پیش خواہم ساخت ، واگر ضرورت شد تا پارلیمنٹ خواہم رسانید ، و بندوبست ایں جملہ امور درینجا بخوبی نمودہ ام ، زیادہ امرمشکل انتخاب کتب انگریزی برائے ترجمہ بودہ است ۔

---

[1] ـــ ان کتابوں کی فہرست جو سوسائٹی کو مصر سے وصول ہوئیں کسی شمارہ میں ہو ۔

صلاح احباب چنین قرار یافته که در انتخاب کتب رائے علماے اینجا گرفته شود، و فهرست کتب همین جا تیار شود و چند احباب درین امر ساعی اند که از پروفسران یونیورسٹی کیمبرج و اکسفورڈ در انتخاب کتب اعانت خواسته شود، چنانچه بتائید بعض احباب فهرست علوم که ترجمهٔ کتب آن ضروریست، تیار شده و سرکیولر بتحریر در آمده چهاپه میشود۔ در سه چهار روز آن سرکیولر معه فهرست علوم بذریعهٔ چهپات احباب بخدمت پروفسران یونیورسٹی کیمبرج[1] و آکسفورڈ و لندن و اڈنبرا و ایرلنڈ فرستاده خواهدشد و در هر علم کتب سه درجه یعنی ادنیٰ قابل مبتدیان و درجهٔ اوسط و درجهٔ اعلیٰ انتخاب خواهد (کذا) ساخت بعد آن فهرست مکمل معه (کذا) تخمینه ترجمه ولاگت چهاپه تیار خواهد شد۔ و سوسیٹی هاے هندوستان را اگر ممکن باشد باهم متفق ساخته، آمادهٔ ترجمهٔ آن خواهم ساخت و از گورنمنٹ درخواست عطاے نصف خرچ نموده خواهد شد ـ یقین است که گورنمنٹ منظور خواهد کرد ورنه تا سکرٹری آف اسٹیٹ استغاثه خواهد شد۔ فهرست علوم تا بخواندگی ایم۔اے مرتب شده است۔ علاوه آن بعد ملاحظهٔ مدارس این جا یک رساله درباب طریق تعلیم نوشته‌ام، خصوصاً طریق تعلیم مسلمانان که تمام علوم دنیوی مثل حساب و جغرافیه و ریاضی و جرثقیل و پولیٹکل اکونمی و تاریخ و علم زمین و نباتات وغیره جمله علوم بزبان اردو تعلیم شوند، و علاوه آن دو زبان دیگر آموخته شوند، عربی و انگریزی یا فارسی و انگریزی تا بخواندگی بی ـ اے این هر دو زبان بقدر کاروائی روزمره آموخته شوند، و زیاده از آن صرف اوقات بر آن کرده نشود، و در زمانهٔ همین خواندگی مسلمانان را علوم دینیهٔ شان مثل عقائد و فقه آموخته شوند، بعد ازان که امتحان بی اے پاس کرده شود، هر یک طالبعلم را اجازت و اختیار خواهد بود که منجملهٔ علوم خواندهٔ خود یک زبان و دو علم را براے تکمیل پسند و اختیار نماید۔ اگر کسے میخواهد که در زبان عربی کامل شود، اورا اختیار خواهد بود که زبان عربی اختیار نماید و اگر اورا خواهش باشد که منجملهٔ علوم خواندهٔ خود علم دین را تکمیل سازد، آن را اختیار نماید ـ هر کسیکه خواهد زبان انگریزی را اختیار نماید و آن را تکمیل سازد۔ از روے حساب خواندگی معلوم میشود که طالبعلم متوسط الذهن اگر بعمر یازده و دوازده سالگی در مدرسه داخل خواهد شد، تا بعمر هیجده سال بقینی امتحان بی۔ اے پاس خواهد ساخت۔ بعد ازان تا سه سال دیگر

۱ــنام علما و کتب منتخبه شماره یکم دسمبر سنه ۱۸۷۰ع میں هر

اورا اجازت خواندن جہت تکمیل دو علم و یک زبان پسند کردہاش باقی خواہدماند، و یقینی در عمر بیست و یک سال عالم متبحر خواہد شد و بدرجۂ ایم۔اے خواہد رسید۔

بدریافت حالات ترقی سوسیٹی بہار و شرکت و امداد حکام عالیمقام کہ صرف بتوجہ عالی و تدابیر و سعی جمیلۂ سامی شدہ است، بسیار بسیار خشنود شدم۔ اللہ تعالیٰ ترقی روزافزوں نصیب نماید، وآں مخدوم راجزاے خیر دہد۔ زنڈ آف انڈیا ارٹکلہاے بسیار خوب نوشتہ است، بدانست بندہ ایں کرامات جناب عالی است وبس فقط، (۱۵ مئی)

'اشتہار خطبات الاحمدیہ علی العرب والسیرۃ المحمدیہ: اس کتاب کو راقم آثم نے تالیف کیا ہے اور میرا ارادہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے حالات ابتداے پیدائش سے وفات تک لکھوں، اور علاوہ اس کے ان باتوں سے بھی بحث کروں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اور اسلام سے علاقہ رکھتی ہیں اور اصلی واقعات کو نامعتبر و مشتبہ اور غیر سند باتوں سے تمیز کروں اور جو الزام آنحضرت صلعم کی نسبت یا اسلام کی نسبت منسوب کئے گئے ہیں ان سب کا جواب دوں۔ جو کہ یہ کتاب زیادہ تر ان نوجوان مسلمان لڑکوں کے لئے لکھی جاتی جو انگریزی علوم کی تحصیل میں مصروف ہیں، اس لئے انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ تیار ہوا ہے اور اس کی انگریزی عبارت ایک نہایت لائق اور قابل اور عالم میرے یورپین دوست نے درست کی ہے، جس کے سبب سے وہ کتاب مسلمان طالبعلموں کی انگریزی تحصیل کے لئے بھی بہت مفید ہے۔ یہ کتاب کئی جلدوں میں ختم ہوگی، مگر بالفعل جلد اول اس کتاب کی انگریزی زبان میں چھپکر تیار ہوئی ہے اور قیمت اس کی ۱۵ روپیہ قرار پائی ہے۔ جس شخص کو اس کا خریدنا ہو وہ مسٹر ٹربنر اینڈ کو سے جن کا کارخانہ لندن میں پیٹر ناسٹررو محلے میں بہ نمبر ۶۰ واقع ہے، زرقیمت بھیج کر طلب کرے، محصول ڈاک بذمہ خریدار ہے۔ ہندوستان کے خریداروں کی آسایش کے لئے یہ بھی اطلاع کیجاتی ہے کہ اگر ہندوستان کے خریدار زرقیمت جناب راجہ جیکشن داس بہادر پاس جمع کرکر مجھ کو اطلاع دینگے تو کتاب مذکورہ میں ان کی خدمت میں بھجوادونگا۔

اس جلد اول میں جس کا یہ اشتہار ہے ایک دیباچہ اور بارہ باب ہیں جو بلفظ خطبہ تعبیر کئے گئے ہیں، یعنی بجاے لفظ باب کے لفظ خطبہ استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ مختصراً تفصیل مضامین ان بارہ خطبوں اور دیباچۂ کتاب کی اس مقام پر لکھی جاتی ہے: دیباچے میں مختصراً ان عربی اور انگریزی کتابوں کا معہ اُن کے

درجۂ اعتبار کے ذکر ھے جو آنحضرت صلعم کے حالات زندگی کے باب میں لکھی گئی ھیں، اور اخیر دیباچہ میں چند بڑے بڑے انگریزی عالموں کی رائیں نقل کیگئی ھیں، جنھوں نے اسلام کا مقدس اور پاک اور ایک نہایت عمدہ مذھب ھونا تسلیم کیا ھے، جیسے کہ ایک سویلیزڈ ملک کے بیربا عالموں سے توقع تھی - خطبۂ ۱ میں عرب کی قدیم قوموں اور نسلوں کا جن کا توریت مقدس میں بھی ذکر ھے اور عرب کے جغرافیے کا بیان ھے - اس خطبے میں توریت مقدس سے اور انگریزی کتابوں کے مصنفوں کی رائے سے اور خود جغرافیۂ عرب سے ثابت کیا گیا ھے کہ حضرت اسمعیل خاص مکۂ معظمہ میں آکر آباد ھوئے اور فاران جس کا ذکر توریت میں ھے اور جس جگہ سے خدا کے نور کے چمکنے کی توریت میں خبر تھی، وہ وھی ھے جو اب حجاز کہلاتا ھے اور جہاں مکۂ معظمہ واقع ھے - خطبہ ۲ میں ان رسموں اور رواجوں کا ذکر ھے جو اسلام سے پہلے عربوں میں مروج تھے - خطبۂ ۳ میں ان مذھبوں کا ذکر ھے جو اسلام سے پہلے عربوں میں رائج تھے اور یہ بھی بیان کیا ھے کہ ان مذھبوں میں سے اسلام کس مذھب سے زیادہ مناسبت رکھتا ھے اور اس مناسبت سے اسلام کی اصلیت ربانی ثابت ھوتی ھے یا صرف بناوٹ پائی جاتی ھے - خطبہ ٤ اس بات کا بیان ھے کہ اسلام عموماً انسان کے حسن معاشرت کے لئے مفید ھے یا نہیں اور یہودی اور عیسائی مذھب کو اس سے کیا فائدہ پہنچا ھے - اس خطبے میں مفصلۂ ذیل مسائل کی اصلیت بیان کی گئی ھے : کثرت ازدواج، طلاق، غلامی، جبر نہ ھونا دوسرے مذھبوں پر- خطبۂ ۵ مسلمانوں کی مذھبی کتابوں کا اور یہ کہ کس اصول پر لکھی گئی ھیں اور کہاں تک وہ مسلم ھیں، بیان ھے- خطبہ ٦ میں روایات مذھبی اوران کا درجۂ اعتبار باعتبار روایت اور باعتبار راویوں کے بیان کیا گیا ھے، اور عیسائی مصنفوں کے تمام اعتراضوں کا جواب دیا ھے جن میں سے بڑے اور مقدم اعتراض مفصلۂ ذیل تھے : جھوٹ ھونا الزام تعظیم بتوں کا آنحضرت کی نسبت، جھوٹ بولنے کی اجازت کا الزام غلط ھے - خطبۂ ۷ میں قران مجید کے نازل اور جمع ھونے اور تقسیم ھونے کا اور یہ کہ بجنسہ بلا کم وکاست ویسا ھی بیان ھے - عمدہ مسائل جو اس خطبے میں معرض بحث میں آئے ھیں یہ ھیں: اختلاف قراءت، ناسخ منسوخ، منسوخ التلاوت آیتوں کا ھونا غلط ھے اور کوئی آیت ایسی نہیں جو نازل ھوئی ھو اور قرآن میں نہ ھو - خطبہ ۸ میں مکہ معظمہ کی تاریخ اور ابراھیم سے اس کی تعمیر کا ثبوت اور حجر اسود کی اصلیت کا اور آں‌حضرت صلعم کے بزرگوں کو جو اس سے تعلق

یا اس کا اور اس بات کا کہ کعبے کی طرف نماز پڑھنی اور طواف کرنا اور بوسہ دینا بت پرستی نہیں ہو سکتی، مفصل بیان ہے۔ خطبہ ۹ میں آں حضرت صلعم کے نسب‌نامے کا اور جو بحثیں کہ اس سے متعلق ہیں ان کا بیان ہے ۔ خطبہ ۱۰ میں بشارات آں‌حضرت صلعم جو توریت اور انجیل میں ہیں بیان کی گئی ہیں اور موجود ہونا آپ کا نام محمد توریت میں اور احمد انجیل میں ثابت کیا گیا ہے - خطبہ ۱۱ میں معراج اور شق صدر کی اصلیت اور حقیقت کا بیان ہے اور تمام روایات مختلفہ اور اقوال علما جمع کرکے نتیجہ صحیح نکالا گیا ہے - خطبہ ۱۲ میں آں‌حضرت صلعم کی پیدایش سے لیکر آپ کی ۱۲ برس کی عمر تک کا بیان ہے - نہایت صحیح حال علحدہ بیان کیا ہے اور نامعتبر روایتوں کو تمیز کیا ہے اور عیسائی مصنفوں کے اعتراضوں کا جواب دیا ہے جس میں سب سے مقدم یہ اعتراض تھا کہ آں‌حضرت صلعم کو مرض صرع چھٹپن سے لاحق تھا - راقم سید احمد از مقام لندن مارچ ۱۸۷۰ء (۱۵ مئی)

«ایڈرس سید امداد علی خان»: سید احمد خاں کے پاس ہزار رپے کی ہنڈوی بھیجی جانے کے ذکر کے بعد «سید صاحب .. بمشورہ پروفیسران یونیورسٹی کمبرج واکسفورڈ، ڈاؤن، براڈین اور لندن کے ایک فہرست ان کتابوں کی تیار کر رہے جن کا ترجمہ ہونا .. ضرور ہے ... ہم لوگ امید کرتے ہیں کہ اب اہتمام ترجمہ کا .. بہت ضابطے کے ساتھ عمل میں آئے گا» (۱۵ جولائی)

سین‌ٹیفک سوسیٹی صوبہ بہار مقام مظفرپور : «بتحریک سید احمد خاں ... بہادر ہنگام قیام لندن بڑے بڑے امرائےعالی مقام انگلستان نے ایک سرکلر بنام علمائے یونیورسٹی اکسفورڈ، کمبرج وغیرہ جاری فرمایا ... وہ فہرست بتجویز علمائے موصوفین مرتب ہوکر شامل ... سید احمد خاں ... بہادر کے پہنچی - اخبار سین‌ٹیفک سوسیٹی علی گڑھ مطبوعہ ۱۴ اکتوبر میں مع اسمائے علمائے موصوفین کے چھاپا گیا ... اور سید احمد خاں ... بہادر نے چند قطعات فہرست ... عندالملاقات مقام علی گڑھ ... سید امداد علی خاں بہادر کے حوالے کیا‌بایں مطلب کہ بعد مشورہ ہردو سوسیٹی وہ فہرست بحضور نواب گورنر جنرل بہادر باجلاس کونسل بامید عطائے نصف خرچ ترجمہ کے بذریعہ درخواست ہردو سوسیٹی روانہ کی جائے اور واسطے ترجمہ کرانے بڑی بڑی دقیق کتابوں کے یہ تجویز ہوئی .. کہ .. اسپرنگر صاحب مقیم جرمنی کو مہتمم کیا جائے» اس کے بعد یہ کہ سید صاحب نے «بوقت مراجعت بلدہ مصر» میں ۵۰۰ کی کتابیں خرید کر بھیجیں اور اس کا انتظام کردیا ہے کہ باقی ۵۰۰ رپوں کی کتابیں بھی وہاں سے بھجوائی جائیں (۱ دسمبر) ۔

گلدستۂ شعرا پٹنہ

محمد اکبر خاں جری حاجی پوری جو شیدا (نوروز علی خاں لکھنوی تلمیذ امیر اللہ تسلیم) کے شاگرد تھے، لکھتے ہیں کہ "اس نیاز کیش نے صحبت مشاعرہ ہر ماہ انگریزی کی یکم و پانزدہم کو قرار دی ہے اور غزلیں مجتمع ہو کر بطور گلدستہ ہٰذا کے مطبع عامی میں بتاریخ دہم و بست پنجم .حسب ایمائے والا ارسال ہوا کریں گی .. ملتمس ہوں کہ آپ بھی بروز مقررہ بعد غروب آفتاب بمحلہ لودی کٹرہ واقع عظیم آباد بمکان سید شاہ مبارک حسین .. رئیس متخلص بہ مبارک شاگرد وحید اللہ آبادی)، قدم رنجہ فرما کر بندے کو ممنون فرمائیں .. مصرع طرح ہے دل میں اشتیاق شہادت بھرا ہوا ضوابط گلدستۂ شعرا.. جو حضرت کسی وجہ سے شریک مشاعرہ نہ ہو سکیں وہ .. تاریخ .. مشاعرہ سے دو روز قبل ارسال فرمائیں تاکہ مشاعرے میں پڑھی جائیں اور درج گلدستہ ہوں .. اپنی اپنی غزلوں سے گیارہ گیارہ شعر منتخب کر کے ارسال فرمائیں .. گیارہ شعر طرح کے بلا قیمت اور اشعار غیر طرح اور گیارہ شعر سے زائد کے لیے فی شعر ایک پیسہ اجرت ہے اور جو زیادہ چھپوائیں گے ان سے مطبع بکفایت پیش آئے گا ... چار آنہ ماہواری بطور اعانت مطبع لیا کرے گا .. یہ مشاعرہ و گلدستہ کبھی موقوف نہ ہوگا .. رمضان .. میں نعت اور محرم .. میں سلام کی طرح ہوگی"

گلدستۂ شعرا کا صرف پہلا شمارہ میری نظر سے گزرا ہے (نمائش ادارۂ تحقیقات اردو) اور یہ ۲۵ اکتوبر ۱۸۷۷ء کا ہے۔ محمد اکبر خاں کے مطبع کا نام مطبع انتظامی تھا اور گلدستہ ۱۶ صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس میں بعض ایسی غزلیں ہیں جن کے کہنے والے اس وقت تک زندہ نہ تھے، مثلاً غزل رند لکھنوی۔ آغاز جری کی غزل سے ہوتا ہے، پہلا شعر یہ ہے

کھلے حمد حق میں دہن کیسے کیسے　　　زباں سے بر آئے سخن کیسے کیسے

اس کے بعد اسی زمین میں غزلہائے ذیل درج ہیں: غزل نعت جری، غزل رند، غزل شمس الدین اندرانی شمس، غزل سید حامد حسین نکہت عظیم آبادی

فنا ہو گئے اہل فن کیسے کیسے　　　ہوئے بند باب سخن کیسے کیسے

غزل امیر اللہ تسلیم لکھنوی، غزل نوروز علی خاں شیدا لکھنوی

ہوئے گلفشاں یاں دہن کیسے کیسے　　　کھلے آج باغ سخن کیسے کیسے

نہ بہکا طریق محبت کا رہرو — ملے راہ میں راہزن کیسے کیسے

مولا بخش مسیحا عظیم آبادی، غزل صفیر بلگرامی

ثبات گل و لالہ کیا پوچھتے ہو — اڑے رنگ ہو کر چمن کیسے کیسے

غزل سید احمد حسین احمد عظیم آبادی

صفیر سخنور کی شفقت سے احمد — کھلے ہم پہ راز سخن کیسے کیسے

یار علی متخلص بہ "جان صاحب" ریختی گو۔ طرحی غزلوں کے بعد شاہ محمد یحییٰ یحییٰ عظیم آبادی کے ۲ قطعات تاریخ جن میں سے ایک یہ ہے:

رشید او حری کہ عمر ہر دو بزیاد — کردند چو بیت شعر خوانی بنیاد
تاریخ مشاعرہ دعا گو یحییٰ — برخواند کہ بزم شعر خوانی آباد

= ۱۲۹۴۔ قطعات کے بعد شمس الدین شمس کی نعت جو "بعد ادائے فیس" داخل ہوئی۔ نظموں کا خاتمہ نتھو چوبے متخلص بہ بہار عظیم آبادی کے مسدس پر ہوتا ہے اس کی تمہید یہ ہے:

"یہ مسدس.. ایک شاعر ہمہ داں بلکہ بلبل ہندوستاں ان کو کہنا چاہیے کیونکہ ان حضرت نے جو صنعت مسدس مذکور میں فرمائی ہے راقم گلدستہ کے دیکھنے.. میں کیا بلکہ سننے میں بھی نہیں آئی ہے.. مصنف نے فیس ادا کر کے درج گلدستہ فرمایا ہے.. اور حضرت لودی کٹرہ خاص کے رہنے والے ہیں"۔

نٹ بازی اس کی دیکھیے دو دن کی کھیل ہے — حضرت طلسم دنیا کی کشن وکلیل ہے..
ایسے غافل نہ رہو غافلو کچھ گیان کرو — بشنو بر ہما کی خواشیو کی کوئی دھیان کرو..
درشن سے ترے اس گھڑی آنند ہو گیا — کلیوں کے تئیں پھول کے پرشند ہو گیا

آخر میں وہ "التماس" جس کے عبارات مقالہ ہذا کے آغاز میں درج ہیں۔ پہلا شمارہ کچھ اچھا نہیں، یہ گلدستہ کب تک جاری رہا اس کا حال مجھے معلوم نہیں۔ حاشیہ گرد و برادر خرد نایاب مطبوعہ ۱۲۹۲ھ میں ان کے کہے ہوئے کئی قطعات تاریخ ہیں جن کے عنوان میں انھیں شاگرد تسلیم بتایا گیا ہے صہ۲۹۔ ذکر السعدین ایک مذہبی مثنوی ہے اس کا آغاز اس بیت سے ہوتا ہے:

لکھتا ہوں جو حمد کبریائی — خامہ بھی ہے صرف جبہہ سائی

اس کے آخر میں تعلّی کا ایک قصیدہ اور غزل وغیرہ ہے، یہ سب نعت یا منقبت میں ہیں۔ نایاب صاحب دیوان

مطبوعہ میں اور ریاض حسن خاں خیال مرحوم کے والد، قصیدۂ تعلی کے ابتدائی اشعار:

فرحتِ دل کے لیے کل جو گئے باغ تلک — گل و غنچہ کی ہر اک سمت کو پھیلی تھی مہک
نکہتِ گل سے معطر تھا تمامی گلشن — کہیں بیلے کی لپٹ تھی کہیں جوہی کی گمک
چشمِ نرگس کا وہ عالم کہ اشارہ جس کا — حور کی آنکھ پہ ہر مرتبہ مارے چشمک
ایسا ہر نخل ہرا بادِ بہاری سے ہوا — جس کے پرتو سے نظر آنے لگے سبز فلک
ٹہنیاں بار سے پھولوں کے وہ جھکی جاتی ہیں — جیسے کھائیں کمریں غنچہ دہانوں کی لچک
غنچے ہنستے تھے بجاتے تھے جلاجل پتے — چشمِ انجم سے سماں دیکھ رہا تھا یہ فلک

●●

لہ واضح رہے کہ شیدا کا شاگردِ تسلیم ہونا اس گلدستے سے ثابت نہیں، لیکن جہاں تک مجھے یاد ہے تسلیم کا ایک خط جو حیاتِ تسلیم مصنفہ عرشی میں ہے اس پر شعر ہے۔ ذکر السعدین مصنفہ مہدی حسن خاں، تعلی۔ قران السعدین جس کا ذکر حاشیے میں آیا ہے، مہدی حسن خاں تعلی شاگرد و برادرِ خرد نایاب مطبوعہ ۱۲۹۳ھ میں نوروز علی خاں شیدا کے کہے ہوئے کئی قطعات تاریخ ہیں جن کے عنوان میں انھیں شاگردِ تسلیم کہا گیا ہے ص ۲۹

لہ یہ سید شاہ محمد حسن بسمل شاگرد شاد کے جد مادری تھے۔ ان کا کلام پرانے گلدستوں میں ملتا ہے۔ ان کا دیوان مرتب نہ تھا، مگر ان کے اشعار کی ایک بیاض تھی جو ان کے دورانِ حیات ہی میں غائب ہو گئی تھی۔

گلدستۂ بہار

گلدستۂ بہار کے ۹ شمارے[1] (۱۸ مئی ۱۸۸۳ء تا اکتوبر) جو کتب خانۂ خدا بخش میں موجود ہیں، پیش نظر ہیں۔ اور یہ مضمون انہیں کے مطالعہ پر مبنی ہیں۔ اسکے "اشتہار" کے عبارات ذیل ملاحظہ ہوں :۔

"ان دنوں بتجویز شرکائے شیخ احمد کمپنی لمیٹڈ ایک مطبع موسوم ایڈن فیکٹری پریس مکان میں شیخ احمد علی .. کے واقع محلہ مصاوبہ طبع ہوا کرتا ہے .. یہ ... ہر انگریزی مہینے کی ۲۷ کو .. شائع ہوا کرتا ہے۔ اس میں .. کلام اردو فارسی معہ (کذا) تذکرۂ شعرائے معاصرین صوبہ بہار و چیدہ اخبار مندرج ہوتے ہیں۔ اور ہر قسم کی تحریریں جو خلاف تہذیب یا ہجو شخصی یا مضمون طعن و فحش نہ ہوں طبع ہوا کرینگی .. مصرع طرح اردو و فارسی الف کی ردیف سے یے (کذا) تک .. رسال خدمت کئے جائینگے۔ اور عبارت نثر لازم ہے کہ مفید عام ہو (کذا)"۔

مالک گلدستہ کی حیثیت سے اشتہار میں تو نہیں، کلام کے ساتھ سید شاہ عطا حسین، عطا، آنریری مجسٹریٹ و میونسپل کمشنر کا نام نظر آتا ہے۔ لیکن اشتہار میں دو شخص مالک مطبع بتائے گئے ہیں۔ ایک وہ اور دوسرے شیخ خیرات حسین (منصرم) و کاتب گلدستہ محب حسین، محب ساکن شیخپورہ تھے۔ سالانہ قیمت ساکنان قصبہ بہار سے ۳ روپئے۔ اور باہر والوں سے ۴ روپے اور آنہ لی جاتی تھی۔

گلدستہ میں طرحی (اردو بہت زیادہ فارسی بطور شاذ) اور غیر طرحی (اردو زیادہ فارسی کم) غزلیں شائع ہوا کریں۔ اور بعض دیگر اصناف سخن کے نمونے بھی ملتے ہیں حسب ذیل شعراء کی غزلیں ان شماروں میں موجود ہیں: (۱) عطاؔ (۲) محبؔ۔ (۳) ارشادؔ، سید ارشاد حسین بہاری ش[2] وحید[3] (۴) امجادؔ، شاہ امجاد حسین خلف سید ارشاد حسین (۵) بقاؔ، سید اولاد علی ساکن دائرہ بہار (۶) برقؔ، سید یعقوب حسین دائرہ (۷) سیدیؔ حکیم میر سید حسین بزی باغ بانکی پور (۸) جوہرؔ، جوہر التوحید ہیڈ ماسٹر اسکول لیبہ بیگہ (۹) حسرتؔ، ارادت حسین خاں رئیس بڑگی برانواں (۱۰) حکیمؔ، محمد اسمٰعیل سب رجسٹرار بلیہ خلف اوسط محمد بخش خاں بیگ[4] (۱۱) دھرمؔ، دھرم لال حالمقامی دریاپور (۱۲) مفتاؔ عبد الحی وکیل عدالت دیوانی بلاری ضلع مراد آباد (۱۳) صابرؔ، صابر علی خاں تاجر بارہ دری بہار (۱۴) ہونالؔ، شاہ محمد کبیر دانا پوری، پسر شاہ محمد نذیر عطا وش عم خود اکبر دانا پوری (۱۵) ضیاؔ، سید شاہ ندا حسین بارہ دری (۱۶) فناؔ، شیخ عنایت حسین محلہ عماد پور بہار (۱۷) اکبرؔ، دانا پوری (۱۸) باسطؔ، عبد الباسط ساکن برنگیہ (۱۹) احمد سید شرافت کریم، دائرہ۔ (۲۰) فقیرؔ، لوکنا تھ سہائے۔ حالمقامی محلہ خندق بہار (۲۱) بینوؔ، بینو لال، ساکن بین بیگہ، حالمقامی بارہ دری بہار (۲۲) سحرؔ،

---

[1] بعض شماروں کے کچھ اوراق غائب معلوم ہوتے ہیں۔ [2] شاگرد۔
[3] الہ آبادی۔ [4] پدر خدا بخش خاں، بانی کتب خانہ۔

عبدالرحمٰن عرف دھومن، ساکن باڑھ، حالمقامی امام باڑہ مونگیر۔ شی گرم (۲۳) انجبؔ، غلام محی الدین احمد (۲۴) غنیؔ، ابوالہاشم عرف عبدالغنی ساکن مبونی، شی ازل (۲۵) حقیرؔ، حکیم شاہ فضل حسین حبیب گرویٹ شالیمات بہار، شی رکن (۲۶) قاسمؔ، سید قاسم حسین، شی احقر، ساکن دائرہ (۲۷) فائقؔ، سید ناظر حسین عرف میر وزیر علی بہاری، شی رکن (۲۸) عزیزؔ، شاہ عبدالعزیز خلف اکبر و شاگرد رکن (۲۹) غریبؔ، محمد یوسف عالم گنج بہار (۳۰) کیفیؔ، شیخ احمد علی (۳۱) فداؔ، شیخ فدا حسین ساکن رتنی (۳۲) ظہیرؔ، محمد ظہیر پسر محمد امیر مختار (۳۳) ازلؔ، حکیم مرزا آغا حسین لکھنوی (۳۴) عزیزؔ، قاضی سید عبدالعزیز عرف سید درگاہی ریگم ضلع مونگیر، شی ازل (۳۵) احقرؔ، بشارت حسین شی ازل (۳۶) انورؔ، سید شاہ عبدالعظیم داناپوری (۳۷) صفاؔ، وزیر خاں، آگرہ، حالمقامی اجمیر، شی اکبر (۳۸) شوقؔ، امیر اللہ ساکن اجمیر شی اکبر۔ (۳۹) محوؔ، سید محمد شفیع قادری ساکن اجمیر (۴۰) گرمؔ، بشیر الحق سررشتہ دار منصفی بہار (۴۱) نیجاںؔ، سید شاہ الفت حسین ساکن محلہ کاشی تکیہ (۴۲) منتظاؔ، سید عطا حسین، عرف مصاحب حسین بہاری شی رکن (۴۳) فیاضؔ، مرزا محمد فیاض ساکن اجمیر (۴۴) نثارؔ، نثار علی آگرہ شی اکبر (۴۵) ہلالؔ، شیخ ہلال الدین آگرہ، شی امیر احمد امیر (۴۶) باقرؔ، باقر خاں عطر فروش شی ازل (۴۷) انجمؔ، مونگیر۔ (۴۸) وحیدؔ، الہ آبادی (۴۹) اعظمؔ، محمد اعظم استھانوی (۵۰) اثرؔ، سید امیر حسن شی ازل (۵۱) جمیعؔ، سید سبط الحسنین بازید پوری (۵۲) ظہیرؔ، ابوالنصر سید ظہیر الحسن رضوی عظیم آبادی (۵۳) رمضانؔ، سید رمضان علی ساکن رجمت، شی راحت (۵۴) زبونؔ، حکیم سید قمر الحسن، محلہ خواجہ اعتبار سرائے (کذا) بہار (۵۵) رکنؔ، سید شاہ عبدالکریم "رئیس" بہار تکیہ خرد (۵۶) معینؔ، شاہ معین الدین احمد خلف محی الدین احمد سجادہ نشین خانقاہ شہسرام شی راحت (۵۷) حیرتؔ، فضیلت حسین خاں رئیس بکری بکانواں (۵۸) رساؔ، سید غلام محی الدین (۵۹) لطیفؔ، سید لطافت حسین ساکن کھراٹ (۶۰) بسملؔ، حکیم اظہر حسین، شی دنغ ساکن صدانواں، (۶۱) بجرقؔ، نواب محمد حسین خاں عظیم آبادی، (۶۲) بیدلؔ، بلاقی لعل انگریزی ٹیچر اسکول بربگہہ (۶۳) حیرتؔ، عبدالغفور استھانوی، شی انت رام الفت عظیم آبادی (۶۴) حسنؔ، محمد حسن شی رفتہ (۶۵) ادریسؔ، شاہ محمد ادریس ساکن کولانواں، شی اکبر (۶۶) ذبیحؔ، عبدالحی بیگ، از رئیس مقام دربھنگہ (کذا) (۶۷) شمسیؔ، شاہ شمس الدین شی حسن علی خاں راحت، شہسرام (۶۸) ظہورؔ، شیخ محمد ظہور عظیم آبادی شی اکبر (۶۹) فائزؔ (کذا) شیخ نذیر الحق پھلواروی (۷۰) نصرؔ، سید نصر اللہ داناپوری شی اکبر (۷۱) شیوؔ، شیو سہائے، ساکن برائی پور شیخ گیا، حالمقامی بارہ دری (۷۲) جریحؔ، رسول یار خاں حالمقامی دربھنگہ (۷۳) عطاؔ، شاہ عطا امام کاشی تکیہ، بہار (۷۴) اللہ یارؔ تخلص اللہ بخش خاں، ساکن سلطان پور ضلع سارن (۷۵) چھوٹیؔ، چھوٹی طوائف لکھنوی حالمقامی بہار (۷۶) مظاہرؔ، مظاہر امام انجلہ (۷۷) مشتاقؔ، واحد علی باڑھ (۷۸) حسنؔ، محمد علی حسن، ساکن بیہوٹیا (۷۹) ضیاؔ، سید شاہ احمد امام، دائرہ (۸۰) مبارکؔ، سید مبارک حسین، شی اکبر (۸۱) یاسؔ، شیخ عابد حسین لکھنوی بر سبیل (۸۲) عطاؔ، سید شاہ عطا امام کاشی تکیہ۔

طرحی غزلوں کے ردیف و قوافی حسب ذیل ہیں: عجبت ردیف قوافی یار، خار، وغیرہ۔ ردیف آج، قوافی کہیں، زمیں وغیرہ ردیف کھینچ دار، یار وغیرہ۔ ردیف کسی طرح، قوافی سامان، دامان وغیرہ۔ ردیف سرخ قوافی خار وغیرہ۔ ردیف صیاد قوافی کہاں؟ جہاں وغیرہ۔ کچھ طرحی اور کچھ غیر طرحی اشعار جو حصہ نظم میں ہیں، بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔

بلیغؔ — واہ کیا خوب شباب آنے سے صورت نکلی
اور صورت بھی وہ نکلی کہ قیامت نکلی

مشتاقؔ — دل ہوا ہے مائل زلف دوتا کس سے کہیں
آپ سے میں نے خریدا یہ بلا کس سے کہیں

معینؔ — سناؤں کیا میں تجھے اپنی داستاں صیاد
کھلی ہے کنج قفس میں مری زباں صیاد

کیفیؔ — بچ رہا جو ہم سے وہ ٹکڑوں کا سارا مال ہے
خرچ ہم کرتے ہیں جس کو وہ ہمارا مال ہے

۱؎ ان کا تخلص آیاغ، ابھی معلوم ہوتا ہے مگر گلدستے میں دونوں تخلص یک جا ہیں۔
۲؎ فائز، در رسالہ غریب کا صرف فارسی کلام، نسبتی دیکھی کا فارسی اردو دونوں گلہ تو بڑی ہی بجا ہے۔

مانگتے ہو دل تو لے جاں لو تمہارا مال ہے
جان سے اچھی زیادہ کس کو پیارا مال ہے

تم نقاب الٹو بھی اپنے عارض پر نور سے
لن ترانی کی صدا کیا دے رہے ہو دور سے
دیکھ لیں گے جلوۂ حق ان بتوں کے نور سے
بچ کے جائیگی کہاں آخر تجلی طور سے

ہم وہ میکش ہیں نداغم جو ساقی زیرِ تاک
جوش کھا کر خود بخود ٹپکے شرابِ انگور سے

کیا جانوں گئی ہے کہاں لے بےخودی مجھے
کہتی ہے آگہی کہ مجھے کچھ خبر نہیں

حکیم عطا حسین — پنبہ در گوشِ گلستاں ہیں سب غنچہ و گل
کھو نہیں بلبل ناشاد ہے منقار عبث

قدرت کے باغِ سبز میں یاں عقل دنگ ہے
جس گل کو دیکھتا ہوں نیا ایک رنگ ہے

قالب میں جانِ ہجر کے صدموں سے تنگ ہے
جھگڑا اجل[1] سے موت سے ہر وقت جنگ ہے

یاد آتی ہے مجھے ہائے جوانی تیری
چار ہی دن میں ہوئی چاند سی صورت برباد

لے فلک تو نے یہاں تک مٹایا مجھ کو
خاک ہونے پہ مری کر دیا[2] تربت برباد

محرم — ہوتا ہے مجھے نغمۂ بلبل سے یقیں آج
رشک گل خنداں ہے مدینہ کی زمیں آج

اکیم — معمور ہو گلوں سے گلستاں کی طرح
پھر ہمنشیں ہو نمش کا ساماں کسی طرح

وحید — نقدِ دل کو لے کے آ نکلے تھے اک امید پر
لاابالی ہے تری سرکار کیا معلوم تھا

دکن — ہمزباں ہوگا جرس کا قافلے میں ہائے کون
جان تو فرطِ ضعف سے ہے نالے کا دشوار کھینچ[3]

بجرتی — غم نہ کر فصلِ بہاری کا کبھی اے بلبل
خوف گلچیں کا بھی اندیشۂ صیاد بھی ہے

بدلی چتون بھی ہے مستی میں شرارت بھی ہے
قہر قہر بھی ہے چشمِ عنایت بھی ہے

سیدی — سلسلہ الفت کا لے دل کس کے ڈالا پاؤں میں
ناتوانی میں یہ بیڑی خوب پہنا یا[؟] پاؤں میں

حسرت — ابرو ہیں مژہ پر تو ہے خنجر تہ خنجر
ہیں خاطرِ عشاق پہ خنجر تہ خنجر

اذل — کیا کہتی ہو یہ ہر دم لا کیوں مرے عاشق ہیں
دیکھوں میں ذرا صورت، لا دل و لا قوت

اب ملا ہے مجھے محبوب وہ نایاب حضور
آپ کیا حضرت یوسف کو بھی آداب حضور

اختر — بگڑے ہوئے وہ بیٹھے ہیں ہم کیا کریں اختر
سمجھائیں کسے دل بھی تو پہلو میں نہیں آج

گرم — جب چل نہ سکے خود تو چڑھے چادر کے کاندھے
یوں پہنچے ہیں ہم منزلِ اول کے قریب آج

اذل — آزمائیں آج باہم ہے کشش کس کی سوا
میں تجھے کھینچوں ادھر اور تو ادھر لے یار کھینچ

گرم — تحقیق اپنی چاہیے حلم و ہنر میں گرم
مشکل ہے اقتدیت بعدِ الامام روز

غیر طرحی کلام کے ساتھ سیدی کا ایک مخمس بھی ہے، اس میں نواب کی غزل (آپ تو دے، داب تو دے) کی تضمین کی ہے۔

مضامین نثر کے ساتھ بھی کچھ اشعار ہیں۔ ایک مذہبی غزل بعنوان "قولِ حق" کسی شاعر کی ہے۔ جو اپنے کو "حق گو" کہتا ہے۔ غزل دانا پور سے بھیجی گئی تھی، اس کے دو شعر یہ ہیں:

رو بہ نیچر ہے تو اسلام ہے شیر غزال ✽ رو بہ کو شیر سے ہے دعویٔ پیکار عبث
کیسی گمراہ ہوئی ہائے یہ شامت زدہ قوم ✽ نہیں ایسا تو کوئی فرقہ کفار عبث

دو مختلف شماروں میں اکبر دانا پوری کے دو قصیدے کلب علی خاں والیٔ رامپور کی مدح میں ہیں۔ ان میں سے ایک صنعتِ مہملہ میں ہے لیکن کلب علی خاں کے نام کے ساتھ دو جگہ لفظ "شاہ" آیا ہے۔ قصیدہ اولیٰ

---

[1] ایک ہی بات دو طرح کہی ہے۔ [؟] کر دی جائے۔ مگر اس صورت میں مصرعہ ناموزوں ہو جائے گا۔ [2] [؟] [3] کھینچ — کھینچنی چاہیے مگر قافیہ کو۔

کی بیت اول یہ ہے؛

دور ایام سعادت یہ ہوا عالمگیر ✤ ہر ستارہ نگراں ہے طرف سعد کبیر

پہلے قصیدے کے بعد دو رباعیاں ولی عہد رامپور سے تعلق رکھتی ہیں۔ آخر میں جو نثر ہے اس میں اکبر کے بارے میں مرقوم ہے کہ یہ اپنے والد سید شاہ محمد سجاد کی وفات کے بعد ان کے جانشیں ہوئے تھے۔ اسکے متعلق ایک قطعہ ہے جسکی بیت آخر یہ ہے؛

سال سجادگیش گشت کر اکبر حق

شدہ سجادہ نشیں جائے محمد سجاد ۱۲۹۸ھ

اس تحریر میں اکبر کے چچا اور پیر کا نام شاہ محمد قاسم بتایا گیا ہے اور ان کے رسالے 'نجات قاسم' کا ذکر ہے۔

تذکرۂ شعراء کے سب ملا کر ۱۲ صفحے ہیں (۳۲ تا ۳۹ [1]) اس سے قبل کے شماروں میں شائع ہوئے ہونگے [2] ۱۳۳ تا ۱۴۳ میں حسب ذیل شعراء کا حال وکلام ملتا ہے؛

بقا۔ سید شاہ اولاد علی ابو العلائی، سجادہ نشیں خانقاہ دائرہ بہار شریف۔ متولد ۹ رجب پنجشنبہ سنہ ۱۲۵۶ھ۔ از اولاد سید شاہ احمد امام جگواہی معاصر فرخ سیر۔ مرید وخلیفہ پدر خود سید شاہ اصالت علی۔ دو غزلیں؛

خوب دریا کی ہوا کرتی ہے منزل ٹھنڈی

کیا ہوا چلتی ہے دلکش لبِ ساحل ٹھنڈی

جب حجاب اٹھتا ہے تو کھلتا ہے پردہ راز کا

ایک ہوتا ہے پردہ کان کا اور ساز کا

بخت۔ شیخ غلام محی الدین احمد، پسر شیخ مولا بخش، رئیس عظیم آباد، عمر پندرہ سولہ برس سے زیادہ نہ ہوگی۔ عربی فارسی کی استعداد بہت اچھی ہے۔ بالفعل انگریزی پڑھتے ہیں۔ ش، شاہ عطا حسین عطا بہاری۔ ایک غزل؛ جب ہو جلوہ اس کی برق عارض پر نور کا

پھر جلا تا کیا ہے مشکل ایک نخل طور کا

بحرق۔ میر یعقوب حسین، ساکن دائرہ۔ پہلے ش میر ارادت علی خواہش بہار گھیوری کے تھے، بالفعل ش کیفی۔ ایک غزل؛

---

[1] ۳۴ صفحے ایک شمارے میں بدل چند سہ ۳ انہیں ۳۸ تا ۴۲ ہی سمجھے۔

[2] بعد کو بیرسٹر ہوئے۔ میرے دوست الحاج شرف الدین حسن صاحب کے والد تھے۔

کہہ دے مجھ سے تجھ کو کیا اے جانِ جاں درکار ہے

نذر کرتا ہوں جو جانِ نیم جاں درکار ہے

ذکی۔ حکیم سید محمد، جگنوی عالی خاندان، اکثر شعرائے بہار کے شاگرد، تلمیذ قادر بخش مرحوم مفتون، عمر قریب ۶۰ دو غزلیں۔

بلیغ۔ سید سبط الحسنین، خلف خادم حسین ساکن باڑھ پور۔ زین الدین حسین خاں کی ڈپٹی کلکٹری اور امرناتھ پنڈت کی منصفی کے زمانے میں جو جلسہ مشاعرے کا اسکول بہار میں قرار پایا اسی وقت کیفی کے شاگرد ہوئے اور تا قیام جلسہ داخل جلسہ رہے۔ فی الحال سید شاہ آل احمد سجادہ نشیں خانقاہ مولا نگر کے منشی ہیں۔ دو غزلیں؛

باسط۔ عبد الباسط ساکن بر بگہہ ضلع مونگیر، یہ مولانا فرخ علی خاں بہادر کے حقیقی نواسے ہیں۔ ان کے نانا جو ایک مدت تک مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں مدرس رہ کر مفتی عدالت گیا اور اسکے ۶ ماہ بعد صدر امین اعلیٰ ہوئے تھے، گیا میں فوت ہوئے۔ باسط کے والد امام علی مرحوم قصبۂ نو آبادہ ضلع گیا کے قاضی تھے۔ باسط اہل کار رجسٹری سرکار ہیں۔ ایک غزل۔

جوہر۔ جوہر التوحید ساکن بر بگہہ، وہاں کے مڈل اسکول کے ہیڈ مولوی اور گویا بانی ہیں۔ مرید پیر دمڑیا۔ چند رسالوں کے مصنف۔ دو غزلیں۔

چیدہ اخبارات کے تحت؛ شمارہ ۱ (۱) بہار کے محلہ بھینسا سور کے شیخ امام علی تاجر کتب کو چند دنوں سے خبیث کا فساد اس درجہ ہے جس کا عشر عشیر بیان نہیں ہو سکتا۔ کوئی ظروف لینے نہیں پاتے خود بخود ٹوٹ جاتے ہیں۔ صندوق وغیرہ جو دیکھا جاتا ہے تو آگ لگی ہوئی ہے۔ مکان چھوڑ کر دوسری جگہ گئے تو اور بُری حالت ہوئی اتنے روڑے پتھر پڑے کہ اگر جلد سابق مکان میں واپس نہ آتے تو کوئی عضو بدن باقی نہ رہتا۔ جو شخص بہ نظر امتحان جاتا ہے اسکے بدن سے کپڑے نکل کر اڑنے لگتے ہیں، اور اسی کا جوتا اسکے مونہہ پر خود بخود پڑنے لگتا ہے۔ اور وہ خبیث اسکے تمام بدن میں چٹکیاں لینے لگتا ہے۔ (شمارہ ۸) میں اسی محلہ کے ایک شخص نعمت علی کے متعلق مرقوم ہے کہ مکان میں دو آسیب کی خلش ہے، از بس کہ تلاش ہے۔ (۲) محلہ مرداد میں ایک کلب کا مکان تیار ہو رہا ہے۔

(۳) شمارہ ۱۰ (۳) بہار کے رئیس میر سعادت علی کی وفات ۸ مارچ۔ شمارہ ۱۱ - بہار کے رئیس اعظم کی اکلوتی لڑکی کی وفات۔

اشتہارات اور تبصرے: شمارہ ۱ (۱) تذکرہ گلدستۂ انجمن الموسوم بہ شمیم سخن۔ (۲) پیام یار، یکم جون ۱۸۸۳ء سے نکلنے والا تھا۔ (۳) زینت سخن (اشتہار میں جانب انجم خاں صوفی) (۴) اخبار تحفۂ ہند۔ شمارہ ۹ (۵) اشتہار اخبار آئینۂ سکندر آگرہ از مرزا اشتیاق حسین ناظم یکم ستمبر ۱۸۸۳ء سے جاری ہو کر مہینے میں دو بار شائع ہوا کریگا۔ (۶) مرأۃ خلوت، کتاب بابت مسائل نکاح اس کی تعریف لیکن مصنف کا نام نہیں دیا۔ شمارہ ۱۱ (۷) اشتہار انیس بہار کے اڈیٹر سید لیاقت علی (۸) اشتہار مثنوی تصویر سخن از مرزا ازبر جانب مرزا انجم برادر بزرگ (۹) قطعات مستعلیق، مؤلفہ منشی عبد الکریم۔

مضامین نثر: شمارہ ۷ "قومی برتاؤ ذریعہ باہمی ترقی" از محمد احمدی صاحب رئیس موضع ڈوہری۔ اس کا آغاز یوں ہوتا ہے: میں اپنے سچے دل اور پورے یقین اور آنکھوں سے کر دوربین اور خوردبین دونوں میں خوب تامل کرکے جو دیکھتا ہوں تو صاف اور کامل طور سے اپنی قوم میں اپنے ملکی لوگوں میں سمجھ بوجھ دلکی تیج کی بمقابلہ ترقی نہایت درجے پر پاتا ہوں۔

بعض الفاظ اور جملے: حکماؤں عاقلوں" دلچسپی قومی حالتوں پر سن کر حسن قبول کیں خوب داد دیں" اے میری شائستہ قومی قوت دماغی کی ترقیوں کو بدخیالوں میں ضائع کرنے والے میری محمدی قومیں ۔۔ کمر ہمت بناؤ اے عقلاؤں، قرار رکھو اے نیک اشخاصوں"۔ انہوں نے شمارہ ۷ و ۸ میں ایک فارسی تحریر مولوی محمد اشرف افغانی کی ہے۔ جو بقول جمشید بہار (مہتمم مطبع کذا البذا از مونگیر) بڑے عالم اور فیلسوف تھے۔ اور ۲۴ زبانیں اچھی طرح جانتے تھے، عنوان "سیاست و تمدن" ہے۔ خدا بخش خاں (بانی کتب خانہ) کے ایک رسالے کے ۲۰ صفحے (مع خاتمہ) ایک شمارے کے ساتھ ہیں۔ ۱۲ تا ۱۸ شماروں سے قبل کے صفحات یعنی ۹ تا ۱۲ اور شماروں کے ساتھ شائع ہونگے۔ خاتمے میں مصنف نے اس مختصر رسالے میں بڑی تحقیقات بہم پہنچائی ہے

اور بڑی جانفشانی اور محنت سے بڑے بڑے محققوں کی تحقیقات سے خلاصہ کرکے لکھا ہے: اس کتاب سے تمام لوگوں کو فائدہ حاصل ہوا خصوصاً عظیم آباد کے باشندوں کو۔ مصنف۔ ایک عنوان یہ ہے: "احوال راجاؤں کا جاراسندھ سے ماہر انک"۔ اس کے تحت درج ہے: "جاراسندھ اپنے وقت کا بہت قوی راجہ تھا، اور اس کے وقت میں سلطنت مگدھ دیش کی نہایت فروغ و قوت رکھتی تھی چنانچہ آثار اس کے فتوحات کے بنارس میں بنے ہوئے تھے جو مسلمانوں نے مٹا دیئے۔ ولفورڈ صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے آثار اور جا بجا گنگا کے کنارے پر تھے۔ اور ثبوت اس کا یونانیوں کی تاریخ کی کتابوں سے ملتا ہے۔ راجہ کنس متھورا کا راجہ جاراسندھ کا داماد تھا اور دو لڑکیاں جاراسندھ کی ایک زمانے میں اس کی زوجیت میں تھیں جب کنس کرشن کے ہاتھ سے مارا گیا اور اس کی بیوہ دونوں (کذا) اپنے باپ پاس (کذا) خبر دینے آئیں اسوقت جاراسندھ کو نہایت غصہ ہوا۔ اور ایک بڑی لڑائی درمیان جاراسندھ اور کرشن کے ہوئی۔ اگرچہ یہ امر صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ جاراسندھ اس لڑائی میں مارا گیا یا بعد لڑائی کے گر ہلاکت جاراسندھ کی کرشن کے ہاتھ سے ہوئی بعضے مورخین کی رائے یہ ہے کہ بالا کرشن کے بھائی نے جو نہایت قوی اور زور آور تھا جاراسندھ کو چیر ڈالا تھا" الی آخرہ۔

صوبہ بہار کے کئی شاعر جو ۱۸۸۳ء میں اہمیت حاصل کر چکے تھے، ان شماروں سے غیر حاضر ہیں۔ خاص عظیم آباد کے جو شعرا ہیں، ان میں بجز قلق کے سوا شاید ہی کوئی ہو جسے آجکل دس پانچ آدمی بھی جانتے ہوں۔ قصبۂ بہار کے بہت سے شعرا کا کلام ان شماروں میں موجود ہے ان سب کی کیفیت سے اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ نواح عظیم آباد کے شعرا میں اکبر کی اس گلدستہ پر نظر عنایت تھی۔ ان کا اور ان کے تلامذہ کا کلام کم ہی ملتا ہے۔ بیرون بہار کے دو اہم شاعروں کا کلام ان شماروں میں ہے اور یہ وحید الہ آبادی اور آزاد لکھنوی ہیں مگر آزاد اس زمانے میں بہار ہی میں مقیم تھے۔ نثر میں اگر خدا بخش خاں کی تحریر نکال دی جائے تو کوئی چیز ایسی نہیں جو کسی حد تک بھی اہمیت رکھتی ہو۔ اس گلدستے کا شمار اچھی قسم کے اچھے رسالوں میں نہیں ہو سکتا۔

اُردو انڈین کرانکل پٹنہ ۱۸۸۵ء

انیسویں صدی کے اواخر میں ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار انڈین کرانکل پٹنہ سے نکلتا تھا، اور وہ شخص یا اشخاص جو اس کے مالک تھے اردو انڈین کرانکل بھی انھیں کی مِلک تھا۔ انگریزی اخبار کب نکلا تھا، اس کے بارے میں میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں، لیکن اردو انڈین کرانکل کے شمارۂ ۳ جلد ۵ (۱۹ جنوری ۱۸۸۵ء) سے معلوم ہوتا ہے کہ اوائل ۸۵ء میں اس کی زندگی کا پانچواں سال شروع ہوا تھا، جس سے ظاہر ہے کہ جلد اول کا پہلا شمارہ جنوری ۸۱ء میں شائع ہوا ہوگا۔ اُردو انڈین کرانکل کا آخری شمارہ جو میری نظر سے گزرا ہے ۲۲ نومبر ۸۶ء کا ہے اور میرا خیال ہے کہ یہ اواخر سال تک اسی نام سے نکلتا رہا ہوگا۔ اوائل ۸۶ء میں اس نام کا اخبار نکلنا بند ہوگیا اور ایک دوسرا اخبار اردو بہار[۱] ہرلڈ و انڈین کرانکل جاری ہوا۔ مؤخر الذکر کے محض چند شمارے میں نے دیکھے ہیں اور یہ جنوری ۸۶ء سے ۲۶ فروری ۸۶ء تک کے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر شمارے کے صـ۲ کی پیشانی میں "نمبر ۲۰ تاریخ روز شنبہ ۱۸۸۶ء جلد ۶" مرقوم ہے۔ ۹ جنوری کے شمارے سے مطلق پتا نہیں ملتا کہ اُردو انڈین کرانکل سے اس کا کیا تعلق ہے، اور ۲۶ فروری کے شمارے میں کوئی اطلاع اس کے بارے میں نہیں کہ یہ بند ہو رہا ہے۔ اُردو بہار ہرلڈ و انڈین کرانکل کا خاتمہ کب ہوا، میں نہیں کہہ سکتا مگر میرا قیاس ہے کہ یہ زیادہ چلا ہو

۱؎ کرانکل بابت ۲۱ مارچ ۸۵ء میں ایک خبر بہار ہرلڈ کے حوالے سے مندرج ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بہار ہرلڈ و انڈین کرانکل دوسرا اخبار نہیں بلکہ وہی اردو انڈین کرانکل ہے۔

۱۸۸۵ء و بعد کے شمارے ۱۶ صفحوں پر ہیں اور تقطیع ۱۲½ × ۹¾ انچ ہے ۱۸۸۵ء کے شماروں کے ہر صفحے میں ۳ کالم ہیں اور اس کے بعد ۲۔ سنہ مذکور میں شہر والوں سے سالانہ قیمت ۶ روپے اور باہر والوں سے ۸ لی جاتی تھی جو اس کے بعد گھٹ کر علی الترتیب ۵ اور ۶ روپے رہ گئی تھی۔ اردو اخبار کے ساتھ جو لوگ انگریزی اخبار بھی خریدا کرتے تھے، ان سے قیمت میں رعایت کی جاتی تھی۔ انگریزی اخبار کا حال معلوم نہیں لیکن اردو کا روز اشاعت ۱۸۸۵ء و ۱۸۸۶ء میں روز دوشنبہ تھا، اردو ہرلڈ و انڈین کرانکل نے اپنا روز اشاعت سنیچر رکھا تھا۔

کرانکل کے مدیر کا نام اس کے ساتھ نہیں ہوتا تھا، اور ۱۳ اپریل ۱۸۸۵ء کے شمارے میں (اور اس سال کے اور بہت سے شماروں میں بھی) مدیر کی ترجمہ کی ہوئی ایک کتاب کا اشتہار نہ ہوتا تو کوئی ذریعہ یہ معلوم کرنے کا نہ تھا کہ کرانکل کی عنان ادارت کس کے ہاتھ میں تھی۔ شمارہائے مذکور میں مدیر کا نام سید عبدالغنی درج ہے اور ان کے نام سے پہلے لفظ "مولوی" اور اس کے بعد "ایڈیٹر اردو و انڈین کرانکل" مرقوم ہے۔ ۱۳ اپریل ۱۸۸۵ء سے اواخر دسمبر ۱۸۸۵ء تک تو یہ ضرور مدیر تھے اور قریب یقین ہے کہ تواے وطن کا تبصرہ جو اواخر دسمبر ۱۸۸۴ء میں چھپا تھا (اس کا ذکر باب ۲ میں آئے گا) انھیں کے قلم سے ہے اور اس زمانے میں بھی یہی مدیر تھے۔ ۱۸۸۶ء کے بارے میں میں کچھ نہیں کہہ سکتا، اردو ہرلڈ و انڈین کرانکل سے یقیناً ان کا کچھ سروکار نہ تھا۔ یہ غالباً وہی بزرگ ہیں جو استھانواں ضلع پٹنہ کے رہنے والے تھے، اور بعد کو ریاست حیدرآباد میں ملازم ہو گئے تھے۔

۱۸۸۵ء و ۱۸۸۶ء کے شماروں کے صفحۂ آخر میں آخری الفاظ یہ ہیں "مطبع اردو انڈین کرانکل میں اہتمام سے منشی لیاقت حسین کے چھپا" اور ۱۸۸۵ء کے تمام شماروں کے

صفحہ ۱ میں بابو بشیشر سنگھ "منیجر مطبع" بتائے گئے ہیں اور ہدایت کی گئی ہے کہ اخبار کی قیمت اشتہار کی اجرت انھیں کے نام سے بھیجی جائے۔ یکم اگست ۱۸۸۵ء کے شمارے میں بشیشر سنگھ "منیجر مطبع" کی طرف سے اطلاع ہے (اور یہ اطلاع ۲۲ دسمبر تک چھپتی رہی ہے) کہ "مولوی محمد یحییٰ وکیل عدالت دیوانی پٹنہ کرانکل کے "اسسٹنٹ منیجر" ہو گئے ہیں اور کسی کو کوئی چیز چھپوانی ہو تو ان کے پاس بھیجے یا ان سے زبانی گفتگو کرے۔ ۲۴ دسمبر ۱۸۸۵ء کے شمارے میں اعلان ہے کہ "۱ ستمبر سے کل کاروبار مطبع کا تعلق بابو بشیشر سنگھ مالک مطبع اردو انڈین کرانکل و انڈین کرانکل انگریزی و اردو وغیرہ کا ہوا... روپیہ وغیرہ... براہ راست بابو صاحب موصوف کے (نام) روانہ کیا کریں" ۱۸۸۶ء کے شماروں کے صفحہ ۱ میں بشیشر سنگھ کا نام بہ حیثیت مالک مطبع مندرج ہے اور اردو ہرلڈ و انڈین کرانکل کی بھی یہی کیفیت ہے لیکن مؤخر الذکر کے شمارۂ ۲۹ جنوری میں پبلک سروس کمیشن کی کارروائیوں کی جو روداد چھپی ہے اس میں (صفحہ ۱۲) زیر عنوان "اظہار" یہ عبارت ہے۔ "بابو بشیشر سنگھ وکیل عدالت دیوانی پٹنہ و زمین دار ضلع شاہ آباد جو اسسٹنٹ پروپرائٹر[1] بہار ہرلڈ و انڈین کرانکل کے ہیں" اس کے مہتمم بھی لیاقت حسین نہیں رہے ان کی جگہ نرائن چندر چکربرتی کا نام ملتا ہے۔ میں فی الحال اس اخبار کی ملکیت اور انتظام کے بارے میں کچھ اور کہنا نہیں چاہتا اور اس بحث کا خاتمہ عبارت ذیل پر کرتا ہوں جو ۱۷ ستمبر ۱۸۸۶ء کے شمارے سے لی گئی ہے: "چوں کہ ہمارے مطبع کے اکثر ملازم ہندو ہیں... ابتدا ہی سے درگا پوجا میں یہاں تعطیل ہوا کرتی ہے... اس مرتبہ بھی

۱؎ اسسٹنٹ پروپرائٹر کی اصطلاح میری سمجھ میں نہ آئی۔

...دو ہفتے کے لیے مطبع بند ... ہے۔ ۱۴ اکتوبر[1] کا پرچہ نہ پانے سے بھیانک نہ ہوں"۔

جلد پنجم میں مختلف مقامات میں ان اصحاب کے نام ملتے ہیں جن سے اخبار کی قیمت وصول ہوئی تھی۔ جہاں تک نام سے معلوم ہو سکتا ہے، ان میں ۱۹۶ (یا ۱۹۷) ہندو، ۱۶۲ (مسلمان، ۵ (یا ۴) عیسائی تھے۔ کچھ نام ان میں مکرر بھی ہوں گے۔ اس زمانے کے بکثرت عمائد اس کے خریدار تھے۔

دوسرے اخباروں کی طرح کرانکل بھی اشتہارات چھاپتا تھا، اور میرا خیال ہے کہ سال بھر کے اشتہارات نے جو جگہ لی ہے اس کا حساب کیا جائے تو اوسط فی شمارہ ۳ صفحے نکلے گا۔ اس میں ایسے اشتہارات بھی برابر شائع ہوا کرتے تھے جو عام اخباروں کی بہ نسبت طبی اخباروں اور رسالوں کے لیے زیادہ موزوں ہیں۔

کرانکل خبریں بھی دیتا تھا اور جمہور کے خیالات کی ترجمانی اور رہنمائی بھی کرتا تھا۔ عموماً اہم امور کی طرف زیادہ اور غیر اہم کی طرف کم توجہ کی جاتی تھی، مگر خبروں کے متعلق اتنی احتیاط نہ ہوتی تھی کہ کوئی غلط بات شائع ہی ہونے نہ پائے (دیکھیے باب آخر کی تمہید) مقالات افتتاحی[2] عموماً بصیرت افروز ہوا کرتے تھے اور بڑی بے باکی سے لکھے جاتے تھے۔ میرے نزدیک اس زمانے

---

[1] ۱۲ ۱۸۵۰ء کے پرچے میں ہے کہ عشرۂ محرم اور درگا پوجا کی وجہ سے دو پرچے نہ نکلیں گے۔

[2] کچھ چیزیں تو مرتبِ اداریہ اردو و انڈین کرانکل کی لکھی ہوئی ہوتی تھیں، لیکن اس کا امکان ہے کہ کچھ چیزیں اس کا ذکر کیے بغیر انگریزی انڈین کرانکل سے ترجمہ کر لی جاتی ہوں۔ متعدد مقالات افتتاحی کی عبارت اس کی غماز ہے کہ یہ ترجمہ ہے، مگر جب تک ۱۸۵۰ء کا انگریزی کرانکل نہ ملے کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی۔

کے اُردو اخباروں میں شاید ہی کسی کے مقالات۔ افتتاحی کرانکل کے مقالات افتتاحی کا مقابلہ کر سکتے ہیں، اور ان میں متعدد ایسے ہیں کہ اس زمانے میں بھی کسی کے قلم سے نکلیں تو مستحق تحسین قرار پائیں۔ اس اخبار کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ ہندو مسلمان دونوں کا اخبار تھا۔

ذیل میں مختلف عنوانات کے تحت اس کے کچھ اقتباسات درج کیے جاتے ہیں۔ واوین کے اندر جو الفاظ یا عبارات ہیں وہ اخبار سے لیے گئے ہیں، میں نے کسی عبارت کا خلاصہ اپنی عبارت میں دیا ہے یا کچھ اپنی طرف سے لکھا ہے تو وہ واوین کے باہر ہے۔ انتخاب میں دو باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے: اخبار کے متعلق صحیح رائے قائم کی جا سکے؛ ۱۸۵۷ء سے سروکار رکھنے والی وہ باتیں جو کسی کتاب میں یک جا نہیں مل سکتیں اکٹھا کر دی جائیں۔ ایسی باتیں جو بہ آسانی سہل الحصول مآخذ سے معلوم کی جا سکتی تھیں، نظر انداز کی گئی ہیں۔

یہ مقالہ عجلت میں لکھا گیا ہے اس لئے ترتیب مطالب حسب دل خواہ نہ ہو سکی۔ ناظرین معاف فرمائیں۔ کرانکل کے کس شمارے سے کیا لیا گیا ہے یہ بالالتزام بتایا گیا ہے جا قاعدہ یہ رکھا گیا ہے کہ نشان کے اوپر کے ہندسے انگریزی مہینے کی تاریخ اور نیچے کے ہندسے سے مہینے کا شمار معلوم ہو، مثلاً ۳ فروری کے شمارے کا حوالہ اس طرح دیا جائے گا: $\frac{۳}{۲}$ ۔

ناول ڈراما اور شاعری (الف) "فطرت انسانی کی رو سے کسی قوم کے اخلاق و عادات، خیالات و معتقدات پر ان قصے کہانیوں کا کیسا زبردست اور لازوال اثر ہوتا ہے، ہر متنفس اپنے خاص

تجربے اس .. کی شہادت دے گا۔ اس کے سوا عموماً نظم میں بھی ایک ایسی دل فریب.. تسخیر ہے جس کے اثر سے ممکن نہیں کہ کوئی بچا ہو۔ .. مگر افسوس ہے کہ ہماری قوم نے اگر اس کی گردن پر چھری پھیری تو اس کا گلا گھونٹا۔ دنیا کی کُل شائستہ قومیں زمانے کے ساتھ ان دونوں قوتوں کو، اگر ہم انکو توئی سے تعبیر کر سکیں، کیسی رونق دے رہی ہیں روز بروز کیسی خوش آیند تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں، لیکن اس انیسویں صدی میں بھی ان کی اصلاح کی ضرورت ہمارے ملک کے قصہ گویوں اور شاعروں کی سمجھ میں نہ آئی۔ قصے ہیں تو انھیں عجائب اور خلاف قیاس باتوں سے بھرے ہوئے جن کو یورپ کا ایک قلی بھی.. سرتاپا جھوٹ سمجھے اور مخرب اخلاق کہے۔ نظم ہے تو ایسی جس کے گندہ خیالات اور گم راہ کرنے والی تاثیر سے شیطان بھی پناہ مانگے" (اقتباس تبصرۂ جواں بخت وشمس النہار از مدیر ۱/۲ء)

(ب) "ناول ڈراما دتھیٹر.. سیاست و اخلاق کے اصول پر ہوں تو ان .. سے ملک اور قوم کو اس قدر فائدہ ہو سکتا ہے .. جتنا بڑے بڑے آرگنلو ۔ انجمنوں اور وعظوں سے بھی ممکن نہیں .. اور .. اس کا لحاظ نہ رکھا جائے تو وہ ناول و ڈراما اندر سبھا اور زہر عشق و لذت عشق وغیرہ .. سے بڑھ کر اور وہ تھیٹر ہمارے ناچ اور گانے کی محفلوں اور بھانڈ کے تماشوں سے زیادہ ہمارے ملک کی اصلاح و ترقی میں کام نہیں آسکتے۔ پچھلے سال جو امپریل تھیٹریکل ٹروپ کے "ظالم اثر نے .. ہونہار و معصوم طلبہ کی تحصیل و نیک چلنی کی گردن پر کند چھریاں چلائی تھیں، وہ اب تک نہیں بھولیں" (بہار تھیٹریکل ٹروپ از مدیر ۱/۲ء)

(ج) "حال میں وہاں (کلکتہ میں) برہمو کے مشہور ریفارمر بابو پرتاب چندر

مزدار کی صدارت سے ایک مجلس منعقد ہوئی اور.. بہ اتفاق.. طے پایا کہ لڑکوں سے اس کا عہد لیا جائے کہ وہ ایسے لوگوں کی صحبت سے اپنے کو کنارے رکھیں جن میں بداخلاقی کی باتیں پائی جاتی ہیں اور جو تھیٹروں میں جایا کرتے ہیں.. تحریک زیر بحث کے ہواخواہوں کی قوی رائے ہے کہ دیسی تھیٹر مع ان بدوضع عورتوں کے جو ان میں شامل ہوتی ہیں اخلاق کو بہت سخت ضرر پہنچا رہے ہیں.. کچھ دنوں سے وہاں کے اخبار بے طرح ان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور.. صرف انڈین نیشن ہی ان کی پشت پناہی کے لیے مستعد.. ہے ایسا نہیں ہے کہ یہ.. دیسی تھیٹروں کے مفید.. ہونے کا.. قائل ہو.. وہ صرف اس کو ناپسند کرتا ہے کہ نقل لانے والوں اور.. لانے والیوں کی خانگی حالتوں کی تفتیش کی جائے.. ہر ملک میں اور چیزوں کی طرح سے تھیٹر کا بھی ایک زمانہ ہوتا ہے۔ غریب ہندوستان خالی خزانوں اور غیر ملک کی زبردست حکومت کے ساتھ دل لگی کے عمدہ سامان.. بہم پہنچا ہی نہیں سکتا بدحالی و افلاس کے زمانے میں یہ امید ہرگز نہیں کی جا سکتی کہ ناٹک کے عمدہ اشعار لکھے جائیں اور علوم و فنون لطیفہ عمدہ حالت کو پہنچیں۔.. دیسی تھیٹر سے بالفعل کوئی عمدہ غرض حاصل نہیں ہوتی.. نوجوان دل اس سے راحت طلبی و عیش پسندی پر مائل ہوتے ہیں.. یہاں عیش پسند و آرام دوست لوگوں کی.. کمی نہیں ہے پھر.. کیا ضرور ہے کہ نکمے دیسی تھیٹروں کی صورت میں ایک اور سست کرنے والی چیز بڑھائی جائے؟" (لڑکوں کے اخلاق اور تھیٹر از مدیر ۲۱/۹)

اقتباسات بالا سے صاف ظاہر ہے کہ مدیر اس ادب کو پسند کرتا ہے جس میں سود مندی اور واقعیت ہو، ایسا ادب جو مخرب اخلاق ہو اور

جس میں خلاف عقل و قیاس باتیں ہوں اسے پسند نہیں۔ تھیٹر کے بارے میں جو کچھ اس نے لکھا ہے، وہ اور فنون لطیفہ پر بھی منطبق ہو سکتا ہے۔

کرانکل میں اشعار بالکل نہیں، کچھ قطعات تاریخ وفات ہیں (یہ بھی بہت کم) مگر انہیں شاعری نہیں کہہ سکتے۔ نثر میں صرف ایک چیز ہے جو ادب لطیف سمجھی جا سکتی ہے اور یہ سرشار کے قلم سے ہے، گو اس کا نام اس کے ساتھ موجود نہیں۔ اس کا نام بنگالیوں کی ہمت کی سچی تصویر ہے (۲۱/۹ و ۲۸/۹)، اور کوہ نور سے ماخوذ ہے۔ یہ چیز فسانۂ آزاد میں شامل ہے، اگرچہ ممکن ہے کہ کہیں کہیں الفاظ مختلف ہوں۔

(۴) اردو کتابیں سنہ ۸۵ء میں کتابوں کے تبصرے بہت کم ہیں، لیکن جو ہیں وہ بری نہیں، گو ان کے متعلق قطعی رائے اس وقت دی جا سکتی ہے جب کتابیں خود دیکھی جائیں۔ بعض کتابوں کی اشاعت کا پتا اشتہارات سے بھی ملتا ہے۔

"جواں بخت و شمس النہار یہ ۶۳ صفحوں کا.. ناٹک نظم اردو میں اوپرا کے طور پر لکھا گیا ہے.. ہم اس.. کو بڑی دل بستگی کے ساتھ اول سے آخر تک بہ یک جلسہ پڑھ گئے اور سچ تو یہ ہے کہ.. یہ ممکن بھی نہ تھا کہ ہم اس کو بغیر ختم کیے ہوئے چھوڑ دیتے۔ جواں بخت و شمس النہار کے مصنف مولوی محمد نواب صاحب نے.. ان دونوں باتوں کا خیال رکھا ہے.. نہ اس میں کہیں کوہ قاف کی پریوں، طلسم کے جنجال کا بیان ہے اور نہ کہیں بدکاریوں کی ہدایت ہے۔ روزمرے کی سادی سادی باتیں ہیں.. ایام غدر کا تذکرہ ہے.. ہم.. بہت خوش ہوئے

کہ ناول یا ڈرامے کے بعض مصنفوں کے دستور کے خلاف۔ شمس النہار کے۔۔ چال چلن کا سارے قصے میں پوری طرح سے خیال رکھا گیا ہے کہیں بےخودی میں کوئی حرکت ہوئی بھی ہے، تو بھی اسی قدر جتنا۔ محبت کے پرزور اثر میں ہونا فطری اور ضروری تھا۔ اس کے علاوہ تناسب وقت تناسب مقام اور تناسب مبحث ان تینوں باتوں کا جو ڈرامے کی جان ہیں ہر جگہ نہایت ہوشیاری کے ساتھ پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ بیان کا پیرایہ اور زبان بھی بہت دل فریب۔۔ ہے اور خاص کر آپس کی گفتگو کی زبان تو وہ بلا کی ہے کہ پناہ بر خدا۔۔ قصے کا خاتمہ ایسے موثر طور سے کیا گیا ہے کہ دل ہل جاتا ہے۔۔ ہم نہیں سمجھ سکتے کہ جس وقت یہ ڈراما۔۔ ایکٹ کر کے دکھایا جائے گا۔ تو حاضرین پر کتنا بڑا اثر ہوگا۔ اس میں شک نہیں کہ اہل یورپ جیسے خوش قسمت و خوش دل لوگوں میں۔۔ ایسی چیزوں کی ضرورت ہوگی ٹریجیڈی اعلیٰ درجے کا قصہ سمجھی جاتی ہے اور واقعی ہے بھی ایسی ہی مگر۔۔ دل شکستہ لوگوں کے لیے۔۔ یہ طرز اور بھی سونے میں سہاگے کا کام کرتا ہے۔ اس رنگ کی یہ پہلی ہی کتاب ہے جو نظم اُردو میں ہم نے دیکھی ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے ملک کے ناول و ڈراما لکھنے والے اس کو اپنے لیے نمونہ بنائیں گے۔۔" (۲۶ مارچ سے اس کتاب کا اشتہار شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ مشتہر: مولوی سید محمد نواب مختار فوجداری و کلکٹری بہ مکان الف خاں مرحوم سابق گماشتۂ افیون بادشاہی گنج، علاقہ تھانہ پیر بہوڑ، باقی پور)

قصۂ مہتاب بیگم: ۲۹ "انگریزی کے مشہور ناول (کذا) مِیلس آف دی زنانہ کا سلیس با محاورہ اُردو ترجمہ ہے۔ اصل کتاب ایک بڑے لائق انگریز کی

تصنیف اور سادگی و عمدگی میں مشہور ہے۔ اس.. میں ہندوستانی رؤسا اور ان کے مصاحبین کے افعال وحرکات وجذبات کا صحیح فوٹو کھینچا گیا ہے، جیساکہ انگریزی ناولوں کا دستور ہے، یہ کتاب بھی محالات وغیر ممکنات سے پاک ہے، مگر ساتھ ہی.. ایسی دلچسپ کہ بغیر تمام کیے ہوئے چارہ بھی نہیں.. بعض بعض جگہ نہایت پسندیدہ مزاح جو سادہ و بے تصنع کلام میں نمک کا لطف دیتا ہے۔ ہماری رائے میں یہ.. محض قصّہ ہی.. نہیں ہے بلکہ بہت سی خوبیوں کی معلم۔ ترجمہ بھی برا نہیں ہے۔ زبان موٹے موٹے عربی و فارسی کے غیر مانوس الفاظ اور اس سادگی و بے تکلفی کا سچا نمونہ جو دہلی کی اُردو کے خصائص میں سے ہے۔.. بعض جگہ انگریزی ترکیب باقی رہ گئی ہے، لیکن اس سے اس قدر ہرج نہیں۔.. مترجم.. لالہ فقیر چند ولش (کذا) دہلوی..۔"

"مہذب النسا معروف بہ سگھڑ سہیلی اس کا ریویو آیندہ پرچے میں درج ہوگا" (مگر یہ وعدہ وفا نہ ہوا)

انشاے اشہری: ۲۰ $\frac{13}{4}$ صفحوں کا فارسی رسالہ فن انشا میں از سیّد امجد علی اڈیٹر اخبار دبیر الملک بھوپال۔

$\frac{2.5}{5}$ ایک نامہ نگار سیّد احمد (کوچہ لنگر شہر پٹنہ) نے "حکیم سیّد شاہ احمد حسین.. صوفی تخلص رئیس پٹنہ" کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے دو قاعدے بہ طور الف بے کے نئے طور پر ترتیب دے کر چھپوائے ہیں": فرط نظام ابجدی اور ترقی دولت علمی ان کے حاشیوں پر معلم کے لیے ہدایتیں ہیں۔ ۔ پہلا قرآن کے لیے اور دوسرا اُردو کے لیے۔ نامہ نگار نے کئی کالموں میں تعریف کی ہے، اور آخر میں مدیر نے بھی اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔

۶/۲ مثنوی داغ جگر مصنفہ سید باقر شمس کا اشتہار۔ ۲۱/۹ اشتہار رسالۂ شطرنج عجیبہ از بابو شام کشور بنارس ۵/۱ ترجمہ مجموعۂ قواعد رخصت ملازمان سول، مجموعۂ قواعد تنخواہ و مواجب قائم مقامی از جگت نرائن مینیجر کوہ نور پریس لاہور کا اشتہار۔ ۲۰/۲ متعدد قانونی کتب کا اشتہار از امیر سنگھ مالک رسالۂ مفید ہند دہلی۔ ۱۳/۱۴ وہابی میں نیا قانون لگان یعنی ایکٹ ۱۸۶۵ء کا ترجمے کا اشتہار ہے۔ مترجم مدیر کرانکل سے بعد کو اشاعت ثانی کا بھی اشتہار ہے۔

نوائے وطن شاد کی تصنیف ہے اور اواخر ۱۸۶۴ء میں طبع ہوئی تھی، اس کا ایک طویل تبصرہ کرانکل نے اسی زمانے میں شائع کیا تھا، اور ریدان رسائل میں سے ایک میں جو نوائے وطن کی مخالفت میں لکھے گئے تھے شامل ہے۔ مدیر نے شاد کی غلط بیانیاں تو بہت کم پکڑی تھیں لیکن کتاب کی ترتیب، غلط مبحث، لفظی تسامحات اور مصنف کے بعض نظریات پر جو اعتراضات کیے تھے ان سے اس کی بالغ النظری ہویدا ہے۔ اس تبصرے کے متعلق اسی قدر لکھنے پر اکتفا کروں گا، اس لیے کہ اس کا ۱۸۶۵ء سے تعلق نہیں لیکن اس کتاب کے بارے میں جو کچھ کرانکل میں سنہ مذکور میں چھپا تھا، وہ بجنسہ یا ملخصاً درج ذیل ہے۔

۵/۱ (معلوم ہوتا ہے کہ شاد نے تبصرے کے باب میں مدیر کو خط لکھا تھا، اور متعدد اشخاص نے نوائے وطن کے بارے میں اظہار رائے کیا تھا) "نامہ نگارین کو اطلاع" کے زیر عنوان جو عبارات ہیں ان سب کا تعلق نوائے وطن سے ہے:

"سید علی محمد شاد پٹنہ شہر آپ کا مراسلہ پہنچا، زیر تجویز ہے۔ نوائے وطن کا ستایا مونگیر زیر تجویز۔ دل جلا آرہ زیر تجویز۔ نوائے وطن سے بیزار پٹنہ شہر آیندہ

ہفتے میں ضمیمہ خوابگے وطن"..ہمارے السید مصنف نوائے وطن نے جو فہرست فصیح اور غیر فصیح الفاظ کی.. دی ہے..اس میں اکثر غلطیاں ایسی ہی لوگوں کی مندرج.. ہیں جو رموز ابجد سے بھی ناواقف ہیں.. میں ایک فہرست ایسے الفاظ کی لکھتا ہوں جن کو شاد صاحب نے شاید سہواً.. درج نہیں فرمایا..: ارض و طول[۱] = عرض و طول' ان ایرین = نن ایرین' بھوڑجیا = پست ہمت' شرفازادے = شریف زادے' کانسی = کارنس' ناواقفیاں = ناواقفیتیں' ہلٹن (ایک نامی انگریزی شاعر = ملٹن باقی آئندہ راقم نوحہ خوان وطن"[۱]
الالعت[۲] واللام الاڈیٹر الانڈین الگرانکل' التسلیم میں اس بات پہ اپنی بہت بڑی الخوشی ظاہر الکرتا ہوں کہ الکتاب النوائے الوطن المصنف السید العلی المحمد الشاد جو الصرف ہمارے الصوبہ البہار کی الزبان سدھارنے کی الغرض سے چھاپی گئی ہے' الغرض البہار کے التمام لوگوں کو الفصیح بنادے گی۔
الراقم العبد المذنب الفقیر الخاکسار الہیچمدان الجاہل الذلیل الگنہگار"
[۳] بقیہ مضمون نوائے وطن کا بے سراپن: میں نے پہلے آپ کو اطلاع دی تھی کہ مصنف.. اپنی کتاب کی آپ اصلاح کر رہے ہیں' اس لئے میری تحریروں کی اشاعت.. ملتوی رکھے مگر پھر.. سوچا.. کہ اپنی غلطیوں کی آپ

ص۔ کا حاشیہ ۔ [۱] کچھ عبارتوں کا تعلق صریحاً ثابت ہے' کچھ کے بارے میں میں نے قیاس سے کام لیا ہے۔
[۲] اگر عرض کی جگہ ارض ہے تو یہ کاتب کا سہو ہے۔ باقی الفاظ جن پر راقم مضمون کے اعتراض ہیں شاد کے استعمال کردہ ہیں یا شاد انہیں مقابل کے لفظوں پر ترجیح دی ہے۔ نوائے وطن ص۲ و ص۱۱ و ص۳۲ و ص۱۴۷ و ص۱۸۱ و ص۱۹۹۔ [۳] شاد نے سید کی جگہ السید لکھا تھا یہ اس پر چوٹ ہے۔

اصلاح.. محال ہے خصوصاً جب کہ غلطیوں کی کوئی انتہا ہی نہ ہو.. ایک.. خبر.. یہ مُنی ہے کہ میرے.. مراسلے کے سبب.. مصنف مجھ سے بہت کچھ بیزار ہو گئے ہیں.. نکتہ چینی سے میرا یہ منشا.. ہر گز نہ تھا کہ کسی.. کو اس سے کسی قسم کا رنج پہنچے.. ص۵ میں ایک نیا محاورہ ارشاد ہوتا ہے "اندھے سے اندھا جب اپنے مقام سے چلے الخ".. ص۴ میں لکھتے ہیں: "یہ صحیح ہے کہ دہلی و لکھنؤ و عظیم آباد و غیرہ شہروں کی زبانیں شاہ جہانی اُردو کی بیٹیاں اور ایک ہی چمنے کی دو دالیں ہیں ایک ہی پیٹ سے نکلیں، اور ایک ہی جگہ کھیل کود کر بڑی ہوئیں، ایک ہی طرح کے لباس پہنے اور ایک ہی قسم کے جہیز پائے۔ کوئی بیاہ کر پورب گئی کوئی پچھم کوئی اُتر کوئی دکن۔ بس تو یہ تفرقہ اتنا ہی ہونا چاہیے جتنا کہ دو بھائیوں میں یا دو بہنوں میں نہ کہ اس بلا کا فرق الخ".. دہلی و لکھنؤ.. بیٹیاں ہیں، یہ تشبیہ.. سمجھ میں.. نہیں آنے کی.. جب تک شاہ جہانی اُردو اور دہلی کی زبان میں کوئی واقعی فرق ثابت نہ کر لیا جائے.. یہ رشتہ سخت بے ڈھب نظر آتا ہے.. "یہ زبانیں ایک ہی چنے کی دو دالیں ہیں".. چند شہروں کی مختلف زبانوں کے لیے ان دو دالوں کے محاورے کا استعمال.. صحیح نہیں.. کہتے ہیں کہ یہ مختلف شہروں کی زبانیں "ایک ہی پیٹ سے نکلیں" لیکن یہ معلوم ہو چکا ہے کہ دہلی کی زبان کی نسبت یہ کہنا کہ شاہ جہانی اُردو کے پیٹ سے نکلی ہے، اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب ان دونوں میں کوئی.. ما بہ الامتیاز ثابت کر لیا جائے۔ پھر فرماتے ہیں کہ "دہلی.. وغیرہ.. کی زبانیں.. دکن" شاید اس کے معنی یہ ہوں گے کہ لکھنؤ.. وغیرہ کی زبانیں قبل اس کے کہ لکھنؤ.. وغیرہ شہروں میں بولی جائیں

اوران خاص ناموں کے ساتھ پکاری جائیں.. پہلے ہی سے انہیں خاص خاص ناموں کے ساتھ سب کی سب ایک ہی جگہ بولی جاتی تھیں.. اس تشبیہ کو خاص طرح پر یوں سمجھیے کہ جس وقت شاہ جہانی اُردو کسی ایک مقام میں بولی جاتی تھی تو اس کی یہ بیٹیاں یعنی دہلی لکھنؤ.. وغیرہ کی زبانیں بھی وہیں اس کے پیٹ سے نکلیں یعنی اسی جگہ یہ سب.. بھی بولی جانے لگیں.. معاذاللہ تیرا انتشار ذہن۔ 'بس بہنوں میں'.. دو بھائیوں کے تذکرے پر آپ بھیانک نہ ہوں.. یہ مُنہ بولے بھائی ہیں ورنہ شاہ جہانی کے تو بیٹیاں ہی تھیں اور.. یہ جو صرف دو ہی بہنوں کا فرق ذکر کیا گیا اس کی وجہ شاید یہ ہوگی کہ دو ہی زندہ ہوں گی ورنہ.. یوں لکھتے کہ تو یہ تفرقہ اتنا ہی ہونا چاہیے تھا، جتنا ماں بھائی بہنوں میں۔ وہی ص۴۲ 'میرے ہم وطنو تم سرسری نظر سے دیکھ کر ہماری اس بات کی حقارت نہ کرو۔ اگر ایک بلند زینے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف ملکوں کی آوازیں سنو الخ'.. ایک جگہ.. میرے.. اور دوسری جگہ ہماری.. اس اول جلول نگارش کے صدقے.. ساری کتاب اسی صنعت سے مزین ہے۔ 'اگر.. سنو' ہمارے پٹنوی شاعر نے.. مسدس حالی سے اس خیال کو اُڑانا چاہا تھا مگر.. ٹیلے کو زینے سے بدل کر مضمون ہی کو کوڑی کا تین کر دیا...

ص۶.. : 'جو جو کچھ وہ کر رہے ہیں'.. 'جو' کو مکرر کیوں لائے ؟.. 'وہمی فراق اور خیالی وصل کی اس بدولت غم یا خوشی کر لیں اور چند اسی قسم کے شعروں پر جھوٹی واہ واہ کی صدائیں الخ'.. فرمائیے غم ہے نا مؤنث اور نہیں تو پھر 'یہ کی' کیوں؟ 'اس بدولت'۔ بتلائیے تو سہی کہ یہ درمیان سے 'کی' کا لفظ کہاں اُچھو ہو گیا.. 'چند اسی قسم کے'.. 'چند'.. اگر 'قسم' کی صفت ہے تو لفظ 'اس' کو 'انھیں' بنا دو

اور.. لفظوں کی ترکیب یوں رکھو: "انھیں چند قسم کے شعروں الخ" اور اگر "چند" کو شعروں کی صفت ٹھہرائیں تو اس فقرے کو یوں لکھنا چاہیے: "اسی قسم کے چند شعروں الخ".. صـ۹ میں السید صاحب یوں قصہ سنجی کرتی ہیں کہ "اگر نادان سا نادان جاہل سا جاہل لکھنؤ دہلی کا رہنے والا آپ کے کسی شعر دں پر اعتراض کر بیٹھے تو آپ الخ".. اگر آپ کے اس ایجاد پر کوئی الدہاتی سا الدہاتی اعتراض کر بیٹھے تو کیا ہو؟.. بھائی خدا کے لیے لکھتے ہو تو یوں لکھو کہ "اگر لکھنؤ و دہلی کا کوئی نادان سے نادان جاہل سے جاہل باشندہ الخ الراقم الدہاتی باقی آیندہ"

(۳) ہندوستانی اخبار نویسی اور اخبارات و رسائل

مدیر کرانکل کے نزدیک ایڈیٹر کو اعلیٰ اخلاقی صفات کا حامل ہونا چاہیے (رجوع بہ رفیق ہند کا مقدمہ) اور اس کا خیال تھا کہ آزادانہ اخبار نویسی خطرے سے خالی نہ تھی اس لئے کہ حکومت نکتہ چینی کو پسند نہیں کرتی۔ اس سلسلے میں ہندوستانی اور اینگلو انڈین اخباروں سے متعلق حکومت کے رویے کے اختلاف پر اس نے ایک مضمون لکھا تھا، جس کے عبارات ذیل لائق توجہ ہیں:

"ایک بار پھر بھی عالی جناب لفٹنٹ گورنر بنگالہ نے دیسی اخباروں پر لعنت وملامت کرنے کا موقع حاصل کیا۔ بنگالہ کے پچھلے سالانہ رپورٹ میں جو ابھی شائع ہوا ہے.. فرماتے ہیں: "پچھلے.. سالانہ رپورٹ میں جو یہ امید ظاہر کی گئی تھی کہ اعلیٰ درجے کے اخباروں میں، وقائع نگاری کی اصلی ذمہ داریوں کی قدر رفتہ رفتہ بڑھتی جاتی ہے اس کا کوئی بہت ہی نمایاں ثبوت یا تائید اس سال جس کی نسبت ہم رائے ظاہر کرتے ہیں نہیں پائی گئی.. سال گذشتہ میں

بعض دیسی اخبار ہمہ تن پولیٹکل مباحث میں منہمک اور ایک ایسی زبان کے استعمال میں مشتغل رہے جس کو کوئی دوسری گورنمنٹ رعایت وعفو کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ ۔ وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ۔ ۔ انگلو انڈین اور دیسی دونوں ۔ ۔ اخبار ۔ ۔ سخت زبانوں کے استعمال میں منہمک رہے، لیکن ۔ ۔ ان کی بوچھار صرف دیسی اخباروں پر ہے اور انگلو انڈین اخباروں کے خلاف میں بولنے کو انہیں ایک لفظ بھی نہیں ملتا، مگر اب لوگوں کو ۔ ۔ ممدوح کی پالیسی کی ماہیت معلوم ہوگئی ہے اور ان کے اس ریمارک کی وہی قیمت لگائیں گے جو اس کی حقیقت میں ہے"

اس زمانے کے انگلو انڈین اخباروں میں انگلش مین حکومت بنگالہ کی زبان سمجھا جاتا تھا اور اسٹیٹسمین ہندوستان کا دوست ۔ (و ۱۹/۱) انگلش مین اور پانیر کی نسبت ۲۹/۹ کی یہ عبارت بھی دیکھیے : 'پانیر انگلش مین کو بے عزت کہتا ہے کہ جس کا جواب وہ بھی یونہیں دیتا ہے ۔ ہندوستانیوں کا نتیجہ یہ ہے کہ اقلیدس کی رو سے دونوں بے عزت'

اُردو اخبارات ورسائل کے بارے میں جو کچھ ملتا ہے درج ذیل ہے :

"نہایت افسوس ہے کہ ہمارے اکثر ہم عصر جن کے اخباروں سے ہمارے اخبار کا مبادلہ ہے، روانگی اخبارات کا عمدہ انتظام نہیں فرماتے' مثلاً السلام ومحشر وغیرہ وغیرہ تو آتے ہی نہیں اور ان کے سوا چند اخباروں کی یہ حالت ہے کہ یا تو دو ایک ہفتہ پہنچے ہی نہیں، یا پہنچے بھی تو روز اشاعت سے سات آٹھ روز کے بعد" ۔ ۔

الپنچ : ۲/۲ اُس ہفتے میں ایک اور ظریف اخبار ۔ ۔ الپنچ کی آمد آمد ہے ۔ ۔ اشتہار سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ۔ ۔ بہ طور آزمائش ۔ ۔ چار مہینے کے لیے جاری ہوگا ۔ قیمت اہل شہر سے ڈیڑھ روپیہ اور مفصل والوں سے دو ۔ مہتمم منشی محمد اعظم صاحب

میں ۹/۲ آس وقت تک اس کے ۳ پرچے شائع ہو چکے ہیں.. چند تعلیم یافتہ نوجوانوں کی کوشش و محنت کا نتیجہ ہے.. ہفتہ وار ہر پنج شنبے کو ۴ ورقوں پر شائع ہوتا ہے اس کی تحریریں اکثر ملکی معاملات پر ہوتی ہیں اور ایسے سوکھے پھیکے مضامین میں جہاں تک ظرافت ممکن ہے.. موجود ہے۔ سوشیل مضامین بھی اس میں.. ہوتے ہیں.. ہر پرچے میں تھوڑی نظم ہوتی ہے.. اس میں بھی سوشیل یا پولیٹکل کوئی مضمون ہوتا ہے... ہر پرچے میں.. ایک تصویر بھی ہوتی ہے.. ہمارے شہر میں. ایک پنچ کی ضرورت تھی، اور چند برس پیشتر دو پنچ شائع بھی ہوئے تھے، لیکن.. ایک بھی جاری نہ رہا.. نہایت معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ تیسرے ہی پرچے سے اشاعت ساڑھے سات سو.. تک پہنچ گئی ہے.. پہلے پرچے کی تصویر سے قانون لگان کے متعلق بنگال کے زمیں دار و رعایا کی نسبت سچی رائے ظاہر ہوتی ہے۔ بند و بست دوام ایک بہت ہی فربہ گائے ہے جس سے رعایا دودھ دوہ رہی ہے.. ایک انگریز اس گائے پر قانون لگان کا تیر لگایا چاہتا ہے اور کہہ رہا ہے کہ واسطے تین گن' دے نہ دے' دے کے چھین لے۔ زمیں دار۔ کہتے ہیں:

ترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن ؎ اجابت از در حق بہر استقبال می آید

اس پرچے میں لارڈ ڈفرن کی دو رایوں پر دو تحریریں بہت ہی دل چسپ ہیں۔ ایک.. اس کی نسبت کہ ہندوستانی انگریزی لباس نہ پہنیں، دوسری.. اس.. کی نسبت کہ ہندوستانیوں کو ترکیوں کی طرح پاشا وغیرہ کا خطاب دیا جائے.. پورے چار مہینے کی قیمت اہل شہر سے ڈیڑھ.. اور باہر کے لوگوں سے دو روپے۔ نشان... : بانکی پور، مہندرو، منشی محمد اعظم..

بہ مکان مولوی سید شرف الدین۔۔ بیرسٹر ایٹ لا"

آزاد: ۱۳/۴ اس نام کا ایک اخبار لکھنؤ۔۔ گولہ گنج سے منشی احمد علی۔ شوق کے اہتمام سے ۲۲ مارچ کو شائع ہوا۔ جو سچی مسرت۔۔ اس۔۔ کے پڑھنے سے ہوئی وہ ابھی تک شاید کسی نئے پرچے کے پڑھنے سے نہیں ہوئی۔۔ اُردو اخبار نویسی جن اصلاحوں کی محتاج تھی وہ۔۔ اس میں موجود ہیں۔۔ اُردو اخباروں کی عام حالت یہ ہے کہ اکثر میں ایڈیٹوریل آرٹکل عموماً اور موجودہ ملکی مباحث پر خصوصاً نہیں ہوتے اور جن اخباروں میں بالالتزام۔۔ لکھے بھی جاتے ہیں تو بعض کی زبان محض خراب اور بعض کا طرز تحریر۔۔ زوائد سے مملو ہوتا ہے۔۔ اس۔۔ میں اکثر موجودہ ملکی مباحث پر خاص ایڈیٹوریل ۹ موجود ہیں اور یہ۔۔ کیا بہ حیثیت رائے۔۔ اور کیا بہ حیثیت صفائی و صحت محاورۂ زبان۔۔ نہایت تعریف۔۔ کے لائق ہیں۔ حجم بارہ صفحوں کا۔۔"

بنگال پنچ کلکتہ۔ ۲۳/۱۲۔ محمد قمر الدین احمد وکیل عدالت گیا نے مقدمۂ ازالۂ حیثیت عرفی گیا میں ایڈیٹر سے مصالحہ کر لیا، مگر یہ اخبار اس پر بھی ایک ہفتے کے بعد بند ہو گیا۔ عدالت نے ۸ دسمبر کو اخبار کے نامہ نگار ا۔ح شیدا یعنی الطاف حسین کو ۳ ماہ قید بامشقت کی سزا دی۔

بوقلموں صدق بہار: ۹/۱۱ ایک مراسلہ نگار نے اس کے چوتھے شمارے کا ذکر کیا ہے۔

رفیق ہند کا مقدمہ: ۲۳/۳ کوہ نور لکھتا ہے کہ رفیق ہند کے لائبل کے مقدمے کا فیصلہ ہو گیا۔ ایڈیٹر کو ایک ماہ کی سزا ہوئی" ۱۳/۴ "رفیق ہند لاہور کے نوجوان ایڈیٹر محرم علی چشتی کا واقعہ ایسا نہیں ہے۔۔ جس پر۔۔ افسوس نہ آئے۔ جن لوگوں نے

دیوان والس مل کے مقدمے کی کارروائیاں.. پڑھی ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ ایڈیٹر اس سزا کا مستحق نہ تھا.. مسٹر پارکر کا دل برے جذبات سے خالی ہوتا تو صرف جرمانے کی سزا بھی کافی ہوتی، اور اگر ان کے دل کے پھپھولے بغیر قید کے نہیں ٹوٹ سکتے تھے، تو قید ہی کی ایسی سزا کیوں نہیں دی.. جو اپیل کے قابل ہوتی؟.. عموماً اردو اخباروں اور پنجاب کے عوام و خواص نے.. مظلوم ایڈیٹر کی ہمدردی کی۔ جو دیسی ایڈیٹر آزادی کا دلدادہ، سچائی کا عاشق، پبلک کا بہی خواہ، حکام کا نکتہ چیں، خوشامد سے بیزار، جھوٹ سے متنفر ہوگا، وہ اس تعصب کے زمانے میں ضرور.. ایسے روز بد کے لیے آمادہ ہوگا؛ البتہ جس نے اپنے اخبار کو صرف ٹکا کما کھانے کا ذریعہ اور بھیک کا ٹھیکرا بنا رکھا ہے وہ.. اپنے کو محفوظ سمجھ کر ایسے آزاد منشوں.. پر ہنسے گا۔ کوہ نور کی جگر خراش تحریروں کو جو اس مقدمے کے بارے میں چھپی ہیں، ہم نے برابر نہایت حیرت و افسوس کے ساتھ پڑھا.. کسی شریف اور فیاض دل سے ہرگز یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی انسان کی مصیبت پر گو وہ اس کا دشمن ہی کیوں نہ ہو، خوشی منائے.."

رسید رسائل و اخبارات: ۱۹/۱ رسالۂ مفید ہند، جواہر خانہ شہری، اخبار اختر اودھ، اخبار ملا دوپیازہ رسالۂ نور بصیرت۔ مدیر نے لکھا ہے کہ ان میں "بعض کے ریویو آیندہ ہفتے میں درج اخبار ہوں گے" لیکن یہ وعدہ وفا نہ ہوا۔

شرف الاخبار، بہار کا حوالہ ۲۴/۱ اور ۲۵/۱ دیکھو یہ بھی سنہ ۱۲۹۵ میں جاری تھا۔

زبدۃ الاخبار، رنگون کا حوالہ ایک خبر کے لیے ۹/۲ ۔

۲/۱ جنوری میں خاص شہر پٹنہ سے ایک اُردو اخبار.. نسیم سحر جاری ہوا۔"

۶/۱ میں ہے کہ حیدرآباد دکن کے اخبار شفق کے کسی نامہ نگار نے جنگلوں کے محکمے کے متعلق کچھ لکھا تھا۔ جس پر مدیر و نامہ نگار دونوں پر "اہانت" کا مقدمہ چلایا گیا تھا۔

نالۂ عشاق ایک ماہانہ گل دستہ تھا جس کا اشتہار عابد علی عابد مقامی عظیم آباد.. محلہ کوچۂ صدر بہ مکان مولوی حاجی سید احمد حسین رئیس کی طرف سے ۱۲/۱ وغیرہ میں شائع ہوا تھا۔ مشتہر لکھتا ہے کہ "استادان حال ازل لکھنوی، پریشان عظیم آبادی وغیرہ کا کلام ضرور شائع ہوگا۔ پہلے پرچے کا مصرع طرح: بے نشاں لوگ کہاں نام و نشاں رکھتے ہیں۔

۴ ہندوستان

(۱) انگریزی حکومت: ہندوستانی ۱۸۸۵ء میں صرف اصلاحات کے طالب تھے اور اس کا مطالبہ نہ تھا کہ انگریز ہندوستانیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیں یا نوآبادیوں کی وضع کی حکومت ہندوستان میں رائج کریں۔ ملکہ وکٹوریہ کے ساتھ وفاداری اور ان کا اور ان کے خاندان سے اظہار محبت بھی بڑی جوش و خروش کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ کرانکل ایک طویل مقالے میں جو ۱۲/۱ و ۱۹/۱ میں ۱۸۸۴ء کے عنوان سے شائع ہوا تھا، لکھتا ہے: "جب تک اس ملک میں آزادی وراست بازی کی مطابق حکم رانی کی جاتی ہے اور.. یہاں اندرونی شکایتوں اور آفتوں کا وجود نہیں.. روس چاہے جس قسم کی چال چلے.. ہندوستان کی سرحد پر اس کا پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا، لیکن اگر آیندہ.. اتفاقات سے جن کا بالفعل کوئی قرینہ نہیں.. انگلستان کی طرف سے ہندوستان کے دل میں کاوش پیدا ہو جائے اور گورنمنٹ کے تعلقات

دیسیوں کے ساتھ مربیانہ نہ رہیں تو اس کی سازشیں جو وسط ایشیا میں ہو رہی ہیں بے شک ہند میں انگلستان کی حکمرانی کے لیے بہ غایت خطرناک ہوں گی۔" اس مضمون میں وکٹوریا کے داماد کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے: "ہندوستان سے قیصرۂ ہند کو اس سانحے میں سچی محبت و وفاداری کا پورا ثبوت ملا۔ ہندوستانیوں نے اپنی ملکہ اور اس کے خاندان کی محبت کے جوش میں۔۔ اپنی ہم دردی کے مؤثر ثبوت دکھلائے" یہ اظہار وفاداری اصلی ہو یا نمائشی، ایسے انگریز ضرور موجود تھے، جو اسے شبہے کی نگاہ سے دیکھتے تھے، جیسا کہ عبارت ذیل سے جو "دکھلائے" کے بعد ہی ہے، ثابت ہے: "گویا ایک مرتبہ پھر ہندوستان کی وفاداری کا امتحان لیا گیا اور خدا کا شکر ہے کہ وہ ناقابل الزام ٹھہرا، جس سے ان نامعلوم انشا پردازوں کی قابل نفرت جماعت کو شکست فاش ہوگئی جو۔۔ بے بنیاد الزاموں کا طومار باندھتے رہتے ہیں" ایسے ہندوستانی اب بھی ہیں جو انگریزوں کی تسلط ہند سے حاصل شدہ فوائد پر ورق کے ورق سیاہ کرسکتے ہیں (رجوع بہ تاریخ بنگالہ جلد ۲ مرتبۂ سرجادو ناتھ سرکار و شائع کردۂ ڈھاکہ یونی ورسٹی) اور اُس زمانے میں بھی تھے۔ ۱۸۵۲ء میں بمبئی کے ایک جلسے کی روداد ہے جو ایک سیاسی انجمن نیشنل ایسوسی ایشن کے نام سے قائم کرنے کے لیے منعقد ہوا تھا اور جس میں اُس زمانے کے متعدد سیاسی اہمیت رکھنے والے اصحاب موجود تھے۔ جلسے کی سب سے اہم قرارداد بدرالدین طیب جی نے پیش کی تھی۔ ان کی تقریر کے یہ الفاظ کرانکل میں ہیں: "تاج انگلستان سے ہر طرح فرماں برداری کا برتاؤ کرنا چاہیے" سرٹی مادھو راؤ کا ایک مضمون اسی شمارے میں نقل ہوا ہے، اس میں یہ عبارت ہے: "اس صورت میں کیوں نہیں ہند بھی شاہی سلطنت قرار دی جاتی تاکہ وہ

روس سے بھی زیادہ زبردست ہو۔ شاہزادۂ ویلز اوّل بادشاہ ہوں.. ہندوستان کو اس کے شاہ کے انتظام پر چھوڑ دینا چاہیے" کرانکل کی رائے میں جو جھگڑا کہ انگریزوں اور ہندوستانیوں میں تھا وہ جزئیات سے تعلق رکھتا ہے چنانچہ وہ چند باغیانہ اشتہارات کا جو بعض مقامات میں پائے گئے تھے، ذکر کرتے ہوئے اور اس سے انگلو انڈین جو نتیجہ نکالنا چاہتے تھے، اس سے بحث کرتے ہوئے ۲۳/۲ میں لکھتا ہے: "یہ اشتہار.. اسکول کے کسی لڑکے جو بے کار اور ہلچل کی تلاش میں ہوں، طبع زاد معلوم ہوتے ہیں -.. ہندوستان کی وفاداری پر دھبا لگانا آسان نہیں ہے ہندوستان کو موجودہ گورنمنٹ کی جزئیات سے جھگڑا ہے نہ کہ خود موجودہ گورنمنٹ سے اور اینگلو انڈین جو خوف اور بے اعتمادی کا ذکر جوش وخروش کے ساتھ کرتے ہیں کہ گویا.. بغاوت پھیلی جاتی ہے یہ مصلحت.. کے خلاف ہے.. اگر وہ روز بد جس کو خدا کبھی نہ لائے اور جس کی نسبت ہمیں یقین ہے کہ کبھی نہ آئے گا کبھی آئے گا تو نہ بغاوت انگیز اشتہار اور نہ اخباروں کی فتنہ انگیز تحریریں اس بغاوت کا جز ہوں گی، لیکن وہ وقت آگیا ہے.. کہ ہندوستان وانگلستان دونوں کے فائدے کے لیے.. گورنمنٹ کی جزئیات جو.. جھگڑے کی وجہ ہے درست کی جائیں.." یہ تو انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کے خیالات تھے، ایک خبر یہ بھی دیکھیے جس کا تعلق پرانی تعلیم پائے ہوئے پنڈتوں سے ہے: ۱۵ مئی کو بدیاناتھ کے مشہور مندر واقع دیوگھر میں.. پنڈتوں کے سردار نے.. دیوتا سے التجا کی کہ ملکہ معظمہ ومسٹر گلیڈاسٹن ولارڈ ڈفرن وسر ریورس ٹامس پر برکتیں بھیجے - یہ تماشا بڑا مؤثر تھا، ہر شخص کے چہرے سے مذہبی جوش ظاہر ہوتا تھا، بعد.. رسم.. پنڈت نے سلطنت انگریزی کی بہتری کے لیے خیرات تقسیم کیا" ۲۵/۵ -

(۴) لارڈ رپن اور لارڈ کرزن:" اس شریف دل مارکولِس (رپن) نے اس ملک کے لیے چند پایدار بھلائیاں کیں اور ان کا ارادہ اس سے بھی زیادہ کرنے کا تھا.. مگر بعض میں ناکام رہے.. انھوں نے.. غلطیاں بھی کیں لیکن.. ہم کو مجموعے پر خیال رکھنا چاہیے.. ہندوستان کی گذشتہ تواریخ میں کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا ہے جس میں ملکی معاملات پر خاص اس ملک میں ایسی مستعدی ظاہر ہوئی ہو جیسی کہ گذشتہ چار پانچ برسوں میں ظاہر ہوئی ہے.. لارڈ رپن کے انتظام کا عام نتیجہ ہے.. اس ملک کے لوگوں نے کسی گورنر جنرل کی ایسی پرستش تو کیا عزت نہیں کی تھی، جیسی کہ لارڈ رپن کی کی.." (۱۸۸۴ ۱۹/۱) "کمشنر پولیس بمبئی کہتے ہیں کہ ۲۰ سال سے اب تک پولیس بمبئی کو اس قدر محنت کا موقع نہیں پڑا تھا جس طرح کہ.. بروقت تشریف بری.. لارڈ رپن.. کے پڑا اور پرنس آف ویلز کا آنا تو اس کے مقابلے میں بچّوں کا کھیل ہے" ۹/۱ "اسٹیشن سہور کو کئی سو دیسیوں نے خوب آراستہ کیا تھا۔ چند برہمن.. پوجا کا سامان لے کر بیٹھے تھے۔ لارڈ رپن کے آنے کے وقت ان لوگوں نے مثل دیوتاؤں کے لارڈ رپن کی پوجا کی اور دعائیں دی" ۲/۱ "سُنا ہے کہ جس دن لارڈ رپن یہاں سے روانہ ہوئے.. گاڑی پر سوار ہوتے ہوئے آنکھوں میں آنسو بھر لائے" ۲/۱ "کلکتہ میں.. لارڈ اور لیڈی رپن کے چھوٹے بُت عام فروخت کے لیے منگا لیے گئے" ۲/۱

"لارڈ کرزن ایسے شخص ہیں جو.. ایسی لیاقت رکھتے ہیں جو شاذ نادر ہی کسی میں ہوتی ہے اور جتنی تقریریں انھوں نے ہندوستان پہنچنے کے بعد کی ہیں، ان سے یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کی حکومت ناکامی کی صورت دیکھے گی، لیکن موصوف نے ابھی تک کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس سے کوئی قول فیصل

کر سکیں، لیکن جہاں تک ظاہری باتوں اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے ابھی تک سب باتیں ٹھیک ہیں" (سٹ ۱۸۸۴ء ۱۹/۱)

(۳) سر ریورس ٹامسن لفٹنٹ گورنر بنگالہ: "لارڈ رپن یہاں موجود ہی تھے اسی وقت گورنمنٹ بنگال نے جو سر ریورس ٹامسن کی عجیب وغریب نگرانی میں ہے ایسی جرأت و دانائی دکھلائی کہ کلکتہ کے کارپوریشن کو جہاں کچھ دنوں پہلے سے میونسپل سلف گورنمنٹ کے اصول جاری ہیں صدمہ پہنچانا چاہا۔ سر ریورس ٹامسن نے اپنے قانونی وطبی واخباری مشیروں کی مدد سے دفعتہً یہ بات ڈھونڈ نکالی کہ کلکتہ کے میونسپل کمشنروں نے اپنے شہر کو صحت وتن درستی کا پورا دیوتا نہیں بنایا ہے اور فوراً یہ فرمان واجب الایقان صادر ہوا کہ کمیشن تحقیقات کے ذریعے سے ان کا مقدمہ تجویز ہو۔۔ بحث اس میں نہ تھی ان لوگوں نے کیا کیا کام نہیں کیے ہیں بل کہ اس میں کہ چند برس کے عرصے میں کیا کیا کام ان لوگوں نے کیے ہیں، سارے میونسپل کمشنروں نے ایک دم استعفا کر دیا اور چوں کہ منتخب کرنے والوں کا ان پر پورا اعتماد تھا۔۔ دوبارہ منتخب ہوئے جس سے لفٹنٹ گورنر کو بھاری شکست ہوئی" (۴ ۱۸۸۴ء ۱۹/۱) "مسٹر ریورس ٹامسن اب سر ریورس ٹامسن ہوگئے اور اگر انھیں ایسا نہ پہلے سادہ اور عامی بل کہ اگلے کل اعزازی القبول سے۔۔ اچھا معلوم ہوتا ہے تو وہ خوشی سے اس نئے لباس کو زیب بدن فرمائیں۔ یہ کہنا کہ وہ کے۔سی۔ایس۔آئی کے مستحق ہیں یہ کہنے کے برابر ہے کہ وہ لفٹنٹ گورنر ہیں۔۔ اگر یہ خطاب بجائے شخصی خطاب ہونے کے لفٹنٹ گورنری بنگال کے عہدے کا جزو لازم قرار دیا جائے تو بہتر ہو" (نئے سال کے اعزاز ۲۴/۱) سر ریورس ٹامسن نے سالانہ جلسۂ تجار کلکتہ میں جو تقریر کی تھی اس کے چند جملے در کرانکل کی

ہے: "تو ہم سب لوگوں کے یہاں بہت سے اصول ہیں جن کو عمل میں لانے کا اگر ہم خیال کریں تو وہ خطرناک بن جائیں، مثلاً ہم سب لوگوں کا مسئلہ ہے کہ ہم کو لازم ہے کہ اپنے ہمسائے کو ویسا ہی دوست رکھیں جیسا کہ ہم اپنے کو دوست رکھتے ہیں لیکن کوئی شخص اس سے خائف نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم کبھی ایسا کریں گے ہمارا سچا خیال یہ ہے کہ سر ریورس ٹامس کی اسپیچ سے انگلو انڈین اور دیسیوں کی آگ جو بجھنے والی تھی اب اور بھی بھڑک اُٹھے گی" [۱۶/۲] "سر ریورس ٹامس اپنے تئیں ایک پاکباز عیسائی کہتے ہیں.. انھوں نے حضرت عیسیٰؑ کے ایک مقولے پر حملہ کیا ایسے شخص سے کیا ہندوستانی امید رکھ سکتے ہیں" [۱۶/۲] (یہ شاید منقول)

(۴) ہندوستانی ریاستیں: کرانکل ریاستوں کا ہمدرد ہے۔ ۱۸۹۰ء میں کئی ریاستوں کو بہ خوبی یاد کیا ہے، از آں جملہ نظام و مہاراجہ اودے پور کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ علی الترتیب یہ ہے: "ہندوستان کا ہر باشندہ نظام.. کی صحت و عافیت کا خواہاں ہے اور اس وقت لوگوں کو نہایت خوشی ہوئی جب کہ اسپیسو کے افشا سے بدنیت سازش کرنے والوں یوروپین و ہندوستانی دونوں کے گھونسلے اُجڑ گئے اور.. نظام اس قابل ہوئے کہ عمدہ حکومت میں کام یاب ہوں۔" "اودے پور.. کو اس کے ہونہار نوجوان رئیس.. کی وفات سے بڑا نقصان پہنچا۔ اس رئیس نے قلیل عرصے میں.. بہت سے ایسے کام کیے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہایت ہی لائق و عمدہ رئیس ہوں گے" [۸/۲۶] بابت کشمیر کے بارے میں تحریر کیا ہے: "کشمیر کی ریاست پر انگریزی اخبار اپنے جلے پھپھولے پھوڑ رہے ہیں"۔ اس سے مدیر کی ہمدردی صاف ظاہر ہے لیکن بھوپال کے متعلق ایسی تحریریں دوسرے اخباروں سے نقل کی ہیں جو وہاں انگریزوں کی

مداخلت کو جائز قرار دے سکتی ہیں' مثلاً ۱/۱۲ میں آزاد کی ایک تحریر منقول ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: مسٹر لیپیل گریفن سے ملنے کے لیے بھوپال کے ایک ملازم محمد رضا جو پہلے کہیں وکیل تھے بھیجے گئے (کرانکل کہتا ہے کہ یہ شاید احمد رضا ہیں۔ یہ صحیح ہے تو یہ پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ بعد کو حیدرآباد سے سکندر نواز جنگ کا خطاب ملا)۔ واپسی پر صدیق حسن خاں نے پوچھا کہ میرے متعلق کیا گفتگو ہوئی۔ محمد رضا خاں نے کہا کہ آپ کے بارے میں کچھ بات ہی نہیں ہوئی۔ صدیق حسن خاں کو اعتبار نہ آیا اور انھوں نے ان کا استعفا طلب کیا۔ یہ منکر ہوئے تو پروانۂ موقوفی جاری ہوا۔ یہ پروانہ لے کر مسٹر لیپیل گریفن سے ملے اور بھوپال کا کچا چٹھا لکھوایا جس میں خزانے کا ابتر حال اور بہت سے خون کے مقدمات تھے جن کو مخفی رکھ کر درگذر کیا گیا تھا اور صدہا طرح کے مظالم کی سچی خبریں تھیں۔ جواب دہی ہوئی تو پہلے بے اعتنائی کی' اور جواب بہ تاکید مانگا گیا تو لکھا کہ ملک آزاد ہے اور اس کو معافی خون کا اختیار ہے' حال آں کہ قاتلوں کی معافی کیسی' تحقیقات بھی نہیں کی گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ "سلامی اور خطاب سب چھین لیا گیا' اب مولوی صاحب خالی خولی صدیق حسن رہ گئے۔"

(۵) سول سروس: ہندوستان کی زندگی کے لیے سول سروس آفت ناگہانی ہے۔۔ ہمارا مطلب خود سول سروس کا عہدہ نہیں۔۔ بل کہ ایسے سویلین ہیں جن کے دماغ میں خیالات بیہودہ بھرے ہوئے ہیں اور جن کا دبانا۔۔ بڑے بڑے قوانین۔۔ اور ملکی حقوق نا باقاعدہ آزادی کی لمبی چوڑی تقریروں سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔ سویلین کی زیادتیوں۔۔ کی مثالیں۔۔ فطرت انسانی کی معمولی ابتری و خرابی کی مثالیں نہیں' بل کہ وہ لگاتار اور بالارادہ اصرار و ہٹ کی مثالیں ہیں [illegible] ۱۸۸۴ء" ۱۹/۱

باوجود اس کے کہ ڈال کے مہنگے ہوئے سویلین اس قدر زیادہ تنخواہیں پاتے ہیں کہ کسی ملک میں نہیں ملتیں، اس پر بھی اپنی بدنصیبی کی شکایت ہی کرتے ہیں۔ آسام اور اضلاع متوسطہ کے چیف کمشنر اور کلکتہ ہائی کورٹ کے چھوٹے چھوٹے جج۔۔ برطانیہ کے وزیر اعظم کے برابر اور اول درجے کے مجسٹریٹ ضلع۔۔ جرمنی کے چانسلر کے برابر تنخواہیں پاتے ہیں" (۱/۶)

(۶) ہندوستان میں مقدمات فوجداری": اس کی بہت سی وجہیں ہیں کہ کیوں وہ مقدمات فوج داری کا انتظام قابل اطمینان نہیں ہے۔ خود قوانین فوج داری فاتح و مفتوح کے لیے یکساں نہیں ہیں۔ قوانین یورپ کے بسنے والوں کی زیادہ حمایت کرتے اور ان کو زیادہ حقوق بخشتے ہیں۔ ناطرف دارانہ انصاف کے لیے ضرور ہے کہ حاکموں کے دل میں یہ اعتماد متمکن ہو کہ جن لوگوں نے ہم کو مقرر کیا ہے ان کی خوشی۔ صرف اسی پر منحصر ہے کہ بے رو و رعایت سب کے ساتھ یکساں انصاف کیا جائے۔ اس ملک کے حکام فوج داری کے دلوں پر یہ بات منقش ہو ہی نہیں سکتی، کیوں کہ ان کی آنکھوں کے سامنے یہ بدیہی امر موجود رہتا ہے کہ قوانین اپنے مصنفوں کے ہم وطنوں کی حمایت کرتے۔۔ اور۔۔ ان کو زیادہ حقوق عطا کرتے ہیں۔ مفصلۂ ذیل اصلاحوں کی سخت ضرورت ہے: ۱۔ دیسیوں اور یورپ کے رہنے والوں کا فرق جو قوانین فوجداری میں ہے اس کو اٹھا دیا جائے ۲۔ فوج داری کے حکام کی تقرری لفٹنٹ گورنر وغیرہ کے اختیار میں نہ رہے۔ ان کی تقرری کا اختیار ہائی کورٹ کو دینا چاہیے اور یہ بھی۔۔ کہ اگر یہ حکام لیاقت و ناطرف داری و حسن اخلاق کے ساتھ انصاف نہ کریں تو ان کو سزائیں دی جایا کریں ۳۔ جو مجسٹریٹ کہ اکزیکٹو افسر ہو اس کو ہرگز مقدمات کے

فیصل کرنے کا اختیار نہ دیا جائے... ہم متعہد سول سروس کو موقوف کر دینا چاہیے اور کل حکام یوروپین اور دیسی بیرسٹروں اور وکیلوں سے جو ہندوستان میں کام کرتے ہیں چنے جائیں" (۲۷/۹)۔

(۷) ہندوستان کی دیوی یا دیوتا: ...مغربی روشنی اور حکومت نے بیشک بت پرستی دیو پرستی وغیرہ چھڑوا دی، لیکن مردم پرستی پر لوگوں کو مجبور کیا۔ دیو مالا کی جگہ انگلو انڈین مالا یا انگریزی اصطلاح میں انگلو انڈین ارسٹوکریسی قائم کی۔ ہندو مائی تھولوجی کے دیوی دیوتے... نہ... شکار کھیلنے جاتے تھے اور نہ دیسی بندگان خدا ان کی... رائیفل کے... نشانہ بنتے تھے۔ نہ انھوں نے کبھی فٹن دوڑائی اور نہ کبھی دیسی نوجوانوں کو پہیے تلے کچل مارا نہ کبھی وہ برانڈی اور ایکشا سے بدمست ہوئے اور نہ کبھی انھوں نے غریب بے گناہ دیسی چوکی داروں کا خون ناحق کیا۔ ان کے دور حکومت میں غریب پنکھا قلیوں کے بھیپھڑے کبھی نہ پھٹتے تھے... ان کے حضور میں گورا کالا سب ایک تھا" (رفیق ہند ۱۸/۱)۔

(۸) عدالتوں میں انگریزوں کی پاس داری اور انگریزوں کا ہندوستانیوں سے ناروا سلوک۔

ہندوستانیوں کی شکایت تھی کہ ایک معمولی انگریز بھی معزز سے معزز ہندوستانی کو بے تامل ذلیل کر دیتا ہے اور اسے اس کا خمیازہ نہیں اٹھانا پڑتا۔ انھیں اس کا بھی بڑا غم و غصہ تھا کہ فوج داری مقدموں میں اگر ایک فریق انگریز ہو اور دوسرا ہندوستانی، تو ان رعایات سے قطع نظر جو انگریزوں کو قانوناً حاصل ہیں ہندوستانیوں کے ساتھ سخت نامنصفانہ برتاؤ ہوتا ہے۔ کرانکل ۱۸۸۴ء میں اس سال کے ایسے مقدمات کی کثرت کا باعث اس مغضب آمیز جوش کو بتاتا ہے جو اس

زمانے میں انگریزوں اور ہندوستانیوں میں موجود تھا' اور یہ امید کرتا ہے کہ تعلقات بہتر ہوئے تو ایسے "مقدمات.. بجائے قاعدہ ہونے کے مستثنیات" میں داخل ہو جائیں گے'، لیکن اس نے اسی سال رفیق ہند سے ایک مضمون زیر عنوان "مجسٹریٹوں پر بسر اجلاس جوتوں وغیرہ کی بارش" نقل کیا ہے اس پر اس نے کوئی رائے نہیں دی لیکن صاف ظاہر ہے کہ اس کی ہمدردی ملزم کے ساتھ ہے مجسٹریٹ کے ساتھ نہیں:

"بالا شور کے مجسٹریٹ پر بر سر اجلاس ایک ملزم نے اینٹ چلائی.. پوچھا گیا کہ کیوں ایسی حرکت کی تو.. جواب میں کہا کہ میرا مطلب صرف مجسٹریٹ.. کو اس طرف توجہ دلانے کا تھا کہ میرا مقدمہ انھوں نے عرصۂ دراز سے.. ٹرکار رکھا ہے۔ الہ آباد کے قریب.. مجسٹریٹ کو ملزم نے یہ عزت دی کہ.. ایک پرانا، سڑا گلا غلاظت سے بھرا.. ہندوستانی جوتا.. سر مبارک پر رسید کیا .. حقیقت حال یہ ہے کہ ہمارے بعض مجسٹریٹوں کو ہوش میں لانے کا کوئی ذریعہ جوتوں کی بارش سے بہتر نہیں... ان لوگوں کو حکومت کی فرعونی چوکی پر بیٹھ کر کوئی پروا انصاف.. کی نہیں ہوتی.. پس جو ہندوستانی ملزم ایسے صاحبوں کے ریفارمیشن کے لیے اس طرح جان پر کھیل جاتے ہیں وہ اپنی قوم کے لیے ایک ایسی اعلیٰ خدمت بجا لاتے ہیں جو بیسیوں اخبارات کی سیکڑوں آرٹکلوں سے بھی ممکن نہیں۔ اخبار پانیر ایسے ہندوستانی ملزموں کا مخالف ہے جو دیسی جوتوں سے مجسٹریٹوں کی خبر لیتے ہیں، لیکن غالباً ہمارے ہم عصر کو انگریزی جوتے کام میں لانے پر کوئی اعتراض نہ ہوگا" (۲۵؎)

اب دیکھیے کہ خود کرانکل ایسے انگریزوں کا جو ہندوستانیوں سے بدسلوکی

کرتے ہیں کیا علاج تجویز کرتا ہے:

"..تار کسور ریلوے کو گورنر جنرل.. نے..کھولا۔ دیسی مہمانوں میں سے ایک مشہور راجہ راجندر نرائن دیب تھے.. واپس آنے کے وقت یہ بڈھے اور نابینا راجہ.. اسی ٹرین کے درجۂ دوم کی ایک گاڑی میں بیٹھ گئے جس میں گورنر جنرل.. کی گاڑی بھی تھی۔ دعوت کے رقعے میں.. کوئی بات ایسی نہ تھی، جس سے یہ معلوم ہوتا کہ دیسی مہمان اس ٹرین سے نہ جائیں گے اور.. آخر کار وہ ٹرین دیسی مہمانوں سے بھرا.. کلکتہ واپس آیا لیکن، مسٹر بیکر جو ان اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولس.. راجہ کے پاس آیا اور ان سے اتر جانے کو کہا۔ انکار پر لال پگڑی والوں کی دھمکی دی گئی۔ مجبوراً راجہ.. مع بابو سریندر ناتھ بنرجی وغیرہ کے.. اتر پڑے۔ گورنر جنرل کو.. خبر دی گئی اور بیکر کو معافی مانگنے کا حکم ہوا۔ راجہ تو بڈھے اور نابینا تھے.. حیرت یہ ہے کہ کیوں سریندر ناتھ بنرجی نے.. اس وقت گھونسوں سے مسٹر بیکر کی خبر نہ لی۔ معافی شریفوں کے لیے ہو، مسٹر بیکر جیسے آدمی کے لیے.. اور کوئی چیز بجز تازیانے کے نہیں.. اور جب تک ہندوستانی.. ایسے موقعوں پر تازیانوں کا استعمال شروع نہ کریں گے.. ہندوستانیوں کی توہین کم نہ ہوگی۔ اگر کوئی یورپ کا آدمی ہوتا تو ضرور.. مسٹر بیکر کو ایسا مزا چکھاتا، کہ آسانی سے بھول نہ سکتے۔" (۲۴)

۲۔ مسٹر ہیکس اور مسٹر برگمیں.. نے گولا گھاٹ میں ایک مسلمان لڑکے.. پر اپنا ٹمٹم چلا دیا تھا، جس سے وہ.. مر گیا۔ سشن میں یورپی "جوریوں" نے بے جرم اور ہندوستانی نے مجرم قرار دیا۔ حکومت ہند نے اخباروں میں اس کی کیفیت دیکھ کر چیف کمشنر سے مسل اور ان کی رائے طلب کی نتیجہ یہ نکلا کہ یہ امر نہایت

مشتبہ ہے کہ آیا مسٹر ہیکس نے جیسا کہ بیان میں ہے کوڑا چلایا ہاں مدعا علیہما سخت لے لے وائی کے مجرم ہیں اور ان دونوں نے انسانیت کے معمولی قواعد کو بھی پس پشت ڈال دیا۔" حکومت نے اس رائے کو پسند کیا اور سانحے کے بعد ان دونوں نے لڑکے کی طرف سے جو بے پروائی برتی ہے اس پر اپنی ناپسندیدگی اور افسوس کا اظہار کیا ہے۔

"انگریز قاتل اور دیسی مقتول" ۱۹۳۲ء "انگریز قاتلوں کی بریت کی چند گذشتہ نظیروں نے قدرتی طور پر ہندوستانی طبائع کو بہت برافروختہ کر دیا ہے۔۔ ایک یوروپین مجرم کو دیسی کے قتل میں صرف ۵ سال کی قید ہوئی اور پھر بھی کلکتہ ہائی کورٹ اس بنیاد پر صرف ایک سال قید رہنے دیتی ہے کہ مجرم سرد ملک کا باشندہ ہے اور اس کے لیے گرم ملک میں ایک سال سزا ایسی ہو گئی۔۔ عجب نہیں کہ رفتہ رفتہ اسی طرح یوروپین صاحبوں کے لیے ایک علٰحدہ تعزیرات ہند اور علٰحدہ مجموعۂ ضابطۂ فوج داری مرتب کرنے کا بندوبست کیا جائے۔ اگر صرف سرد ملک کا باشندہ ہونا سزا۔۔ کم کرنے کے لیے کافی ہے تو ہم اپنے کشمیری اور پہاڑی بھائیوں کے لیے بھی اس رعایت کی سفارش کریں گے" (یہ مضمون اس جگہ درج نہیں جہاں مدیر کے مضامین ہوتے ہیں، مگر یہ بھی نہیں کہ کہاں سے لیا گیا)

۵۷ "مسٹر گرانٹ مجسٹریٹ پر اینٹ پھینکنے کے جرم میں ملزم سشن سپرد ہوا تھا" اس پر کرانکل کی رائے: "اینٹ چلانے پر اور سشن سپرد! اور ہندوستانی معزز بیرسٹر و وائسرائگل کونسل کے ممبر کو مارنے پر صرف ۱۰ آنے جرمانہ" مگر یہ آخری بات ۱۸۸۵ء کے کسی اور شمارے میں درج نہیں، غالباً اس سے قبل کا واقعہ

۱۹۳۲ء "سفید مدعی بنام سیاہ مدعا علیہ" اخبار رئیس و رعیت کے ایک نامہ نگار نے

ایک مقدمے کی یہ کیفیت لکھی ہے: چند روز ہوئے کہ ضلع پورنیہ میں قتل انسان
یا.. دونالی بندوق سے زخمی کرنے کا ایک مقدمہ ہوا۔ اس جرم کا مرتکب ایک
شخص تھا جس کو یوریشین کہو یا جب تم کو اس کے نسب کا حال معلوم ہو جائے
تو کسی اور نام سے.. پکارو۔ اس مرتبہ صرف یہی نہیں ہوا کہ تنی پھٹ جانے کے
عذر پر اصل مجرم رہا کر دیا گیا بل کہ بے گناہ ملزموں کو قید بھی ہوئی۔.. تلباڑی..
کے ایک زمیں دار آوت سنگھ نے.. ناجائز ابواب.. کا مطالبہ کیا جس کے
دینے سے.. انکار کیا۔ اس پر زمیں دار نے ایک شخص مسٹر ویتھریل کو اس کام پر
مامور کیا اور.. معاہدہ کیا کہ.. ناجائز رقم سے ہم تم کو اس قدر دیں گے۔
ویتھریل تین.. ہاتھی اور گیارہ لٹھیالوں کو.. ساتھ لے کر گیا اور رعایا کو بلا بھیجا
... ان لوگوں نے اپنی مجبوری بیان کی معاف کیے جانے کی استدعا کی لیکن
ویتھریل نے.. کہا کہ.. ابواب.. دینے پڑیں گے۔ ان لوگوں نے.. انکار کیا اور
جانا چاہا تو اس نے لٹھیالوں.. کو ان کے پکڑنے کا حکم دیا۔ اس وقت بے شک
ان لوگوں نے مزاحمت کی اور ویتھریل نے اس بھروسے پر کہ ہم انگریزی ٹوپی
اور کوٹ پہنے ہوئے ہیں.. چند دیسیوں کو مار بھی ڈالیں گے تو.. کچھ.. نہیں ہو گا
اپنی بندوق فیر کر دی اور جس قدر.. ہو سکا اتنے دیسیوں کو مجروح کیا۔ یہ مقدمہ
.مسٹر ہیر پورنیہ کے جنٹ مجسٹریٹ کے یہاں.. آیا.. حاکم موصوف نے صرف
یہی نہیں کیا کہ ویتھریل کو بری کر دیا، بل کہ.. گاؤں والوں پر جو اس موقع پر
جمع ہوئے تھے اور جن لوگوں نے شاید.. حفاظت خود اختیاری میں بانس
کے چھوٹے چھوٹے ڈنڈوں (کذا) سے کام لیا ہو مجمع خلاف قانون اور بلوہ
یا صرف بلوے کا چارج قائم کر دیا۔ جنٹ مجسٹریٹ نے.. اس بنا پر رہا کر دیا کہ

اس نے حفاظت خود اختیاری میں ان لوگوں کو بندوق سے زخمی کیا اگرچہ یہ ثابت ہے کہ اس کی بندوق پہلے سے بھری تھی.. وتیھریل.. خاندانی قوی ہیکل شکاری، کشتی گیر اور لڑنے والا آدمی ہے۔ اس کا باپ ایڈی وتیھریل رسٹرا مضافات مہیش کا باشندہ اس قرب وجوار پر رعب ڈالے ہوئے تھا۔ یہ بڈھا وتیھریل کتنا گڈھ کے ایک.. دیسی گوالے کی خوب صورت بیٹی کو جس کا نام کرشٹی تھا لے بھاگا تھا.. گوالہ بہت غریب تھا.. نہ نالش کر سکا اور نہ.. لڑکی کو اس کے پنجے سے چھڑا سکا اور اس زمانے میں ہگلی سے قریب کوئی کچہری بھی نہ تھی۔ بہرکیف.. کرسٹی مس وتیھویل ہوگئی اور اس کے بچے ادھر ادھر پھیل گئے.."

مسٹر لیڈمن: ہندستان سول سروس کے ایک لائق ممبر مسٹر لیڈمین کی عادت تھی کہ ان کی عدالت میں جو.. دادخواہ ہوا کرتے، تو ان سے نہایت مہربانی کے ساتھ لفظ بدمعاش، سور، حرام زادہ وغیرہ سے خطاب فرمایا کرتے.. کپتان ہیرے کو ایسے مہذبانہ الفاظ چند معتدد دیسیوں کے حق میں استعمال کرتے دیکھ کر رنج ہوا اور انہوں نے.. گورنمنٹ.. کو اطلاع دی۔ سر الفرڈ لائل صاحب نے یہ سمجھ کر کہ سول سروس کے ممبر پر ایسے سخت الزام لگانا نہایت معیوب ہے، حکم دیا کہ کپتان پر ہتک عزت کی نالش کریں۔۔ مگر.. کپتان نے ثابت کر دیا کہ مسٹر لیڈمن فی الواقع الفاظ کا استعمال کرتے ہیں اور مقدمہ خارج ہو گیا۔ ہم کپتان.. کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں.. دیکھا چاہیے کہ اب گورنمنٹ مسٹر لیڈمن سے کیا برتاؤ کرتی ہے۔ اگر وہ.. دیسی ہوتے تو ہم کہہ سکتے کہ گورنمنٹ.. کیا.. کرے گی" از شفیق ہند۔

مسٹر بوالیس اور راجہ رام پال سنگھ ہندوستانی لکھتا ہے کہ ۵ ماہ

حال کو لیڈی لائل صاحبہ کی جانب سے ایک ایوننگ پارٹی ہوئی تھی.. من جملہ اور شرکا.. کے راجہ رام پال سنگھ تعلقہ دار کالاکنکر او رایڈیٹر ہندوستان تھے اور راجہ چتر پال سنگھ جو آج کل یہاں اسسٹنٹ کمشنر ہیں شریک تھے۔ مسٹر بوالیس.. ڈپٹی کمشنر بھی.. تھے۔ راجہ چھتر پال سنگھ نے راجہ رام پال سنگھ کی مسٹر بوالیس سے ملاقات کرائی۔ خیر، راجہ صاحب نے دستور کے موافق ہاتھ ملانے کے واسطے بڑھایا مسٹر بوالیس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ ولایت کا جانا ہاتھ ملانے کا مستحق ہندوستانیوں کو نہیں بناتا۔ جس پر راجہ صاحب نے بھی نہایت حقارت سے ان کی جانب پیٹھ پھیر لی.. راجہ رام پال سنگھ ولایت میں تو پرنس آف ویلس مسٹر گلیڈاسٹن، لارڈ رپن لارڈ ڈفرن اور ہندوستان میں سر الفرڈ لائیل اور خود لیڈی صاحبہ سے ہاتھ ملانے کے قابل خیال کیے جائیں لیکن ایک ضلع کا ڈپٹی کمشنر جس کی آمدنی ۱۸ سو روپیہ ماہوار ہو ایک تعلیم یافتہ ہندوستانی سے جس کی علاوہ ذاتی قابلیتوں کے خود چار چند آمدنی ہو ہاتھ ملانے سے انکار کرے.. سر الفریڈ لائل کو دیکھنا چاہیے کہ بہت سے لیڈ من ممالک مغربی و شمالی میں ہیں۔"

کپتان لوچ اور ہریداس جج ہائی کورٹ بمبئی: "مسٹر جسٹس نانا بھائی ہریداس مع اپنے بیٹے کے سورت سے بمبئی جاتے تھے اور لیڈیوں کے خاص کمرے کے سوا اول درجے کا صرف ایک ہی کمرا تھا جس میں ایک انگریز کپتان لوچ مع اپنی بی بی کے سوار تھا۔. اب ڈ انگریز.. اڑ ارہا کہ.. پورے کمرے پر قبضہ رکھیں گے اور اگر ضرورت پڑے گی تو قانون کو اپنے اختیار میں کر لیں.. مسٹر ہریداس نے.. اس گاڑی کو کھولا.. اس.. انگریز نے انھیں اس وجہ سے اندر آنے نہیں دیا کہ

وہ نیٹو (دیسی) تھے۔ اسٹیشن ماسٹر بلایا گیا.. وہ اس کمرے کے اندر (ایک لفظ پڑھا نہیں جاتا) اور.. منتیں کیں اور اس سے کہا کہ تمہاری حرکتیں کمپنی کے قواعد کے خلاف ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وحشیانہ زور عذر خواہی سے مبدل ہو گیا۔ لیڈی بیمار ہیں اور پورے کپڑے پہنے ہوئے نہیں ہیں اور آخر کار اس انگریز نے پورے کمرے کو ریزروڈ.. کر لیا۔ ہریداس مجبور ہوئے کہ مع اپنے بیٹے کے بمبئی تک سکنڈ کلاس میں جائیں۔ جب بمبئی پہنچے تو کپتان لوچ نے مسٹر ہریداس سے معافی مانگی اور کہا کہ اگر اس وقت مجھے معلوم ہوتا کہ آپ کون.. ہیں تو.. اس کمرے کو ریزروڈ.. نہ کرتے۔ اس کے بعد.. ہریداس نے ٹریفک منیجر کو لکھا کہ زائد کرایہ واپس کرو اور ریلوے کے کل افسروں کو ہدایت کرو کہ نیٹو اور انگریزوں میں کچھ فرق نہ کریں۔ بعض انگریزی اخبار والوں نے ہریداس پر نکتہ چینیاں کی ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ انھوں نے صرف اسی قدر کیا جو ہر ایک شریف آدمی کو.. چاہیے۔ اسٹیشن ماسٹر کو مناسب نہ تھا کہ جس حالت میں کہ اول درجے کا ایک ہی کمرا تھا اور اول درجے کا ٹکٹ دیا جا چکا تھا اس کو ریزروڈ کو دے۔"

سپرنٹنڈنٹ پولیس دربھنگہ ۲۴/۸ اسٹیٹسمین سے منقول ہے کہ اسے ایک انگریز جنٹلمین سے اطلاع ملی ہے کہ دربھنگہ کے پولیس سپرنٹنڈنٹ کے اس حکم کے خلاف کہ مختار لوگ "ایک اجلاس سے دوسرے اجلاس جانے میں عدالت پولیس کے برآمدے سے نہ گزرا کریں" کلکٹر کے یہاں نالش ہوئی تھی، اور کلکٹر کے حکم سے اس ممانعت کا خاتمہ ہو گیا، اب اس نے یہ حکم صادر کیا ہے کہ "عام دیسی لوگ اس کی عدالت کے سامنے سے نہ گزریں"۔ خبر دینے والا انگریز لکھتا ہے: "میں نے خود عمدہ لباس پہنے ہوئے دیسیوں کو دیکھا ہے کہ جب

انھوں نے ادھر سے گزرنے کا قصد کیا تو.. کانسٹبل نے ان کو گردنیا دے کر نکال دیا۔ بے شبہ جو دیسی کہ فریق مقدمہ یا گواہ.. ہیں ان کو عدالت پولیس سے گزرنے کا ویسا ہی حق ہے جیسا کہ مجسٹریٹ کی عدالت سے۔"

۶/۹ اخبار میں ایک انگریز کا خط چھپا ہے کہ انگریز ریل کے سفر میں اپنا اخلاق بدل دیتے ہیں اور "فرعون بے سامان" بن جاتے ہیں۔

۲۳/۳ "مارج (جارج ؟) موریسن.. یوروپین نے غصے سے اپنے خدمت گار کو چھری ماری تھی.. تین ماہ قید سخت کی سزا ملی۔"

۱۲/۹ جسٹس نانا بھائی ہری داس اور سر ولیم ویڈر برن جج ہائی کورٹ بمبئی نے سی پی فوکس اسسٹنٹ انجنیر ملازم جنوبی مرہٹہ ریلوے (جس کی مجرمانہ غفلت کی وجہ سے ایک ریلوے کا ملازم مرگیا تھا) کی سزا میں جو صرف ۵ روپیہ جرمانہ تھی ایک ماہ کی قید محض کی سزا کا اضافہ کیا۔

۲۸/۹ "مسٹر ہری داس.. سے انگلو انڈین اخبارات بہت ناراض ہیں کہ انھوں نے کئی مقدموں میں یوروپین لوگوں پر سزا زیادہ کردی ہے۔"

۵/۱ "کچھ دن ہوئے کہ اسسٹنٹ اسٹیشن ماسٹر کو ۳ یوروپین: ایک گارڈ ایک ڈرائیور اور ایک لائن انسپکٹر نے اتنا مارا کہ قریب مرگ ہوگیا اور ایک ماہ کے قریب اسپتال میں رہا۔ بعد تحقیقات ریلوے افسروں نے رائے دی کہ گارڈ تو اس میں شریک ہی نہ تھا "شاید ڈرائیور نے کچھ چھیڑ چھاڑ کی ہوگی اور انسپکٹر کو بری کردیا۔ کیا انصاف ہے۔"

اب یہ دیکھیے کہ انگلستان کی ایک خبر کے بارے میں کہ جو ٹیڈ لوجن نے مسٹر گلیڈ اسٹون کو دھمکی کا خط لکھا تھا ۶ ماہ کی قید با محنت کی سزا ملی، کرانکل ۱۲/۹ میں کیا لکھتا ہے:

نیٹو اگر ہندوستان کے کسی سویلین کے ساتھ یہ حرکت ہوتی تو یہ شرط نیٹو ہونے کے اس کو دو تین برس سے کیا کم کی سزا ملتی۔"

(۹) انگریزی پولیس از اودھ پنچ ۳۰: "... پولیس صرف رعیت سے خوب گسر نکالتا ہے۔ ابھی ذرا خانہ جنگی ہو جائے انسپکٹر موجود جن نے ادھر اودھر سے مٹھی گرم کر لی اور چلتے ہوئے۔ کنوئیں میں کوئی معزز عورت گر پڑی اور ان کی بن آئی کوئی لاوارث کسی طرح مرا اور ان کے مزے ہاں [illegible] نکالنا، گلاب افیون دکان میں پھینک کر گرفتار [illegible]
زنا بالجبر کی تہمت لگانا پولیس [illegible] (اس مضمون کا ابتدائی حصہ باب ۹ میں زیر عنوان تانیتا بھیل ملے گا)

(۱۰) آنریری مجسٹریٹ۔۔ "ہندوستان میں تنخواہ دار مجسٹریٹ عموماً بڑے سخت امتحان علمی کے بعد مقرر ہوا کرتے ہیں لیکن خوبی تقدیر سے آنریری مجسٹریٹوں کے لیے کوئی جانچ۔۔ مقرر نہیں ہے کوئی کاہل نوجوان امیر زادہ آنریری مجسٹریٹوں کی پانچ میں جگہ پا سکتا ہے بشرطیکہ وہ ہر ہفتے میں دو بار کلکٹر کے کتے اور خان ساماں کو خوش کر دیا کرے۔ وہ شخص افیون کھانے والا ہو یا شراب پینے والا اور عام اس سے کہ وہ مشتبہ صورت مردوں اور ناگفتہ بہ عورتوں کی صحبت میں رہتا ہو اور گو اس کو مجموعہ تعزیرات ہند اور مجموعہ ضابطۂ فوجداری سے زیادہ تر مہارت مرغ بازی اور کنکوے اڑانے کے قوانین سے ہو اور معمولی عقل سے بھی بے بہرہ ہو لیکن اس پر بھی وہ آنریری مجسٹریٹ ہو سکتا ہے۔ ہم۔۔ سارے ملک۔۔ کی نسبت عموماً گفتگو کر رہے ہیں لیکن جب ہم قریب آکر نظر دوڑاتے ہیں تو۔ یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ پٹنہ جیسے مرکز علم و فہم میں بھی آنریری مجسٹریٹوں کا انتخاب بعض اوقات

اس طرح سے ہوتا ہے کہ اس مسئلے کی عظمت و وقعت کا کچھ بھی خیال نہیں کیا جاتا (اس کے بعد ایک فیصلے کا ذکر ہے جس کے ذریعے مولوی یوسف حسین خاں ۔۔ پٹنہ کے ایک بہت مشہور زمیں دار اور عوام کے بہی خواہ، پر ۲۰۰ آنہ جرمانہ اور ان کے ملازموں کو ایک ہفتے کی قید با محنت شدید ہوئی۔ جج پٹنہ کے یہاں موشن ہوا اور افیڈوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے خلاف ضابطہ باتیں ہوئیں ان میں سے ایک یہ کہ فہرست گواہان مستغیث میں ایک نام ایک آنریری مجسٹریٹ تجمل حسین کا تھا مگر انھوں نے گواہی نہ دی اور یہ خود رائے جے کشن گر جا بہت سہائے اور رام کشن پانڈے کے ساتھ مقدمے کی سماعت کرنے لگے۔ مقدم الذکر کے بارے میں یہ بھی بیان ہے کہ وہ خود اس کے باپ، چچازاد بھائی اور ولیعہد کے رشتہ داروں کے ساتھ اصل مستغیث نھی بیگم کے بیٹوں کی دوستی ہے'۔ جج نے معاملہ ہائی کورٹ بھیجا جس نے فیصلہ منسوخ کر دیا اور اس پر سخت اعتراض کیے)، ہم پوچھتے ہیں کہ کیا اس مقدمے کے واقعات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ غیر تعلیم یافتہ بے وقوف کم سن امرا کے آنریری مجسٹریٹ ہونے سے سخت خطروں کا اندیشہ ہے؟ یوسف حسین خاں کے مقدمے کی تحقیقات چند جنٹلمینوں نے کی جن میں سے کل معزز اشخاص تھے، لیکن بسا اوقات معزز اشخاص احمق ہو سکتے ہیں۔" (۱۵)

(۱۶) حکام کا دورہ: "انگریز نہ تو ارسطو کے مذاق کے ہوتے ہیں اور نہ سویلین لوگ ہمیشہ نمک حلال ہوتے ہیں، اسی وجہ سے باوجود لفٹنٹ گورنر کی تاکید کے موسم سرما کے دورے محض ایک تکلیف دہ ضابطہ ہو گئے ہیں، جس کو بہت سے انگریز بڑے جبر و اکراہ سے تعمیل کرتے ہیں وہ لوگ کچھ بھی نہیں دیکھتے، کام بہت

تھوڑا کرتے ہیں اور جب تک باہر رہتے ہیں اپنے کو حد درجہ آفت رسیدہ بنائے رہتے ہیں اور جب مارچ .. میں .. صدر مقام میں واپس آتے ہیں تو تہِ دل سے خوش ہوتے ہیں۔ تھوڑے انگریز افسر ایسے بھی ہیں جو موسم سرما کے آنے سے خوش ہوتے ہیں اور جو ہیں .. نومبر کا مہینہ .. پہنچتا ہے نہایت شوق سے شکار کرنے کی بندوقیں صاف و کارتوس وغیرہ تیار کر لیتے ہیں۔ شکار دوست اسسٹنٹ کلکٹر کو اتنی فرصت بھی نہیں رہتی کہ مفصل کے کالے لوگوں کی ضرورت .. کی تفتیش کریں اور اگر اتفاق سے ایک آدھ آدم خوار تیندوا اس افسر کے ہاتھ سے مارا گیا تو پھر کیا ہے؟ اپنے دوستوں کے نزدیک ہندوستان کے بڑے محسنوں میں داخل ہوئے اور نہایت خوش خوش دارالحکومت میں واپس آئے کہ ہم نے کالے لوگوں کے ساتھ اپنے ذمے کا فرض ادا کیا۔ تھوڑے سے جو عموماً بن بیلے ہوتے ہیں ان دوروں کو اس لیے پسند کرتے ہیں کہ ان میں دوسرے لوگوں کی جوروؤں سے رمز و کنایہ کی باتیں کرنے کا بہت عمدہ موقع ملتا ہے۔ اس میں شبہہ نہیں کہ بال روم .. اور ٹینس کورٹ .. میں جو ناز و نیاز کی باتیں ہوا کرتی ہیں وہ بھی لطف دیتی ہیں لیکن جو باتیں کہ مثلاً راج گیر کے پہاڑ پر جہاں چھوٹے چھوٹے نالوں کے بہنے کی دھیمی صدا اور گرم چشموں کے ابلنے کی کم زور آواز آتی ہے وہ اور زیادہ مزہ دیتی ہیں بعض جن کو علم لوب کا مذاق اور زمانہ قدیم کی چیزوں کی دریافت کا شوق ہوتا ہے۔ ان کو سب .. سے زیادہ انھیں میں مزہ آتا ہے کہ صدر سے باہر رہیں اور زمانۂ قدیم کے قلعوں اور مندروں کے ویرانوں میں چپ چاپ پھرا کریں یا دیہات کی گھوسٹوں .. کے سادے گیت نوٹ بک پر لکھتے جائیں لیکن ہمارے اکثر افسر

جو دورے کرتے بھی ہیں تو اصلی غرض حاصل نہیں ہوتی۔ یہاں تک تو خیر ہے، اگر کوئی بھلائی نہیں۔۔ تو۔۔ کوئی ایسی برائی بھی نہیں۔۔ لیکن ہمارے افسر دورے میں اکیلے نہیں نکلتے، نوکروں کی پوری فوج ساتھ جاتی ہے اور پولیس کی ایک پلٹن ان کے ساتھ رہتی ہے اور اگر کوئی افسر پوری نگرانی نہ رکھے تو جو قیمت مرغی گھی وغیرہ کی دی جاتی ہے اس کو یہ لوگ اپنے پاکٹ میں رکھتے ہیں بعض افسر ایسے بھی ہیں جو بہت ہی نرم نام یعنی ہدیہ کی صورت میں ہر ایک زمیں دار سے جن کے گاؤں میں دورہ ہوا ہے بڑی بڑی نذریں لیتے۔۔ ہیں۔۔۔ اب دیکھنا چاہیے کہ وہ دورے جن کے لیے لفٹنٹ گورنر صاحب ہر سال اس قدر اصرار کرتے ہیں ان سے صرف وہ بھلائیاں نہیں ہوتیں جن کے لیے وہ قائم ہوئے ہیں بل کہ وہ برائیاں ہوتی ہیں جو ہر گز مقصود نہ تھیں۔" (۱۶/۲)

(۱۱) ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات: لال موہن گھوش کو انگریزی پارلیمنٹ کی رکنیت کے لیے لبرلوں نے چنا تھا اور کنزرویٹو انھیں بلیک لبرل کہتے تھے۔ سینٹ جیمس گزٹ نے ان پر متعدد الزام لگائے تھے جن کے جواب میں کرانکل نے ایک مضمون ۱۲/۱ میں لکھا تھا، اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات سے بحث کی ہے: "وہ اخبار کہتا ہے کہ ہندوستانی کوئی قوم نہیں ہیں۔ یہ لوگ ایک۔ اختلاف مذہب کے سبب سے سخت متنفر ہیں اور ان لوگوں کے آپس میں کوئی امر مشترک نہیں ہے (انگلستان کے مذہبی اختلافات کے ذکر کے بعد)۔۔ ہم دعوے کے ساتھ اس کی تکذیب کرتے ہیں، اگرچہ تھوڑے دنوں سے ہمارے انگلو انڈین خود سروں کی یہ حکمت عملی ہے کہ ہندوستان کے مختلف فرقوں میں حسد و عداوت پیدا کر دیں، لیکن ہندوستان کے لوگ۔۔ انگلو انڈین کی خود غرضانہ

پولسی کو باطل کرنے کے لیے متفق ہو کر سامنے کھڑے ہو گئے ہیں۔ مگر اس سال محرم اور دسہرا ساتھ پڑا اور بہ کثرت فسادات ہوئے اور ۹۱ء کے کرانکل میں خبروں کی ضمن میں یہ عبارت ملتی ہے: "ہندو مسلمانوں کا اتحاد ہندوستان کی طرف نفاق سخت میں بدل دیا ہے" اب سطور ذیل میں یہ دیکھیے کہ ۱۸۸۶ء میں دو متضاد میلانات کس طرح کام کر رہے تھے:

۱۔ ۱۱ جنوری کو انجمن اسلامیہ الہ آباد کے ایک جلسے میں طے ہوا کہ صوبۂ مغربی و شمالی میں ہندوؤں کی ۱۴ سالہ کوششوں کو جو اُردو کی جگہ ہندی کو رواج دینے کے لیے کی گئی ہیں، دیکھتے ہوئے ہندی کے نقائص پر ایک عرض داشت حکومت کو بھیجی جائے۔

۲۔ بلگام کے ہندو مسلمانوں میں ہولی کے موقع پر بہت جھگڑا ہوا۔

۳۔ ایک انجمن گل دستۂ نشاط جولائی ۱۸۸۱ء میں قائم ہوئی تھی، ۱۸۸۲ء میں اس کا نام انجمن اتحاد رکھا گیا، اس کی غرض یہ تھی کہ ہندو مسلمانوں کا نفاق دور کر کے ان میں اتفاق پیدا کیا جائے کہ دونوں "ایک دوسرے کے مددگار ہوں" اور "جس کام میں قوم کا فائدہ متصور ہو بلا تعصب خلوص نیت کے ساتھ کیا کریں" اس کے صدر رام کشن پانڈے آنریری مجسٹریٹ شہر پٹنہ اور سکریٹری سید کاظم حسین خاں عرف سید علی نواب تھے۔ ۱۸۸۵ء میں ارکان کی تعداد ۶۶ تھی، مکمل فہرست جو اخبار میں درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہ کثرت امرا اس میں شریک تھے، لیکن ہندو ارکان صرف ۸ تھے۔ اس انجمن نے ایک مختصر تجارتی کارخانہ کھولا تھا اور اپنی خاص عمارت بنانے کی فکر میں تھی۔

۴۔ اورنگ زیب اور ہندو از بنگالی ۱۲: اورنگ زیب کے زمانے میں

جب ہندوؤں پر ظلم شروع ہوا تھا.. راجہ جسونت سنگھ نے ان کو.. لکھا تھا کہ آپ کے بزرگ.. اکبر نے شہنشاہیت کے معاملات ۵۲ سال تک نہایت حفاظت و شان سے چلائے.. کل شخصوں سے یکساں برتاؤ ہوتا تھا یہاں تک کہ ان کی رعایا نے ان کا خطاب محافظ بنی نوع انسان رکھا تھا" جہانگیر و شاہ جہاں کے عہد میں انصاف رہا۔ اب کہا جاتا ہے کہ آپ ہندو بیچاروں سے بلا خیال عزت خاندان تیموریہ "ٹیکس وصول" کرنے والے ہیں اگر آپ کو خدا کے کلام پر ایمان ہے تو سمجھ سکتے ہیں کہ خدا کل بنی نوع انسان کا ہے نہ کہ مسلمانوں کا اس کے سامنے ہندو مسلمان یکساں ہیں۔ دوسرے لوگوں کے مذہبی خیالات پر حملہ کرنا خدا کے حکم کو توڑنا ہے..[۱۲] کیا اس زمانے میں یہ ممکن ہے کہ کوئی دیسی شاہزادہ انگریزی گورنمنٹ سے ایسے الفاظ استعمال کر سکتا ہے؟.. یہ اس زمانے کا حال ہے کہ جب سخت سے سخت ظلم کیے جاتے تھے اور جس سے ہندو مسلمان دونوں کو اقبال ہے"۔

۵۱ء "بہ قول نجم الاخبار اٹاوہ' کے ہندو مسلمان انتظام محرم سے خوش نہیں ہیں"

۵۲ء "زیاں الاخبار سے معلوم ہوا کہ، محرم کو اعظم گڈھ میں بھی ہندو مسلمانوں کے مابین فساد ہوا قریب ۱۰۰ آدمیوں کے زخمی ہوئے جن میں کئی کا حال ابتر ہے اور دونی ایک مقام ہے.. جہاں دسہرے اور محرم میں بیس آدمی مارے گئے اور اسی قدر زخمی ہوئے[۱۳] دسہرے میں میلگام (کذا) میں بہت جھگڑا ہوا بہت سے ہندو زخمی ہوئے اور اہل اسلام نے مندروں کو نقصان پہنچایا"۔ اعظم گڈھ میں بہت سے آدمی محرم کے جھگڑے میں جاں بہ حق تسلیم ہوئے[۱۴] شاہ جہاں پور کے اہل اسلام انتظام سرکاری سے ناخوش رہے وہ کہتے ہیں کہ اہل ہنود کے ساتھ

رعایت کی گئی ہے" شہر کانپور بھی انتحار فساد محرم و دسہرہ سے خالی نہ رہا صاحب کلکٹر نے ۵۰ پچاس مسلمانوں کو قید کر لیا جو بلوے کی دھمکی دیتے تھے۔ مسلمانوں نے ایک مہاجن کی ناک ایسی کاٹی کہ نشان تک باقی نہ چھوڑا" ۹/۱۱ "فساد محرم پر کرنول مدراس میں ۲۰ آدمی قتل اور بہت زخمی ہوئے" "اعظم گڈھ کرنال بمبئی میں سخت خوں خوار فساد محرم میں ہوئے" "بمبئی میں دسہرے پر سخت بلوہ ہوا، جنگی فوج آئی۔ پولیس نے کام نہ دیا" "رائے بریلی میں بوجہ فساد رام لیلا نہیں کی گئی" "بارہ بنکی میں بالکل تعزیہ داری نہیں ہوئی حکم تھا کہ کوئی باجہ نہ بجے" "بریلی میں رسی باندھ کر نصف نصف سڑک ہندو و مسلمانوں کو دی گئی"۔ ۲۱/۱۱ "دسہرہ و محرم کے فساد لاہور کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کو جیل خانہ ہوا اور جرمانہ مزید۔

۲۳/۱۱ "گورکھپور کے مقدمے میں جو ایک مسلمان کی طرف سے اہانت مذہبی کی بابت سوہن پرشاد ایک ہندی رسالے کے مصنف پر دائر ہوا تھا، تصفیہ ہو گیا بہت اچھا ہوا"

۱۳/۱۲ "ہندو اور مسلمانوں نے کرنول میں ایک ایسوسی ایشن قائم کیا ہے جس کا منشا یہ ہے کہ ان دو فریق کے درمیان اتحاد قائم ہوئے"

۵/۱ "داؤد نگر ضلع گیا کے ایک ہندو مہاجن نے ایک مسجد کی بنا ڈالی تھی اور نہایت سرگرمی سے اس کی تعمیر میں مصروف تھا، لیکن تھوڑے دنوں سے اس نے کنارہ کشی کی۔ معلوم ہوتا ہے قومی دباؤ نے اس کار خیر سے اس کو محروم رکھا"

(۳) ہندوؤں کی خاص خبریں اور معاملات: ۵/۱ جلسہ تخفیف اخراجات شادی قوم کائستھ از پیارے لال صدر انجمن ہند

۲۶/۱ قواعد تخفیف خراج شادی قوم کائستھ امسٹ (۲۷) دفعات جو ۶½ کالموں

میں آئی ہیں۔ اُن میں سے ایک یہ کہ تلک "مع لوازمہ" (صہ روپیوں سے زیادہ کا نہ ہو)

۲/۴ "اصلاح رسوم شادی قوم کائستھ" (از: مدیر ۲ کالم)

۲/۴ "مرحبا۔ بابو جابیر سہائے ساکن ہنوہان گڈھ کے بیٹے کی شادی ہونے والی ہے، فریقین کائستھ ہیں، دولکسا سولہ۔ ۔ ۔ مقرر ہوا تھا لیکن نئے قواعد کے موافق اب اس کی تعداد صرف صہ روپیہ رہ گئی۔ اور شگون کی رسم دلھن کے برد ہت کو صرف پانچ روپے کر عمل میں آئی۔"

تحفۂ تاپارت شمالا: ۲/۴ "یہ نہایت عمدہ فال ہے کہ چھپرہ کا گوتاپار شمالا سرریورس ٹامسن کے ظل حمایت کھولا گیا۔ دیا کرن، سمرتی ودیا یا دیگر سنسکرت علم ادب کی تعلیم کے واسطے گودنا میں ایک سنسکرت اسکول قائم ہوا یہ جگہ قدیمی ہے: جہاں ہندوستان کے ارسطو نیایا طریقے کے بانی گوتم نے پہلے پہل اپنے پیرودں کے سامنے اپنے مسائل فلسفہ کی تشریح کی تھی۔"

۹/۴ سورت میں ایک بہت بڑا جلسہ از دواج ثانی بیوگان کے واسطے ہوا۔ ایک بیوہ کا خط مہاجتاں (کذا) کے نام پڑھا گیا کہ اس کی شادی پھر سے کردی جائے بہت جوش وخروش پھیلا ہوا تھا، کوئی مخالف رائے نہ تھی۔ ایک کمیٹی قائم ہوئی کہ گجرات میں اس کی تشیع خوب بحث کی جائے۔"

۷/۲ "جلسہ برادران کائستھ سری باستب کو مژدہ ہو کہ شادی نور بصر ہر بہر سہائے رئیس اعظم شہر پٹنہ محلہ سلطان گنج ا منعقد ہو کر حسب ضابطۂ جدید جس کا مسودہ جلسۂ کائستھ ادبکار سبھا میں ہوا ہے۔ بابو صاحب کیسے والا حسب عالی نسب ہیں، اور اس گھر میں زمانہ قدیم میں کیسی کیسی شادیاں تکلف

کی ہوئیں۔"

۶/۴۳ "اصلاح شادی قوم کا سٹھ" از "خاندانی رئیس" کالی چرن چوہان گڑھ، ممبر کمیٹی

۷/۲ "ہم کو یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ پنڈت دیانند سرستی کے آریا سماج میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اس سماج نے ایک ہفتہ دار انگریزی اخبار آریا تیریکاہ جاری کیا ہے ہم اپنے نئے ہم عصر کی کامیابیوں کی دعا کرتے ہیں"

۲۷/۷ پٹنہ میں کرنیل اولکٹ کی تقریریں۔ کرنیل نے کہا کہ قدیم ہندوؤں نے "انسانی علم کی عن قریب (تقریباً؟) کل شاخوں میں ایسی ترقی کی تھی کہ عقل میں نہیں آتی وہ دیوؤں کی طرح عمارت بناتے اور جوہریوں کی طرح لبتہ انجام کو پہنچاتے"۔ موسیقی کو "حیرت انگیز درجے تک پہنچایا" طبعیات و کیمیا میں ترقی کی۔ یہ یقینی نہیں کہ ان کے زمانے میں ریلوے اور تار برقی تھا یا نہیں لیکن "ان کی کتابوں پر یقین کیا جائے اور اس کی کوئی وجہ نہیں کہ کیوں نہ یقین نہ کیا جائے" تو وہ اس سے بہتر چیز رکھتے تھے یعنی ہوائی کشتی طب اور ریاضی پر، انھیں کمال تھا اور "ادب میں کوئی ان سے نہ بڑھ سکا" پانینی سے بڑھ کر صرفی و نحوی کسی اور قوم میں نہیں' اور کسی کے پاس رامائن، مہابھارت سی "مثنویاں" نہیں۔ فلسفے میں یورپ "محض بندی ہے" پرانے ہندو اس میں "درجۂ کمال" پر تھے، اور روحانیات میں تو یورپ کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔ کرنیل نے "حاضرین سے التجا کی کہ اپنے آباد اجداد کے قدم بہ قدم چلو" ہر شخص کو بھاگوت گیتا کی ایک جلد خریدنی چاہیے اصل نہیں تو انگریزی

ترجمہ:- اپنی دوسری تقریر میں جس کا عنوان تھا "ہندوستان اپنے نوجوانوں سے کیا امید رکھتا ہے؟" کرنیل نے کہا کہ "میں دس برس سے ہندوستان میں ہوں" اور جس قدر میں نے تمہاری عادت و رسوم و زبان کو مطالعہ کیا اسی قدر وہ مجھے خوب صورت و غامض و بلند پرداز معلوم ہوئے"، یہ بتانے کے بعد کہ تھیوسوفی کیا ہے، انھوں نے آخر میں کہا: "سنسکرت کے علوم کو پھر زندہ کرو اور اپنے عادات و اخلاق کو انھیں اصول کے سانچے پر (کذا) ڈھالو جو بھاگوت گیتا میں قائم کیے گئے ہیں"

سنسکرت کی تعلیم ۱۸/۱۶ ... آج کل کا زمانہ اگر ہندوستان کی دوبارہ ترقی کے آغاز کا زمانہ نہیں ہے تو اس کی علامتوں کے آغاز کا زمانہ ضرور ہے۔ مغربی علوم کے دروازے ہم پر کھل چکے ہیں۔ سنسکرت کی تحصیل کا بھی اب پہلے سے بہت زیادہ شوق ہوتا جاتا ہے.... اگر سنسکرت دل لگا کر حاصل کی جائے تو اس کا نتیجہ بہت بڑے فائدے کا ہوگا۔ یورپ کے اعلیٰ ترین علما اٹھارہویں صدی کے آخر سے اس امر کا اظہار کرنے لگیں کہ ہندوستان کے قدیمی عقلا... نے اعلیٰ درجے کے فلسفے کی بنا ڈالی تھی اور یہ لوگ جیسے وسعت خیال میں مشہور تھے، ویسے ہی دقت نظر.. میں شہرہ آفاق تھے اور یہ کہ سنسکرت کا علم ادب انسانی دلچسپی کے کل مضامین کا بے انتہا ذخیرہ ہے۔ ساری دنیا میں مشہور و معروف علما کی متفق علیہ رائے یہ ہے کہ جتنی زبانیں ہیں، زندہ ہوں یا مردہ سب سے زیادہ مکمل سنسکرت ہے.. اس وقت ہمارے لیے نہایت ضرور ہے کہ سنسکرت کی تصنیفات کا ہندوستان کی دیسی زبانوں میں ترجمہ کرکے پیش

کریں اور اگر کسی وجہ سے نہ ہو تو یہ درجۂ اقل صرف اسی کے لیے نہایت مناسب ہے کہ ہم لوگ اب سنسکرت کے علم کو دوبارہ زندہ کریں۔" (مدیر کا مقالہ ۴ کالم)

۲۲/۱۲ "جلسۂ اصلاح شادی قوم کائستھ" (از مدیر)

"...۰ سال قبل کے ایک پنڈت کی پیشین گوئی از انڈین ایکو ہے۔ ہمارے ایک دوست نے ایک بہت پرانا سنسکرت میں لکھا کرم خوردہ کاغذ دیا ہے یہ چمڑے .. کا ہے اور اس پر پرانے زمانے کی مہریں لگی ہیں۔ اس میں مصر و سوڈان وغیرہ کے واقعات ماضی قریب کا ذکر ہے، مگر نام نہیں دیے گو اشارے صاف ہیں۔ آخری پیشین گوئی یہ ہے کہ "یہ بھارت کھنڈ آریا لوگوں کے واسطے ہوگا اور یہ ساتویں تاریخ بھادوں بدی سمت ۱۸۰۰ء سے شروع ہوگا" بعض باتیں اچھی طرح سمجھ میں نہیں آئیں اس لیے ان کا ذکر میں نے نہیں کیا ہے۔

کرنیل اولکٹ کا لکچر لکھنؤ میں ۲۲/۸: "..فی زمانا جرمنی میں فلسفے کی جانب خیالات رجوع ہیں .. وہاں سنسکرت کی ترقی ہو رہی ہے .. ہمارے ششاستروں میں جس قسم کی فلاسفی ہے اسی کے معتقد جرمنی والے ہیں۔"

۱۳/۸ "لنڈن مرر کی رائے ہے کہ ہندو کو مچھلی یا گوشت نہ کھانا چاہیے۔"

۹/۱۱ "ہندوستانی لکھتا ہے کہ ایک صاحب سے دریافت ہوا کہ موجودہ کلکٹر صاحب سیتاپور (کذا) کو بہت کچھ اہل ہنود کے عقائد سے ہمدردی ہے .. اس کی تصدیق ہوئی ہے کہ انھوں نے ایک .. برہمن .. نوکر رکھا ہے جو سنگھ روز صبح و شام بجاتا ہے اور آپ نہایت مسرور ہوتے ہیں۔"

۲۳/۴ گجرانوالہ میں ایک مسلمان شدہ برہمن پھر ہندو بنا لیا گیا۔"
۸/۱ دہلی میں برف کی ایک کل صرف اس لیے "قائم ہوئی ہے کہ ہندوؤں کو بہت ارزاں برف ملے۔" "برہمن وغیرہ برف تیار کرتے ہیں۔"

(۱۴) مسلمانوں کی خاص خبریں اور معاملات: مدیر مسلمان ہیں اور مسلمانوں کے بھلے برے سے بے نیاز نہیں، لیکن، نہ کبھی اشتعال آمیز باتیں اس کے قلم سے نکلتی ہیں اور نہ وہ "مذہبی جھگڑوں" میں پڑنا چاہتا ہے جیسا کہ اس نے ۱۹/۱ میں ایک نامہ نگار کو مخاطب کر کے لکھا ہے

کلکتہ ہائی کورٹ اور مسلمان جج: ۳/۱ "۔۔ہم لوگ بالاتفاق یہ کہتے ہیں کہ اس وقت مسٹر امیر علی میں۔۔ قابلیت اعلیٰ درجے کی ہے۔۔ انھوں نے ہمارے حضرت پیغمبر کی سوانح عمری لکھ کر تمام انگلستان میں کس قدر نام پیدا کیا اور اب اسی قابلیت ہی کے باعث کیسے عالی خاندان کی لڑکی بیاہ لائے ہیں۔ اس وقت بہ نسبت مسٹر ہورلی کے ان کا استحقاق زیادہ ہے۔۔ مسٹر ہورلی کے مقرر کرنے سے صرف یہی بات حاصل ہوگی کہ بیرسٹروں میں سے ایک شخص مقرر کیا گیا ان میں یہ بات موجود ہے" امیر علی کے تقرر کے لیے جو دلائل پیش کیے ہیں، ان میں۔ یہ ایک ان کا مسلمان ہونا بھی ہے: "پندرہ ججوں میں سے یہ ضرور ہے کہ کم سے کم ایک۔۔ تو مسلمان ہو" (یہ مضمون غالباً مدیر کا نہیں، کسی دوسرے اخبار سے ماخوذ ہے، مگر یہ عبارت جو الگ سے ہے اور جس کے آخر میں لفظ گرانیکل درج ہے، مدیر کی ضرور ہے: "اور مولوی محمد یوسف صاحب کا استحقاق بھی خیال کرنے کے قابل ہے" یہ بہاری تھے)

۱۹/۱ "۔۔ یہ امر کسی قدر حیرت انگیز ہے کہ گورنمنٹ ہند نے کسی مسلمان

کے لئے سفارش نہیں کی'۔۔ امیر علی یا۔ محمد یوسف۔۔ میں سے ایک کی تقرری ہے علاوہ اس کے کہ اس علاقے کی جماعت اسلامیہ کی دلی دہی ہوتی ہائی کورٹ کو یہ فائدہ ہوتا کہ قوانین وکارروائی اسلامیہ کا بھی ایک عنصر بنچ میں شامل ہوتا"

ہائی کورٹ کی ججی اور شیعہ سنی کا جھگڑا: پہلے "۱۴ جنوری کے۔۔ اردو گائیڈ" میں مفصلہ ذیل آرٹیکل پڑھ کر۔۔ نہایت حیرت ہوئی۔ خدا کی شان ایسے لوگ جو اس قدر کوتاہ بیں اور بغض وحسد سے بھرے ہوئے اور صاف وصریح مسلمانوں کی ترقی کی راہ میں کھنٹے بوتے ہیں وہ قوم کے مصلح اور خیر خواہ ہونے کا دعوی کریں۔۔ وہو ہذا: یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ ہائی کورٹ میں ایک مسلمان جج کا تقرر ضرور ہے اور مستحق آنریبل محمد یوسف اور آنریبل سید امیر علی ہیں۔ مگر نواب عبد اللطیف نے حکومت کو ایک "یادداشت" بھیجی ہے جس کی دفعہ ۱۱ کا خلاصہ یہ ہے کہ "اس وقت کوئی مسلمان اس قابل نہیں ہے کہ ہائی کورٹ یا اضلاع کی ججی کے لئے منتخب ہوئے یہ یادداشت جو مسلمانوں کا سم قاتل یا زہر ہلاہل یا گاڈی فاکس کا سرنگ یا افعی دکرادم وننگ" ہے جس مسلمان نے دیکھی ہے' نفرین کی ہے۔ ۱۵ جنوری کے "اسٹیٹسمین" میں ایک نامہ نگار نے اپنا نام "محامڈن" قرار دے کر ایک خط چھپوایا ہے کہ محمڈن آبزرور اور اردو گائیڈ کی بڑی غلطی ہے کہ ایک شیعی "مولوی امیر علی" کی سفارش کی ہے؛ اگر یہ ہوئے تو حنفیوں کو بڑا رنج ہوگا۔ یہ قابل غفتانہ تھا لیکن چونکہ کہ ایک "معتبر انگریزی کاغذ" میں شائع ہوا ہے ۱۱ کے تمڈن آبزرور میں اس کے باب میں کچھ لکھنا پڑا کہ عیسائی اور ہندو یہ نہ

سمجھیں کہ سنی شیعوں کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں یا ان سے اس قدر عناد رکھتے ہیں کہ ان کو کسی بلند منصب پر دیکھنا پسند نہیں کرتے دونوں میں محض "فروع" کا اختلاف ہے۔ شیعوں کی مجالس عزا میں سنی اکابر شریک ہوتے ہیں اور "آپس میں شادی بیاہ بھی کرتے ہیں حتیٰ کہ اکثر جا ابھی تک دیکھا جاتا ہے کہ ایک ہی گھر میں ایک بھائی سنی ہے اور ایک.. شیعہ' طرفہ یہ کہ کلکتہ میں مسلمانوں کی جو دو مشہور انجمنیں انجمن مذاکرۂ علمیہ اور انجمن عمومیہ اسلامیہ ہیں' ان دونوں کے صدر دو شیعے ہیں اور ارکان میں سنی و شیعہ تعداد میں برابر ہیں۔

[illegible] لکھنؤ کی خبر کہ آئندہ جنوری میں مجوزہ اسلامیہ کالج کی بنیاد رکھی جائے گی جس کے واسطے "قابل اطمینان چندا ہو گیا ہے" (پھر کبھی اس کا ذکر نہیں آیا)

[illegible] سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن کے سپاسنامے کے جواب میں لارڈ ڈفرن نے کہا کہ "میرا مقدم فرض.. تمام فرقوں کا بالکل بے طرف دارانہ طور پر لحاظ کرنا ہے' تاہم میری دلی ہمدردی ان شخصوں کے ساتھ ہوگی جو کسی وجوہات سے جن پر ان کا قابو نہیں رہا ہے ترقی کی.. دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہیں.."

[illegible] الہ آباد کی خبر:۔ دو یورپی نو مسلم "مذہب اسلام پر وعظ کہتے ہیں"
[illegible] "ترقی خواہاں قوم کی خدمت میں ایک عرض داشت"؛ مدرستہ العلوم مسلمانان علی گڈھ کے لئے مدیر کے طرف سے چندے کی اپیل "انگریزوں اور ہندوؤں نے بھی شرکت فرمائی ہے" اس کے بعد سید احمد خاں کی جانب سے "ایک عرض بزرگان قوم کی خدمت میں"

[illegible] جلسہ تخفیف اخراجات شادی وغیرہ مسلمان [illegible] (کل ۱، ۱ کالم۔ ، بہار کے جلسے کی روداد شرف الاخبار سے نقل کی ہے۔ دو مسودے منظوری

مرے پیش ہوئے۔ ایک میں من جملہ اور باتوں کے یہ تھا کہ لڑکوں کی شادی میں کوئی شخص سالانہ آمدنی کی ایک چوتھائی سے زیادہ خرچ نہ کرے لڑکیوں کی شادی میں اس سے پچاس فی صدی زیادہ خرچ کا اختیار ہوگا اس میں پابندی شریعت کی بھی قید تھی۔ دونوں میں سے کوئی منظور نہ ہوا مدیر نے

اس پر تعجب اور افسوس کا اظہار کیا ہے کہ بہیں مسودہ (گو خود لے سے اس سے کامل اتفاق نہیں۔ خاص طور پر اس دفعہ کا ذکر کیا ہے جس میں پابندی شریعت کا ذکر ہے جب بڑی کثرت رائے اس کے ساتھ تھی لیکن کیوں منظور نہ ہوا۔

۱/۵ حیدر آباد دکن میں ایک اسلامیہ کالج بنانے کی تجویز۔ جلسے میں شرکت نظام۔

۲/۶ مدرسہ اسلامیہ پٹنہ ۱ر مارچ (۱۸۸۲ء) کو کھلا اور اوائل ۱۸۸۵ء میں انٹرمنس کی تعلیم کا بھی انتظام ہوگیا اس سال اس کے صدر سید احمد حسین اور سکریٹری محمد حسن تھے

۳/۶ گورنمنٹ ہند اور تعلیم مسلمانان (مدیر نے حکومت کے رزولیوشن متعلق تعلیم۔ تعلیم مسلمانان و ملازمت سرکاری سے اپنا اطمینان ظاہر کیا ہے)

۴/۶ کرنیل اولکٹ کا لکھنؤ میں اسلام پر لکچر: عیسائی مذہب سے میرا اطمینان نہ ہوا اور جب تک مجھ کو مذاہب مشرقی سے واقفیت نہ ہوئی تھی میں لامذہب تھا.. ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے مذہب سے دکو (انیسویں صدی اور سائنس کے اثر سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کرے' پیغمبر اسلام کی ملاقات چند موحد عیسائیوں سے ہوئی' ان کے خیالات سن کر ان کے "دل میں جو مذہبی شعلہ جل رہا تھا' وہ اور بھی بھڑک اٹھا" وہ خود امی تھے مگر "قرآن شریف جو ان کے ذریعہ سے نازل ہوئی ہے وہ اس لیاقت سے لکھی گئی ہے کہ لاثانی ہے.. مصر میں ایک میرے مسلمان دوست ہیں جن کے ذریعے سے

میں نے بہت سی روحانی باتیں سیکھیں۔۔۔ الف لیلہ[1] سے معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے روحانی قوتوں میں کس قدر ترقی کی۔۔"

۳۱/۸ ریاست پالن پور میں مسلمانوں کی اصلاح کے لیے ایک جلسہ ہوا جس میں من جملہ اور تجاویز کے ایک یہ منظور ہوئی کہ شادی کی تقریبوں میں تین دن تک افیون پینا آج سے موقوف کیا جائے۔"

۱/۸ "مسلمانوں کا چوتھا انگریزی اخبار دکن جرنل۔۔ حیدرآباد سے جاری ہوا ہے۔ یہ ہفتے میں دو مرتبہ۔۔ چھپتا ہے خدا اس کو ترقی دے۔"

۵/۱۰ "مسلمان اور انگریزی تعلیم" از مدیرہ (مدرسہ اسلامیہ پٹنہ کے لیے چندے کی اپیل)

۲۳/۱۱ "وائسرائے کو درخواست دی گئی ہے کہ جامع مسجد دہلی میں انگریز "جوتا اتار کر آئیں"

۲۵/۱۱ "ہم نہایت مسرت کے ساتھ اس خبر کو مشہور کرتے ہیں کہ مدراس کے سربرآوردہ مسلمانوں نے کرنیل انڈر روڈ کے مکان میں ایک مجلس منعقد کرکے یہ تجویز ٹھہرائی کہ مسلمانوں کی ترقی کی تدابیر ٹھہرانے کے لیے ایک ایسوسی ایشن قائم کرنا چاہیے۔ خدائے ذوالجلال ان عالی ہمم مسلمانوں کا معین۔۔ ہو"

۳۱/۱۲ از مدیرہ "۔۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ جو دیسی سویلین اور ڈپٹی مجسٹریٹ منتخب ہوئے ہیں ان کی فہرست میں کسی بہاری مسلمان کا نہ ہونا قابل افسوس

---

[1] اس وقت تک طلسم ہوش ربا شائع نہ ہوئی تھی' ورنہ بہ دان دہمہ گیر کرینل کو اس میں بھی روحانیت کا بڑا سرمایہ مل سکتا تھا۔

تسلیم کیا جائے گا۔۔ ہم کو خوف ہے کہ کھلے ہوئے مقابلے کے ذریعہ سے سول سروس کی اونچی شاخوں پر پہنچنے کے لیے ابھی ان کو بہت مدت چاہیے ہم اصول امتحان مقابلہ کے خلاف۔۔ نہیں۔۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں۔۔ کہ اگر ایسے امتحان کے ذریعے سے وہ لوگ اپنے ملک کی ملازمتوں سے خارج کیے جائیں جن کا پیچھے رہ جانا بے رحمانہ واقعات کی وجہ سے ہو اور جو اپنے نقص کو دور کرنے کے لیے قابل تعریف کوشش کر رہے ہیں، تو یہ صریح ناانصافی ہے۔۔"

۱۳ انجمن اسلامیہ احمد آباد کی پہلی رپورٹ پر مدیر کا اظہار مسرت۔

۱۴ مسٹر محسن بی طیب جی خلف مسٹر بدرالدین طیب جی پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے آئی۔ سی۔ ایس کے امتحان میں کامیابی حاصل کی ہے۔ یہ انتہا مسرت کا موقع ہے

"امسال کاٹھیاواڑ لوگوں نے تخفیف اخراجات شادی کے لیے جو کوشش کی تھی اس کا نتیجہ۔ نظر آنے لگا ہے۔۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں کو ان باتوں کا خیال نہیں ہوتا" ۱۵

بمبئی عرب و مسلمان گو ظاہرا کوئی خیال ظاہر نہیں کرتے لیکن بیچ میں مہدی کی کامیابی پر خوش ہیں عرب یہ کہتے ہیں کہ مہدی بڑا طاقتور ہے انگریز اس کو نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ وہ پہنچا سکتا ہے ذہلی ہوشیار مسلمان مہدی کو غازی خیال کرتے ہیں اور کامیابی پر بہت خوش ہیں سوائے لکھنو کی ریاست کے یا لکل اس کے خلاف ہے۔ لاہور۔۔ مسلمان کہتے ہیں کہ کامیابی تو پیشتر ہی سے معلوم تھی ۲۳۔ ۱۸۸۲ء میں غالباً اس کا ترجمہ یوں کیا گیا تھا: مسلمانی جماعتوں میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ مہدی کی فتح یابی کی نسبت آگے سے پیشین گوئی تھی"

۳ "ہمارا معزز ہم عصر اخبار پنجابی لاہور لکھتا ہے: "خرطوم کے نکل جانے

پر انگریزی اخباروں کو مسلمانوں پر بدلے دے کرنے کا موقع ملا مختلف شہروں .. سے تار برقیاں مشتہر کر دیں کہ .. اہل اسلام اس فتح سے بہت خوش ہوئے .. اور - جوش پیدا ہو گیا محال آنکہ یہ سب .. بناوٹی باتیں تھیں - مسلمانوں نے مہدی کو کبھی مہدی موعود تسلیم نہیں کیا بلکہ وہ ابتدا ہی سے اس کو مہدی کذاب .. قرار دیتے رہے ہیں - .. لکھنؤ کے اہل اسلام نے ایک بڑے عالی شان جلسے میں اخبار ایکسپریس کے .. الزام کی تردید کی جو اس نے مسلمانوں پر شکست خرطوم پر لگایا تھا" (اس کے بعد بمبئی کے ایک وفد کا ذکر جو گورنر بمبئی کے پاس گیا تھا) .."

(۱۴) کم سنی کی شادی کے خلاف ایک مقالۂ افتتاحیہ ہے

(۱۵) قانون لگان بنگالہ": "انڈین کانسٹی ٹیوشنل ایسوسی ایشن کل زمینداروں کی ہمت کا قومی مرکز، مہاراجہ دربھنگہ کی .. کوششوں سے قائم ہوا اور تھوڑی ہی مدت میں رسوخ و اقتدار کا ایسا منصب حاصل کر لیا کہ شاذ و نادر ہی کسی انجمن کو حاصل ہوتا ہے' اور انگلستان کا پروپرٹی ڈیفنس لیگ جس کو اصل چلانے والے لارڈ ویمیس اور لارڈ اسٹینلی اور دوسرے نہایت ذی اقتدار و ذُو ساہیں کا نسٹی ٹیوشنل ایسوسی ایشن کے ساتھ اس لئے ہوا کہ زمانۂ حال کی سب سے بڑی غلطی یعنی قانون لگان بنگالہ کی مخالفت کرے - .. اور اخباروں میں سے ایلیس میل .. زمینداران بنگالہ و بہار کی ایسی خدمت .. کر رہا ہے کہ .. وہ بہت قدر کے قابل ہے - خود ٹائمس نے نہ صرف .. قانون کی توضیع کی دقتوں کو سمجھا بلکہ ان خطروں کو بھی جو موجودہ مسودے کو قانون بنانے میں ہیں .. بنگالہ

کے چیف جسٹس اور اسٹیٹسمین کے قابل تعظیم ایڈیٹر نے پچھلے سال زمینداروں کو اپنی حمایت کے سائے میں لیا.. گورنمنٹ ہند کھلے میدان میں مسٹر رچرڈ گارتھ کا مقابلہ نہ کر سکی تو ان کی بے ضابطگی کی شکایت میں ایک مراسلہ انگلستان روانہ کیا اور وہ بے ضابطگی یہ تھی کہ مسٹر رچارڈ گارتھ نے ایک مقدمے کی طرف اشارہ کیا تھا جو ہائی کورٹ میں زیر تجویز تھا۔۔ گورنمنٹ ہند کے دل میں چوٹ لگی اس واسطے کہ یہ میدناپور خاص محل کی رعایا کا مشہور مقدمہ تھا جس میں گورنمنٹ پر یہ الزام تھا کہ اس نے بہ حیثیت زمینداری اپنی رعایا پر ۲۰۰ سے ..۱ گونہ تک اضافہ لگان کیا تھا (۱۹/۲۸-۱۱) "فتویٰ صادر ہو گیا اور ٹیننسی ایکٹ اب اس سرزمین کا قانون ہو گیا تبدیل وزارت سے تھوڑے ہی پہلے جس وقت کہ .. گلیڈ اسٹن نے استعفا بھیجا تھا اور لارڈ سالسبری نئی وزارت قائم کرنے کی کوشش کر رہے تھے، لارڈ ڈیفرن نے مناسب سمجھا کہ .. اس غیر ضرور و نا منصفانہ و بے وقت قانون کی منظوری کا مراسلہ بھیج دیا جائے" ہے۔

(۲۶) "کونسل واضعان قوانین بنگالہ": عبدالجبار کو لفٹننٹ گورنر بنگالہ نے اس کونسل کا رکن مقرر کیا تھا اور جس خط میں اس کی اطلاع تھی اسی میں یہ بھی بتا دیا گیا تھا کہ لفٹننٹ گورنر ٹیوارزی بل کے معاملے میں ان کی حمایت کے متوقع ہیں" صرف اسی ایک واقعے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس کونسل کی کیسی ترکیب ہے"

(۲۷) "ہندوستانی والنٹیر": مقالہ افتتاحیہ: ".. پٹنہ کے نامی گرامی لوگوں میں سے تخمیناً ۵۰ .. نے .. درخواست بھیجی ہے کہ .. ان کو دیسی والنٹیرس

ی بلیٹن قائم کرنے کی اجازت عطا کرے .." ۶/۴ "والنیٹر ہونے کی تحریک سارے ملک میں عام ہو گئی ہے متعدد جلسے .. ہوئے اور بہت سی درخواستیں بھیجی گئیں" اسٹیٹسمین بھی اس کا موئد ہے۔

(۱۷) ۱۷/۴ مہارانی جمنا بائی": مہارانی جمنا بائی نے .. درخواست کی تھی کہ روس کے خلاف جنگ میں شریک کی جائیں .."

(۱۸) ریلوے ۲۳/۱۲: "ادنیٰ ادنیٰ ملازمان ریلوے کے ہاتھوں .. ہندوستانی مسافروں کی توہین اتنی کثرت سے ہوتی ہے کہ اس کے موقوف کرنے کے لئے کچھ کرنا ضروری ہے ... ہندو پیٹریٹ نے لکھا ہے کہ دو معزز ترین ہندوستانی مسافران درجہ دوم کو ہگلی اسٹیشن میں ویٹنگ روم سے نکال دینے کی دھمکی دی گئی کیوں کہ وہ پاک جگہ صاحب لوگوں کے واسطے مخصوص ہے .."

(۱۹) صوبہ بہار کی خبریں اور معاملات: ۱۲/۱ ایک بہاری باشندۂ خاص پٹنہ نے دو ہفتے ہوئے ایک کمپنی امپیریل تھیٹریکل ٹرویپ کے نام سے قائم کی ہے، جس کے بعض ایکٹروں کو پٹنہ والے امپیریل تھیٹریکل ٹرویپ میں دیکھ چکے ہیں ۱۶/۲ میں اس کی شکایت کہ یہ کمپنی شائقین کو دھوکہ دیتی ہے۔

۹/۳ کرانکل نے شکایت، کی ہے کہ پٹنہ میں "ڈاک بہری" کے مشخصہ رقوم کی زمینداروں کو اطلاع نہیں ہوتی اور اسی وجہ سے ان کا نقصان ہوتا ہے۔

۲۳/۳ بہار کے زمینداروں کا ایک وفد گورنر جنرل سے کلکتہ میں لگان کے قانون کے سلسلے میں ملا جواب "بالکل لطائف الحیل سے بھرا ہوا" تھا۔

۲۴/۳ "وائسرائے کی حال کی تقریروں سے اور اس واقعے سے کہ

انھوں نے قانون لگان کے اخیر مباحثے میں کونسل کے ایک ممبر کو نامناسب .. طریقے سے مہاراجہ دربھنگہ پر حملہ کرنے دیا صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بالفعل مہاراجہ .. سے گورنمنٹ خوش نہیں ہے، لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ مہاراجہ کو اس کی کچھ پروا بھی نہیں ہے کہ ایسی گورنمنٹ جس نے اپنے کو ایسی ناشائستہ حرکت کے قابل ثابت کیا جو بیان سے باہر ہے چاہے.. خوش رہے اور چاہے ناخوش.." مدیر

۲؎ میک کینی تنخواہ داہ وائس چیر مین پٹنہ میونسپلٹی کے مشاہرے میں تخفیف کی تحریک از مدیر۔

۳؎ ۱۱ اپریل کو زمینداران پٹنہ کا "ایک بہت بڑا جلسہ" باڈلی پٹنہ میں زیر صدارت نواب سید لطف علی خاں سی۔ آئی۔ ای منعقد ہوا۔ بنگال ٹیننسی بل کے پاس کیے جانے پر اظہار رنج کیا۔ تجویز سید ولایت حسین عرف مہدی نواب نے پیش کی اور رائے راد معاکش، قاضی رضا حسین وغیرہ نے اس کی تائید۔ اس کی مخالفت کے لیے اسی وقت ۰ ہزار روپے جمع ہوئے۔

۵؎ ایک معتبر نامہ نگار نے لکھا ہے کہ ضلع مظفرپور کے ۰ زمینداروں سے سرکاری مویشی کے ساتھ الٰہ آباد جانے کے لیے تیس تیس آدمی مانگے گئے ہیں۔ علاوہ الٰہ آباد جانے کو کوئی آمادہ نہیں۔" کیا بعد بنگال ٹیننسی ایکٹ کی بھی جس کے نام ہی نے زمینداروں کو وجود معطل بنا دیا ہے زمیندار ایسی خدمتوں سے معاف نہیں رکھے جائیں گے؟ کیا گورنمنٹ کو شرم نہیں آتی ہے کہ زمینداروں کے ساتھ ایسی بدسلوکی کرنے کے بعد بھی ان سے یہ دہ کرنے کی فرمائش کرتی ہے؟!"

۳/۴ کرک وڈ نج پٹنہ کی شکایت میں ایک مقالۂ افتتاحیہ۔ وہ یدعی ہیں اور خلاف ضابطہ کارروائیاں کرتی ہیں۔

۳/۱۱ ۱۴ جون کو باؤلی پٹنہ میں زیر صدارت نواب لطف علی خاں اس پر غور کرنے کے لیے جلسہ منعقد ہوا کہ روس سے جنگ ہونے کی صورت میں "ملک کی حفاظت کے لیے کون سی تدابیر اختیار کی جائیں" صدر نے اعلان کیا کہ جنگ ہوئی تو "مجروحوں اور بیماروں کی خبرگیری کے لئے میں ایک لاکھ رُپئے دوں گا۔

۳/۱۱ مہارانی ٹکاری نے" منشی جواہر لال اور مولوی عبدالوہاب پر تین لاکھ کے لئے اور منشی موتی لال پر ایک لاکھ.. کے لئے جو ان کے خزانے سے چوری گیا ہے نالش دائر فرمائی ہے"

۴/۸ پٹنہ میونسپلٹی بنگالے کی کل دوسری میونسپلٹیوں سے خراب ہے

۲۱/۹ اور دوسرے شماروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک کمپنی بہار ٹرمیوے کمپنی لمیٹڈ کے نام سے قائم ہوئی تھی۔ مدیر نے اس پر ۲۱/۹ میں ایک مقالہ لکھا ہے کہ جس قدر جلد رُپے جمع ہوں گے اسی قدر جلد کام شروع ہو سکے گا۔

۴/۲۲ جلسہ بہ تاریخ ۱۶ اپریل، شرکا: اف ام ہیلیڈی صدر انجمن، سی سی کوین، جی اے گریرسن، خدا بخش خاں بہادر، ولایت حسین عرف مہدی نواب، رائے جے کشن، نواب امیر حسن، سید فضل الرحمن، جے نرائن رائے کاشی پرشاد، گور پرشاد سین، محمد احسن، اندو خاں، جہانخاں صاحب رکن الدین حسین، حاجی کریم حسین، رام چرن پرشاد، جوگل کشور، شنکر سہائے،

گنپت پرشاد، گورسہائے لال، گجادھر پرشاد، بھگوتی پرشاد، دھنیش چندر رائے، صدر نے بتایا کہ بہار میں ایشیاٹک سوسائٹی کی شاخ قائم کرنے کی غرض سے اس وقت تک پانچ ہزار کے چندے کا وعدہ ہوا ہے۔ یہ فیصلہ بھی ہوا کہ مسٹر گریرسن کی "غیبوبت" میں مسٹر کوٹن "سوسائٹی کا کام" کریں۔ سوسائٹی کے قیام سے متعلق گریرسن نے جس دلچسپی کا اظہار کیا تھا اس کو شکریہ ادا کیا گیا۔

۱۵/۶ "پٹنہ میونسپلٹی کی ابتری و خرابی اب اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اگر اس کو سارے ہندوستان کی میونسپلٹیوں کا بدترین نمونہ کہا جائے تو ہرگز مبالغہ نہ ہوگا"۔ مدیر

۵ ممالک غیر (۱) انگلستان: "کاش ہمارے ہندوستانی اس کو سن لیتے" کے عنوان سے ۴/۱ میں مرقوم ہے: "ملکۂ معظم کے خاندان کا قاعدۂ کلیہ ہے کہ بیکار رہنا بالکل فضول تصور کرتے ہیں، بلکہ وہ کام کرتے ہیں کہ اپنی قوت بازو سے پیدا کر کے اپنی ذات خاص پر صرف کرتے کرتے ہیں.." لیکن ۲۱/۵ میں خبروں کے ساتھ عبارت ذیل اور اس کے بعد اس سے متعلق کرانکل کی رائے ہے:

"ایک اخبار لندن کو دوزخ کا نمونہ بتلاتا ہے۔ کرانکل ہماری رائے میں اس کو تخریب اخلاق کے اعتبار سے بہشت نما دوزخ کہنا زیادہ ترزیبا ہے"

مدیر نے صراحت نہیں کی، لیکن یہ بالکل ظاہر ہے کہ اخلاق سے مراد جنسی اخلاق ہے، ورنہ انگریزوں میں جو خوبیاں ہیں ان سے وہ ناواقف نہیں

ذیل کی ایک خبر کرانکل میں ایک طنزیہ عنوان "مہذب قوم کی مہذب مائیں" کے تحت صادق الاخبار سے (بحوالہ روہیلکھنڈ پنچ) نقل ہوئی ہے۔

واقعہ انگلستان کا نہیں پٹنہ[1] کا ہے اگر یہ واضح ہے کہ مدیر کے نزدیک یورپی عورت اپنے اخلاق اپنے وطن سے ساتھ لائی تھی اور وہ بات جس کا ذکر ہے وہاں مستثنیات میں تھیں:

"دانا پور کے ایک یوروپین نے پٹنہ کے مجسٹریٹ کی عدالت میں استغاثہ پیش کیا کہ ہماری لیڈی ایک گوالے سے محبت رکھتی ہے۔۔ لیڈی۔۔ نے بھرے اجلاس میں یہ کہہ دیا کہ میں ہرگز اس کے پاس جانا ترک نہ کروں گی اور نہ۔۔ وہ میرے پاس آنا چھوڑے گا۔۔ صاحب بہادر اپنا سا منہ لیکر واپس گئے"۔[5/۴]

ہندوستانی اپنی محکومی کی وجہ سے انگریزوں کے مقابلے میں اپنے کو پست و ذلیل سمجھتے تھے اور اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ انگریزوں کی اصلی یا فرضی بداخلاقیوں کا ذکر انھیں خوش کرے، چنانچہ ۱۸۸۵ء میں لندن کے اخبار پال مال گزٹ نے جو انکشافات کیے تھے ان سے کرانکل کو بڑی دلچسپی تھی:

"پال مال گزٹ[2] نے پایۂ تخت کی بعض حیرت انگیز بدکاریوں کو طشت ازبام کر کے انگلستان میں بڑا جوش پھیلا دیا ہے۔۔ کہا جاتا ہے کہ بعض بڑے بھاری سرکاری عہدہ دار بھی اس میں شامل ہیں۔ ہم بھی پال مال گزٹ کی

---

[1] پٹنہ کا واقعہ جس کی تحقیق بہ آسانی ہو سکتی تھی وہ ایک یورپی اخبار سے جو خود اسے دوسرے اخبار سے لیتا ہے، نقل کرنا مناسب نہ تھا۔ [2] کیا پولس کو ہدایت

رپورٹ دیکھنے کے نہایت مشتاق ہیں ۱/۸ "پال مال گزٹ نے پر رپورٹ طور ر
سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ انگلینڈ میں بھی لڑکیوں کی تجارت ہوتی ہے
غریبوں کی لڑکیاں امیروں کے مصرف میں آنے کے لئے پالی جاتی ہیں اور
صرف یہی نہیں کہ انگلینڈ میں بلکہ غیر ملکوں میں چالان کی جاتی ہیں" ۱۵/۸ انگلستان
سے عورتوں کو دھوکا دیکر باہر بھیجنے کے حالات ۴ کالم ۲۴/۸)

خود مدیر کو انگلستان سے ذاتی واقفیت نہ تھی اور کبھی کبھی ایسی باتیں شائع ہو جاتی تھیں جن
سے غلط فہمی پیدا ہو سکتی تھی مثلاً ۱۸۸۵ء میں رفیع الاخبار سے نقل ہوا ہے کہ انگلستان میں مشہور کر لیا [illegible] ہم کو
انگلستان کی سیاسی جماعتوں کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی گئی ہے: "چاہے کوئی فرقہ
غالب ہو ہمارے لئے کچھ ایسا فائدہ نہیں.. تا راجہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت.. ہمارے لئے گلاڈسٹن یا سالسبری
کیمبرلی یا رینڈولف چرچل سب ایک ہی ہیں.. ہمارے بعض ہم وطن یہ امید کر رہے ہوں کہ لبرل فرقہ ہندوستان
کے ساتھ انصاف کریگا لیکن.. ہم ہرگز ایسی امید نہیں کر سکتے.. ہم جو کچھ امید کر سکتے ہیں وہ خاص خاص شخصوں سے ہے
نہ کہ فرقوں سے"۔ مگر اس کے باوجود جھکاؤ لبرلوں کی طرف ہے چنانچہ "خدا
کرے سچ ہی ہو" کے عنوان سے ظاہر ہے جس کے تحت ایک مختصر سے اس خیال سے
بحث کی ہے کہ انتخاب میں لبرل کامیاب ہوں گے ۹/۱۱ ۱۸۸۵ء میں انگلستان میں
[illegible] کی گئی ہے کہ مسٹر اسٹیڈ ایڈیٹر پال مال گزٹ اور بعض دوسرے اشخاص کے خلاف ایک
لڑکی کو چھپا رکھنے کا مقدمہ دائر کیا جائے۔ ۱۲/۱۱ ایڈیٹر پال مال گزٹ کو بجرم اغوا ۳ ماہ کی سزا ملی [illegible] اخبار
مذکور کے خلاف نہایت نا ملائم [illegible] ہے۔ اس کی فروخت ریلوے اسٹیشنوں پر ممنوع کر دی گئی ہے اور کئی
کلبوں سے خارج کر دیا گیا ہے۔ ۲۳/۱۱ اس اخبار کا ایک ایک پرچہ آسٹریلیا میں ۵ شلنگ کو بکا ۷/۱۲ [illegible]
رسالہ تمام انگلستان میں مشہور [illegible] کے لئے اشتہار کسی تمام اخبار میں نہیں دیکھا ایک خاص [illegible]
گزٹ دیا اسی قسم کا کوئی اور نام ہے جس میں اس قسم کے اشتہارات شائع ہوتے ہیں

عام انتخاب تھا' اور ایک ہندوستانی لال موہن گھوش بھی جنھیں کنسرویٹو کا لابرل کہتے تھے' لبرلوں کی طرف سے امیدوار تھے' جن کی شکست پر کراںکل نے اظہار افسوس کیا تھا[۱۲]- ایک انگریز جون پیر سے بھی ہندوستانیوں کو ہمدردی تھی' چنانچہ ان کے انتخاب کے اخراجات کے لیے ام گھوش' محمد یوسف' ساگرام سنگھ' امیر علی' وغیرہ کے دستخط سے اپیل کی گئی تھی[۸] اور کچھ روپے جمع بھی ہوئے تھے' لیکن سر جون فیر نے اس کے لینے سے انکار کر دیا[۹]

(۲) جرمنی: "جرمنی کو نو آبادیوں کا جنون" از مدیر[۹]

(۳) "برہما" جنرل برنڈرگسٹ قیصر کے اس مشہور مقولے کو جس کا ترجمہ رسیدیم و دیدیم و کردیم فتح ہے بخوبی استعمال کر سکتے ہیں۔ منڈ لے مسخر ہو گیا تھیبا قید کیا گیا اور اس کا ملک سلطنت برطانیہ میں ملحق کر لیا گیا بس انھیں چند لفظوں میں اس مختصر لیکن پر سانحہ جنگ کا نتیجہ ہے جو کچھ خوشی ہو سکتی ہے وہ صرف اس امر سے کہ یہ نتیجہ بہت سی جانیں ضائع کیے بغیر حاصل ہوا۔ اگر کبھی آزادی خون سے خریدی جاتی ہے تو یہ بہت کم خون بہا کر بیچی بھی جا سکتی ہے اور برہما والوں نے دنیا کے سامنے ایک پر تاثیر مثال اس کی پیش کی ہے کہ کیونکر ایک قوم اپنی آزادی چپ چاپ اجنبیوں کے نذر کرتی ہے لیکن برہما کی کمزوری و بزدلی کی نسبت چاہے جو کچھ کہا جائے ہم تو اس فتح و الحاق کی وجہ نہیں سمجھ سکتے اور ہم انگریزی مدبروں کی راستبازی کے چاہے جس قدر قائل ہوں.. اس کارروائی کے قرین عقل و انصاف ہونے پر گفتگو کرنے سے باز نہیں رہ سکتے سلطنت برہما دلکڑی کے تاجروں کا اختلاف .. ایک خانگی معاملہ تھا اور کوئی عقل والا

آدمی اس حیلے سے .. مداخلت کو قرین انصاف نہیں کہہ سکتا .. تھیبا اک خراب حکمران اور ظالم وجابر بادشاہ تھا .. اس کو علیحدہ کر دینا نہایت مناسب .. ہم .. تسلیم کرتے ہیں لیکن صرف انگریزی گورنمنٹ کو اس اصلاح کے عمل میں لانے کا کون ساحق تھا؟ کیا انگلستان چپ چاپ رہتا اگر اس کی ہمسایہ سلطنت چین تھیبا کو تخت سے اتار دیتی؟ .. ہم اس الحاق برجس پہلو سے نظر کرتے ہیں ہر طرح سے غیر منصفانہ وزبردستی کا ہے۔ اصل یہ ہے کہ بجلد ار برٹش انٹرسٹ یعنی برطانیہ کا نفع .. مقصود اصلی تھا، کیونکہ یہی بیر دک نفع ہر جگہ موجود رہتا اور ہر بات کو جائز کرتا ہے، بعض ظریفوں نے بڑے عمدہ طور سے یہ بیان کیا ہے کہ انگلستان نے برہما کو اس غرض سے لیا ہے کہ تجارت کے بے مزاحمت رہیں کھل جائیں اور چند سوداگر بچوں کو نوکریاں مل جائیں اور سب سے بڑھکر یہ کہ مصر وافغانستان میں جو دُہے فائع ہوئے اور ذلت نصیب ہوئی اس کا مکافات ہو جائے اور شیر انگلستان غریب تھیبا پر اس لئے جھپٹا کہ مہدی وعلی خالوف نے اس کو نیچا دکھایا تھا۔ اگرچہ ظریفوں نے ہماری گورنمنٹ کے فیاضانہ ارادوں کے سمجھنے میں غلطی کی ہے لیکن زبان کون روکے"۱۲

مصر و سوڈان: دار مستتر نے جو کچھ کہا تھا (اس کا ذکر آگے آئے گا) اس کے باوجود مہدی علی منیر نواز جنگ کے اس قول کو صحیح سمجھنے سے چارہ نہیں کہ مہدی موعود کی وہ تمام نشانیاں جو احادیث میں درج ہیں مہدی سوڈانی میں موجود نہ تھیں اور یہ ممکن ہے کہ ہندوستان کے کچھ مسلمان اس کے دعوی امامت پر قہقہہ لگاتے ہوں عہ لیکن تاویل میں بڑی گنجائش ہے اور افریقہ

وعرب وغیرہ کے بہت سے مسلمان اس کے دعوے کو قبول کرنے لگے ہوں تو عجب نہیں، اور اس میں شبہ نہیں کہ انگریزوں کے خلاف اس کی کامیابیوں نے عالم اسلامی میں ہلچل مچا دی تھی اور ہندوستان میں بھی اس سے ہمدردی رکھنے والوں کی کمی نہ تھی۔ کم ازکم کرانکل ضرور اسے ایک بڑا آدمی سمجھتا تھا، جس کے ذریعے افریقہ کے وحشی متمدن بنائے جا رہے تھے (وفات پر جو مضمون نکلا تھا اس کا خلاصہ دیکھیے، گو ممکن ہے کہ اپنی اور تحریروں میں اس قدر صاف اظہار رائے نہ کیا ہو)

"مصر کی حالات انگلینڈ کے لیے سال بھر بڑے انتشار کا باعث رہے اور اگر مسٹر گلیڈ اسٹون کی جگہ کوئی دوسرا وزیر ہوتا تو اس ضعیف وغیر مستقل پالیسی کی بدولت جو خدیو کے ملک کی نسبت اختیار کی گئی ہے اس کی ساری شہرت وعزت کب کی برباد ہوتی رہتی۔۔ یہ پالیسی اس لیے ناکامیاب ہوئی کہ یہ خود ان کی پالیسی نہیں ہے، یورپ کی سلطنتوں اور انگلستان کے دیوان خاص اور خاص اپنی رائے وفہم وفراست کے اثر میں مبتلا ہوکر مسٹر گلیڈ اسٹون سال بھر۔۔ بدعملی میں پڑے رہے اور اس لیے کوئی حیرت کی بات نہیں ہے اگر ایک وقت مصر کو خالی کر دینے کی پالیسی اور دوسرے وقت معاملات مصر میں حد سے بڑھکر دست اندازی کرنے ۔۔ کی صلاح اس انتشار و دوعملی کا نتیجہ ہوئی ۔۔ عربی پاشا کو سر کرنے کے بعد، مہدی کی متعصب جماعت کے ہاتھوں سے مصر کے سلامت رہنے کی کل امیدیں جس پر منحصر تھیں، خدیو کو تنہا چھوڑ دینا انگلستان کی ۔۔ ایک نامنصفانہ کارروائی ہوئی اور یہی بد جواب ۔۔ دی گئی اگر کچھ پہلے دی جاتی تو ۔۔ اس وقت

نہ تو مہدی کے سر کرنے میں دقت ہوتی اور نہ منفعت و لوگوں کی شکست نصیب ہوتی۔" [۱۲/۱] "ڈنگولا میں یہ افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ مہدی نے جنرل گارڈن کی درخواست کے بموجب اپنے سپاہیوں کو حکم دیا ہے کہ تم لوگ دریائے نیل پر سے گزر جاؤ کیونکہ دریا خشک ہو جائے گا، چنانچہ اس کے تین ہزار سپاہی غرق بحر فنا ہو گئے" [۱۲/۱] "مسٹر ولفرڈ بلنٹ نے جو۔۔ مہدی و مصر کے درمیان بیچ بچاؤ کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا اس کو مسٹر گلیڈسٹون نے نامنظور کیا۔۔ بہت اچھا۔ کیونکہ ممکن تھا کہ مسٹر بلنٹ بھی۔۔ کسی اور شہر کو دوسرا خرطوم بناتے اور اپنی رہائی کے لیے دوسری فوج کی روانگی کی ضرورت پیش لاتے" [۲] "لبرل گورنمنٹ کی خود غرضانہ پالیسی مصر میں" (ایک طویل مضمون) ہے غالباً ماخوذ۔۔ اس میں ایک انگریزی اخبار کے نامہ نگار اور مصر کے "معزز اور مقتدر" عہدہ دار کی گفتگو بھی شامل ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انگریزوں کو مصر سے نکل جانا اور وہاں کے معاملات میں مداخلت سے گریز کرنا چاہیے" [۹/۲] "مصیبت سوڈان" گورڈن کی گرفتاری پر اظہار رنج اس سلسلے میں مہدی کی دغابازی کی طرف خفیف اشارہ [۱۶/۲] "مصر" اگر سوڈان میں لڑائی جاری ہی رکھنے کا ارادہ ہے تو مجوزہ لشکر سے کہیں بڑا" بھیجنا چاہیے [۱۶/۲] "مہدی کو برابر یورپین سے مدد ملتی ہے، چنانچہ اس وقت مہدی کے کیمپ میں دو اعلیٰ درجے کے یوروپین کام کرتے ہیں" [۹/۲] "مہدی نے مسٹر الیورین فرانسیسی کو اپنا وزیر مقرر کر کے خاص سفارت کے لیے یورپین دربار میں بھیجا ہے" [۹/۲] "الیورین۔۔ نے۔۔ اسلام قبول کر لیا ہے" [۱۶/۲] مہدی کے ایک "ایلچی" وارد انگلستان کے عربی اعلان کا ترجمہ انگریزی

اخباروں میں چھپا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مہدی صرف ایسی شرطیں قبول کرسکتا ہے جن سے مسلمانوں کا فائدہ ہو" اس کی سفارت یہ ہے کہ مسلمانی دنیا میں تہذیب پھیلائے نہ کہ تباہی۔" ۲۳/۲

عثمان دغما "مہدی کا دہنا ہاتھ" کے والدین فرانسیسی تھے اور وہ فرانس میں ۱۸۳۳ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی ماں نے ایک مسلمان سے شادی کی، اور بعد کو وہ مسلمان ہوگیا۔ یہ فنون سپہگری سے واقف اور متعدد زبانوں سے آشنا ہے۔ خدیو نے اسے سپہ سالار مقرر کیا تھا لیکن "چند روز کے بعد" ناراض ہوکر نکال دیا۔ یہ مہدی کا داماد ہے اور "اس کی ہمت و جرأت کا خوف بڑے بڑے انگریزوں پر غالب" ۲۳/۲ دغما کی موت کی خبر پایۂ صداقت کو پہنچ گئی ۲۳/۱۱

"مہدی.. سلطان.. کو اصول ملت سے ہٹا ہوا بیان کرتا ہے" ۱۸/۴۔ فرانسیسی پروفیسر دارمستتر نے اپنی ایک تقریر میں بتایا تھا کہ مہدی میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو پیغمبر اسلام میں تھیں اور پیشین گوئیوں کے مطابق مہدی موعود میں ہونی چاہییں ۱/۶۔

"حسرتیں اس کی ٹپکتی ہیں مرگ مہدی یہ کیا کیا تو نے"

اس بڑے شخص کی وفات پایۂ ثبوت کو پہنچی جاتی ہے.. سچا جاں نثار قوم اور غایت درجے کا اولوالعزم تھا۔ دنیا کی تواریخ میں جو کام اس نے کیے وہ معدودے چند ہی لوگوں کو نصیب ہوئے ہیں اور اگر اس کو بہتر موقع ہاتھ آتے تو.. بنی نوع انسان کے ساتھ اور بھی بھلائی کرتا.. سلطنت انگلشیہ نے بے ضرورت اس بڑے شخص کے..

کاموں میں درست اندازی کی جن کے مقاصد یہ تھے کہ سوڈانیوں میں بناجوش پھیلے اور وہ لوگ وحشیانہ زندگی چھوڑ دیں۔۔ درست اندازی نہ ہوتی تو وہ ضرور۔۔ کامیاب ہوتا۔۔"[۲۴]

(۵) روس: ۸۵ء میں اس کا بڑا اندیشہ تھا کہ سرحد ہند سے بہت قریب آجانے کی وجہ سے روس و انگلستان میں جنگ ہو جائے دونوں میں سمجھوتا ہو گیا' لیکن اس سے ہند میں انگریزوں کے وقار کو صدمہ پہنچا (دیکھیے کرامکل کی رائے دربارہ الحاق برما)

وصیت نامہ پیٹر اعظم زار روس: "مخفی نہ رہے کہ خدائے پاک نے قوم روسی کو تمام یورپ کی حکمرانی کے لائق پیدا کیا ہے' یورپ کی بہت سی قومیں اب پرانی ہو گئی ہیں۔ ایک وقت ہو گا کہ ان کے ملک نئی اور جوان قوموں سے آباد ہوں گے۔۔ ہدایت نامہ = (۱) قوم روسی ہمیشہ جنگ و جدل میں گرم رہے' تاکہ عزم اس کا سرد نہ ہو جائے۔ ۲۔۳۔ یورپ کے کل جھگڑوں۔۔ میں حتی الامکان روسی شریک ہوں خاص کر جرمنی میں۔۔ اس سے روس کا بڑا فائدہ ہے۔ ۴۔ پولینڈ میں تنازعہ کرادیں۔۔ فوج روس کے پولینڈ میں داخل کرنے کے لیے۔۔ بہانہ ڈھونڈتے رہیں' بہ شرط ضرورت ملک مذکور کو نواح کے حاکموں میں تقسیم کریں۔۔ بعد ازاں حسب موقع عمل کریں۔ ۵۔ سویڈن کا جو ملک ملے اسے لیں اور اس کو ڈنمارک سے علیحدہ کریں۔۔ ۶۔ جہاں تک۔۔ ہو سکے قسطنطنیہ دارالخلافہ ترکی اور ہندوستان تک پہنچ جائیں۔ جو شخص ان دونوں ملک پر حکمرانی کرے گا وہ تمام دنیا کا فرماں روا ہو گا۔۔

مناسب ہے کہ ہمیشہ ترکی اور ایران سے لڑتے رہیں .. ۱۱-جب سویڈن کی طاقت گھٹ جائے گی، ایران اطاعت اختیار کرے گا، پولینڈ محکوم اور ترکی مفتوح ہو جائے گا.. تب نخ کے طور پر شاہنشاہ فرانس اور پھر بادشاہ دالنا سے یہ پیغام ڈالیں کہ آؤ ہم.. تینوں مل کر تمام عالم کو زیر کریں اور بعد فتح.. آپس میں تقسیم کریں۔ اگر ان دونوں.. میں سے کوئی۔ قبول کرے تو اس کی مدد سے دوسرے بڑے بادشاہ کو زیر کرنے کی تدبیر کریں، پھر اور چھوٹی سلطنتوں کو کالعدم کریں.. ۱۲۔ اگر.. ان دونوں بادشاہوں میں سے کوئی.. منظور نہ کرے تو وہ تدبیر کرو کہ جس میں اُن کے آپس میں تنازع پیدا ہو اور جب.. لڑلڑ کر کمزور ہو جائیں اس وقت روس کی فوج کثیر دالنا.. پر محیط ہو.. اس طرح تمام یورپ فتح ہو جائے گا اور ساری دنیا میں ایک اکیلا شہنشاہ روس کا سلطنت کرے گا"

ٹائمز کے نامہ نگار سینٹ پیٹرزبرگ نے ایک چٹھی کا ترجمہ دیا ہے جس کا لکھنے والا این ایس ہے جس کی نسبت عموماً خیال تھا کہ یہ دراصل جنرل سوبلاف کی ہے۔ یہ سوئی ملیٹری گزٹ میں چھپا تھا اور اس کا اردو ترجمہ کوہ نور نے شائع کیا تھا۔ گراصل میں یہ بڑی چٹھی ہے، ذیل میں اس کے جستہ جستہ فقرے درج ہیں: "ہمیں خود ہندوستان کی ضرورت نہیں، ہم.. چاہتے ہیں.. کہ باسفورس پر قبضہ حاصل کریں اگر انگلینڈ.. سدراہ نہ ہو تو ہم ہندوستان میں اس کی حکومت کو مدد دینے کے لیے مستعد ہیں.. رہی ہندوستان پر فوج کشی.. کی مشکلات، سو کیا صاف ظاہر نہیں ہے کہ وسط ایشیا کی موجودہ حالتوں اور ہمارے اعلیٰ رتبے سے جو ہمیں وہاں حاصل

ہے، روسی فہم کو اسکندر اعظم، چنگیز خان، تیمور، نادر شاہ اور دوسرے حملہ آوروں کی نسبت بہت ہی کم مشکلات پیش آئیں گے۔ اور اگر ہم ہندوستان میں داخل ہو کر منادی کر دیں کہ اہل ہند کو انگریزی جوئے سے خلاص کیا گیا، اور جب انگریزوں کا اس ملک سے استیصال ہو جائے تو ان کو مختار کر دیں تو کیا اعتراض ہے! ہندوستان میں ہمارے دوست اس کثرت سے ساتھ ہوں گے جیسے آسمان پر ستارے۔ انگریز اس پر غور کریں۔"

۲۲/۳ انگلش مین یہ۔۔ سن کر کہ گورنمنٹ روس دیسی اخبارات کی خریداری کیا چاہتی ہے از حد ناراض۔۔ ہے"

"وسط ایشیا کی نازک حالت" (مدیر کا مضمون): ۲۲/۳: "عزت کے ساتھ جنگ کرنا بے عزتی کی صلح سے بہتر ہے اور وہ صلح جو مسٹر گلیڈسٹون۔۔ روس کے ساتھ۔۔ چاہتے ہیں، وہ علاوہ مبنی بر اہانت ہونے کے چند روزہ سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔ وسط ایشیا میں لڑائی ضرور ہونی چاہیے۔"

روسی چڑھائی کی نسبت مسلمانان ہند کی رائے: ۲۳/۳ و ۱۶ مہدی علی، منیر نواز جنگ کی چٹھی جو بمبئی گزٹ میں چھپی تھی اس کا ترجمہ (ماخوذ از اردو گائیڈ): "۔۔ جو لوگ باشندگان ہندوستان کو آمادۂ بغاوت کہتے ہیں وہ مسلمانان ہند کو سب سے زیادہ آمادۂ بغاوت بتاتے ہیں، اس کو میں رد کرتا ہوں۔ مسلمانان ہند پر برٹش گورنمنٹ کا مطیع ہونا ایک نوع واجب ہے۔۔"

"وسط ایشیا کی نازک حالت" (از مدیر): ۲۴/۳: روس نے وسط

ایشیا میں جنگی دھمکی دے کر.. اس بات کا بہت عمدہ موقع دیا کہ ہم لوگ اپنی وفاداری کا.. قوی ثبوت دیں..''

۲۷/۴ ''سینٹ پیٹرسبرگ کے بڑے بڑے اخبار یہ رائے دیتے ہیں کہ افغانستان و بلوچستان پر کامل قبضہ کر لیا جائے''

۲۲/۶ ''خبر ملی ہے کہ شہنشاہ روس عن قریب سائبریا اور ریاستہائے وسط ایشیا کے بادشاہ کا خطاب اپنے لیے حاصل کریں گے''

۲۲/۷ ''پیرس کا ایک اخبار فرنکلیتس لکھتا ہے کہ ایک ہندوستانی جو اپنے تئیں مشہور ناناصاحب کا لڑکا قرار دیتا ہے روسی فوج کا افسر ہے اور وہاں اس نے بہت اعزاز حاصل کیا ہے''

۲/۷ ''کلکتہ میں روس کا خوف بزدلی سے نمایاں ہو رہا ہے''

۲۲/۸ ''یورپ کے لوگوں کا خیال یہ ہے کہ بالآخر انگلینڈ کو روس سے ہار ماننا پڑے گا''

۲۷/۸ ''اخبار ٹریبیون میں ایک اینگلو انڈین نے انگریزی اور روسی حکومت کے مقابلے پر اپنی تحریر شائع کی تھی جس میں روسی انتظام کو ترجیح دی.. گئی...''

''جنگ روس کے لیے ہماری تیاریاں'' ۱۲/۹ اخبار عام کا طویل مقالہ

۵/۱۰ ''زار روس کا شہنشاہ وسط ایشیا کا خطاب لینے کا جشن آئندہ سال تک ملتوی رہا کیوں کہ ٹرینس کاسپین ریلوے جب مرو اور بخارا میں جاری ہو جائے گی تب یہ جشن سمرقند میں کیا جائے گا''

۱۱/۵ ''خیال کیا جاتا ہے کہ پال مال گزٹ۔ جو روسیوں کی تائید..

میں لکھا ہے اس کو روسی گورنمنٹ نے .. رشوت دی ہے"

۱۹/۵ "حال میں ایک بنگالی بابوؤں کا ڈیپوٹیشن پوسٹ ماسٹر دیناپور کے پاس یہ دریافت کرنے گیا تھا کہ اگر یہاں روسی اگر قابض ہو گئے تو ان کی پنشنوں کا کون ذمہ دار ہوگا"

۱/۶ "کرنیل علی خانوف کی سوانح عمری": (اس کا نام نزاع روس و انگلستان کے سلسلے میں آتا رہا ہے) اصلی نام مقصود علی خاں ہے۔

۶/۷ ہند اور وسط ایشیا کی انگریزی حکومت پر جنرل انکاف کے خیالات از رفیق ہند:۔ مقدم الذکر کی مذمت: "خود ایک انگریز نے اعتراف کیا ہے کہ مسلمان فاتح بہ نسبت انگریزوں کے .. رعایا کی بہبود کا زیادہ تر خیال رکھتے تھے۔ وہ اعلیٰ درجے کی شہنشاہی عمارتیں جو مسلمان فاتحوں نے تعمیر کرائی تھیں انگریزوں کے عہد میں تباہی کی حالت تک پہنچ گئی ہیں) زراعت پیشہ لوگوں کی حالت خراب، صنعت تباہ غرض صرف انگریز تاجروں کے فائدہ سے ہے" ۲/۷ جنرل انکاف نے لکھا ہے کہ میرا مضمون ہندوستان میں بڑی دلچسپی سے پڑھا گیا اور مختلف اخباروں نے اسے نقل کیا۔ میں شکر گزار ہوں۔ (اس مضمون میں روسی حکومت کا ذکر اور اس کی تعریف)

۲/۸ "روس کے ساتھ لڑائی کا احتمال روز بروز قوی ہوتا جاتا ہے"

۱۴/۹ "زار روس شہنشاہ وسط ایشیا کا خطاب قیصر ہند کی ضد سے لیتے ہیں"

۲/۱۱ مظفر الدین امیر بخارا نے جو روسیوں کے ہاتھ میں ایک

کھلونا تھے قضا کی گمان ہے کہ روس بخارا پر قبضہ کرے گا۔

۱۱/۲ ایک سیاح کہتا ہے کہ روسی سپاہی اول درجے کا جاہل متعصب اور بہادر ہوتا ہے خوراک اور پوشاک کے بارے میں .. شدید سے شدید تکلیف برداشت کرتا ہے۔" ۱۱/۲

۱۱/۴ "قسطنطنیہ کے اخبار ہندوستان کی پیشقدمی پر روس کے ہمدرد ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ روس ہندوستان پر مسلمانوں کے حقوق کی طرف دوگنا متوجہ ہوا ہے"

(۶) ترکی ۱۱/۲ "جس وقت کہ وسط ایشیا اور سوڈان کے معاملات کی سرگرمی تھی جو سلطان روم کی روس و انگریز دونوں خوشامد کرتے تھے.. اس کا تصفیہ بھی ہونے نہیں پایا تھا کہ ایک دم سے دو صوبے رومیلیا و البانیا باغی ہو گئے۔ ایک طرف سے یونان نے دھمکی دی اور دوسری طرف سے سردیا نے سر اٹھایا۔ سلطان المعظم نے صبر و تحمل سے کام لیا اور یورپ کی سلطنتوں سے ان بغاوتوں کے فرد کرنے کی درخواست کی۔ انگلستان نے یونان و رومیلیا.. کو سرزنش کی رومیلیا تو مانگیا لیکن یونان ابھی دردں نیچے بردں کی حالت میں ہے۔ سب سلطنتوں کے اتفاق سے رومیلیا کے بارے میں.. مجلس شوریٰ منعقد ہونے والی تھی، ابھی تک اس کے نتیجے کی اطلاع نہیں آئی.." مدیر

"اخبار انڈین اسپکیٹر لکھتا ہے: انگلینڈ کو ترکی سے جو کچھ تعلق ہے اس کو معاملہ بلغاریہ کے انفصال میں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے یہ تعلق نہ صرف مصر سے ہے بلکہ ہندوستان کے مسلمان شہزادے اور

مسلمان باشندوں کے ساتھ ہے.. اگرچہ سلاطین یورپ سلطنت عثمانیہ کی تباہی کے درپے ہوں گے تو مسلمان کو بڑا صدمہ پہنچیگا۔ یہ خطرہ روسی پیش قدمی کے خطرے سے بہت زیادہ ہے.."

(۷) افغانستان: روس کے اقدام کی وجہ سے ۱۸۸۵ء میں افغانستان کو کافی اہمیت حاصل ہو گئی تھی۔ امیر عبد الرحمٰن نے راولپنڈی میں لارڈ ڈفرن سے ملاقات کی تھی؛ ان کے متعلق ہندوستان میں متضاد خبریں شائع ہوا کرتی تھیں، کبھی یہ کہ دراصل وہ روس سے ملے ہوئے ہیں ۲/۲۲ اور کبھی یہ کہ وہ دل سے انگریزوں کے ساتھ ہیں ۲/۹ ۔

۱/۵ "رسالدار میجر مرزا عطاء اللہ خاں سردار بہادر: افضل خاں کی جگہ پر کابل میں انگریزی سفیر مقرر ہوئے ہیں"

۱۲/۲ "پاینیر" لکھتا ہے: کرنل اسٹوارٹ کی پارٹی ہرات میں پہنچی تو ہرات کے خاص خاص ملاؤں نے مسجد میں.. دعا مانگی کہ ان کا آنا.. بطور برکت ہو.. ملا.. ہمارے طرفدار ہو جائیں تو افغانستان ایک معتبر رفیق ثابت ہو گا"

پہلے افغانوں کا خیال تھا کہ انگریزوں کا ارادہ راولپنڈی میں امیر کو بہکانے کا تھا "بہت سے تحائف اور "نئی نئی عورتیں" لے کر افغانستان واپس جانے کا بہت "عمدہ اثر" پیدا ہوا ہے۔ (یہ خبر بھی عجب نہیں کہ پانیر ہی سے لی گئی ہو۔ "ارادہ" سے پہلے لفظ "ہمارا" ہے۔

۱۲/۲ کابل کی وحشیانہ سزائیں.. سزاؤں کے نام یہ ہیں قین فانا، کنڈاشقہ، غوغزا، بندی، پوست کشیدن، تکہ تکہ کردن، برلوپ پر اندن

"قین قانا سزا" افرادِ جرم کے لیے دی جاتی ہے.. زمین میں ایک بڑی سوئی میخ گاڑ دیتے ہیں یہ درمیان سے شگاف دار ہوتی ہے' اس کو پہلے.. کھولتے ہیں' پھر اس کے اندر مجرم کا پاؤں دیا جاتا ہے۔ تمام انگلیوں سے خون کے فوارے چھوٹے لگتے ہیں'.. اس پر بھی ۔ اقبال نہ کیا تو اسے.. تور پر بلٹ دیتے ہیں۔ اس تعذیب سے اکثر مجرم مر جاتے ہیں شقہ کی سزا کابل کے زنجیر دروازے میں دی جاتی ہے جو خاص اسی کام کے لئے.. ہے۔ اس دروازے کے درمیان ایک آہنی زنجیر لگی ہے.. مجرم۔ کو اس زنجیر سے.. لٹکا دیا جاتا ہے اور دو تیز گھوڑوں کو ایک رسی سے باندھتے ہیں اور اس رسی کو مجرم کی کمر سے لپیٹ دیتے ہیں اور پھر ایک گھوڑے کو ایک طرف اور دوسرے.. کو دوسری طرف چابک مار کر دوڑا دیتے ہیں کہ جس سے مجرم کا بدن شق ہو جاتا ہے' اور اس سے اس کا نام کنڈا (کذا)۔ کاٹھ مارنے کی سزا ہے جو کسی زمانے میں یہاں بھی جاری تھی۔ بندی کی سزا قید ہے' مگر قیدیوں کو اندھیرے کوئیں میں ڈال دیتے ہیں اور پھر ان کی کوئی خبر گیری نہیں کی جاتی۔ غرغری کی شکل انگریزی پھانسی سے ملتی ہے.. مجرم کو زمین پر کھڑا کرتے ہیں اور اس کے گلے میں ڈال کر کھینچ لیتے ہیں"

مارننگ پوسٹ لکھتا ہے کہ امیر کے خزانے سے جو دس کروڑ چوری گیا ہے یہ روپے کہاں سے آئے؟ خیال ہے کہ روسیوں سے رشوت ملی ہوگی۔[۳۴]

امرت بازار پتر کا نے حال میں دربار راولپنڈی کے متعلق ایک مکالمہ درج کیا ہے جو خالی از لطف نہیں:

وائسرائے : آپ مینہ برسنے میں آئے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے خوش طالع ہیں، جیسے کہ پیاسی زمین پانی پی کر سرد ہو گئی ہے اسی طرح سے آپ کے دوست بھی۔

امیر : لیکن کل رات کو میرے پلاؤ میں نمک بہت زیادہ پڑ گیا، میں اپنے ملک میں اس شخص کو مار ہی ڈالتا کہ جو اس طرح سے پلاؤ پکواتا۔ میں جانتا ہوں کہ روسی میرے واسطے اس سے اچھا پلاؤ پکوائے۔

وائسرائے : لیکن مجھ کو بہت سے دقیق امور پر آپ سے بحث کرنا ہے، آپ کو — پلاؤ کی سب سے زیادہ فکر ہے معاف کیجئے، ہندوستان میں ہم لوگ زیادہ نمک کھاتے ہیں، آیندہ سے بہت کم نمک آپ کے کھانے میں ہوا کرے گا۔

امیر : تو ہم کو نمک کھلا کر اپنا وفادار بنانا چاہتے ہیں، میری ۲۱ ضرب کی سلامی آپ نے کیوں کی؟ کیا میں نظام اور مہاراجہ کشمیر کے برابر نہیں ہوں؟ کیا میں سلطان سے دوسرے رتبے میں خود مختار بادشاہ نہیں ہوں؟

وائسرائے : اگر آپ کو توپوں کی زیادہ پرواہ ہے تو جس قدر کہیے دغا کریں۔

امیر : اچھا آیندہ سے ایک سو ضرب توپ کی سلامی ہوا کرے اب ہم کو اتفاق کی بابت گفتگو کرنا چاہیے۔

وائسرائے : اب حالات بیان کیجیے اور اتفاق کی بابت امور کا کچھ ذکر کیجیے۔

امیر: ہمارا اور آپ کا اتفاق دائمی رہے۔

وائسرائے: آمین' آپ کا مزاج مثل بہت بڑے سمندر کے ہے کہ اس میں تھاہ ہی نہیں۔

امیر: قیصر ہند.. کا سن بہت ہو لیے ہیں نے سنا ہے کہ ان کی لڑکیاں بہت سی ہیں.. دو یا تین حوریں میرے حوالے کی جائیں.. قیصر میری ماں ہوں اور میں ..ان کا لڑکا۔

وائسرائے: قیصر ہند تو بے شک اس میں خوش ہوں لیکن شاہزادیوں کی شادیاں ہو گئی ہیں۔

امیر: یہ ایک چھوٹی سی بات ہے... ملا فتوی پڑھ دیں گے اور طلاق ہو جائے گی۔

وائسرائے: شاہ زادیاں آزاد ہیں اور ان کے خاوندوں کو قیصر ہند سے کوئی تعلق نہیں اور علاوہ اس کے ہمارے یہاں کا قانون طلاق بالکل آپ کے یہاں سے جدا گانہ ہے

امیر: میں دیکھتا ہوں کہ آپ کو اس میں عذر ہے۔ اچھا صلح پیام (کذا) ہند مجھے کابل جانے دیجیے۔

وائسرائے: لیکن آپ واپسی کے وقت روسیوں کو ہرات پر قابض دیکھے..گا اس پر امیر صاحب کو غصہ آیا اور وہ بے ہوش گر پڑے۔ عرق گلاب چھوڑا گیا تب ہوش میں آئے۔ اس کے بعد دوسرے اور تیسرے روز کی فرضی گفتگو) ۱/۱۲ اگر یہ غلط ہے تو کیا ہونا چاہیے؟

پچھلے اخبار میں وہ اشتہار .. ناظرین دیکھ چکے ہیں جو امیر کابل نے اسی

خوف (جنگ روس) کے متعلق اپنے ملک میں دیا ہے۔ آج ایک .. ہم عصر صاحب نے دوسرا اشتہار اسی بارے میں دیا ہے جو امیر .. نے دیا ہے اور جس میں .. لکھا ہے کہ آپس کے اختلاف اور خانہ جنگی کو دور کریں اور سب متفق ہو کر خواہ روسیوں سے یا انگریزوں سے، یعنی ان میں سے جو کوئی کہ افغانستان پر قبضہ کرنا چاہے اس سے مقابلہ کریں۔ جو قومی قبیلہ بہ وقت جنگ امیر کے ساتھ .. ہو گا اس کو ہتھیار اور آذوقہ امیر کی سرکار سے مفت دیا جائے گا .. وہی صاحب لکھتے ہیں کہ ایک سیاح کابل کا بیان ہے کہ امیر کے وزیر کا قول ہے کہ امیر .. کو راول پنڈی کے دربار سے .. خوشی اور تسلی حاصل نہیں ہوئی۔ وائسرائے کے باب میں ان کا یہ قیاس ہے کہ یہ جس قدر زیادہ گو ہیں، اتنے ہی بخیل بھی ہیں۔ ان کو یہ امید تھی کہ .. بیس لاکھ روپیہ اور لاکھ راکفل سے کم نہ دیویں گے ..“ از اخبار عام $\frac{5}{9}$

۶ اشخاص | پرنس آف ویلز: $\frac{5}{1}$ ”مخالف اخبار اب لکھتے ہیں کہ پرنس آف ویلز کو ضرور قتل کرنا چاہیے (نہ معلوم ”قتل کی جگہ دراصل کیا تھا)

$\frac{2}{3}$ ”حکیم حاذق الزماں مرزا اشرف علی خاں .. بہادر دہلوی شاگرد رشید حکیم امام الدین خاں دہلوی مرحوم جو سابقاً .. دکٹوریا گنج لکھنؤ میں ۶ سال سے مطب فرماتے تھے جن کی نسبت اڈیٹر انوار محمدی وغیرہ نے بھی اشتہارات دیے تھے، .. گولکھ پور، باکی پور میں مطب فرماتے ہیں ..“ اشتہار از جانب مدیر

آزاد: $\frac{29}{9}$ ”کوہ نور $\frac{22}{9}$ لکھتا ہے: اس ہفتے میں .. مولوی محمد حسین

.. آزاد بہ حصول رخصت بہ نیت زیارت عتبات عالیات و سیاحت فارس و عربستان روانہ ہونے والے ہیں؛ غالباً آج شام کو روانہ ہوں۔ ہم کو معلوم ہوا ہے کہ .. اس سفر میں تو تصنیف کتب علوم و فنون کی ہم پہنچائیں گے .. اور قدیم .. بھی تلاش فرما کر .. ہمراہ لائیں گے .. مولانا .. نے ایک معتد بہ حصہ رُپے کا یعنی کل اپنی عمر کا حاصل ایسے خیر محض کاموں کے لیے وقف فرمایا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ بروقت مراجعت لاہور میں ایک کتب خانہ و آزاد کھولیں گے"۔ $\frac{6}{11}$ آزاد پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاہور ۱۰ اکتوبر کو بوشہر پہنچ گئے۔

شاہ امجد حسین سجادہ نشین منیر: $\frac{21}{9}$ اکبر دانا پوری کا لکھا ہوا قطعہ تاریخ وفات ۱۳۰۷ھ

شہ یافتہ از دست قضا مات شد افسوس	ان شاطر بے مثل زمانہ بد و ساخت
بشکست بیک چشم زدن نقشہ بساطش	منصوبہ خود راست کند یافت نہ فرصت
از گجر دختاں تافتہ رخ گشت بیک سو	چوں بادشہ گوشہ شطرنج بہ خلوت
اکبر چو گنم حالت ایں واقعہ تحریر	شاطر از اجل مات شدہ شد سن رحلت

احسن الدین احمد $\frac{13}{7}$ "مولوی احسن الدین احمد پسر سولی .. نواب امیر علی خاں بہادر جو اس وقت .. سول سروس میں بہ عہدہ اسسٹنٹ مجسٹریٹی مقرر ہیں، امتحان مقررۂ قانون میں کامل العیار نکلے اور امید قوی ہے کہ عن قریب ہم لوگ ان کو عہدۂ جوائنٹ مجسٹریٹی اور ججی پر فائز .. دیکھ کر شکر منعم حقیقی کریں کہ ہم مسلمانوں میں سید محمود .. کی طرح اور ایک مسلمان اس منصب عالی شان پر مرتقی ہے"۔

کرنیل ادلکٹ : کرنیل ادلکٹ تھیوسوفسٹ تھے' اور دوسرے مقامات کے علاوہ پٹنہ میں بھی ان کا لکچر ہوا تھا ۲۵ء اُنھوں نے پٹنہ میں اپنی تقریر میں کہا تھا کہ "میں ہندوستان کا دوست ہوں' اور میں نے اس کو اپنا گھر بنا لیا ہے"

تانیتا بھیل : ۱۱ء "آج کل تانیتا بھیل کی شرارت نے انگریزی پولس کو اُلو بنا رکھا ہے۔ تانت باجی اور راگ بوجھا مثل مشہور ہے 'تانیتا بولا پولس بھاگا'۔ اب بھی ہندوستان کی بعض .. ہیتا پوس (کذا) دیانوسی ریاستوں میں .. چوری کا وہ انتظام عمدہ ہے کہ باید وشاید' مگر ہماری گورنمنٹ نے چوری کے .. انسداد کو پولس کی دُم (کذا) کے بھروسے رکھا ہے جس میں اکثر ذلیل لوگ ہوتے ہیں .. بسا اوقات پیتے ہیں اور چپ ہو جاتے ہیں' چنانچہ تانیتا نے عجب دُم میں کھٹکھٹا باندھا ہے' کبھی تو پولس انسپکٹر بن جاتا ہے' اور گاہ سپرنٹنڈنٹ کا سانگ لاتا ہے' بہت سے افسران پولس کو .. ناک کاٹ کر برہنہ چھوڑ دیا .. ابھی تھوڑا عرصہ ہوا کہ رہتک کے علاقے میں ایک لپچو نامی جاٹ نے پولس کی دُم میں ہنگڑی باندھ دی تھی۔ اور ۲۰ کنسٹبلوں کو مع پولس انسپکٹر کے جو اس کے گرفتار کرنے جاتے تھے اُنھیں ہتکڑیوں سے جکڑ کر رکھ دیا' اور آپ تو دو گیارہ ہوا پولس صرف رعیت پر خوب کسر نکالتی ہے .. از اودھ پنچ ۔ ۱۱ء "پاینیر کے پاس کھڑکی کے ایک نامہ نگار نے لکھا ہے کہ مشہور ڈکیت تانیتا بھیل کی روز بہ روز شہرت ہوتی جاتی ہے اور لوگ اس سے خائف ہیں۔ .. دو فقیر دل سے .. ملاقات ہوئی ان میں سے ایک نے کہا کہ تانیتا بھیل غریب محتاجوں کو نہیں ستاتا ..

امیروں کو لوٹتا ہے،، ایک مرتبہ ایک ہیڈ کانسٹبل کے بارے میں اسے معلوم ہوا کہ اس کا دعویٰ ہے کہ میں تانیتا کو گرفتار کرلوں گا، حجام کے روپ میں اس کی حجامت بناتے ہوئے۔ اس کی تصدیق کرلی اور وہیں استرے سے ناک کاٹ لی اور یہ کہتا ہوا بھاگا کہ میں ہی تانیتا ہوں گرفتار کرو۔

از دار السلطنت: ۱۸۸۹ء تانیتا نے کھنڈوا کے ڈپٹی کمشنر کو اطلاع دی تھی کہ میں خزانہ لوٹنے آؤں گا (یہ ذکر نہیں کہ پھر کیا ہوا)

جمال الدین افغانی: ۲۵ ۱۸۸۱ء میں ہم نے اخبار عروۃ الوثقیٰ پر ریویو لکھتے وقت شیخ .. کا کچھ تذکرہ کیا تھا۔ مگر وہ صرف قیاسی تھا، اسی زمانے میں صاحب ایڈیٹر کوہ نور نے ان کی نسبت لکھا اور ذاتی تعارف کا ذکر بھی کیا جو .. حیدر آباد دکن میں ایک معقول عرصے تک ان کو حاصل رہا۔ اب پال مال گزٹ کے کارسپانڈنٹ نے پیرس سے ان کا کچھ حال لکھا ہے جس کا ترجمہ ہم سول سے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں: شیخ جمال الدین حسینی الافغانی جو آج کل پیرس میں ہیں ۱۸۳۷ء میں .. کابل کے درمیان ایک معزز خاندان سادات میں متولد ہوئے۔ سال (اس کے بعد ہندسہ غائب) کی عمر میں انھوں نے عربی زبان کی تحصیل شروع کی اور علم فقہ و اخلاق و فلسفہ وغیرہ میں کمال مہارت پیدا کی۔ جب ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کا مفسدہ ہو چکا، تو شیخ نے ہندوستان میں آکر اس کے ہر ایک حصے کی سیر کی بعد ازاں مکۂ معظمہ کو حج کو گئے اور وہاں سے براہ بغداد فارس اپنے وطن افغانستان کو واپس آئے یہاں اس وقت .. شیر علی خاں .. اور .. عبدالرحمن خاں .. کے درمیان رسہ کشی جھگڑا ہو رہا تھا، شیخ نے .. عبدالرحمن خاں .. کی طرفداری کی عبدالرحمن

خاں کو شکست ملی تو شیخ قسطنطنیہ کی طرف بھاگ گیا۔۔ اس کے علم وفضل کا شہرہ۔۔ پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا، علمائے قسطنطنیہ نے اس کو بڑی عزت وتعظیم سے قبول کیا، اور کوشش کرکے اس کو قسطنطنیہ کے محکمۂ تعلیم کی جماعت منتظم کا ممبر مقرر کرایا۔ کچھ عرصے کی سکونت کے بعد شیخ کو سلطنت ترکی۔۔ بدنظمی وبے انتظامی کا حال معلوم ہوگیا۔۔ انھوں نے ترکی کے خلاف مضامین لکھنے اور وعظ کہنا شروع کردیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ ان کو حدود سلطنت عثمانیہ سے ۱۸۷۱ء میں بدر کردیا گیا۔ اس کے بعد یہ مصر گئے، وہاں، مصر اور سوڈان کے بڑے بڑے علما ان کے شاگرد ہوئے۔ ان شاگردوں میں ایک۔۔ نامی گرامی شاگرد شیخ محمد احمد تھے جو اب مہدی سوڈانی کے نام سے مشہور ہیں شیخ نے قاہرہ میں اسمٰعیل پاشا کے برخلاف حملے کرنے شروع کیے اور اس کو۔۔ اسلام اور مصر کا ویران کرنے والا قرار دیا۔ شیخ نے اسمٰعیل پاشا کی معزولی میں سخت کوشش کی تھی، جب توفیق پاشا خدیو حال تخت نشیں ہوئے تو ان کے برخلاف بھی شیخ نے وعظ کہنا شروع کردیا اور بیان کیا کہ یہ۔۔ عیسائی سلطنتوں۔۔ کے ہاتھ کا پتلا ہے۔۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۸۰ء میں۔۔ مصر کی حدود سے بدر کردیا گیا اور ان کا کل اسباب ضبط کیا گیا

اس کے بعد شیخ پھر ہندوستان میں آئے اور یہاں تین سال اقامت کرکے پھر پیرس کو گئے۔ اب دو سال سے پیرس میں مقیم ہیں۔ شیخ اوقات کے نہایت پابند ہیں، علی الصباح بیدار ہوکر قرآن شریف کی تلاوت کرتے ہیں۔ بعد اس کے انگریزی وفرانسیسی اخباروں کا مطالعہ کرتے ہیں اور مختلف مضامین کے رسالے دیکھتے ہیں۔ پیرس میں۔۔ ایک رسالہ عروۃ الوثقیٰ

جاری کیا تھا۔ روس و انگلستان کی نسبت ان کی قطعی رائے ہے کہ اگر اب جنگ ہوئی تو.. اس کو سخت نقصان اٹھانا پڑے گا.. اس معاملے میں جس قدر دیر ہوگی اسی قدر روس کا فائدہ ہے۔ مہدی کی نسبت یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ چھوٹی سی عمر میں نہایت ذہین تھا اور علوم فقہ فلسفہ اور اخلاق وغیرہ میں مہارت تام رکھتا ہے.. مذہب اسلام کی تاریخ میں وہ مستند استاد خیال کیا جاتا ہے۔ عروۃ الوثقیٰ کے بہت تھوڑے پرچے ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ اس سے ان کے اعلیٰ درجے کی فضیلت کا اندازہ ہو سکتا ہے معلومات کے نہایت وسیع ہیں، علی الخصوص اسلام کی حمایت میں ان کے مضامین نہایت.. پرزور ہوتے ہیں۔ یہ شیخ.. بڑا اولوالعزم آدمی ہے' ترکی اور مصر کی رعایا کی نسبت ان کی خدمتیں قابل تحسین ہیں۔ ترکی کی نسبت ان کی یہ رائے ہے کہ یہ سلطنت جمہوری ہو جائے یا کم سے کم اتنا ہو کہ سلطان اہل حل وعقد کی رائے سے منتخب ہو۔ مصر کی نسبت ان کی رائے ہے کہ یورپین سلطنتیں اس میں مداخلت نہ کریں' (پنجابی لاہور سے ماخوذ)

مرزا داغ: ۸۳ء "یہ مشہور و معروف شاعر آج کل نہایت.. علیل ہیں ان کی پشت میں ایک پھوڑا نکلا ہے۔.. شگاف ہوا قریب ایک سیر کے.. مواد نکلا' بعد ہ' چند مسہل ہوئے.. نواب رام پور کی جانب سے معالجے کے لیئے نہایت تاکید ہے۔ خدا حضرت داغ کو صحت بخشے.. ان کے سبب سے اردو کی شاعری کو زیادہ عروج ہو رہا ہے" از کوہ نور

رام پال سنگھ: ۸۶ء "راجہ رام پال سنگھ تعلقدار رام پور اودھ جو کہ عرصہ سے انگلستان میں مقیم تھے۔ اور ایک اخبار بھی مسمیٰ ہندوستان نکالا تھا' اب

انگلینڈ سے .. مدراس میں حکیم صاحب پہنچے .. وہاں سے وطن جائیں گے"
ستی والے: ۲۱ "ستی والے بھی اتفاق سے اسی وقت مرگیا جب کہ سر بارٹل نے وفات پائی (ظاہرا واقعہ ۱۸۸۴ء) .. افریقہ کی ایک وحشی قوم کا بادشاہ تھا "لڑائی میں انگریزی فوج پر فتح پائی - اور آخر کار نہایت حیرت انگیز عجلت سے قید ہوگیا اور پھر اسی حیرت انگیز عجلت سے لندن میں ایک شریف عورت کا محبوب بنا اور پھر فوراً ہی بادشاہ بن کر شان وشوکت کے ساتھ اپنے ملک میں واپس آیا"
سلطان نواز جنگ: ۲۲ "سلطان نواز جنگ جن کے لیے ایک مہینے کے عرصے میں حیدر آباد سے پچاس میل کے فاصلے سے نکل جانے کا حکم ہوا ہے ریاست پچاس ساٹھ لاکھ روپے کے اوسط میں ان کی قرض دار ہے علاوہ اس کے اور بھی متفرق لوگوں پر قریب چالیس لاکھ .. کے ان کا پانا ہے .. در بار نے .. بالفعل .. ایک کمیشن مقرر کی ہے .. کہ قرضے کی تحقیقات کی جائے سنا ہے کہ گورنمنٹ نظام .. باون لاکھ قرضہ بے باق کردے گی تو وہ .. اپنے خاص وطن میں جو کہ بحر احمر پر ہے چلے جائیں گے" (مگر ۲۶/۱ میں ہے کہ گورنمنٹ نظام ۷۵ لاکھ کی مقروض ہے اور دس کروڑ کے قریب ان "ان کا شہر میں پھیلا ہوا ہے")
سید احمد خاں: ۲۸ نومبر کے اسٹیٹسمین میں کرنیل جی گریہم نے سید احمد خاں کے حالات زندگی پر جو کتاب لکھی تھی اس کا تبصرہ چھپا تھا - کرانکل نے اس کے بعض حصوں کا ترجمہ چھ میں دیا تھا: "جس مسرت و دلچسپی کے ساتھ ہم نے کرنیل گریہم کے کوائف متعلقہ سوانح عمری و تصانیف قابل تعظیم

رویہ مسلمانان - بڑھے اس کا ظاہر کرنا بغیر اس کے کہ مبالغہ آمیز زبان کے استعمال کا شبہہ ہو مشکل ہے.. کوئی کام جو ایک انگلش مین ہندوستان میں کرسکتا ہے اس سے زیادہ قیمتی نہیں جو کرنل .. نے کیا ہے یعنی ایک ہندوستانی کی صحیح و زندہ تصویر عوام انگلستان کی نظروں کے سامنے رکھنا"۔ سید صاحب کی زندگی کے ابتدائی حالات جو اس میں ہیں کم لوگوں کو معلوم ہیں - غدر کے صحیح حالات کا ہندوستانی نقطہ نظر سے لکھنا تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کا فرض ہے کہ "تاریخی صداقت کا پلہ برابر ہو جائے"۔ دگرنیل کی کتاب میں اسباب بغاوت ہند مصنفہ سید احمد خاں کے بہت سے مطالب کا خلاصہ دیا ہے - اسٹیفنسن نے اس میں سے کچھ نقل کیا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے) "لیکن اینگلو انڈین کی حالت کبھی بدلنے والی نہیں ۱۸۵۸ء میں جیسا کہ ۱۸۵۷ء ان .. کا پہلا اصول توضیع قوانین میں ہے کہ حکام .. کی ایجاد کی ہوئی باتیں فطرت انسانی سے بھی زیادہ پر امن راہ نما ہیں اور یہ لوگ اس خیال کو کہ قوانین جو اپنے سے پیدا ہوں ان واقعات اور ان لوگوں کے عادات کے جن کے لیے وہ بنائے جائیں مطابق ہونا ضروری ہے اپنی شان کے خلاف سمجھ کر رد کر دیتے ہیں"۔ تبصرے میں سید نے مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کو مقبول بنانے کے لیے جو کوشش کی تھی اس کی طرف بھی اشارہ ہے، اور آخر میں ہندوستان کے زرعی نظام کے متعلق سید صاحب کی رائے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: "ہمارے کا بڑی بھاری آخری کوشش اب یہ ہونے والی ہے کہ جو باتیں ان اضلاع میں ۱۷۹۳ء کے قوانین کی رو سے عموماً محفوظ رکھی گئی تھیں وہ کل جماعت کے اختلاف پر بھی معدوم کردی

جائیں۔ جو لوگ اس حماقت میں گرفتار ہیں، وہ ایسے ہی اندھے ہیں جیسے ان کے متقدمین تھے، اور اس وقت سے ۵ یا ۱۰ سال بعد طوفان آپہنچے گا"

سید حسین بلگرامی: ۹/۴ "مولوی سید حسین مخاطب بہ علی یار خاں بہادر موتمن جنگ، پرائیوٹ سکریٹری نظام پٹنہ میں دو روز نواب سید احمد علی خاں بہادر کے مہمان رہے۔

سید علی بلگرامی: ۱۲/۱ "مولوی سید زین الدین حسین خاں بہادر مرحوم۔۔ کے صاحب زادے۔۔ تین سال سے زیادہ انگلستان میں رہ کر بہت سے علوم وفنون حاصل کیے۔۔ معدنیات کے بڑے ماہر ہیں۔ اب یہ۔۔ حیدر آباد دکن میں مکشنر ہیں۔۔ نواب حیدر آبادی نے ان کو۔۔ انگلستان روانہ فرمایا تھا۔ ہمارے پٹنہ کو۔۔ ممدوح نے۔۔ اس لیے رونق بخشی تھی کہ اپنے لائبریری پوری پورنیہ کر دیں۔۔ اپنا لکچر پورا کر کے آج حیدر آباد روانہ ہوئے۔۔۔ لوکل کالج کے طلبہ نے اپنی ینگ مینس ایسوسی ایشن کی طرف سے۔۔ مدعو کیا تھا اور۔۔ وہاں ایڈرس بھی دیا گیا۔۔ موصوف نے بھی بہت ہی پاکیزہ۔۔ انگریزی میں اس ایڈرس کے جواب میں اور نیز تہذیب مغربی پر جو اس روز۔۔ مقررہ بحث تھا، تقریر فرمائی۔ مستقل ارادہ ہے کہ اس سال سنسکرت میں ام اے اور قانون میں بی ال کا امتحان دیں۔۔"

ڈاکٹر شا: ۱۲/۹ میں ڈاکٹر شا سول سرجن پٹنہ کی مرگ ناگہانی کی خبر ہے

حافظ عبد الکریم: ۲/۱۲ میں حافظ عبد الکریم کے متعلق مرقوم ہے کہ پہلے حاجی پور ضلع پٹنہ (کذا) میں منصف تھے، پھر صدر اعلیٰ ہو کر حیدر آباد گئے۔ بعد ازاں حیدر آباد چلے گئے اور وہاں وفات کے وقت ۲۳/۴ روز دوشنبہ اپیل

کے حاکم اعلیٰ یعنی "چیف جسٹس" تھے۔

محمد عبید اللہ : ۹/۳ مولوی محمد عبید اللہ ڈھاکہ کے بڑے لائق و فائق عالم و فاضل مصنف مفتاح الادب وغیرہ کتب درسیہ عربی کی وفات۔

غلام حیدر خان : ۱۲/۳ غلام حیدر خاں نے پریسیڈنسی کالج سے انگریزی میں ایم اے پاس کیا۔ بی اے کے بعد قاضی رضا حسین انھیں چالیس روپے ماہوار وظیفہ دیا کرتے تھے (یہ بعد کو گیا کے سربرآوردہ وکیلوں میں ہوئے)

ڈاکٹر فرنخ : ۱۲/۹ میں ہے کہ چند ماہ قبل ڈاکٹر فرنخ سول سرجن پٹنہ بہت دنوں تک بیمار رہنے کے بعد انتقال کر گئے تھے۔

پروفیسر فوسٹ : ۲/۱۲ "پروفیسر فوسٹ کی وفات ہے .. جو ہندوستان کا سب سے بڑھ کر خیر خواہ اور انگلینڈ میں قانون سیاست مدن کا سب سے بڑھ کر عالم اور زمانۂ حال کے مدبروں میں سب سے برآوردہ تھا انگلینڈ اور ہندوستان کو کچھ کم رنج میں نہیں ڈالا" "اس ہند کے جانب دار ممبر نے ہندوستان کی جو خدمت پارلیمنٹ میں انجام دی تھی اس کی طرف مجملاً اشارہ) پہلے یہ ملکہ وکٹوریا کی خدمت میں پیش ہوئے تو اپنا ہاتھ بڑھا دیا' ملکہ نے خوشی سے ہاتھ ملایا' ان کی بی بی نے بتایا کہ یہ غلطی ہوئی اور پرنس آف ویلس کی وساطت سے اس کی تشریح کی گئی۔ ملکہ نے پیام بھیجا کہ آپ سے ہاتھ ملانا میں بڑی عزت سمجھتی ہوں

مرزا قادر بیگ : ۱/۶ مرزا قادر بیگ نے جو حیدرآباد کے بڑے تعلقدار اور لائقوں میں شمار کیے جاتے تھے' قضا کی یہ "مولوی مہدی علی .. نظام کے سکریٹری کے سالے" تھے۔

گوپال راؤ: "یہ سرکاری ملازم تھے، مگر غالباً برطرف ہوئے۔ ان
کے مقدمے کا ذکر اخبار میں آیا ہے (ظاہراً ۱۸۸۵ء سے پہلے) ان کا ارادہ
۱۸۸۶ء سے غریب طالب العلموں کے لیے بانکی پور میں بورڈنگ ہاؤس
قائم کرنے کا ہے۔ جو کچھ یہ اُمرا سے حاصل کرتے ہیں، بے تامل غربا کو دیتے
ہیں۔ (کرانکل میں ان کی طرف سے اشتہار شائع ہوا کرتا تھا کہ کوئی کلکتہ یا انگلستان
سے کچھ منگوانا چاہے تو وہ کمیشن ایجنٹ کے طور پر منگوا دے سکتے ہیں۔)

سید محمد حسین 'لطیف': "مولوی سید خیرات احمد صاحب وکیل عدالت
دیوانی ضلع گیا نے مضمون ذیل بھیجا ہے: .. اردو کی زینت جیسی ..
انیس .. کی زبان سے ہوئی احاطۂ تحریر و تقریر سے باہر ہے .. بالفعل
اتفاقات .. سے سید محمد حسین صاحب 'لطیف' .. از ارشد تلامذۂ ..
انیس صاحب گنج میں وارد ہوئے۔ ایک مجلس میں اپنا کلام کچھ ایسا پڑھا
کہ سبحان اللہ .. یہاں تک کہ بعضوں نے کچھ ایسے الفاظ فرمائے جس کی
.. میر صاحب .. کو خبر ہوئی اس لیے انھوں نے .. دو چار روز میں گویا
فی البدیہہ ایک مرثیہ ۱۹۰ کا تصنیف فرما کر پڑھا اور بعدہٗ غریب خانے
پر تشریف لائے اور مجھ سے مصر ہوئے کہ کوئی روایت ایسی بتاؤ کہ جس
کو کبھی تو نے منظوم نہ سنی ہو بتلا دے کہ میں نظم کروں۔ ہر چند میں نے ..
انکار کیا لیکن موصوف .. نے نہ مانا، بہ درجۂ مجبوری میں نے خلاصۃ المصائب
کی روایت شصت ذبح .. جس میں .. مضامین بستہ کی گنجائش نہیں تھی عرض
کی۔ موصوف .. نے چار دن کے عرصے میں میرے غریب خانے پر گویا
میرے سامنے پوری روایت کو نظم فرمایا .. دو چار روز میں موصوف ایک

عظیم آباد تشریف لے جائیں گے .. شائقین کلام سن لیں .. ۷۶/۳

حاجی مرزا انشتری: ۷۶/۲ اس ایرانی شاعر کو شاہ ایران نے حسام الشعرا کا خطاب دیا ہے۔

سر ولیم میور: ۷۵/۶ — وفات بہ عمر ۶۶ سال۔

۷۶/۳ مسٹر جسٹس سید محمود ایک برس کی رخصت لینے والے ہیں .. ان کا ارادہ ہے کہ تا اختتام رخصت اپنی کتاب محمڈن لا کا خاتمہ کر دیں"

نواب بھاول پور: ۷۶/۶ شحنۂ ہند ذیل کی خبر کا ذمہ دار ہے: نواب بھاول پور راول پنڈی کے دربار میں حسب دستور سرکار و بجا عمامہ اور مرصع سرپیچ باندھ کر شامل ہوئے جس میں چار طرف لاکھوں روپے کے سونے کے زیور مرصع بہ جواہر لگے تھے۔ امیر کابل نے ان کا زرق برق دیکھ کر ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ انگلش افسر نواب .. کو امیر کے ڈیرے میں لے گیا۔ نواب .. کا چہرہ زرد ہو گیا ہوائیاں اڑنے لگیں .. امیر نے کہا السلام علیکم جواب نہ دارد، امیر نے کہا بسیار خوش جواب میں خاموش۔ امیر نے کہا حالت انتظام مملکت شما چیست جواب میں خاموش، امیر نے کہا نواب! چہ گونہ دیچہ حال داری دتراچہ شد؟ جواب میں وہی سکوت .. پھر تو امیر جھلا گئے اور بہ آواز بلند اس قسم کے الفاظ کہے کہ ایں بیچارہ را بگذارید کہ با طفلاں یا زناں بازی و ملاعبت نماید یا بگوے و چوگان مشغول شود .."

نواب مرشد آباد: ۷۶/۶ دارالسلطنت سے منقول ہے کہ ناظم بنگالہ حال (نواب مرشد آباد) اپنی سوتیلی بہن وحید النسا سے جس کی عمر ۱۰ سال کی

بے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس کی یوربی ماں نے اس کے روکنے کیلیے انگلستان میں مقدمہ دائر کیا ہے۔ نواب سابق کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی "۶ اولادیں" تھیں۔

ڈکٹر ہیو گو: ۲۵/۲ "معلوم ہوا ہے کہ مشہور شاعر ڈکٹر ہیو گو دو لاکھ پونڈ کی جائداد چھوڑ کر مرے کہ جس میں وہ بہت سا غربا کو دے گئے"

شاہ محمد یحیٰی/یحییٰ: ۲۵/۱۱ .. شاہ محمد یحیٰی .. کامل تاریخ گو، صوفی سجادہ نشین درویش متوکل، صاحب علم و فضل شاد کی ابلی (یہ قدیم شہر پٹنہ کا ایک محلہ ہے) میں تشریف رکھتے تھے، دوشنبۂ گذشتہ کو .. ذیقعدہ کی ۲۶ تاریخ عارضۂ فصلی میں مبتلا ہوئے اور دو پہر کے عرصے میں قضا کی:

صاف کہہ دو یہ مصرع موزوں آہ یحیٰی نے کی قضا ! اے سرو

۱۳۰۲ھ، راقم شیخ محمد علی شمشاد تلمیذ جناب شاہ ۶ ستمبر ۱۸۸۵ء"

(۷) **متفرقات** | اس باب میں کچھ باتیں ایسی بھی درج ہو گئی ہیں جو دوسرے ابواب میں شامل ہو سکتی تھیں:

۵/۱ "مقام پوسا میں ۷۰ سالہ مسلمان عورت نے ۱۱ سالہ بچے سے شادی کی"

۹/۱ "وائنا کے کتب خانے میں ایک عربی نسخہ تین ہزار برس کا لکھا ہوا موجود ہے یہ کتاب حضرت عیسیٰ کے ۵۰۸ء برس پہلے لکھی گئی تھی۔ اس کا نام الف لے ہے جس میں علم فلاحت کا بیان ہے" (یہ کسی طرح صحیح نہیں)

۱۹/۱ "پونا کے اسکول میں نو سو طلبہ پڑھتے ہیں جن کا سن ۱۴ اور ۱۸ کے وسط میں ہے، اس میں سے ۴۰۰ کی شادی ہو چکی ہے"

۲۶/۱ "کوئی شاعر تعزیرات ہند کو نظم کر رہے ہیں"

۲۶/۱ "ہندوستان سے جاتے وقت لارڈ رپن مہاراجہ ہلکر سے مشرقی طور پر بغل گیر ہوئے"

۲۲/۲ "انگلستان میں ہندوستانی حاجیوں کی تعداد مجموعی ۱۲۰ ہے"

۹/۲ "ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک عورت کے تین برس میں مردہ لڑکا ہوا ہے جس کے پاؤں گردن میں لپٹ کر جسم خشک ہو گیا تھا"

۱۱/۵ "بمبئی میں ایک مسلمان حاجی کو غلام خریدنے کے لیے ۴ سال کی قید ہوئی"

۲۹/۴ "آشام کا آخری شہزادہ اور حکام کی زبردستی" (اس کا نتیجہ موت تفاصیل درج ہیں)

۱/۸ "امرتا بازار پتریکا کا بیان ہے کہ بنارس کے مجسٹریٹ نے ایک پردہ نشین شریف عورت کو اس جرم میں جیل خانے بھیج دیا کہ اس کے "مختار اور کارندوں نے کچھ جعل یا دروغ بیانی اس کے مقدمے میں اس کی جانب سے کی تھی"

۱۳/۸ مدیر نے کلیپٹومینیا کا ترجمہ دزدی خولیا تجویز کیا ہے

۱۴/۹ "ولایت کو جو پارسی تھیٹریکل کمپنی گئی ہے اس میں ۴۲ تماشا گر ہیں"

۱۵/۱۰ "ایک تصویر قیمتی ۶ روپے اور کچھ جائیداد کے لیے جس کی قیمت کچھ زیادہ نہیں فریقین نے دو لاکھ.. سے زیادہ صرف کیے"

۲۱/۱۰ "ایک لہار نے اپنی بی بی کو سر بازار ادی ٹیں نو پیسے پر نیلام کیا"

۲۲/۱۱ بارہ بنکی کے ایک برہمن سپاہی نے اپنی بی بی کو نکال دیا، اور رسالی سے جو فاحشہ تھی شادی کر لی۔ ایک دن برہمن باہر گیا ہوا تھا کہ "عورت نے اپنے آشنا کو بلایا، لیکن قبل اس کے کہ کوئی فعل سرزد ہو یہ برہمن لوٹ آیا

اپنی عورت کے پاس غیر مرد کو دیکھ کر.. تلوار سے عورت کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ مقدمہ عدالت میں پہنچا' عورت کے آشنا نے .ہ گواہ اپنی بریت کے پیش کیے مگر عدالت سے اس کو حبس دوام کی سزا ہوئی اور خاوند کو دس سال کی سزا کہ اس نے عورت کو مارے جانے سے پہلے افیم کھلا دی تھی" (اس خبر میں کچھ غلطی ہے)

۲/۳ "کنور ہرنام سنگھ اہلو والیہ (کذا) کو دربار سرکاری میں پرائیوٹ انٹرسٹ کا اعزاز ملا ہے (؟)

۹/۱۰ انڈین لٹریری ایسوسی ایشن لاہور کا قیام" سکریٹری ایڈیٹر رفتار مولوی شمس الدین سالک" (یا سابق اڈیٹر؟)

۹/۱۱ نیر اعظم مراد آباد سے منقول ہے کہ جامع مسجد دہلی کی مرمت کا چندا ہو رہا ہے۔ شرکت کی درخواست جب مرزا داغ کے ذریعے نواب رام پور کے پاس گئی تو انھوں نے کل رقم مرمت ایک لاکھ ۲۰ ہزار خود ادا کرنا منظور کی

۱۳/۱۱ سلطان المعظم نے اس سال جو پوشش کعبے کے لیے بھیجی ہے اس کے بنوانے کا خرچ ایک لاکھ ۵ ہزار روپے ہے اور خدیو نے جو بھیجی ہے وہ ایک لاکھ ۶ ہزار روپے کی ہے۔

۱۳/۱۲ "لکھنؤ کی نمائش گاہ میں جس دن پردہ نشیں عورتیں سیر کرنے آئی تھیں اس کی کیفیت ایک لیڈی نامہ نگار نے لکھی ہے کہ تمام دیسی عورتیں بڑے ٹھاٹھ اور تزک سے آئی تھیں'.. زرق برق پوشاکیں پہنیں زیور سے لدی.. لیڈی ڈفرن.. بھی موجود تھیں ان کو دیکھ کر عورتوں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہیں۔ جب معلوم ہوا نہایت متعجب ہو کر کہنے لگیں۔ غالباً ان کی سادگی

پر حیرت ہوئی۔"

۳۲/۱۲ "مدراس کی عدالت مطالبۂ خفیفہ میں ایک نالش دائر ہوئی مدعی نے ۲۵ روپے کا دعویٰ کیا۔ مدعا علیہ نے جواب دہی کی کہ صرف دس یا بیس روپے باقی ہیں" یہ طے نہ ہو سکا کہ دراصل کس قدر رقم ہے، اس لیے قرعہ سے اس کا فیصلہ ہوا۔ کاغذ کے ۳ ٹکڑوں پر تین ہندسے لکھے گئے اور پھر خلط ملط کر دیے گئے۔ مدعی سے کہا گیا کہ ان میں سے ایک اٹھالے۔ اتفاق سے اسے وہ ٹکڑا ملا جس پر ۲۵ لکھا تھا

۳۲/۸ مدراس میں ایک ۷ بار کے سزا یافتہ چور کو، جو آخری مرتبہ دریائے شور سے ۱۰ برسوں کی میعاد جھیل کر آیا تھا دو روپے چوری کرنے کی عدالت میں "عبور دریائے شور حبس دوام کی سزا" ملی ہے۔

۳۲/۷ از اخبار عام: اس اخبار کو ایک نامہ نگار نے لکھا تھا کہ ایک بھولے بھالے آدمی کی رائے ہے کہ جنگ میں وہ بہادر بھیجے جائیں جنھیں رائے بہادر اور خان بہادر کا خطاب ملا ہے۔ آپ کیا کہتے ہیں؟ اڈیٹر کا جواب: "اگر ایک دفعہ بھی سرکار دولت مدار اپنے بہادروں کو جنگ میں بھیجنے کا منشا ظاہر کرے تو پھر سوچ سمجھ کر ہی ہمارے دیسی لوگ اس خطاب کو خریں ساتھ ہی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ انگریزی گورنمنٹ کو پھر خوش کرنے میں کہاں سے نصیب ہو اور اس لیے ہماری سرکار کیوں ایسا کرنے لگی ہے۔"

۳۸/۹ "بمبئی کی طرف ناٹک کے طور پر انگریزوں اور ہندوستانیوں کے باہم جھگڑوں کا تماشا دکھلایا جاتا ہے کہ جس پر پایونیر معترض ہے۔"

۳۲/۱ مسٹر رام نرائن جو عارضی طور پر لاہور ہائی کورٹ کے جج ہوئے

ہیں ان کے مستقل ہو جانے کی امید ہے، بنگالی وکیل و بیرسٹر اس تقرر سے بہت ناراض ہیں۔

۱۶/۱۱ "مسٹر ٹی مادھو راؤ کو آج کل عورتوں کے سنگار کی بہت فکر ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ مسّی نہ لگانا چاہیے کیوں کہ یہ موتیوں کے سے دانت سیاہ کرتی ہے۔ بجائے کمر بند کے ربر کا تسمہ ہونا چاہیے۔ سخت لکڑی یا پڈیوں کی کنگھی نہ کرنا چاہیے۔ گھونگھر والے بال رکھنا چاہیے۔"

۱۶/۱۱ نواب عبداللہ خاں ساکن بھوپال کے مکان میں ۲۵ روز کامل ہوئے کہ اینٹ پتھر بہت زیادہ گر رہے ہیں اور دوسرے عجیب و غریب واقعات بھی ہو رہے ہیں (تفاصیل درج)۔ راقم خبر کہتا ہے کہ اس کی تصدیق مالک مکان اور متعدد اشخاص سے ہوئی اور ایک بار سنگ باری میرے سامنے ہوئی "ہزاروں اینٹ پتھر کا ڈھیر میں نے خود دیکھے از کوہ نور

۱۸/۱۱ "کراچی سے اس سال کی اول ششماہی میں ایک کرور۰۰ کا مال باہر سے آیا اور دو کرور۰۰ کا گیا"

۲۲/۱۲ ایک شخص نے اپنے مخالف پر قتل کا الزام لگانے کے لیے اپنے بیٹے کو مار ڈالا تھا۔ اس کا مقدمہ مدراس ہائی کورٹ میں تھا (یہ نہیں کہ فیصلہ کیا ہوا)

۱۸/۱۲ "پنجاب یونیورسٹی کے سالانہ جلسے میں لفٹنٹ گورنر نے.. بالکل اردو میں اسپیچ دی"

۲۲/۱۲ مسلمانوں کے تعلیمی اوقات سے متعلق تحقیقات کے لئے لفٹنٹ گورنر بنگالہ نے ایک کمیشن زیر صدارت جی سی پال مقرر کیا تھا، ارکان

نواب عبداللطیف، نواب محمد علی خاں، مسٹر امیر علی، مسٹر نوٹن۔

۹/۱ "میڈم بلوٹسکی ہند میں اگر بدمعاش پادریوں پر نالش کریں گی"

۱۰/۲ "مسٹر اولسٹن انڈیا آفس کی شاخ مال کے ملازم.. فارسی ڈکشنری بنا رہے ہیں.. جو.. موجودہ لغتوں سے بڑھی ہوئی ہوگی۔ انھوں نے بہت سی فارسی کتابیں بنائی ہیں"

۹/۱۱ "میونسپلٹی بنارس نے اردو ہندی دونوں عرضیاں لینی منظور کیں"

۹/۱۱ "انگریزی اخبار خصوصاً پانیر کشمیر پر ہاتھ پھیلا رہے ہیں" ۲۶/۱۱ کشمیر میں رزیڈنٹ کے تقرر سے عام گھبراہٹ ہے"

۲۸/۱۱ "پنجاب کے ایک ڈپٹی کمشنر کا قول ہے کہ انگریزوں کو فرنگی کہنا ہتک کرنا ہے"

۳۰/۱۱ "انڈین ڈیلی نیوز مسلمانان ہندوستان کو مبارکباد دیتا ہے کہ میر محمد حسین ممالک مغرب و شمال کے صیغۂ تجارت و کشتکاری کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر مقرر کیے گئے.. اور نصیحت کرتا ہے کہ.. وہ اپنے تئیں عہدہ ہائے جلیلہ کے.. قابل بنائیں"

۲/۹ "مہاراج کو چہار رشنو میں انگریزی ناچ خوب ناچتے ہیں

۷/۹ ۱۸۸۶ء میں ایک شخص مسٹر لال گھوش بھی پارلیمنٹ کی رکنیت کا امیدوار تھا اور انگریزی اخباروں نے اس کے چال چلن کی برائی کی تھی، لیکن لاہور کے ٹریبیون نے لکھا تھا کہ یہ شخص اس شخص سے جو معترضین کے ذہن میں ہے مختلف ہے (یہ پتا نہیں کہ یہ آخر آخر تک امیدوار رہا یا نہیں)

۱۳/۸ "ایک دیسی اخبار مدراس کا تجویز کرتا ہے کہ شاہی خاندان

انگریزی کے رکن شادیاں یہاں کے امرا سے کیا کریں اس طرح .. بہت جلد اتفاق قائم ہو سکتا ہے"

۱۲/۳ لارڈ ڈربن کا بیان ہے کہ میں نے دیکھ لیا تھا کہ روس ہند کے بہت قریب آرہا ہے، میں اسی لیے ہندوستانیوں کو دوست بنا رہا تھا۔

۱۲/۸ جنرل گورڈن کو مارنے کے قبل مہدی نے انگریزوں سے بطور فدیہ ساڑھے بارہ لاکھ فرانک مانگے تھے۔

۱۱/۵ ترکوں کو اندیشہ ہے کہ اٹالوی طرابلس الغرب پر حملہ کرنے والے ہیں۔

"صاحبان یوریشین نے چند جلسے کرکے .. عرضداشتیں بغرض ارسال ہوس لکھی ہیں کہ کیوں نہیں بھی صاحبان یوروپین کے مساوی حقوق نہیں دیے جاتے .. اڈیٹر کوہ نور اس پر منصفانہ بحث کرتے ہیں کہ وہ بے شک اپنے آبائی حقوق کا دعویٰ کریں .. لیکن یہ ضرور ہونا چاہیے کہ پہلے دوسری کشتی سے پاؤں اپنا اتار لیں، یعنی یہ ان کی شان یوروپینی کے ہرگز شایاں نہیں کہ وہ ڈیڑھ سو روپے کی نوکری جو دیسیوں کے واسطے مخصوص ہوتی تھیں وقت پر وہ اس میں بھی حصہ بٹانے کو آکودتے ہیں اور اس وقت اپنی آبائی موروثیت سے انکار کرکے دیسی بن بیٹھتے ہیں۔" ۲۳/۱۱

۱۳/۳ "پشاور میں افواہ مشہور ہے کہ یہاں کل ساداتوں نے مسلمانوں سے کہدیا ہے کہ وہ لوگ جہاد کے واسطے تیار رہیں، کیونکہ ان سے اور سوڈانی مہدی سے خواب میں گفتگو ہوئی ہے"۔

اردو بہار ہیرالڈ و انڈین کرانکل

اُردو انڈین کرانکل پر جو طویل مقالہ عامر حصہ ۲ میں شائع ہوا ہے اس میں اردو بہار ہیرلڈ و انڈین کرانکل کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس اخبار کے جو پرچے میرے پیش نظر ہیں ان میں سے پہلا ۸ جنوری ۱۸۸۳ء اور آخری ۲۶ فروری ۱۸۸۶ء کا ہے، مگر میں یہ قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ یہ کب نکلا اور کب بند ہوا۔ میرا خیال ہے کہ جو اصحاب اس کی اشاعت کے ذمہ دار تھے، ہی انگریزی بہار ہیرلڈ بھی نکالتے تھے جو غالباً اب تک جاری ہے۔ ۲۹ جنوری کے شمارے سے معلوم ہوتا ہے کہ بابو گورد پرشاد سین جو پٹنہ کے نہایت مشہور بنگالی وکلا میں تھے، اس کے مالکوں میں تھے۔ اور بشیشر سنگھ وکیل پٹنہ و زمیندار آرہ اس کے "اسسٹنٹ پروپرائٹر" تھے۔ یہ محلہ بھکنا پہاڑی بانی پور (بانکی پور) سے نکلتا تھا اور اس کا اہتمام نرائن چندر چکر ورتی کے ذمے تھا۔ مدیر کون تھا اس کا پتا نہ چل سکا۔ ذیل میں اس کے چند مندرجات کے اقتباسات یا ان کے خلاصے درج کیے جاتے ہیں:

۸ جنوری: اعلان متعلق تفسیر اردو من جانب محمد احتشام الدین مراد آباد۔ اس تفسیر کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں سید احمد خاں کی تفسیر کا جواب تھا۔

۱۵ جنوری: (۱) بابو رائے جیکش آنریری مجسٹریٹ، خطاب رائے بہادر

(۲) جلسۂ انڈین نیشنل کانگرس زیر صدارت نوروزجی۔ صدر نے ایک حیدرآباد

کے "اہل اسلام" کا تار پڑھ کر سنایا جس میں کانگرس کے مقاصد سے "دلی اتفاق" اور کلکتہ کے "اہل اسلام" کی کنارہ کشی پر افسوس ظاہر کیا گیا تھا: (۳) "نیشنل کانگرس اور اہل اسلام" (ماخوذ از کوہ نور): مسٹر امیر علی اور نواب عبد اللطیف خاں خود کانگرس سے علیحدہ رہے اور مقدم الذکر کی سنٹرل محمڈن ایسوسی ایشن اور مؤخر الذکر کی سوسائٹی نے مسلمانوں کو الگ رہنے کی بھی صلاح دی، مگر "ان لوگوں کی اس رفتار کو اہل اسلام ہرگز قبولیت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے مسٹر عبد السلام ایم - اے رکن ایسوسی ایشن نے اسٹیٹسمین میں ایک چھٹی چھپوائی ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسوسی ایشن کے ارکان سے سید امیر علی نے مطلقاً مشورہ نہیں لیا، اور انہوں نے جو چھٹی اسٹیٹسمین میں شائع کرائی ہے، اس کی ایسوسی ایشن ذمہ دار نہیں - اہل اسلام کو اس سے بالکل ہمدردی نہیں، بلکہ وہ اسے اپنے لیے باعث شرم سمجھتے ہیں "میں.. فرقہ اسلام کی طرف سے.. ہر فرقے اور قوم کے ہندوستانی بھائیوں سے معافی مانگتا ہوں کہ وہ اس چھٹی پر کچھ خیال نہ فرمادیں" (۴) انڈین نیشنل کانگرس کلکتہ (از نامہ نگار کوہ نور): مندوبین پنجاب کے متعلق لکھا ہے کہ جس دن کلکتہ پہنچے، اسی دن کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ گورنمنٹ ہاوس گئے، اور وہاں وزیٹنگ بک میں اپنا نام اور مفصل پتا لکھا، غرض یہ کہ وائسرائے کی گارڈن پارٹی میں "شرکت نصیب ہو سکے" خبر کا یہ کانگرس میں دو مسلمان نے نام بھی دیے ہیں: نواب محمد رضا علی خاں اور حامد علی بیرسٹر - کوہ نور لاہور کے ایڈیٹر پنڈت دینڈیال بھی مندوبین میں تھے -

۲۲ جنوری: (۱) مسٹر نورالہدیٰ ال ال بی کینٹب بیرسٹر کا اسٹیٹوری سول سروس میں بعہدۂ اسسٹنٹ مجسٹریٹ و کلکٹر تقرر ہوا۔ (۲) "مسٹر ہیوم اور آنریبل سید احمد خاں" (یہ ایک طویل خط ہے بنام اسٹیٹسمین سید احمد خان کی مخالفت کانگرس سے متعلق، اس کا ایک ٹکڑا نقل کیا جاتا ہے): "اس سے بڑھ کو کوئی جھوٹ نہیں ہے کہ ہندو اور مسلمانوں میں عداوت اس سے بڑھ کر ہے جو انگلستان میں متفرق مذہبوں میں نظر آتی ہے ہو گی یا ہو سکے گی۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ دس میں نو ہندو مسلمانوں میں کوئی عداوت نہیں ہے، گو یہ.. چھوٹا سا فرقہ.. ہر ایک کوشش اس کے پیدا کرنے کی کر رہا ہے.. پھر یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ ایک پارلیمنٹ میں سب ہندو ایک جانب ہوں گے اور مسلمان ایک جانب.. میں ایڈیٹر علیگڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ سے عرض کرتا ہوں کہ وہ لکھ رکھے کہ نہ تو کسی شخص نے اب تک تجویز کی اور نہ خیال کیا اور نہ جہاں تک مجکو واقفیت ہے ہندوستان میں پارلیمنٹری گورنمنٹ کا ذکر کیا ہے۔" (۳) "غضب کی دھمکی" (از دارالسلطنت): پایونیر کو لندن سے تار آیا ہے کہ "پال مال گزٹ نے مشتہر کیا ہے کہ اگر ترکی روس سے دوستی پیدا کرے گی تو برٹش گورنمنٹ ان کو دھمکی دیتی ہے کہ قسطنطنیہ کو توپوں سے اڑا دیا جائے گا ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ خبر کہاں تک درست ہے۔ کیونکہ.. ترکی کچھ برہما نہیں ہے، اس کا لوہا تو روس مانے ہوئے ہے۔ غالباً یہ خبر بے بنیاد ہو۔"

۱۹ فروری: (مقالۂ افتتاحیہ): "ہمارے ناظرین اخبار کو یاد ہوگا کہ ہم لوگ سنیچر گذشتہ میں یہ تحریک کیا تھا کہ واسطے یادگار جوبلی ہند کے کوئی رعایت

اصلی سکنائے ہند کے حق میں ملکی انتظام میں کیا جائے۔ اس سے مناسب بیش قیمت رعایت دوسری نہیں ہوسکتی کہ جلسۂ واضعان قانون میں طریقۂ انتخابیہ قائم کیا جائے.. دوسرا کام مناسب.. یہ ہے کہ انگریزی فوج برہما سے اٹھا لیا جائے اور.. برہما شاد برہما کو واپس دیا جائے۔" (۲) "کفایت شعار و عاشق" برسٹل کے ایک عاشق نے اپنی معشوقہ کو لکھا ہے کہ" بہت طولانی خط نہ لکھا کرو۔ اگر شاید کبھی تم نے مجھ پر عہد شکنی کی نالش دائر کی تو وکلا اس خط و کتابت کو نقل کریں گے اور ۷۲ الفاظ کے ہر دو ورقے کی بابت ہم فیس (کذا) کے مجرا لیں گے پس جس قدر مختصر خطوط لکھے جائیں گے اسی قدر ہم لوگوں کی کفایت ہوگی" (۳) جوبلی کے موقع پر سید لطف علی خاں سی آئی ای کو نواب، سید فضل الرحمٰن کو خاں بہادر، "مولوی محمد سعید" کو شمس العلما کا خطاب ملا۔

۲۶ فروری: (۱) رسالہ 'روشنی لاہور' کا اشتہار۔ (۲) آغا مرزا بیگ حیدر آباد پر اپنے کوچ مین کو قتل کرانے کا الزام ہے، ان کے مقدمے کی سماعت کے لیے ایک کمیشن مقرر ہوگا

ماہنامۂ ادیب پٹنہ

ادیب ایک ماہنامہ تھا جو پٹنہ سے نکلتا تھا۔ اس کے غالباً صرف ۴ شمارے نکلے، پہلا جولائی ۱۸۹۶ء اور چوتھا اکتوبر ۱۸۹۶ء مذکور ہیں۔ یہ مطبع قیصری پٹنہ میں چھپا کرتا تھا اور اس کے سرورق پہ عبارت ہوا کرتی تھی۔

"حسب الحکم ممبران اردو لٹریچر سوسائٹی و نگرانی جناب تفضیر حسین خاں صاحب "خیال" سکریٹری سوسائٹی پٹنہ عظیم آباد" اس کی تقطیع ۹ انچ × ۵ ۳/۴ انچ ہے۔ صفحات کی تعداد کم و بیش ۳۲ ہوا کرتی تھی اور سالانہ قیمت دو روپیہ آٹھ آنے۔ شمارۂ ۱ میں جو مضامین ہیں ان کے لکھنے والے (یا لکھنے والوں) کا نام درج نہیں۔ پہلے مضمون کا عنوان "ادیب" ہے۔ اس کے کچھ عبارات ملاحظہ ہوں۔

پیارے ہموطنو، سارا عالم جانتا ہے کہ ہندوستان کے اور ملکوں نے ترقی۔۔ اردو کے لئے کیا کیا کوششیں کیں، اچھے اچھے اخبار جاری کئے، قابل قدر رسالوں اور بیش بہا تصنیفوں سے ہم کو مالا مال کر دیا۔ جب ہم اور ملکوں میں اردو لٹریچر کی روز افزوں ترقی دیکھتے ہیں تو اپنے شرم کے کہنے لگتے ہیں:

باغیں بگوئید کہ مردیم ز غیرت
ما طاقت سر گوشی پروانہ نداریم

ہم نے زبان اردو کو محض ایک طائر سمجھ کر قفس شاعری میں بند کر دیا ہے جہاں وہ پر بیٹھا کر رہ جاتا ہے مگر اڑ نہیں سکتا۔۔۔ ایک انگریزی اڈیل اڈو ٹو کو اخصب تیز کام یا خیال سے زیادہ چالاک اور تند رفتار بنانا ہی اعلیٰ درجے کی زباندانی ہے، ایک ٹوٹے ہوئے سجائے کو فردوس بریں سمجھنا، ایک کیچڑ سی گنجی عورت کو حور جنت سے بھی حسین تر نظم کرنا، اس کے لمبے بالوں کی کمند پھینک کر فرشتوں کو عرش سے زمین پر کھینچ لینا اور پریوں دیووں کے جھوٹے افسانے اور طلسمی مضامین باندھنا ہی عین زباندانی ہے۔۔ اگر اردو لٹریچر کی ترقی میں یہی زبان صرف کی جائے اور اس کا رخ علمی مضامین کی طرف پھیرا جائے تو ملک کو بے انتہا نفع ہو۔۔ فرانس جرمنی اور انگلینڈ میں جو لوگ اپنی فرصت کے وقتوں میں لٹریچر سے دل بہلایا کرتے ہیں ان کی ایک حیرت انگیز تعداد بڑھ گئی ہے (کذا) اس وجہ سے تصنیفوں اور تالیفوں میں انتہا سے زیادہ ترقی ہوئی ہے۔ اب سرکیولیٹنگ کتب خانوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ پرانے کھیل اور تماشے بھی بالکل نظروں سے گر گئے، تھیٹروں اور تماشہ (تماشا) گاہوں کو بھی ان لوگوں نے دور سے سلام کیا جو راتوں کو ادھم مچائے رہتے تھے۔۔۔ یہ سب باتیں دل مردہ کو زندہ کرنیوالی سمجھی جاتی تھیں۔ مگر اب تمام ان چیزوں کا نعم البدل لٹریچر سمجھا جاتا ہے جو اخلاق پر ایک مضبوط اثر ڈالتا ہے"

باقی مضامین کے عنوانات حسب ذیل ہیں: "صحرا اور جنگل کی زندگی" "مزار شہدا" "تمنائے حیات" "انظر الی ما قال لا تنظر الی من قال" "حکیم سولن اور دربار قارون" "لباس نو شنظر خوش گذری" (۲ صفحے) اس عنوان کے تحت اردو لٹریچر سوسائٹی کا تعارف کرایا گیا ہے اور رسالے اور سوسائٹی کے "قواعد و ضوابط" درج کئے گئے ہیں۔

شمارۂ دوم میں سید علی سجاد "سجاد"، خیال، محمد نور الحسن،

سید عبدالحسن ضیاؔ، اور سید محمد وصالؔ کے مضامین ہیں جن میں سے کوئی بھی قابلِ ذکر نہیں۔ آخر کے ۸ صفحے قواعد و ضوابط کے لئے وقف ہیں

شمارۂ سوم میں خیالؔ، سجادؔ اور وصالؔ کا نثر اور سجاد کا ایک نظم ہے۔ خیال نے "مڈسمر نائٹس ڈریم" کا جو قصہ چارلس لیم کے یہاں ہے، اس کا ناتمام ترجمہ پیش کیا ہے اس کا عنوان موسم بہار کی ایک رات کا خواب ہے۔ ایک گیت کو جس کے ۱۴ مصرعے انھوں نے اصلی ناٹک سے لئے ہیں، اس طرح اردو میں منتقل کیا ہے۔

ای دو زبان والے اس وحشت کے کریتے
ای کانٹوں وار ساہی لو منہ چھپا لو اپنے
ای نیولے اندھے کیڑے رویاں نہ جیئے ٹیڑھا
آنا ادھر نہ اصلا سوتی ہے میری ملکہ
بیٹھے سروں میں بلبل وے اس گھڑی یہ لوریا کورس
للا للا للا لی للا للا للا للا لی
جادو نہ سحر کوئی آئے قریب اس کے
نقصان میری پیاری بیگم کو کچھ نہ پہنچے
لو ہوتی ہوں میں رخصت اب صبح پھر ملوں گی
للا للا للا لی للا للا للا للا لی
اے بننے والے مکڑے رتی بھی ادھر نہ کرنا
تم لمبے پاؤں والے اس جا قدم نہ دھرنا
ای کالی کالی جونکیں ہشیار رہنا دیکھو
ای کیڑے اور گھونگھے دکھ دینا تم نہ اس کو

اس کے بعد کورس بیٹھے سروں... لو ہوتی ہوں... للالی"

سجاد کے ناتمام مضمون کا عنوان زبانِ اردو ہے۔ اس میں قاضی محمد صادق خاں اخترؔ کے وہ فارسی عبارات بھی ہیں، جو میں اپنے ایک مقالہ شائع کردۂ نقوش میں نقل کر چکا ہوں۔ مضمون مذکور کے اقتباسات دیکھیں...

"ہر مہینے ہر ہفتے کہیں نہ کہیں سے... کوئی نہ کوئی رسالہ نکلتا ہی رہتا ہے، پولیٹیکل مطالب سے اردو اخبار وں کے سارے کالم بھرے دکھائی دیتے ہیں... شاعری کا نے بھی موجودہ زمانے میں وہ ترقی کی ہے کہ اگلے عہد یہ بات نصیب نہ تھی، قریب قریب بیس تیس گلدستے نکلتے ہیں... کوئی رسالہ یا گلدستہ اٹھا کر اچھے سخن شناسوں کے سامنے کچھ پڑھیں، اور یہ نہ بتائیں کہ مضمون نگار یا شاعر کس شہر یا قریے کا ساکن ہے تو وہ باوصف ادعائے زباندانی کسی شہر کی تخصیص نہ کر سکیں گے اور ان کو یہی کہتے بنے گی کہ اس کی زبان نہایت شستہ و فصیح ہے کیا عجب کہ اس کا مصنف اہلِ دہلی یا لکھنؤ سے ہو حالانکہ اس کے مصنف نے نہ کبھی دہلی کی صورت دیکھی ہوگی نہ لکھنؤ کی...

دہلی و لکھنؤ کے علاوہ بھی ہندوستان میں بعض ایسے شہر ہیں جہاں کے قدیم شرفا اور خاندانی امرا گو بہت کم ہوں اور ان کو ہر طبقے نے تمیز سے کام لیا ہو (کذا)، مگر ان کے لب و لہجے (کذا) اور فصاحتیں اہلِ دہلی و لکھنؤ سے زیادہ اثر خیز نہیں تو کم بھی نہیں، اگر چند الفاظ میں کسی طرح کا فرق دکھائی دے تو ہرگز محلِ اعتراض نہیں، اس لئے کہ اکثر اس قسم کا اختلاف اہلِ دہلی و لکھنؤ کے فصحا میں موجود ہے... فصاحت و سلاست... کسی شہر کی سنگ و خشت سے وابستہ نہیں، بلکہ سوسائٹی کی خوبی اور امتیاز کی کشتگی پر منحصر ہے... اگلے بزرگوں کے بیان اور پرانے وقت کے تذکروں کے دیکھنے سے صاف روشن ہے کہ اس زمانے میں فصحائے دہلی و لکھنؤ اگر کسی دوسرے شہر کے اردو گو شاعر کو فصیح پاتے، تو اس کی زبان کو بھی مان لیتے تھے اور قابلِ استناد سمجھتے تھے... ایرانی خصوصاً زبان کے بارے میں نہایت متعصب ہوتے ہیں، مگر جس طرح وہ سعدی شیرازی کی زبان کو صحیح السند مانتے ہیں اسی طرح نظامی جس طرح صائب اصفہانی کو تسلیم کرتے ہیں اسی طرح ملا ہروی کا کہہ فردوسی، مجیر، جامی، نیوا

وغیرہ وغیرہ تو ممالک ایران ہی میں داخل ہیں۔ انھوں نے بخارا و ترکستان کے باکمالوں کی بھی سند لینے... میں انصاف کو ہاتھ سے نہ دیا۔ ان کی وسعت انصاف سے ہندوستان بھی خالی نہ رہا۔ امیر خسرو، میر حسن دہلوی، واقف بٹالوی، رائخ لاہوری، فقیر شاہجہان آبادی، بیدل عظیم آبادی و ملا غلی تحقیق عظیم آبادی یہاں تک کہ شگفتہ بہار اور راجہ رام نرائن موزوں تخلص عظیم آبادی کے کلاموں کو بھی سراہا اور ان کی زبانوں کو صحیح مان لیا ہے... اختر بنگلی کی خاک سے اٹھے اور وہیں شہرت حاصل کی، کھوت عمر میں لکھنو گئے تو وہاں کے منصف طبع فصحا نے.. ان کو اردو کی شاعری میں مسلم الثبوت مانا اور بہتیروں نے زبان اردو پر ان کے دخل و تصرف کو جان کر انھیں استاد سمجھا"... انشا کی ابتدائی عمر کا بڑا حصہ.. پورب اور مرشد آباد کے امرا و شرفا میں بسر ہوا۔ عالمگیر ثانی کے آخر عہد میں جب وہ پورے جوان ہو کر دہلی پہنچے اور وہاں کے شاعروں میں شریک ہو کر علم استادی بلند کیا۔ تو... رفتہ رفتہ مسلم الثبوت اساتذہ میں اس کا شمار ہو گیا"

ذیل کی نظم سجاد کی ہے اور اس کا عنوان "آسمانی سقا" ہے:

گاتا دریا سے ہوں میں پانی
کرتا ہوں چمن پہ دُر فشانی

گل سوتے ہیں جب کہ دوپہر کو
منہ پر لئے سایۂ شجر کو
لو چلتی ہے جس گھڑی ستم کی
تڑپاتی ہے پیاس دمبدم کی

سایہ کرتا ہوں میں چمن پر
نخل نسرین و نسترن پر

منہ دھوتا ہوں میں گلوں کو پیہم
ہو جاتی ہے تازہ روح عالم

مشہور ہے میری آبیاری
دیکھے کوئی رنگ سحر کاری

جان دیتا ہوں آکے میں چمن میں
خوشبو گلہائے یاسمن میں

ہے مجھ سے یہ پیچ و تاب سنبل
ہے مجھ سے بہار لالہ و گل

وہ شوخ نسیم عنبریں دم
دیتی ہے مجھے دعائیں پیہم

دہقان مجھ کو پکارتے ہیں
دریا مجھ کو ابھارتے ہیں

ہیں میرے امیدوار میکش
وارفتہ و بے قرار میکش

کعبے سے کبھی اُمنڈ کے آیا
اگر کبھی میکدے پہ چھایا

میکش گرتے ہیں پھر سبو پر
مینائے شراب مشکبو پر

میخانے میں غل ہے چہچہے ہیں
شورش ہے جنوں ہے ولولے ہیں

طوفان سے جلال ہوں دکھاتا
موتی اولوں سے ہوں لٹاتا

قطروں سے ہمارے دشت و صحرا
بن جاتے ہیں اختروں کے دریا

کرتی ہے ہوا جو ان کو پانی
یہ بھی میری ہے حکمرانی

چاہوں کچھ زور گر دکھانا
پانی پانی ہو اک زمانہ

جو کوہ سفید برف سی ہیں   معدن ہیں یہ وہ فیض کے ہیں
ہوتے ہیں بلند و پست مجھ سے   ڈرتے ہیں فیل مست مجھ سے
گو سیر میں خوش نہ آئے سوتا   ہے ترنم ہوا مرا بچھونا
ہے رعد جو ہمدم یگانہ   ہے برق سوزاں ہے تازیانہ
ہے ہول گرج کی وہ صدائیں   جو کوہ کے قلب میں در آئیں
لرزہ اندام میں جو ڈالیں   سر پر ابھی آسماں اٹھالیں
ڈر جائیں دلیر ایسی آواز   دل خون کن شیر ایسی آواز
سوکھے پودے ہرے کئے ہیں   مُردے ہیں نے جلائے ہیں
دریا پہ کبھی تو باغ پر ہوں   جھیلوں پہ کبھی تو راغ پر ہوں
گہ سیر کناں جبال پر ہوں   گہ سایہ فگن نہال پر ہوں
ملتا ہے راستہ جدھر کو   جاتا ہوں میں شوق سے ادھر کو
ہے اہل جہاں کو مجھ سے الفت   کہتے ہیں مجھے خدا کی رحمت
رہتا ہوں سروں پہ سایہ گستر   پہچانے مجھے بشر نہ کیونکر
جب ڈوبتا ہے سحر کا تارا   ہوتا دنیا میں ہے اجالا
وہ پردہ کشائے عارض صبح   آئینہ نمائے عارض صبح
پھیلاتا ہے نور کا جو دامن   دکھلاتا ہے سیر دشت ایمن
یعنی خورشید عالم افروز   جس سے دنیا ہو بہرہ اندوز
زینت دہ دوش ہے وہ میرا   آویزہ گوش ہے وہ میرا
جب ڈھلتا ہے روشنی دکھا کر   ڈھیلے ہوتے ہیں اس کے تیور
اور آتی ہے شام اس ادا سے   سر پر چادر سیاہ ڈالے
وہ جان جہاں دلوں کا پیارا   آنکھوں کا فلک کی ہے جو تارا
پھرتا ہے جو اپنی روشنی میں   جو شمع ہے محفل خوشی میں
سب کہتے ہیں ماہتاب جس کو   ہوتا نہیں یہاں خواب جس کو
ٹھنڈک دیتا ہے جو دلوں کو   روکش کرتا ہے ساحلوں کو
سینے پہ مرے وہ لوٹتا ہے   جو اس کی ادا ہے خوشنما ہے
جب رات زیادہ بھیگتی ہے   پھیلی ہر سمت چاندنی ہے

ہوتا ہوں ہوا سے جبکہ پنہاں   چمکتا ہے شعاع ماہ تاباں
عریاں پھر جھانکتے ہیں تارے   گورے گورے وہ پیارے پیارے
جیسے گل رازقی چمن میں   یا بندے ہوں گوش سیمتن میں
کھولے ہوئے آنکھ جاگتے ہیں   میں دوڑتا ہوں وہ بھاگتے ہیں
دیکھے تصویر کوئی میری   ہے شکل مہیب میری کیسی
جیسے گردوں پہ دیو کالا   جس کا خورشید اک نوالہ
ظاہر میں سیاہ ہوں میں ایسا   لیکن باطن ہے صاف میرا
دُرریز و دُرفشاں دہن ہے   مجھ سے آبادی عدن ہے
چاہوں تو بجھادوں شمع خاور   گل کردوں چراغ ماہ انور
لاتا ہوں میں جوش میں سمندر   موجیں جاتی ہیں آسماں پر
پڑتے ہیں وہ دمبدم تھپیڑے   تھمتی نہیں ناؤ نا خدا سے
دکھلاتا ہوں سیکڑوں تماشے   اک گردش چشم سر پہ چلے
جس وقت کہ برق کوندتی ہے   دہشت سے دلوں کو روندتی ہے
ڈر جاتے ہیں سب گرج چمک سے   اس شعلہ فشاں کڑک دمک سے
کوئی کمرے میں جا چھپا ہے   سجدے میں کوئی جھکا ہوا ہے
کانوں میں کسی کے انگلیاں ہیں   ہونٹے پی کی نشانیاں ہیں
آنکھوں پہ دھرے ہے ہاتھ کوئی   ہنستا ہے کسی کے ساتھ کوئی
ڈرپوک پڑے ہیں بزدلے ہیں   دیکھو کس طرح سے تڑپے ہیں
کرتا ہوں بساط امن برہم   دبتے مجھ سے ہیں اہل عالم
چاہیں لاکھوں ہلاک کردوں   چاہوں دنیا کو خاک کردوں
لیکن ہے کرم کی مجھ کو عادت   ہو سایۂ دامن سعادت

یہ چوتھے شمارے میں وصال، سید فدا حسین 'سجاد' شاہ سرفراز حسین کے مضامین' وصال کی ایک نظم، اور سجاد کے ناول کے ۲ صفحات ہیں۔

"بگڑا گویا مرثیہ خواں اور بگڑا شاعر مرثیہ گو" "لالہ سجاد" کے اقتباسات: "اس ترقی یافتہ زمانے کے مرثیوں نے ثابت کر دیا ہے کہ

پر غضب کسی قدر غلط اور مبتذل ہے۔۔ میر اور ۔۔ سودا نے بھی مرثیے لکھے۔۔ یہ حضرات صرف شاعر کامل ہی نہیں بلکہ مرثیہ گو بھی تھے، ان بزرگوں نے مرثیہ گوئی بنظر صواب (کذا) کی تھی نہ بخیال فن، کیونکہ اگلے شعرا نے اس کو اپنا شعار کر لیا تھا جس کی تصدیق ۔۔ حسرت اور ۔۔ احسان وغیرہ کے مرثیے اور کلام سے ہو سکتی ہے۔ اگلے زمانے میں مرثیے جو بولے یا مخمس بطور ترجیع بند مثلث یا قطعہ میں کہے جاتے تھے مسدس شاذ و نادر ہی کسی نے کہا ہے وہ بھی بحر تقارب یا صوت الناقوس یا ہزج میں ہاں جب سے دلگیر، فصیح، خلیق اور ضمیر مرحوم نے اس فن کو جلا دی جو بولے، ترجیع بند، مثلث اور قطعے موقوف ہو گئے اور سلام بطرز غزل مختلف بحروں میں لکھے جانے لگے۔ نوحوں کا بھی انداز بدل گیا اور قطعے اچھے اسلوب سے واقعہ خوانی کے لئے تصنیف ہونے لگے سلاموں کے مخمس بھی ہونے لگے اور بعض استادوں نے بطور مثنوی طولانی مرثیے بھی کہے گو اپنی جگہ پر تمام اقسام مذکورہ پسندیدہ ہیں لیکن مسدس نے خیالات و مضامین میں جان تازہ ڈال دی اور اس لئے مرثیہ گویوں میں زیادہ تر معرکہ آرا چیز یہی مسدس ٹھہرایا گیا جو آجکل رائج ہے اور بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف یا رمل مثمن مخبون محذوف یا مضارع میں اکثر کہا گیا ہے، دلگیر نے مسدس کے اچھے سلام اور فصیح نے سلام سے اچھے مسدس کہے۔ میر خلیق نے روایات، بین و رخصت مسدس میں ایسے لکھے کہ ان کے زمانے میں ان کی زبان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔۔ فصیح و خلیق ۔۔ کے اشہب خامہ سے سخن گسترانہ ایک آدھ بند رزمیہ بھی نکل گئے ہیں، البتہ ضمیر ۔۔ نے جنگ کی صف آرائی، طلوع صبح عاشور کا بیان، گھوڑے، تلوار اور لڑائی کے بند بہ نسبت زیادہ اور اچھے لکھے ہیں، اس خیال سے میں بھی ان کے قول کی تصدیق کرتا ہوں۔ دل میں کھوئی گئیں کھوئی ورد ہی میرا ۔ اس طرز میں جو جو کہے شاگرد ہی میرا

۔۔ دبیر ۔۔ ضمیر کے ۔۔ نام آور شاگرد تھے ۔۔ انیس، خلیق کے بڑے صاحبزادے تھے زبان تو ان کے مصے اور ترکے ہی میں تھی مگر اس کو انہوں نے اور بھی جلوہ دیا، صبح کا عالم، رات کی رخصت جنگل اور بستی کی حالت، مرغزار کی بہار، گھوڑے کی جست و خیز، تلوار کی برش، جنگ کا عالم، فوج کی سپہ اندازیاں، زہد و عبادت کی حقیقت، صبر و شکر کے مراحل، ان مضامین کو طولانی مسدسوں میں نہایت بہتات کے ساتھ نظم فرمایا ہے اور ان کی ایسی سچی تصویر کھینچ دی کہ ۔۔ مانی و بہزاد تو کیا حال کے تعلیم یافتہ مصوران مشہور سے بھی ناممکن ہے۔۔ وسعت خیال طرز بیان اور خبر فلک دلپسند محاوروں کے اعتبار سے ہندوستان میں تو کیا دور دور تک ایسا باکمال شاعر نہیں ہوا۔۔ انیس مونس اور ۔۔ وحید ۔ بھی تھوڑے اختلاف کے ساتھ وہی زبان اور وہی طرز رکھتے تھے خصوصاً ۔۔ مونس ۔۔ تو اپنے باکمال بھائی کے پورے مقلد تھے۔۔ اس زمانے میں بھی اگر کسی کو ۔۔ انیس کی جیتی جاگتی تصویر دیکھنا ہو تو ۔ نفیس کو لکھنؤ جا کر دیکھے یا کسی مجلس میں ان کی زمزمہ خوانیاں سنے۔ یوں تو غزل سرا اور حسن و عشق کے کوچہ گرد برے یا بھلے ہندوستان ۔۔ میں بہت سے گئے بہت سے آئیں گے اور ۔۔ بہت سے موجود ہیں مگر رونا تو اس کا ہے کہ یہ نعمت ہندوستان کو شاید ہی پھر نصیب ہو ۔۔ گو فن مرثیہ گوئی اور اس ترکیب خاص میں میر انیس خود ہی موجد اور خود ہی منتہی سمجھے جاتے تھے ۔۔ پھر بھی بعض محققین نہ ان کو نفس شاعری پر بلکہ بعض خیالات شاعرانہ پر معترض ہیں۔ مگر زمانے کے اعتبار سے اعتراض وزنی نہیں سمجھا جا سکتا ۔۔۔ انیس ۔۔ نے تصحیح روایات میں بہت کاوشیں کی ہیں، کیونکہ قبل و بعد کے مرثیہ گویوں نے تو نفس الامر ۔۔ کو ایسا لیپ پوت کر برابر کر دیا ہے کہ نہ اہل بیت اہل بیت معلوم ہوتے ہیں اور نہ امام حسینؑ امام حسینؑ۔ رخصت و بین

ہیں امر واقعی کو ضرور ملحوظ رکھتا تھا۔ ایک نظم میں ایک وسعت خیال و.. ملحوظ.. سے اس امر کو بصراحت عرض کرکے استدعا کی تھی کہ اب اگر مرثیوں میں اس کا خیال رکھا جائے تو نور علی نور ہے مگر یہ عذر پیش کیا گیا کہ سامعین وسعت بیاں چاہتے ہیں اور خیالات کے عادی ہیں ان قیود کے ساتھ وسعت خیال اور رابط یہ دونوں باتیں ہاتھ سے جاتی رہیں گی۔ (یہ مضمون بھی ناتمام رہا)

وصال کی نظم ذیل کا عنوان "ہوا اور آفتاب میں چھیڑ چھاڑ" ہے۔

کہتا ہے فلک کہ شب ہے آخر   آثار سحر ہوئے ہیں ظاہر
آتے ہیں ہوا کے سرد جھونکے   کس موج کے ہرن سے ہوش ہوکے
کس لطف کی یہ ہوا ہے دیکھو   پیاری اس کی ادا ہے دیکھو
اک اک کو جگا رہی ہے جاکر   شوخی سے الٹ رہی ہے چادر
بکھرے ہیں رخوں پہ تار گیسو   دیکھے کوئی اب بہار گیسو
لیتا ہے یہ کون منہ پہ دامن   اے شوق جمال ڈر دے یہ تن
پھرتی ہے چمن میں کس خوشی سے   چہلیں کرتی ہے ہر کسی سے
پتوں کو ہلا دیا ہے اس نے   غنچوں کو کھلا دیا ہے اس نے
چھوتی کبھی گلوں کو جاکر   دوڑی کبھی فرش مخملی پر
اٹھلائی جو پھرتی ہے روش پر   اترا گئی کن گلوں سے مل کر
ہے سب کی زباں پہ نام اس کا   ہے فیض جہاں میں عام اس کا
محروم کوئی نہیں کرم سے   جیتے سب ہیں اسی کے دم سے
رک جائے اگر یہ ایک دم کو   راہی ہو جہاں بھر عدم کو
قینچی سی زباں چل رہی ہے   موتی کیسے اگل رہی ہے
کہتی ہے کہ مجھ سے ہے زمانہ   چلتا ہے مجھی سے کارخانہ
میری ہے تمام حکمرانی   جاری ہوں جیسے گردش میں پانی
پھل پھول لگے ہیں میرے دم سے   شاداب چمن مرے کرم سے
پیارا سرِ دل پہ ہے جو سب کے   چلتا ہے ہمیشہ مجھ سے دب کے

کرتی ہوں جو ابحروں کو پانی   ہوتی ہے زمیں پہ گردش آنی
جھولی میں ہیں مری بیکڑوں گنج   در دست تصرف سخن سنج
پہنچاتی ہوں میں لوگوں کو راحت   اک لمحہ مجھے نہیں ہے فرصت
ہے کون سی جا جہاں نہیں ہوں   ہوں تیز کہیں تو کم کہیں ہوں
رہتا ہے خنک جو آب چشمہ   ادنیٰ سا مرا ہے یہ کرشمہ
اعلیٰ میں رہوں لطیف ہو جاؤں   ادنیٰ سے ملوں کثیف ہو جاؤں
ہیں نت نئے میرے ناز و انداز   پہنچاتی ہوں تا بگوش آواز
ہو جاتی ہوں جب میں کبھی ور   ہوتی ہے فلک کی سیر منظور
کرتی ہے تلاش مجھ کو خلقت   گھٹتی ہوتی ہے اور اذیت
ہیں ہوش کہیں تو خود کہیں ہے   بے میرے کسی کو کل نہیں ہے
ہے سارے جہاں کو ہجر دشوار   فرقت میں مری ہر ایک بیمار
آتا ہے کبھی جو مجھ کو غصہ   بگڑا ہوتا ہے سب کا نقشہ
سب ہوتے ہیں بے حواس ہر دم   ہوتی نہیں عقل پاس اس دم
پھرتا ہے تلاش میں کھلے سر   سب کہتے ہیں جس کو شاہ خاور
کرتا ہے جفائیں مجھ پہ جیسی   ہوتی نہ کسی پہ ہوں گی ایسی
کیوں کہنے میں آئے شرم مجھ کو   کر دیتا ہے آکے گرم مجھ کو
چمکا نے میں شاہ خاور   بولا اس سے بدل کے تیور
سنتا تھا تمام تیری باتیں   کرتی تھی ابھی تو میری ہجویں
تونے مرے رعب کو نہ مانا   تھراتا ہے مجھ سے اک زمانہ
ہے تیری غرور طینت بد   احساں کرتا ہوں تجھ پہ بیحد
بولی یہ ہوا نہ کر تو شیخی   کرتا نہیں کوئی مدح اپنی
مانا دنیا میں فرد ہے تو   پھر رعب سے کس کے زرد ہے تو
دن بھر کی حضور سلطنت ہے   اس پر یہ غرور و تمکنت ہے
خاور نے کہا کہ کیک پہیلی   ہر بات میں ہوں میں تجھ سے افضل
ہو جائے بغیر میرے برہم   ہے مجھ سے یہ سب نظام عالم
یوں منہ میں جو تیرے آئے کہہ لے   آیا ہوں جہاں میں تجھ سے پہلے

اللہ رے اب دماغ تیرے — جو فی کہے مجھ کو کچھ ڈگمگی سے
تو کیا ہے تیری بساط کیا ہے — مجھ کو کچھ خبط ہو گیا ہے
گر مجھ پہ پڑے کرن کی پھنکی — الٹی یہ مجھ ابھی ہو سیدھی
تو باد سحر ہو یا صبا ہو — چل دور ہو یاں سے اب ہوا ہو
اعلیٰ ہوں میں اور تو ہے ادنیٰ — ایسوں کو برا ہے منہ لگانا
اتنے میں سیاہ ابر آیا — حائل ہوا بیچ میں یہ پردہ
دونوں میں اسی نے کی صفائی — بڑھنے ہی نہ پائی یہ لڑائی

سجاد کے ناول کا نام "پھولوں کی ڈالی" ہے اور اس کے دیباچے کا آغاز شاد کے اس شعر سے ہوتا ہے۔

چمن میں جاکے میں نے غور سے اوراق گل دیکھے
تمہارے حسن کی شرحیں لکھی ہیں ان رسالوں میں

ناول کے صرف ۲۴ صفحے دے ہیں، باب اول کا عنوان "باپ بیٹی کا حال" ہے۔

سجاد اردو لٹریچر سوسائٹی کے صدر تھے (ادیب شمارہ ۴ صـ۳) اور فن سخن میں شاد کے شاگرد۔ ان کا مفصل حال خیال نے آفتاب (کلکتہ) کے ایک شمارے میں لکھا تھا جو اس وقت پیش نظر نہیں۔ یہ رسالہ "چراغ حسن" حسرت مرحوم کی ادارت میں شائع ہوا کرتا تھا۔ قمر نے 'جاوید جلد ۴ میں سر برام نے تحریر کیا ہے:
"علی سجاد عظیم آبادی... اردو کے مشہور رسالے مخزن میں یلدرم کے نام سے جو مضامین نکل چکے ہیں، وہ آپ ہی کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ اب ان مضامین کا مجموعہ خیالستان کے نام سے شائع ہو چکا ہے" یہ فاحش غلطی ہے۔ ان کا ایک ناول نئی نویلی ایک بار سے زیادہ چھپ چکا ہے، دوسرا محل خانہ بھی طبع ہو چکا ہے، لیکن یہ مکمل شائع نہیں ہوا۔ میں نے سنا ہے کہ اس کا دوسرا حصہ قلمی مصنف کی اہلیہ کے پاس تھا۔ سجاد کے ۲ شعر خمخانۂ جاوید میں ہیں۔

خیال خاصی شہرت رکھتے ہیں، ان کے بارے میں کچھ لکھنا ضروری نہیں۔ وصال جو اسسٹنٹ سکریٹری تھے (ادیب ۴ صـ۳) شاد کے حقیقی بھتیجے تھے۔ شاد کے سیرت نگار قیس نے وصال کا ترجمہ نہیں دیا، لیکن ان کے والد ایجاد کے ترجمے میں انہیں ایجاد کا بیٹا لکھا ہے۔ ایجاد شاد کے حقیقی بھائی تھے۔

۱۹۰۷ء سے قبل صوبۂ بہار میں گلدستے بہت نکلے، اور ان میں تھوڑی بہت نثر بھی ہوا کرتی ہوگی۔ لیکن، جہاں تک میرا علم ہے یہ پہلا ماہنامہ ہے جس میں نثر کے مقابلے میں نظم بہت کم تھی۔ خیال کی ایک تحریر میں میں نے دیکھا تھا کہ شرر نے دلگداز میں اس کی بڑی تعریف کی تھی۔ مضامین میں شرر کا اثر نمایاں ہے۔ یہ سبب ستائش کا ہو سکتا ہے۔

الپنچ ۱۹۰۲ء

الپنچ ۱۹۰۲ء کے کل شمارے میری نظر سے نہیں گزرے، مگر بیشتر جو یک جا مجلد ہیں، کتب خانۂ الاصلاح دسنہ سے ادارۂ تحقیقات اردو کی نمائش کے لیے آئے تھے۔ موجودہ شماروں میں پہلا ۱۴ فروری اور آخری ۲۰ دسمبر کا ہے، ان میں سے بعض ناقص بھی ہیں۔

(۱)

۱۴ فروری (۱) "اب بانکی پور کے عوض خاص شہر پٹنہ سے اخبار کی اشاعت ہوگی۔۔ آیندہ سے اخبار کا گویا دو حصہ ہوگا، پہلا متن، دوسرا مذاقیہ۔" (۲) اسٹیٹسمین سے معلوم ہوا کہ "شاہ ایران نے۔۔ جبل المتین کی اشاعت اپنی قلمرو میں روک دی۔۔ وجہ یہ کہ وہ ممالک غیر کے اخباروں سے ایران کے خلاف مضامین نقل کیا کرتا تھا۔ لیکن، کل کی بات ہے کہ پچھلے ہفتے کے حبل المتین میں۔۔ گورنمنٹ ایران کا شکریہ ادا کیا گیا تھا اور شہنشاہ۔۔ کا وہ فرمان جس میں ایک عصائے مرصع کے عطا کیے جانے کا ذکر تھا، شایع ہوا تھا۔" (۳) ظاہر ہوا ہے کہ بیکن الیز بتھ کا بیٹا تھا (۴) "سفر کربلائے معلّٰی" از سید نظیر حسین (۵) حیدر آباد میں رتن ناتھ سرشار کی موت۔

۲۱ فروری (۱) "سفر کربلائے معلّٰی و سیر فارس" از نظیر حسین (۲) وفات سر وقار الامرا وزیر حیدر آباد بتاریخ ۱۸ فروری (۳) وفات نظام الدین طیب جی، تاجر نامی و برادر بزرگ بدرالدین طیب جی بعمر ۶۰ سال بمقام بمبئی ۱۰ فروری۔

۲۸ فروری (۱) "سفر کربلائے معلّٰی و سیر فارس" از نظیر حسین (۲) پٹنہ کی اردو لٹریری سوسائٹی کے قیام کو ابھی سال بھر بھی نہیں گزرا، لیکن اس نے اپنا کتب خانہ قائم کر لیا ہے (۳) گیا کے نامی زمیندار ارشاد علی خاں موضع بھدیا میں مدرسہ قائم کرنے والے ہیں (۴) انجمن حمایت اسلام مونگیر کے تیرہویں سالانہ جلسے کی روداد۔

۱۴ مارچ (۱) "دار الترجمہ۔ کھلا خط بخدمت ندوۃ العلما لکھنو و ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ۔ از م۔ ق۔ حافظ" (۲) "زبان و قلم" از سرفراز حسین (خاں) (۳) اوبزرور لاہور اور بہار نیوز بھاگل پور نے الپنچ کے متعلق اپنی رائیں ظاہر کیں (۴) منصور حنا نے نیویورک سے ایک عربی اخبار "المحیط" جاری کیا ہے۔

۲۲ مارچ (۱) "صوبہ بہار میں ابتدائی تعلیم اور ہندی اردو کا جھگڑا" بہار ٹائمس (۲) اس کمشنری

کے ہندؤوں کا آرگن ") میں ہندی بھاشا پرچارنی سبھا مظفر پور کا میموریل بنام لفٹننٹ گورنر بنگالہ شایع ہوا تھا۔ اسپیچ نے سبھا کے مطالبات کی مخالفت کی تھی (۲) اردو ہندی کا جھگڑا" از سرفراز حسین (خاں) (۳) اردو لٹریری کمسائٹی۔

۲۹ مارچ "والیان ریاستہائے ہند" از سرفراز حسین (خاں)

۵ اپریل (۱) "ہندی رانی سے اردو خانم کی دو دو باتیں" "ہندو کے مذہبی اور اخلاقی پرچے، اودھ ریویو، آریہ بندھو، آریہ سماچار، دیش ہتکاری وغیرہ.. سب اردو میں نکلتے ہیں.. والمیکی کی رامائن، تلسی داس کی رامائن، بھاگوت گیتا، گیان پرکاش، پریم ساگر وغیرہ.. اردو ہی میں چھپ رہی ہیں اور ہاتھوں ہاتھ.. بک رہی ہیں"۔

۱۰ مئی (۱) "اخبار دار العلوم دہلی میر ناصر.. کوڈنکے کی چوٹ للکارتا ہے کہ گرم دمیدان ہو تو ایک ہفتے کے اندر ایک جلسہ منعقد کرکے علما اور عمائدین کے سامنے کسی مقام سے معراً قرآن کی (کذا) ایک رکوع پڑھ کر ترکیب نحوی یا بعض معنے جو پوچھے جائیں اور ترجمہ بیان کردو۔ اگر تم جلسہ نہ کرسکے تو ہم خود جلسہ کرکے آپ کو بلائیں گے" (۲) "حضرت ہمسر بھاگلپوری و حضرت مائل دھرم پوری.. کے نام کا یہ آخری پرچہ بھیجا جاتا ہے۔ اگر پرچہ پہنچتے ہی مضمون نہ پہنچا تو نام رجسٹر سے خارج کردیا جائے گا" (۳) مولانا ابو محمد ابراہیم.. نے متعدد رسالے عربی اور اردو کے تصنیف فرمائے اور ایک تفسیر خلیلی لکھی.. آپ نے.. مدرسہ احمدیہ آرہ جاری فرمایا" (۴) وفات سر جنگ بہادر خاں، نانپارہ بمقام بہرائچ

۲۴ مئی (۱) "مرزا قادیانی.. بڑے دعوے سے فرمایا کرتے.. تھے کہ" ہمارا قادیان دار الامان ہے۔ میرے دم قدم کی برکت سے مرزا طاعون خاں کا قدم یہاں نہیں آنے کا" ابھی ابھی ایک نامہ نگار کے بیان سے معلوم ہوا کہ ابھی تک خاص قادیان میں ۷ آدمیوں کو مرزا طاعون بیگ چٹ کرچکے" (۲) "شحنۂ ہند میرٹھ سے دو دو باتیں" از مولانا ہنر پھپھکا۔ شحنۂ ہند کے مدیر شوکت میرٹھی کے بیجاد عاوی سے بحث۔

۷ جون "مولوی عبد المنان، انگریزی کا ایک اخبار" مسلمان" بھاگلپور سے نکالنے والے ہیں۔

۲۱ جون "خاتونوں کی تعلیم" از س س س دسنوی البہاری دار العلوم لکھنو (اس کی ایک قسط شمارہ ۵ جولائی میں ہے از "س س س دار العلوم ندوۃ العلما لکھنو" میرا خیال ہے کہ یہ مضمون سید سلیمان ندوی کا ہے)

۲۸ جون (۱) "سورے کی سیر" از حضرت بخاری علیہ الرحمۃ (۲) "جشن تاج پوشی کا کلکتہ میں دلچسپ مشاعرہ" از ابو الکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی (یہ مضمون اردو ادب کے آزاد نمبر میں شائع ہوا ہے۔)

۵ جولائی (۱) حافظ شوکت علی رئیس سندیلہ کی وفات بعمر ۸۶۔ بہت بڑا کتب خانہ یادگار چھوڑ گئے۔ (۲) "جشن تاج پوشی کا کلکتہ میں دلچسپ مشاعرہ" از ابو الکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی (یہ مضمون ابھی حال میں اردو ادب

کے آزاد نمبر میں شایع ہوا ہے۔)

۱۹ر جولائی (۱) "مسوری ہل" از حافظ بخاری علیہ الرحمۃ۔ (۲) سید رحیم الدین مالک و منیجر و ایڈیٹر اودھ پنچ دس بارہ برس سے عارضۂ ضیق النفس میں مبتلا تھے اور خیر اسسٹنٹ ایڈیٹر آٹھ برس سے اخبار چلا رہے تھے۔ یہ پہلے ابو الظرفا اور قہر نگار، ہنر، بھپکار کے نام سے نامہ نگاری کرتے تھے۔ سید رحیم الدین (ان کا تخلص مہجور بتایا گیا ہے) وفات کے وقت ۵۴ برس سے زیادہ کے نہ تھے، وفات ۲۰ر جولائی = ۱۳ ربیع الثانی۔ ان کے حالات زندگی۔

۲ر اگست "بقیہ سیر مسوری ہل" از حافظ بخاری علیہ الرحمۃ۔

۱۶ر اگست ہم ایک علمی ماہانہ میگزین (رسالہ) نکالنا چاہتے ہیں۔

۲۳ر اگست "حضرت آزاد دہلوی آپ کا مضمون حجاز ریلوے سفر دوسرے اخباروں میں شایع ہو چکا ہے اس لیے اب اودھ پنچ میں شایع نہیں ہو سکتا۔"

۲۳ر اگست نیاز احمد رئیس خیر آباد نے مدرسۂ خیر آباد کے لیے ایک لاکھ رُپے کی جایداد وقف کر دی ہے۔

۳۰ر اگست "من از وضع زمانہ می ترسم کہ مبادا از یں بتر گردد" از مجدد مأۃ حاضرہ۔ (بریلی کے مشہور عالم احمد رضا خاں کے مداح انھیں "مجدد مأۃ حاضرہ" کہا کرتے تھے، اس مضمون میں ان پر چوٹ ہے اور راقم کے والد پر بھی اگرچہ ان دونوں میں سے کسی کا نام نہیں آیا۔ والد مرحوم نے ندوۃ العلما کی مخالفت کی تھی اور انھیں احمد رضا خاں سے بڑی عقیدت تھی) اس مضمون میں نثر کے ساتھ نظم بھی ہے اور آیندہ شماروں میں بھی اس طور کے مضامین ہیں۔

۶ر ستمبر (۱) اودھ پنچ بانکی پور واپس آگیا (۲) "ملک الشعرا تسلیم لکھنوی"، "اودھ پنچ کے گذشتہ پرچے میں اپنی تحریر کے ساتھ جدید سرفراز نامہ بھی استاد تسلیم کا میں نے چھپوا دیا ہے۔ پہلے سرفراز نامے میں تو آپ نے یہ لکھا ہی ہے کہ بھائی میں ابھی کہاں مرا ہوں؟ زمانے کی مصیبتیں ابھی کہاں تمام ہوئیں جو مجھے موت آتی۔

گردشیں افلاک کو ہیں دل دکھانے کے لیے　　چلتی ہیں تو چکیاں اس ایک دانے کے لیے

اب ... حسرت موہانی ... نے ایک عنایت نامے میں ... استاد کا سرفراز نامہ بھیجا ہے جس کا ایک مطلع غلط خبر (اخبار میں خبر موت، یا لفظ مرحوم بعد نام) کے اعتبار سے لاجواب ہے۔۔۔:

مار ڈالا مجھے بے موت مرے یاروں نے　　خاک اڑائی سر افسوس پہ اخباروں نے

۲۰ر ستمبر (۱) ایک شخص نے سید بادشاہ نواب عشرتی کو ایک خط بھیجا جسے دیکھ کر انھوں نے مشاعرہ منعقد

کرنے کی ٹھانی۔ خط یہ ہے:

"جناب سید بادشاہ نواب صاحب تسلیم۔ سنتا ہوں کہ آپ مشاعرہ کرنے کو ہیں۔ آپ لوگ پوربی ہو کر شعر کہنا کیا جانیں۔ استادوں کی غزل دیکھ کر تک میں تک ملا دیجیے گا۔ یہ اللہ تے لکھنؤ و دہلی پر ختم کیا ہے۔ بھلا آپ اور یہاں کے جو شاعر اچھے ہیں یہ طرح (کذا) میں بھیجتا ہوں اس میں اگر کچھ بھی موزوں کر دیں تو میں اپنی ناک بدتا ہوں اور یوں تو واہیات بکنے کو سب موجود ہیں۔ کدتر کی گنتی نہیں ہے۔ میں یہاں کے اچھوں کو کہتا ہوں۔ میں غریب الوطن ہوں۔ مشاعرے میں میرا جوہر دیکھیے گا، مگر ان طرح (کذا) میں اگر آپ لوگ کہیں تو حال معلوم ہو۔ فقط ۲۵ اگست ۱۹۰۲ء، مصرع طرح:

ہمرہ شب تار سر دوش ہوئی دھوپ قافیہ آغوش، مینوش ردیف دھوپ
قد ناپتی ہے زلف رسا سر سے پاؤں تک قافیہ ادا، خدا، دوا
موت کا پیغام ہے تاخیر صبح قافیہ تسخیر، تدبیر، تحریر
پر نور صورت رخ روشن ہے آفتاب قافیہ گلشن، مدفن
تمہارے کوچے میں میری تربت برائے نام و نشاں رہے گی قافیہ آسماں، کہاں
پر جھاڑتے ہیں مرغ سحر بولتے نہیں قافیہ نظر، قمر، اثر، گہر

(۲) "پروفیسر آزاد کے خیالات" "زمانہ" راقم نمک

۱۴ اکتوبر (۱) "انجمن اسلامیہ بانکی پور" (۲) "اک بت سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد" از ابوالکلام آزاد (۳) مشاعرے کی اطلاع از سید بادشاہ نواب عشرتؔ، وہی ۷ طرحیں جن کا ذکر آچکا ہے۔ مشاعرہ ۸ اکتوبر کو شروع ہونے والا تھا اور خیال تھا کہ "پانچ سات روز سے کم میں ختم نہیں ہوگا" یہ بتایا گیا ہے کہ "سید بادشاہ نواب رباعی خواہ غیر طرح اشعار.. سے ابتدا کریں گے پھر.. شاد اور.. اثر اور خان بہادر.. خدا بخش خاں.. جمیل.. بیان کریں گے کہ شاعری کیا ہے اور اس کی غایت کیا ہونی چاہیے۔"

۱۸ اکتوبر "ہماری دلی آرزو ہے کہ.. گمنام اور غریب الوطن شاعر جنھوں نے اکثر نوازش ناموں سے.. سید بادشاہ نواب.. کر دد.. فرمایا ہے.. کھلے بند مشاعرے میں تشریف لائیں۔"

۲۵ اکتوبر (۱) "ہمارا معرکہ آرا مشاعرہ" ۱۸ اکتوبر کو گیارہ بجے دن سے شروع ہوا۔ "شہر کے باکمال شعرا میں یہ حکیم عبدالحمید.. پریشانؔ.. شادؔ.. شوقؔ.. حفیظؔ.. آزادؔ.. باقرؔ.. خدا بخش.. جمیل وغیرہ.. بہار شریف سے.. احقر اور حضرت شاہ امین احمد کے صاحبزادے اور حافظ عبداللہ اور گیا سے.. سید خیرات احمد وکیل اور جناب عشرتؔ اور

آرہ سے جناب ہاشم، جناب واجد اور میاں قمر وغیرہ اور مظفر پور سے حافظ رحمت اللہ۔۔ اور جناب مشرقی منیری تشریف لائے تھے۔۔ عمائد ۔۔ شہر سے ۔۔ سرفراز حسین خاں ۔۔ آصف مرزا ۔۔ نواب کاظم حسین ۔۔ بنا صاحب موج ، مسٹر سید علی امام۔۔ مسٹر سید حسن امام ، مسٹر نصیر الدین حسین ۔۔ نصیر شریک صحبت رہے" حکیم محمد مہدی اثر اور مظیر لکھنوی بھی برابر شریک رہے افسوس مشاعرہ سید بادشاہ نواب نے ایک رباعی اور غیر طرحی غزل سے کیا ص۲ ، ص۳ ، ص۴ غائب (۲) وفات شمس العلماء نذیر حسن بعمر ۱۰۱ سال۔

ار نومبر" ہمارے گمنام غریب الوطن اہل زبان شاعر" گمنام شاعر اب اپنی ناک کٹوانی چاہیے۔ ان کے خطوط کے اقتباسات: خط مورخہ ۱۶ ر رجب لفافے پر بانکی پور کی مہر میں حقاً اور ایماناً کہتا ہوں کہ ۔۔ اگر لکھنو دہلی کے اچھے شاعر کہتے تو ایسا ہی کہتے ۔۔ شاد کا کیا کہنا ۔۔ وہ آپ کے شہر میں باعث فخر ہیں اور بنا میاں، افروز میاں، احقر بہاری ، آزاد شوق نیموی ، مولوی امداد امام (اثر) ، حفیظ ، تبسم ، بیتاب ۔۔ کی غزلیں ۔۔ دیکھنے کے قابل ہیں۔ میں نے بڑے بڑے معرکے لکھنو و دہلی کے دیکھے ہیں اور رام پور میں بھی بہت رہا ہوں۔ میں شاگرد میر وحید ۔۔ مرحوم کا ہوں" (۲) خط ۱۹ ر رجب ۱۳۲۰ھ "آپ کی غزلیں بھی بہت عمدہ ہیں ۔۔ شاد نے تو زمین کو پانی کر دیا۔ بے شک وہ استاد ہیں ۔۔ مگر آپ لوگوں کو ان کی قدر نہیں۔ شوق نیموی نے بھی غزلیں اچھی پڑھیں (۳) ۲۱ ر رجب "بہت عمدگی سے آپ نے مشاعرہ کیا ۔۔ آپ لوگ میرے قصور کو معاف فرمائیں اور یہ خط سب کے سامنے ۔۔ پڑھ دیں" (۴) خط ۲۱ ر رجب "آپ نے بیشک سب پوربیوں کی عزت رکھ لی" (۵) کارڈ کا مضمون جس پر آرہ چوک کی مہر ہے" ہم کو خیال تھا کہ یہ پوربی غزل کہنا کیا جانیں۔ اس کے برعکس پایا اور میرا وطن دہلی ہے۔ میں چھٹوں طرحوں میں موجود تھا"۔

۱۵ ر نومبر ہیوز کلب منگل تالاب پٹنہ کے جلسے کی کیفیت

۲۲ ر نومبر (۱) خلیل الرحمن صاحب ڈمری نے انجمن اسلامیہ بانکی پور کی عمارت کے لیے ہزار روپے دیئے (۲) "ہماری ولایتی چٹھی" "دعا کیجیے کہ منشی انبا پرشاد صاحب صوفی اور مرزا عبد اللہ صاحب حسرتی رہائی پائیں" راقم مسٹر عزیز احمد از گلاسگو (۳) ایک مراسلے میں سید محمد طاہر بلگرامی کو سابق ایڈیٹر شہرۂ آفاق لکھا ہے۔

۲۷ ر دسمبر" مرزائے قادیانی اور اخبار الحکم پر عدالت جہلم میں نالش لائبل دائر ہوئی ۔۔ اس کے جواب میں ایک نالش عدالت گورداس پور میں دائر کی گئی ہے"۔

(۲)

۲۱ ر فروری ایک مختصر فارسی مثنوی از قاآنی ہند (حکیم عبد الحمید مرحوم اس نام سے لکھا کرتے تھے) بیت اول:

خوشا حضرت تیغ گردوں قباب　　　　دل و مردم دیدۂ آفتاب

۲۸ ر فروری ایک مختصر فارسی مثنوی "موسم بہار کی ترنگ" از قاآنی ہند، بیت اول :

کجائی تو اے ساقیٔ پر جمال　　　　بجام حلب زن مے پرتگال

۱۴ ر مارچ نظم بعنوان چائے" از آزاد (فضل حق ؟) بیت اول :

بگیر چائے اگر از مے اجتنابے ہست　　　　کہ بعد بادہ اگر ہست ہمیں شرابے ہست

۲۹ ر مارچ (۱) نظم "کمال نقص" از آزاد (۲) مسدس "نوروز سعید ہوئی کی کشید عید کی دید" از حفیظ عظیم آبادی (حافظ نذر الرحمن)، بند اول :

جوبن پہ ہے بہار چمن لالہ زار ہے　　　　گلشن ہے سبزہ زار گلوں پر نکھار ہے
گلہائے بیشمار سے پر کوہسار ہے　　　　رندوں کی ہے پکار کہ فصل بہار ہے
ساقی بیار بادہ کہ آخر بہانہ چیست　　　　در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ چیست

۱۲ ر اپریل نظم بعنوان "گرمی" از صغیر لکھنوی مصرع ا "اب کے تو بے سرو سامان ہی آئی گرمی"

۳ ر مئی مسدس "سراپا یاس" از ضمیر الدین احمد عرش، ایک بند، حاشیے میں ہے کہ امیر سے مراد امیر لکھنوی، فریاد در فیق و حشر و آہ و عیش گیاوی تھے، ضیا عظیم آبادی، لئیق سہسرامی اور خورشید لکھنوی تھے۔

ہیں امیر آج کہاں اور وہ فریاد و لئیق　　　　کیا ہوئے حشر و ضیا آہ و نفیس اور لئیق
عیش و خورشید کہاں اور کہاں ہیں وہ شفیق　　　　تھے مرے دور میں یہ اہل صفا پاک طریق
حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد　　　　روے گل سیر ندیدم و بہار آخر شد

۱۰ ر مئی (۱) ایک نظم بعنوان "بیسویں صدی کی ایک پٹاخا بانو کی شکایتیں" از "ہم" ابتدا کے دو شعر :

مردوے فوج میں کیا جانوں کہ ہونگے پرفن　　　　اب نہ انگریزی کے پڑھنے سے ہوا اب روشن
وہ تو ابا کو خدا بخشے مجھے پڑھوایا　　　　مس فریڈم کو بلا لائے وہ خود جاکے گشن

(۲) قطعۂ تاریخ وفات" مولانا مولوی ابو محمد ابراہیم .. آروی" از رنجور عظیم آبادی۔ مادّہ :

ہائے اب دین کا چراغ بجھا ۱۳۱۹

۲۴ ر مئی (۱) مدیر کی طرف سے صوبۂ بہار کے ایک پرانے زمانے کے شاعر" عبد الغنی غنی (حالات ندارد) کی ۳ غزلیں تمہید نثر کے ساتھ :

ہے ابرو باد درد سے سینہ پھٹاپھٹا — بدلی ہے جب سے چشم محبت گھٹا گھٹا
ہر روز اس کو وعدۂ فردا دیا کریں — جوں کشت زیرہ رکھتے ہیں دل کو پٹا پٹا
آب حیات خضر ملا سامنے مرے — میں زندگی سے سیر ہوں بس جی گھٹا گھٹا
تیر نگاہ و تیغ دو ابروئے یار کی — سو ٹکڑے کر کے دل کو لیا ہے بٹا بٹا
شمشیر قتل پر مرے کی تھی علم مگر — خود شرم سے وہ جاوے ہے آپ ہی کٹا کٹا
کیا ذکر آب و دانے کا عاشق کے تئیں بھلا — تسکین دل کی کرتے ہیں لوہو چٹا چٹا
زاہد کا دخل بزم میں اس کی ہو دخل کیا — عشاق اس گروہ کو دیویں ہٹا ہٹا
کیونکر نہ جی اچٹے مرا جینے سے تنگ ہو — بیٹھے رقیب بازو سے اس کے سٹا سٹا
اتمام اس غزل کا غنی ہی کا کام تھا — کیا تنگ قافیہ تھا یہ آخر اٹا اٹا
ہنستی تھی مجھ کو دیکھ حیا سے سمٹ گئی — دانتوں میں انگلی کاٹ شرم سے دہک گئی
ہٹ ہٹ چپا پٹی سے وہ پٹ پٹ جواب دے — چھٹ پٹ پلٹ جھپٹ کے کمر سے لپٹ گئی
سوز و گداز ہی میں ہوئی زندگی تمام — مانند شمع سر سے لے پا تک لپٹ گئی
مانند اشک تو نے نظر سے گرا دیا — ایسی ہماری آنکھوں میں توقیر گھٹ گئی
بس اب خموش ختم کر دیہ غزل غنی — ہے وقت تنگ فکر بھی سو طرف بٹ گئی
جو صحبت میں رہے تیری سو دل مغموم کر نکلے — تری خو بو سے واقف ہو تجھے معلوم کر نکلے
یہ وہ در ہے جسے سجدہ کریں جن و بشر یکسر — جو آئے آستانے میں سو چوکھٹ چوم کر نکلے
جو دیکھوں اسکی قامت کو تو اک سکتہ سا لگتا ہے — نفس رکتی ہے گر نکلے تو یا قیوم کر نکلے
کبھوں گر سیر کو سرو چماں سوے چمن جاوے — چمن سے اس کے استقبال کو گل جھوم کر نکلے
نہ دو اس ترک شیرازی کے تئیں شمشیر سفاکی — وگرنہ خون عالم شام سے تا روم کر نکلے

(۲) "مزیدار مشاعرہ" کے عنوان سے تمہید نثر کے ساتھ صغیر لکھنوی نے فرضی شعرا مثلاً فرخندہ خانم، بگو چلبلی بیگم، مغلق نواب اگروہٹ اور مذاق مرزا ہنسوڑ بیگ کی غزلیں پیش کی ہیں۔

(۳) مسئلہ (۱) "مبارک شادی" کے عنوان سے مختصر نثر جو ایک نظم تہنیت نامہ کی تمہید ہے۔ یہ ہز ہائنس مہاراجہ گوپال سرن نارائن بہادر والی راج کاری کی شادی کے موقع پر لکھی گئی تھی، بیت آخر،

حق سے اپنچ بہادر کی یہی اب ہے دعا　　دولہا دولہن کو سر اور ہو دُلہا کو دولہن

(۲) "صبح کی سیر" مسدس از آزاد مصرع ۱ "انوار صبح سے ہے عیاں شانِ سیر صبح"

۷ جون ایک فارسی مسدس بعنوان "غم کی تصویر" مع تمہید نثر از م.ی.ر.ج (رنجور) مصرع ۱ "زدنیا چو حرمان دغم بردہ باشم" ہر بند میں بیت ذیل کی تضمین ہے:

چہ حسرت بزیر زمیں خوردہ باشم　　کہ بر حاکم آئی و من مردہ باشم

(۲) مسدس بعنوان "سایہ" از آزاد مصرع ۱ "اے سائے ہم تو سمجھے ہوئے تھے اسی قدر"

۱۴ جون (۱) مثنوی بعنوان "ساقی نامۂ آزاد" مصرع ۱ "ساقیا آج وہ دے جام مجھے" (۲) "وہ مارا" ایک قطعہ از رنجور مع تمہید نثر بیت اول: جنگ افریقۂ جنوبی میں رہے بوری زیر دست آخر (۲) غزل کیفی گیاوی مع تمہید از عرش:

شب سے جلن فزوں مرے زخم کہن میں ہے　　روشن چراغ طور مرے انجمن میں ہے
مستی لگا کے سیر گلستاں نہ کیجیے　　سوسن زباں دراز بہت اس چمن میں ہے
اس گل کے عشق نے وہ سُبکسار کر دیا　　جسم اپنا مثل نکہت گل پیرہن میں ہے
کیا نالہائے خاطر ناداں بلند ہیں　　اک راستہ سا گنبد چرخ کہن میں ہے
کیفی فراق یار کا شکوہ نہ کیجیے　　سب سے نرالی بات یہ رنج و محن میں ہے

۲۱ جون (۱) مخمس از آزاد بعنوان "بچہ سویرے اٹھتے ہی اسکول کو چلا" (۲) "کمال علم" مختصر قطعہ از آزاد "آزاد سے ایک منطقی نے پوچھا" (۳) "ڈاکیا" مثنوی از برائے نام خیر (مدیر اپنچ؟) (۴) "چھوٹے تارے" از جوئے نام خیر، ٹنس اسٹار کا ترجمہ (۵) قطعہ تاریخ وفات الحاج سید محمد حسن نعمتی رئیس صدر گلی بتاریخ ۲۲ صفر از ہادی "مادۂ محمد حسن رفتہ بیش حسن" ۱۳۲۰ھ

۲۸ جون مثنوی از آزاد بعنوان "قدم عیش سُست می آید دیر آید درست می آید" مصرع ۱ "چٹکیاں سی جگر میں کم کم لے"

۵ جولائی (۱) قطعہ تاریخ ولادت پسر نور الرحمن ندر خلف حفیظ عظیم آبادی از سید علی خاں بیتاب (۲) نظم "برسات" از مست سہرامی۔

۱۹ جولائی (۱) مسدس بعنوان "شام" از عرش مصرع ۱ "طاؤس شام نے جو دیا کھول بال و پر" (۲)

قطعۂ تاریخ وفات سید رحیم الدین از قا آنی ہند، مادّہ "واللہ داخل در جناں شد" از سراۃ ؁ ۱۳۲۰

۲/ اگست (۱) "زیارت" مسدس از آزاد مصرع ۱ "اے گہری نیند اجل کی تا حشر سونے والے" نام نہیں مگر سید رحیم الدین کا مرثیہ معلوم ہوتا ہے۔ (۲) شاد عظیم آبادی کے کہے ہوئے قطعات تاریخ وفات متعلق سید رحیم الدین

۱۶/ اگست (۱) فارسی مثنوی بعنوان "نوروز عالم" از سید محمد آزاد (۲) قطعۂ تاریخ تاجپوشی از رنجور (۳) تواریخ جشن فارسی متعدد از ابوالنصر غلام یسین آہ دہلوی (۴) اردو "ایک از ایضاً (۵) "تاج تہنیت" از عرش مصرع ۱ "ہے کہاں مطرب ادھر آچھیڑ جلدی سے ستار" (۶) رباعیاں از آزاد (۷) نظم "تاج" مصرع ۱ "اے شہنشاہ فلک رفعت و عالم سرتاج" (ردیف تاج) (۸) قطعہ تاریخ وفات سید رحیم الدین مہجور از رنجور (۹) "ماتم مہجور" از عرش (۱۰) نظم متعلق سید امجد علی ہیڈ ماسٹر از آزاد مصرع ۱ "کعبے سے اٹھیں جھوم کے ساون کی گھٹائیں ہو"

۳۰/ اگست نظم از رنجور مصرع ۱ "مسند علم تو پائیں جہلا یعنی چہ"

۱۳/ ستمبر "چٹپٹی ریختی" از رنجور

۶ (۱) غزل کیفی تمہیدی نثر کے ساتھ از عرش "منیر الدین کیفی شاگرد کاہش فخر التلامذۂ مصحفی۔ آج گیا میں گمنام ہیں مگر ان کے ایک دیرینہ سال شاگرد میرے دوست.. منشی درگا پرشاد۔ستم موجود ہیں اور ان کا کلام تصوف ..سے مالامال ہے..کیفی نے اپنا دیوان استاد کاہش کے دیوان کے ضائع ہونے کے غم میں چاک کرکے کنوئیں میں ڈال دیا (کذا)۔

کچھ بات کہی جو رات جی کی — لیں ہم نے بلائیں بیکسی کی
دل لیتے ہی اس نے دشمنی کی — کیا داد ملی ہے دوستی کی
آنا ہو تو جلد آؤ صاحب — ہے دیر یہاں کوئی گھڑی کی
پہلو میں نہیں ہے دل ہمارا — کیا جانیے کسی نے رہزنی کی
کاہش کا یہ فیض دیکھو کیفی — جاتی نہیں طرز مصحفی کی

(۲) اشعار عربی سید سلیمان بہاری (دسنوی) طالب علم دارالعلوم ندوۃ العلما

۲۵/ اکتوبر (۱) رباعی و غزل سید بادشاہ نواب عشرتی بیت ا غزل:

جو ہو پابند تسلیم و رضا کا — کرے وہ کیا گلہ رنج و بلا کا

(۲) عشرتی کی دو طرحی غزلیں" وہ گھر سے نہ نکلے تھے کہ روپوش ہوئی دھوپ" الخ

"چھوڑی جو اس نے زلف دوتا سر سے پاؤں تک" الخ

۱ار نومبر وصیت نامہ مثنوی فارسی از محمد ابوسعید اہرانوی از تلامذہ محمد لطف اللہ مفتی حیدر آباد دکن۔

۱۵ار نومبر قومی قصیدہ ندوۃ العلما کے جلسہ امرتسر میں پڑھا گیا از رکن الدین دانا سہسرامی۔

۲۲ر نومبر "عظیم آباد کے امتحانی مشاعروں کی رباعیاں اور منتخب غزلیں"

اب ملک سخن کی آبرو ہے پٹنہ — مشہور زمانہ چارسو ہے پٹنہ
شوق اہل کمال کا یہاں مجمع ہے — رشک دہلی و لکھنو ہے پٹنہ
ہے اہل کمال سے یہ پٹنہ آباد — شاگرد کے شاگرد یہاں ہیں آباد
کامل ہیں یہاں کے سیکڑوں اہل سخن — یہ ہیں وہ ہیں وہ شاد ہیں وہ آزاد
منکر ہے کہاں ذرا اب آکر دیکھے — میدان کلام کا دلاور دیکھے
باری اب شوق نیموی کی آئی — اس پوربی شاعر کا بھی جوہر دیکھے

(۳)

۲۹ر مارچ دبدبۂ امیری امیر عبدالرحمن کی "سوانح عمری" کا ترجمہ از سید محمد حسن بلگرامی۔ بوالہوس بنگالی ناول از صغیر لکھنوی؟ تقویم الاسلام از حکیم وکیل احمد، رسالۂ فلسفہ از برج بہادر، احسن الاخبار کلکتہ کی مذمت کی ہے ذیل کے اخباروں کے متعلق مرقوم ہے "یہ سب نئے پرچے ہیں، یہ سب اخبار اچھے ہیں" شمس النہار دہلی، پٹیالہ اخبار پٹیالہ، سرپنچ بمبئی، پولیس ایڈووکیٹ لاہور۔

۱۰ار مئی ضیاء السنت کلکتہ، ماہوار رسالہ باہتمام غنی احمد و ضیاء الرحمن۔

۱۴ر جون بچوں کا اخبار لاہور، علاج الطاعون "اکثر نسخے ہمارے شہر کے حکیم حاذق مولانا حکیم عبدالحمید... کے لکھوائے ہوئے ہیں"۔

۱۹ر جولائی "حیات تسلیم" از عرش، "حمایت اسلام" حبیب الرحمن شروانی کی تقریر انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں۔

۲ر اگست عقد التاریخ معروف بہ زنبیل تاریخی از تسلیم سہوانی، حل کلیات اردو مرزا غالب دہلوی از شوکت میرٹھی۔

۲۳ر اگست زبدۃ القواعد و مخزن المصادر (انگریزی آمدنامہ)، دونوں کے ملنے کا پتا: بنارسی لال

پلیڈر آرہ۔ اللمعان صاحب الفرقان اور تبیان حسن الملیح وجہ المحمد من المسیح از عبدالغفور داناپوری۔ رپورٹ مدرسہ و مشن اصلاح المسلمین سلطان گنج بابت ۱۹-۱۳۱۸ھ۔ رسالہ پلیگ از سید ظہیر الدین نیورہ۔ ضمناً اسی موضوع پر شمس العلما امداد امام کی کتاب کا ذکر (اس کا تبصرہ از سید محب الحق)

۳۰ اگست الپنچ لکھتا ہے کہ سیر عظیم مراد آباد کی شائع کردہ کتابوں جانستان، افسوں، چاک گریباں، منتہی القواعد، دکھی کی پکار، تاریخ بغداد، محاربۂ فرانس و پرشیا اور کنز الاسرار پر تبصرہ ہو چکا ہے، مگر پھر ہوگا۔

۲۰ ستمبر اخبار تاج بانکی پور سید فضل حق آزاد نے نکالا تھا۔ الپنچ لکھتا ہے کہ اس نام کا ایک اخبار راولپنڈی سے ۲۰ برس سے نکل رہا ہے۔

۸ نومبر "دی رولاینڈری رولڈ" انگریزی کا مختصر رسالہ از سرفراز حسین خاں پٹنہ۔ صلح کل روزانہ گورکھپور کی تعریف۔ اس کا اشتہار ۱ نومبر کے اخبار میں ہے، ایک پیسہ قیمت، ایک پیسہ محصول، للعہ سالانہ۔ اشتہار منجانب سید ریاض احمد مہتمم صلح کل پرنٹنگ کمپنی لمٹیڈ۔ تقویم سلطانی، پتا: ابو محمد چراغ دین لائق لاہوری اہلکار مطبع ریاست بھوپال۔

۱۵ نومبر ہار اقیصر از محبوب عالم لاہور، تاش جغرافیہ، پتا: ایم۔ اے مرزا اینڈ کو بھوپال، گھاس چارا طبع ۲، سبزی ترکاری طبع ۲، درخت، عروج طبع ۲، امریکی ناول کا ترجمہ۔ ان سب کا پتا: امپریل بک ڈپو بازار چاندنی چوک دہلی۔ ثالث بالخیر ترکی ناول کا ترجمہ، مترجم سید سجاد حیدر، دولت باقبال، پتا: منشی شمشاد علی و وزیر علی محلہ بخشی بازار الٰہ آباد۔

۲۹ نومبر خورشید عرفان دیوان شیخ باقر علی آبادعظیم آبادی، خارغم ناول پتا: گوری پرشاد ہمدم آگرہ، بچوں کے والدین اور محافظوں کو نہایت ہی قیمتی ہدایت پتا: ڈاکٹر گنگا رام لاہور، حجاز ریلوے کا نقشہ پتا: اخبار وطن لاہور۔

۲۷ دسمبر جام الفت شیکسپیر کے مڈسمر نائٹس ڈریم کا منظوم ترجمہ از اظہر علی آزاد کاکوروی، صفیہ بیگم اور انمول موتی ہر دو از صفیہ بیگم (مسز ممتاز علی)، خمار عشق صوفیانہ مثنوی از نثار علی نثار اکبر آبادی۔

(۴)

اشتہار کتب و اخبارات، سیر الشرف از سید ضمیر الدین احمد، نظم دلفریب (دیوان حفیظ عظیم آبادی)، ترک عبدالرحمانی حصہ ۱ کا ترجمہ چھپ چکا تھا، دوسرا زیر طبع پتا: قاضی محمود الحسن مراد آباد، شرح آداب المریدین، پیاری دلہن از عباس حسین ہوش لکھنوی، بچوں کا اخبار لاہور، انتخاب لاجواب لاہور، سیر عظیم مراد آباد، فتح اندلس از شرر، نور جہاں کی سوانح عمری از اشہری، دارالعلوم دہلی (ہفتہ وار اخبار) کتاب التفریح، اس میں شعر کے لطائف بھی، سودا، میر، انشا، جرات، ناسخ، آتش، مومن، ذوق و غالب وغیرہ۔ پتا: دفتر خیر خواہ عالم دہلی۔

اپنچ پٹنہ (جنوری تا جون ۱۹۰۳ء)

اپنچ کے بارے میں اردو انڈین کرانیکل پٹنہ کے شمارہ ۲؍فروری ۱۸۸۵ء میں مرقوم ہے:

"اس ہفتے میں ایک اور ظریف اخبار "اپنچ" کی آمد آمد ہے اشتہار سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی بطور آزمائش چار مہینے کیلئے جاری ہوا ہے۔ مہتمم منشی محمد اعظم ہیں"

اردو انڈین کرانیکل بابت ۹؍مارچ ۱۸۸۵ء اپنچ کے متعلق لکھتا ہے "اس وقت تک اس کے چار پرچے شائع ہو چکے ہیں۔ چند تعلیم یافتہ نوجوانوں کی کوشش کا نتیجہ ہے۔ ہفتہ وار پنجشنبے کو چار ورقوں پر شائع ہوتا ہے۔ نہایت معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ تیسرے ہی پرچے سے اشاعت ۵۰۰ تک پہنچ گئی ہے"

شاد عظیم آبادی کا قول تھا کہ اپنچ کے اجرا کی علت غائی انکی مخالفت تھی کہ یہ صحیح ہو یا نہ ہو۔ یہ درست ہے کہ اس میں کئی برس تک ان کے خلاف مضامین نکلتے رہے۔ اپنچ کا جس وقت آغاز ہوا ہے، شاد کی صورت الخیال چھپ چکی تھی، اور محمد اعظم مدعی تھے کہ یہ دراصل ان کی لکھی ہوئی ہے۔ نوائے وطن کی وجہ سے بھی بہت سے لوگ اس زمانے میں ان سے خفا تھے ۱۹۰۲ء میں یا اس سے بھی بیشتر اپنچ اور شاد میں صلح ہو چکی تھی ۲؍اگست ۱۹۰۲ء کے اپنچ میں سید رحیم الدین مہجور مدیر اپنچ کی وفات پر شاد نے جو قطعات تاریخ کہے تھے موجود ہیں۔ آج کل جو اردو کے اخبار بہار میں جاری ہیں، انکی عمر کیا ہوگی۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا ممکن نہیں۔ مگر یہ مسلم ہے کہ جو اخبارات اب زندہ نہیں ہیں، ان میں سب سے پہلے طویل عمر اپنچ نے پائی۔ اپنچ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ظریفانہ اخبار تھا لیکن اسکی ظرافت کا پایہ بلند نہ تھا اور یہ بے تکلف ذاتی حملے سوقیانہ انداز میں کیا کرتا تھا۔ اس مضمون کی غرض اپنچ کے کل پرچوں پر جو میری نظر سے گزرے ہیں تبصرہ کرنا نہیں، بلکہ صرف یہ دکھانا ہے کہ ۱۹۰۳ء کی پہلی ششماہی میں اس اخبار کا کیا رنگ تھا۔

سنہ میں یہ عموماً ۱۲ صفحوں کا ہوا کرتا تھا اور پنجشنبے کو نکلا کرتا تھا۔ پہلے صفحہ میں پنچ کی تصویر ہوا کرتی تھی اور اس کے اوپر اخبار کا نام درج ہوتا تھا۔ اس صفحہ میں ذیل کے فارسی اشعار التزاماً ہوا کرتے تھے۔

جاں نثار حضرت شاہ زمن   تاج بخش تاجداران سخن

بذلہ سنجے طوطیٔ شکرشکن خیرخواہ قوم، شیدائے وطن

"شاہی اعلان" سے جو عبارت اس صفحے میں درج ہوا کرتی تھی یہ ہے:۔

"کیا آپ نے ابتک مولانا "اینچ" کو نہیں دیکھا ہے؟ ضرور دیکھئے جو اخبار نہیں چلتا ہوا جادو ظرافت کا پورٹ، ایک جملہ پڑھئے اور ہنستے ہنستے بیخود نہ ہو جائے تو ہمارا ذمہ۔ ایک خبر دیکھئے اور پیٹ نہ پکڑ لیجئے تو ہم گنہگار۔ پھر یہی نہیں کہ صرف ہاہاہی ہی کے سوا کام کی باتیں بالکل ندارد، نہیں، پولیٹیکل، سوشل، نارل آرٹیکل سے مالا مال، ملکی ترقی اور تمدنی مضامین پر زبردست چٹکیاں لینے میں گرو گھنٹال، اس پر زبان کی صفائی، محاورات کی بندش کا کیا کہنا، پڑھئے اور لوٹ پوٹ ہو جائیے ان سب خوبیوں پر قیمت پوچھئے تو کچھ بھی نہیں، صرف سفید سفید چہرہ شاہی دستے ۱۲ ارسال کیجئے۔ اور سال بھر تک مزے لوٹئے۔ ہاں مسٹر اینچ اپنے کارخانے میں ادھار کا شاخا نہیں رکھتے، رکھ مزدوری جو کھا کام، جو کچھ ہو دام نقد، سوکھی ساکھی درخواست بھیج دینے پر اپنا درشن نہیں دکھاتے۔ کھر اکھیل فرخ آبادی چاہئے غرض حضرت اینچ بغیر مٹھیاں گرمائے اپنے آفس سے باہر نہیں نکلتے ہیں:"

صفحہ ۲ اور بعد کے بعض صفحات میں بھی اگر ضرورت ہو، مدیر اینچ کے چھوٹے بڑے مضامین بعنوان "خود بدولت" اور خود بدولت کے بعد دوسروں کی نظم و نثر بعنوانِ اعیان دولت" ان کے علاوہ مستقل عنوانات اسلامی دنیا، چیدہ خبریں اور لوکل ہوا کرتے تھے۔

اس زمانے میں اینچ کے مدیر خیر درجھنگوی تھے۔ یہ ۱۹، ۲۶ جولائی ۱۹۰۳ء کے شمارے میں سید رحیم الدین کی وفات کے ذکر میں لکھتے ہیں۔ جب آپ ضیق النفس سے بہت پریشان ہوئے تو اس ہیچمدان خیر کو جو پہلے ابوالظرفا اور نگار، ہنر پھکار کے نام نامہ نگاری کیا کرتا تھا، بلالیا اور نائب ایڈیٹر مقرر کیا۔ آپ حرف پروف دیکھ لیا کرتے تھے۔ یہ ایک جگہ ہے دوسرے مقام پر اسی شمارے میں تحریر کیا ہے۔ یہ "ہیچمداں" آٹھ برس سے اخبار چلا رہا تھا صرف وہ مضامین کو دیکھ لیا کرتے تھے اخبار جس طرح سے نکل رہا تھا، انشاء اللہ نکلتا رہے گا۔ آٹھ برس سے جسکی ایڈیٹری میں اخبار تھا اسی کے ہاتھ میں اب بھی رہے گا جیسا کہ رنگ تھا وہی رہے گا۔ وہی ظرافت ہوگی وہی متانت:

اینچ کا سیاسی مسلک وہی تھا جو اس زمانے میں عام مسلمان اخباروں کا تھا لیکن کبھی کبھی انگریزی حکومت پر اعتراض بھی کیا کرتا تھا ۱۹۰۳ء کا پہلا شمارہ ۱۶ صفحوں کا ہے اور سبز و سرخ رنگوں میں چھپا ہے اس میں جو نظم و نثر ہے وہ تقریباً کل دربار دہلی سے متعلق ہے۔

۳ "آج ہم اعیان دولت" کے تحت میں نہایت فخر کے ساتھ اپنے شہر کے ہردلعزیز رئیس، اور مشہور شاعر جناب خان بہادر مولوی سید علی محمد صاحب شاد کی دو نظم شائع کرتے ہیں۔ حضرت شاد اپنا کلام کسی اخبار میں شائع نہیں کراتے ہمارے اصرار پر آپ نے اپنچ کا رونق بڑھائی ہے۔ ہم ان کے کلام کو سخن فہموں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ دیکھیں کہ کس پائے کی نظم ہے کیا کیا بات پیدا کی ہے۔ ہم آئندہ حضرت شاد کے کلام اور ان کی محنت کی حقیقت لکھیں گے۔

۴ چار کالموں میں "بڑے لاٹ صاحب کی آمد" عنوان وائسرائے کرزن کے ورود پٹنہ کی کیفیت لکھی ہے۔ اس کا آغاز خیر کے اس مطلع سے ہوتا ہے۔

چمن میں باد بہار آئی اور آکے چلی　　　نسیم روح فزا لائی اور لاکے چلی

اس مضمون میں وائسرائے کے کتب خانہ خدا بخش کے دیکھنے کا بھی ذکر ہے۔

۱ شاد کی کتاب "اردو تعلیم" کی تعریف کی ہے اور سفارش کی ہے کہ اخبار وطن اپنی حمیدیہ ایجنسی میں اسے نہ منگائے۔ وکیل اس کی اشاعت کی سعی کرے اور سررشتۂ تعلیم ابتدائی درجوں کے نصاب میں اس کو داخل کرے۔ اس رسالہ میں چھوٹی چھوٹی حکایتیں، مزیدار نظمیں بھی ہیں تو ایسی میٹھی اور برجستہ کہ لڑکوں کے پڑھنے اور سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ یہ کتاب چند مہینوں میں الف با سے لیکر عبارت نویسی تک کا سلیقہ پیدا کر دیتی ہے۔ اردو کی کوئی پہلی کتاب اس اہتمام اور دعوے سے نہیں لکھی گئی۔ امیر عبدالرحمٰن کی کتاب کا دو جلدوں میں ترجمہ بنام تزک عبدالرحمانی از محمد حسن "تزک ترجمہ کا حق ادا کیا گیا۔

"ہم کو معتبر ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ ہمارے مولانا حکیم ظہیر احسن شوق نیموی علاج طاعون میں برابر کامیابی حاصل کرتے جا رہے ہیں اور عام غربا کے ساتھ زیادہ تر ہمدردی و شفقت اور جانفشانی فرماتے ہیں۔"

۴ قاضی محمد عبدالعلی عابد مراد آبادی کے ناول تیر نظر کی تعریف جنگ لندنی میں بھاگیرت لال ساکن ہسومہ ضلع میرٹھ صدر قانونگوے ضلع علیگڑھ نے سری مہاراج رامچندر جی کے تاریخی واقعات ناول کے پیرائے میں بیان کیے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ جن لوگوں کو بھاشا زبان سے مذاق نہیں ہے انہیں کم لطف آئے گا۔ کیونکہ اس میں زیادہ تر بھاشا زبان کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ "بخشی جنتری ۱۹۰۳ء مرتبہ شیخ الہ بخش بخشی کلکتہ کی تعریف۔

۲ جناب شاہ محمد حسن صاحب مغربی کا تریاق مغربی فی الحقیقت طاعونی مریضوں کو بہت فائدہ پہنچا رہا ہے اور بکثرت لوگ اس سے صحت پا رہے ہیں ہمارا لوکل معصر بہار ہیرلڈ اور بہار ٹائمس بھی اس کی حیرت انگیز تاثیر کا معترف ہے۔

۴ - سہل آموز فارسی از آقا محمد کاظم شیرازی دکلکتہ) نور جہاں مصنفہ امجد علی اشہری دضمناً نور جہاں سے متعلق میرزا حیرت دہلوی اور حسن حیدرآبادی کی کتابوں کا ذکر) اور مطبع آگرہ اخبار کی چھپائی ستائش، تذکرۃ النساء از درگا پرشاد دو حصے

گلشن نازمح بکلاواور چمن انداز) اور زہرا انترکی ناول کا ترجمہ از سید سجاد حیدر کی تعریف۔

۱۱/۳۔ خالق باری انگریزی از جلال الدین مرادآبادی اور ماہنامہ کاشف العلوم کا تبصرہ۔ یہ ماہنامہ محمد یعقوب بیگ دہلوی کے اہتمام سے نکلتا تھا۔ پہلے شمارے میں تفسیر مظہری (قاضی ثناءاللہ پانی پتی) ترغیب وترہیب (عبدالعظیم منذری) رسائل الارکان (بحر العلوم عبدالعلی) رسالہ اربعین فی الدین (غزالی) کے اردو ترجمے (بعض حصص کا ترجمہ ہوگا) کے علاوہ مثنوی رومی کی اردو شرح (از اشرف علی تھانوی) ظاہر ہے کہ اس کا ایک مختصر حصہ ہوگا) اور کچھ اور چیزیں ہیں۔

۲۵/۴۔ لیجئے حضرت پھر کمبخت کالے کلوٹے ہندوستانی قلیوں نے شکارگاہوں میں آپ سے گورے جہاندو شکاریوں کی گولیوں کا نشانہ بنکر ان کو بدنام کرنے کی ٹھانی ہے۔ بنگلور میں ایک قلی سے غلطی ہوگئی کہ وہ نشانہ بن گیا۔ دوسر لکھنؤ میں بھی قلیوں سے ایسی ہی گستاخی ہوئی ہے شکارگاہوں کے درمیان اپنی جانوں کو مٹھی میں لے کر جانا کیا ضرور تھا! بات تری کی! کمبختو تمہاری یہی سزا ہے۔ ہمارے وائسرائے کے کیا کہنے ہیں۔ آپ سا مقرر پردۂ دینار پر شاید ہی کوئی ہو، وائسرائے سابقین میں سے کوئی بھی ایسا مقرر نہ تھا۔ رعایائے ہند کو اپنے پیارے نائب السلطنت کی میٹھی باتوں کے سننے کا جیسا اشتیاق رہا کرتا تھا وہ ان کے وقت میں خوب ہی حاصل ہوا۔ واقعی ہندوستانیوں کے کل حقوق کا ازبر یاد کر لینا ایک وائسرائے ہی کا کام تھا جہاں گئے اپنی اسپیچ میں آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ ہندوستان کے حقوق یہ ہیں اور وہ ہیں۔ اب رہا دینا دلانا وہ بھی کسی وقت ہو ہی رہے گا مگر دست اتنی ہمدردی کیا کم ہے۔ ہندوستانیوں کو اس وقت کی قدر نہ ہو مگر ہاں آپ کے بعد آپ کی قدر ہوگی، جب کوئی زبانی ہمدرد بھی نہ ہوگا۔

۱۶/۵۔ لو آنکھ کے اندھو خوش ہو جاؤ سانٹھا اور کیا چاہے دو آنکھیں: فرانس کے ایک ڈاکٹر صاحب نے تاج الملوک بکر الیسی مصنوعی آنکھیں ایجاد کی ہیں جس سے تینوں تر لوک سوجھتا ہے ڈاکٹر صاحب کی آنکھیں تو گل بکاؤلی سے بھی بڑھ کر رہیں۔

۳۰/۵۔ اکسیر اعلاج (از ڈاکٹر ملک صفدر حسین) مطبع اپنچ کی تعریف: اس کا تعلق ہومیوپیتھک سے ہے۔

۶/۹۔ یہاں یہ نکلوام انگریزی اخباروں کی گپ تھی کہ نمک کے محصول میں تخفیف ہوگئی ہے۔ "محمودآباد کے "تعلقہ دار" امیر الدولہ سعید الملک آنریبل راجہ سرامیر حسن خاں بہادر کے سی آئی ایف سی یو ممتاز جنگ کی وفات (۱۲ ربیع الاول شنبہ) کی خبر اور آپ کی تعریف۔

۱۳/۹۔ بیان ہے کہ شاہ ایران کے حرم میں ۱۰ سو بیگمیں تھیں سفر یورپ سے واپس آکر آپ نے صرف ۶ عورتوں کو تو منتخب کر کے حرم میں رکھ لیا اور ۵ مختلف افسروں کے گلے میں منڈھی گئیں اور باقی کو حکم ہوا کہ وہ بھی جا کر یورپ کی ہوا کھائیں"

ڈاکٹر نکلسن صاحب فرماتے ہیں کہ پاؤں پر دن بھر میں کئی بار ٹھنڈا پانی ڈالنے سے دماغ کو تقویت ہوتی ہے ڈاکٹر صاحب کو تجربے کے مطابق مسلمانوں کا پنجگانہ وضو بھی اس فائدے سے خالی نہیں، مگر کبھی چاہے دماغ کو تقویت ہو یا روح کو یہ ہر وقت پاؤں سے موزے اور چڑھے ہوئے بوٹ کون اتارے۔

"شاہ کجکلاہ ایران کی نسبت بیان ہے کہ آپ کو بلیوں سے بڑا شوق ہے۔ چنانچہ اس وقت ۵۰ بلیاں آپ کے محل میں پلی ہوئی ہیں ہر بلی کے لیے ایک ایک محل اور جداگانہ ملازم مقرر ہیں۔ جب شاہ کجکلاہ کہیں سوار ہوتے ہیں تو یہ بلیاں بھی گھوڑوں پر سوار ہو کر ہمرکاب ہوتی ہیں۔ میاں ان بلیوں کے ڈر سے روسی چوہے ادھر کا رخ کریں یا نہ کریں یہ اپنا اپنا شوق ہے"

۲۶/۴ ۔ "ترجمہ اردو مقامات مولانا روم" موسوم بہ مناقب العارفین" کے ابتدائی چار صفحوں مطبوعہ مطبع احمدی کانپور کا تبصرہ۔

۲۷/۴ ۔ انجمن ترقی اردو کا صدر مقام حیدر آباد قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں دہلی سے کہیں زیادہ موزوں نہیں ہو سکتا اسکا عارضی دفتر یا شاخ چاہے حیدر آباد میں ہو یا اعظم گڈھ و علیگرھ میں" "مولوی محمد علی ناظم ندوۃ العلما نے استعفےٰ دیدیا۔ جہاں تک ہم نے اپنے ذہن میں اس کے لیے لوگوں کو منتخب کیا ان سب میں مولوی حبیب الرحمٰن رئیس بھیکم پور کو نہایت ہی موزوں پایا"

اعیان دولت : شاد عظیم آبادی ہے "قطعۂ تہنیت بحضور خدام شہنشاہ جہاں پناہ" اس کے بعض اشعار یہ ہیں :

فطرت کی طرح مستقل احکام ہیں ترے — بعد از خدا فقط ترا دنیا میں اعتبار
جب غیر سلطنت میں رعایا تری گئی — حکام واں کے سمجھے اس آنے کو افتخار
جس ملک میں قدم ترے حکام کا گیا — موسم بدل کے فصل خزاں کو کیا بہار
جب سے ہوئی حکومت برطانیہ یہاں — تب سے ہے خانداں مرا معتقد و ور گزار
جد تھا الہ وردی والا ہمسر میرا — مشہور صوبہ داروں میں گزرا وہ ذی وقار
میں خود رہا ہمیشہ دعا خواں و مدح گو — چالیس سال سے ہے مرا شاعری شعار
اس بار کیوں نصیب نہ جاگیں مرے کہ ہوں — میں بھی نگاہ لطف و کرم کا امیدوار

"دربار تاجپوشی" ۴۴ بندوں کا مسدس ہے پہلا، آخری اور درمیان کا ایک بند درج ذیل ہے :

گھڑیوں سے انتظار ہے ساقی کہاں ہے آج — مے دے کہ بزم تہنیت موسناں ہے آج
کیوں نغمہ سنج شاد فصیح اللساں ہے آج — اسّی برس کی عمر میں پھر نوجواں ہے آج
ہم دوستوں کے دل کو خوشی کیوں مزید ہے — سرور عام خلق ہے کیسی یہ عید ہے

اگلوں کو خواب میں تھا یہ قانوں کب نصیب — چاہے تو بادشاہ پہ نالش کرے غریب
ایجاد کی ہیں عدل کی وہ صورتیں عجیب — سب ہٹ گئے جو ظلم کے اشکال تھے مہیب
اب انکا کچھ اثر نہیں بد ہیں کہ نیک ہیں — اس سلطنت میں حاکم و محکوم ایک ہیں

جب تک ہماری قوم کو ہو حق پر اعتماد — جبتک گناہ ہے ستم و فتنہ و فساد
جب تک کہ دور امن میں ممنوع ہے جہاد — اقوام مختلف میں ہے جب تک کہ اتحاد
یارب حیات شاہ کی بیحد دراز ہو — تا حشر حکم الٰہی اے کارساز ہو

بہار

بہار کی جلد ۱ (۱۲ شمارے) پیش نظر ہے اور یہ کتب خانۃ الاصلاح دسنہ کی ملک ہے۔

شمارہ ۱ (جولائی ۱۹۰۰ء) کے سرورق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنچ کا ضمیمہ تھا اور اسی کے مطبع میں چھپتا تھا۔ سید ضیاء الرحمٰن حفیظ اس کے سرپرست خاص، ابوالخیر خیر اس کے مدیر اور عابد حسین عابد اس کے مہتمم تھے۔ ص ۱ سے ص ۱۲ تک (۱) فروز، عبدالرزاق[1] (۲) تسلیم لکھنوی (۳) شمشاد لکھنوی (۴) مبارک شاگرد داغ (۵) نصیر عظیم آبادی شاگرد داغ (۶) واہب سید واہب حسین شاگرد شاد (۷) بیتاب شاگرد شاد (۸) حفیظ عظیم آبادی (۹) ظفر رسولپوری (۱۰) سید عبدالمجید مست[2] بنارسی وغیرہ کے طرحی اشعار ہیں۔ اس کے بعد نثر بعنوان "نیچرل شاعری" (ص ۱ تا ۸) ہے جو بیتاب کی لکھی ہوئی ہے۔ ص ۶ میں بعنوان "دامن بہار" مرقوم ہے کہ:

"گلدستہ بہار کے جاری کرنے کی وجہ ہم اخبار.. میں لکھ چکے ہیں کہ.. اکثر.. حضرات عاشقانہ غزلیں.. بھیجا کرتے تھے جن کو ہم اخبار کے مذاق کے خلاف ہونے کی وجہ سے شائع نہ کر سکتے تھے اور بعض.. حضرات ایسی عالمانہ.. تحریر بھیجنے کے عادی تھے کہ.. وہ.. اخبار کے کام کی نہ ہوتی تھی مگر مجبوراً شائع ہی کرنا پڑتی تھی جب ہم نے شعرا کی دلچسپی کے لیے "بہار" نکالا تو نثر نگار حضرات کو موقع نہ دینا انصاف سے بعید تھا اس لیے ہم نے اس میں "دامن بہار" کا اضافہ کر دیا ہے۔ دونوں حصے ایک ایک جزو میں ہوگا.. ہر ایک.. کی قیمت سالانہ عہ ہوگی اور دونوں.. کے خریداروں سے صرف دو روپے لیے جائیں گے۔"

دوسرے شمارے میں (اس کا اور اس کے بعد کے شماروں کا سرورق غائب ہے) جو نئے شعرا ہیں ان میں سے حسب ذیل قابل ذکر ہیں: (۱) خیال، ریاض حسن خاں (۲) سعادت، سعادت[3] علی، مالک اسٹیٹ بیغمبر پور، (۳) شمشاد، محمد علی شاگرد شاد عظیم آبادی

۱۔ نشتر شاگرد شاد کہتے تھے کہ فروز کو شاد سے تلمذ تھا۔ ۲۔ مست بہار کے شمارہ ۶ متعلق ۱۹۰۵ء کے بموجب امیر کے شاگرد تھے۔

۳۔ سعادت کا دیوان بڑے اہتمام سے چھپا تھا اور یہ داغ کے شاگرد مشہور تھے۔ خیال مرحوم مجھ سے کہتے تھے کہ حفیظ جونپوری ان کے یہاں نوکر تھے، اور یہ دیوان بڑی حد تک انہیں کا ہے، کچھ غزلیں اوروں سے کہہ کر بھی حفیظ نے دیوان سعادت میں درج کر دی تھیں جہاں تک مجھے یاد ہے داغ کے بعض خط موجود ہیں جن سے تلمذ ثابت ہے۔ بخوبی ممکن ہے کہ دوسروں کا کلام اصلاح کے لیے بھیجتے ہوں۔ خیال مرحوم ان کے سسرالی رشتہ داروں میں تھے ان کی شہادت آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتی۔ حفیظ کا مقطع بہار شمارہ ۱۲ میں ہے: سعادت سے یہ کوئی پوچھے حفیظ کہ ہے آپ پر حق استاد کچھ۔

(۱۴) احقر، شاہ رحمت اللہ مظفرپوری (۱۵) شیدا، فرزند علی خاں شاگرد شاد (۱۶) شمیم، نواب محمد حسن خاں شاگرد شاد ۔[1] سے معلوم ہوتا ہے کہ سعادت بھی اس کے سرپرست ہوگئے تھے۔ دامن بہار میں لاحہ تا حہ[1] نیچرل شاعری کی قسط دوم ہے۔

شمارہ ۳ کے نئے شعرا میں (۱۷) نسیم ہسوی قابل ذکر ہیں۔ دامن بہار میں نیچرل شاعری کی قسط سوم اور انجمن مؤید اللسان کی روداد ہے۔ یہ انجمن جس کے مقصد سے یہ گلدستہ نکالا گیا تھا، اس کی تکمیل و تحصیل کے لیے قائم ہوئی تھی، اور یہ گلدستہ اسی انجمن کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ اس کے صدر شاد، نائب صدر حفیظ، معتمد بیتاب اور نائب معتمد نورالرحمٰن نذر پسر حفیظ تھے۔ ارکان میں حسب ذیل اصحاب بھی تھے، خدا بخش خاں، امداد امام اثر، نواب سکندر نواز جنگ، خورشید نواب خورشید، سرفراز حسین سرفراز، سید ضمیر الدین احمد۔

شمارہ ۴ کے نئے شعرا میں (۱۸) اثر (۱۹) احقر، بشارت حسین (۲۰) آزاد، فضل حق (۲۱) امداد، سید عنایت حسین شاگرد شاد[3] (۲۲) حفیظ جونپوری (۲۳) شاد (۲۴) شائق شاگرد شاد (۲۵) شہرت خواجہ محمد شاہ (۲۶) عشرتی، سید مہدی حسن خاں عرف بادشاہ نواب (۲۷) فہیم، حکیم فہیم الدین[2] (۲۸) مفتون، سید مرتضیٰ نواب شاگرد شاد (۲۹) موج، شاگرد شاد (۳۰) خیر (۳۱) صبغت، صبغت اللہ عظیم آبادی قابل ذکر ہیں۔ دامن بہار میں نیچرل شاعری کی قسط ۴ ۔[1] میں امداد ایک قطعہ۔

شمارہ ۵ کے نئے شعرا میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں (۳۲) آزاد، رائے بھوانی پرشاد شاگرد شاد (۳۳) جلیل مانکپوری (۳۴) رنجور عظیم آبادی (۳۵) قیس مظفرپوری (۳۶) مائل، سید وصی الحسن دھرمپوری ابن کامل مرحوم۔

دامن بہار میں نیچرل شاعری کی قسط ۵، اور زبان خلق کے تحت بہار سے متعلق ریاض الاخبار، نیر اعظم، پیسہ اخبار اور بہار پنچ کی رائیں۔

شمارہ ۶ کا آغاز "بہار" سے ہوتا ہے، جس میں حسب ذیل مضامین نشر ہیں۔

یورپ کے "فلسفۂ جدیدہ پر ایک سرسری نظر" (از سید ضمیر الدین احمد مرحوم) یہ شمارہ ۱۲ تک چلا گیا ہے اور اس میں مکمل نہیں ہوسکا) ضبط اوقات (از سید فہیم الدین احمد مرحوم) رباعیات شاد، اور رباعیات ابر لمیند آزادان کے یہ "دامن بہار" کے تحت طرحی اشعار ہیں۔ نئے قابل ذکر شاعروں میں (۳۷) صفدر نواب شاگرد ہیں۔

شمارہ ۷ میں زیر عنوان "بہار" مضمون سید ضمیر الدین احمد مرحوم، رباعیات شاد اور قطعۂ شاہ محمد مہدی مہدی۔ اس شمارے میں بھی دامن بہار کے تحت طرحی کلام ہے قابل ذکر شاعر (۳۸) امداد، سید امداد حسین شاگرد شاد۔ آخر میں زبان خلق کے تحت بہار سے متعلق بہار ہیرلڈ، بہار ٹائمس اور اردوئے معلی کی رائیں۔ موخر الذکر میں ہے، خوشی کی بات ہے کہ "بہار" بعض واقفان سخن

---

[1] ملازم سعادت، بہار کے شمارہ ۱۲ میں نسیم کا یہ مقطع ملتا ہے۔ سمجھتے ہیں سب ہم کو اش نسیم — سعادت علیخاں کے نوکر ہیں ہم

[2] بہار کے دوسرے شماروں میں فہیم الدین احمد بھی ملتا ہے۔ یہ ڈاکٹر عظیم الدین احمد مرحوم کے بھائی تھے۔

[3] ممکن ہے کہ عنایت حسین "امداد" ہوں، اور نام میں عنایت کی جگہ امداد غلطی سے لکھ دیا گیا ہو۔

کا کلام بھی نظر سے گزرتا ہے۔ اثر نے بعض اشعار بہت خوب لکھے ہیں۔

عدو کے آتے ہی رونق سدھاری تیری محفل کی　　معاذ اللہ انساں کا قدم ایسا بھی ہوتا ہے

ہمیں بزم عدو میں وہ بلاتے ہیں تمنا سے　　کرم ایسا بھی ہوتا ہے ستم ایسا بھی ہوتا ہے

مصرع ثانی کی بندش نہایت دلچسپ ہے۔

نہ کر شکوہ ہماری بے سبب کی بدگمانی کا　　محبت ہیں تمہارے سر کی قسم ایسا بھی ہوتا ہے

یہ شعر جان غزل ہے قسم کا قافیہ اس سے بہتر نظم نہیں ہو سکتا۔ آزاد کی غزل بھی خوب ہے۔

گھر جن میں بنا لیا تھا تو نے　　اے دوست ہیں وہ مقام سونے

لالے کو کہاں نصیب وہ داغ　　جو دل کو دیے ہیں آرزو نے

جاری ہو وہ مینِ دینِ ساقی　　ساغر۔ لیا دیا سبو نے

شاد کی غزل کے بھی بعض اشعار اپنی خوبی کے بنا پر لاجواب ہیں۔

وقار کچھ تو شہیدوں میں رکھ لے تو میرا　　دکھا نہ غیر کو کھولا ہوا لہو میرا

ایک لفظ وقار نے اس شعر کو شعر بنا دیا ہے۔

وہ ذبح کر کے مری لاش سے یہ کہتے ہیں　　تڑپ رہا ہے کہ منہ دیکھتا ہے تو میرا

راقم۔۔ اس شعر کو کمال سخن فہمی کا ایک نہایت اعلیٰ نمونہ سمجھتا ہے کیونکہ اس میں رنگینی بیان، سادگی الفاظ، لطافتِ مضمون، نو انداز (کذا)، غرضکہ تمام خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

خزاں سے پھول یہ کہتے ہیں کیا خطا تیری　　کہ خود بگاڑ گئی کھیل رنگ و بو میرا

غضب کیا وہی حسرت نے بزم ساقی میں　　خموش ہو گیا منہ دیکھ کر سبو میرا

مضمون خوب ہے اور نہایت مناسب الفاظ میں ادا ہوا ہے۔ اثر حسرت سے سبو کی خموشی کا سماں دلاویز اثر رکھتا ہے۔

اسی قسم کی شاعری کا نام شاعری ہے۔"

شمارہ ۸ کا آغاز آمدِ بہار سے ہوتا ہے۔ پہلا مضمون سید ضمیر الدین احمد مرحوم کا ہے اور اس کے بعد محمد خلیل، خلیل ایم۔ اے شاگرد شاد کی ایک نظم مناظرہ گل کے پاس ہے جس کے ساتھ اس کے متعلق بیتاب کی نثر ہے۔ اس کے بعد آزاد کی نظم "چولہا پرستی" اور مدیر کی نثر بعنوان انتظار ہے۔ دامن بہار میں جو ص ۴۲ پر ختم ہوتا ہے طرحی اور غیر طرحی غزلیں ہیں۔ قابل ذکر شعراء: (۳۹) کمال، سید شاہ محمد کمال عظیم آبادی شاگرد وحید (۴۰) مبارک، سید شاہ مبارک حسین شاگرد وحید (۴۱) وحشت

رضا علی ص۲۲ میں زبان خلق کے تحت ریاض الاخبار اور مخزن کی رائیں ہیں۔ دونوں نے اس کی تعریف کی ہے۔

شمارہ ۹ میں پہلے دامن بہار کے تحت طرحی غزلیں ہیں۔ قابل ذکر نئے شاعر رزہ شاہ محمد حسین ہیں۔ بہار کے تحت حسب ذیل چیزیں ہیں، شکایت (خر از مدیر) جگنو (نظم از آزاد) رباعیات آزاد اور

شمارہ ۱۰ بہار میں حسب ذیل چیزیں ہیں، ضمیر الدین احمد، موجودات عالم کسی قانون معین کے پابند ہیں؟ ان میں بحث و اتفاق کی بنا بانہ مداخلتیں ہوا کرتی ہیں اور کیا قوانین معینہ کے ماننے سے خدا کا وجود باطل ہوتا ہے (از فہیم الدین احمد) گلدستہ بہار (مسدس از آزاد) دامن بہار میں طرحی غزلیں۔

شمارہ ۱۱ بہار: مضمون سید ضمیر الدین احمد سید عبدالمجید مست کا ایک مضمون جس کی ابتدا میں یہ شعر ہے۔

زدور چرخ گرداں ہرچہ دیدم ستم دریں عالم مپرس از من کہ سر چشم لال بیساز د زبانم را

دامن بہار: صرف طرحی غزلیں۔

شمارہ ۱۲: دامن بہار غیر طرحی غزلیں، نئے شاعر، قابل ذکر (۴۲) باقر، شاگرد وحید، (۴۳) جوش، ابوالبرکات نیموی شاگرد داغ
بہار: مضمون سید ضمیر الدین احمد بے زبانوں کی صدا (نظم از آزاد)

مختلف شعرا کے چند منتخب اشعار درج ذیل ہیں:

۱ وفا بھی کریں گر وفا کرنے والے
دعا ہی کریں گے دعا کرنے والے

۱۲ حسیں اور مہر و وفا کرنے والے
جفا کرنے والے وفا کرنے والے

۱۶ کدھر اٹھ گئے بزم سے آج ساقی
ترے دور کی ابتدا کرنے والے

۱۹ باغ میں تم آئے کلیاں کھل گئیں
عندلیبوں کی مرادیں مل گئیں

۱ عشق کا دم نہ بھریں کوئی ہوس ہم نہ کریں
اپنے جینے پہ جو مرنے کو مقدم نہ کریں

۲۳ سحر ہوئی کہ ادھر یاد آئی منزل کی
کسی نے آج تک ایسی نہیں کہی دل کی

خدا ٹھکانے لگائے حباب کی محنت
ہوا ابھار کے لے تو چلی ہے ساحل کی

۲۴ اڑتی ہوئی جو فصل خزاں کی خبر آئی
بلبل کی گلستاں میں ادھیں آنکھ بھر آئی

۲۷ آج ساقی جو بن آئے وہ میخانے میں
رند بدمست ہوئے ایک ہی پیمانے میں

بلا کے پر گرنے لگا جب تو ترا نام لیا
اس قدر ہوش تھا باقی ترے دیوانے میں

۱۱ لے چکے دل جاں بھی لے لیجئے
اس کے آگے تو خدا کا نام ہے

۲۰ گواہ پاکدامنی ہے تیرا صاف جل جانا
سبب اے شمع پھر کیا ہو پتنگے کا تھرتھرانے کا

۸ بہار آئی کب آئی کیا خبر ہے یاں تو اے گلچیں
قفس ہے اور ہم ہیں اور غم ہے آشیانے کا

۳۰ ستانے میں کوئی حسرت نہ رہ جائے مٹانے کا
مٹانے میں کوئی پہلو نہ رہ جائے ستانے کا

۲۰ چمن میں کیوں نہ میں حیراں ہوں اے گل تیرے تماشے پر
ادھر شبنم کا رونا اور ہنس دینا ادھر تیرا

۸ بجائے مے دیا پانی کا اک گلاس مجھے
سمجھ لیا مرے ساقی نے بدحواس مجھے

۳ میرے ہی عشق سے دنیا میں ہے شہرت ان کی
مجھ کو وہ ہاتھ سے کھو دیں تو یہ غفلت ان کی

۳۵ وہ جو اس جشن خسروی میں نہیں
کتنے ساماں ہیں دل کشی میں نہیں

جب وہی بزم مے کشی میں نہیں
جی میں جو کچھ تھا اب وہ جی میں نہیں

کیسی بدلی ہے اس چمن کی ہوا
پھول میں رنگ و بو کلی میں نہیں

ا۔ مجھے یاد آتا ہے کہ درگا سہائے سرور جہان آبادی کے مجموعۂ اشعار "جام سرور" کے دیباچے میں یہ شعر سرور سے منسوب کیا گیا ہے۔

لِسانُ الصّدق

لسان الصدق[1] کے شمارۂ اوّلیں (نومبر ۱۹۰۳ء) کے سرورق میں (جو رسالے کے مقررہ ۸ اوراق میں شامل نہیں) عبارات ذیل مندرج ہیں۔

• قیمت عام سالانہ عہ مع محصول ڈاک] دار السلطنت کلکتہ کا ماہوار رسالہ] لسان الصدق] ایڈیٹر ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی کلکتہ جس میں] علم اخلاق، تاریخی، سائنٹفک مضامین کے علاوہ ذیل کے ۴ مقصدوں پر مضامین شائع ہوتے ہیں۔] لسان الصدق کے خاص مسائل اربعہ] سوشیل رفارم یعنی مسلمانوں کی معاشرت اور رسومات کی اصلاح کرنی] ترقی اُردو یعنی اُردو زبان کی علمی ادبی ترقی کی کوشش کرنی] تنقید یعنی ملک کی مشہور تصنیفوں اور اخباروں پر منصفانہ ریویو کرنا] علمی مذاق کی اشاعت بالخصوص بنگالہ میں] مقام اشاعت] نمبر ۱۶ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ] ہادی پریس کلکتہ ۱۴۱ ہیریسن روڈ میں چھپا۔ سرورق کے صفحہ ۱ کی پشت پر عبدالرحمن امرتسری کی کتابوں کا اشتہار ہے۔

رسالہ کا آغاز جس تحریر سے ہوتا ہے اس کا کوئی عنوان نہیں، اس کے کچھ ٹکڑے یہ ہیں: "الصدق ینجی والکذب یہلک۔ لسان الصدق کا دستور العمل ہے، اس کا فرض ہے کہ یہ قوم کو کذب سے بچائے اور راستی پر لائے۔۔ اس کی اُمید نہیں رکھنی چاہیے کہ یہ ... ایسے ترانے سنائے گا جو نہایت شیریں معلوم ہوں گے۔۔۔ سچی بات ہمیشہ کڑوی ہوتی ہے۔۔ یہ ہمیشہ تم کو کڑوی کسیلی باتیں سنائے گا۔۔ جو تمہیں ناگوار معلوم ہوں گی۔۔۔"

اس کے بعد مقاصد کی تشریح ہے۔ ذیل میں اس کے بعض عبارات اور اُن کے مطالب سے متعلق اشارات ہیں۔ "واقفیت کے ساتھ جب میل جول بڑھا تو خود مفتوح قوم کے رسم و رواج نے فاتح قوم کے افعال پر قبضہ کرنا شروع کیا۔ ادھر اکبر اعظم کی غیر متعصبیت نے یہاں تک ترقی کی کہ ہندوؤں کے رسم و رواج پر مائل ہو کر (کذا) مسلمانوں میں غیر محسوس طور پر میلان پیدا کر دیا۔ مذہبی کمزوری نے بہت سے توہمات پیدا کر دیئے۔" اصلاح معاشرت کی بحث میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس اور خواجہ غلام الثقلین مرحوم کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ ترقی اُردو کی بحث میں کانفرنس مذکور کے متعلق لکھا ہے کہ یہ رسالہ "ان تمام مقاصد کو عمل میں لائے گا جو ترقی اُردو کے لئے انجمن قرار دے گی۔" تنقید کے متعلق یہ عبارت ملتی ہے: "اُردو میں ہمیشہ ریویو کا ترجمہ تقریظ کیا گیا ہے۔ جس سے ریویو کا اصلی مفہوم ہی مفقود ہو گیا۔ (اس سلسلے میں غالب کی تقریظ آئینِ اکبری مرتبہ سید احمد خاں کا ذکر) ریویو کا اصلی ترجمہ ہماری زبانوں میں تنقید ہے

---

[1] لسان الصدق کے جن شماروں کا حال لکھا گیا ہے۔ وہ کتب خانۃ الاصلاح دیسنہ (ضلع پٹنہ) میں ہیں اور ادارۂ تحقیقات اُردو کی کوشش سے ہم تک آئے ہیں۔ [2] مدیر نے بعد کے کسی شمارے میں حالات ساز گار رہنے کی صورت میں "ترمیم ضخامت" کا وعدہ کیا ہے۔

بہتر نہیں ہو سکتا۔ چوتھے مقصد کی بحث میں بنگالے کے مسلمانوں کی پستی اور ہندوؤں کی ترقی کا ذکر کر کے لکھا ہے: "اس صوبے سے کسی علمی رسالے کا اردو میں نہ نکلنا . . مذاق کے نہ ہونے کی بین دلیل تھی۔ جس کمی کو لسان الصدق نے عالم وجود میں قدم رکھتے ہی پورا کر دیا۔"

رنجور کا قطعۂ تاریخ متعلق لسان الصدق، شیخ محمد عبدہ کے سفر انگلستان کا ذکر، کلکتہ کے ایک تاجر نے اپنی بیٹی کے کان چھیدنے کی رسم ادا کی اور اس موقع پر ۸ ہزار صرف کیے، اس پر اظہار افسوس۔ کلکتہ سے انگریزی اخبار "محمڈن ایڈووکیٹ" نکالے جانے کی تجویز، انجمن ترقی اردو کی مدد کی درخواست (آزاد اس کے "رکن انتظامی" تھے)۔ "زیر تصنیف کتابیں" اس عنوان کے تحت شبلی کی تاریخ علم الکلام جلد ۲ اور عبدالرزاق کی نظام الملک کے زیر تصنیف ہونے کا ذکر، اپنی بیماری کا بیان۔ حیاتِ جاوید کے متعلق اشتہار کہ دفتر لسان الصدق میں برائے فروخت موجود ہے۔ ہمعصروں سے تبادلے میں اخبارات و رسائل بھیجنے، مضمون نگاروں سے قلمی اعانت اور مصنفین سے اپنی کتابوں کے بارے میں معلومات کی فراہمی کی استدعا، ناشرین سے ریویو کی درخواست کی ہے اور مصنفین سے لسان الصدق میں ریویو کے لیے کتابیں مانگی ہیں۔

شمارۂ دسمبر: رسالۂ اردو سے متعلق، محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس بمبئی، "اسلام اور رسوم" اس مضمون میں ضمناً والدۂ مسٹر محمد سلیمان بیرسٹر کی تصنیف کردہ کتاب "اصلاح النسا" کے مطالعے کی سفارش ہے۔ "شادی"۔ "سید احمد حسن اب کہاں ہیں؟" مدیر تحفۂ احمدیہ کانپور و بانیٔ احسن الاخبار[1] کلکتہ کی وفات ۱۳۲۱ھ۔

شمارۂ جنوری ۱۹۰۴ء۔ مدیر نے انڈین نیشنل کانگریس کے متعلق لکھا ہے۔

"باخبر ناظرین واقف ہوں گے کہ جب ہندوؤں نے نیشنل کانگریس قائم کی تھی تو سر سید مرحوم کی مخالفت من جملہ اور وجوہ کے سب سے زیادہ اسی وجہ پر مبنی تھی کہ اس کا نام گورنمنٹ کو سخت دھوکا دینے والا ہے۔ اس کا نام دعوی کرتا ہے کہ یہ ایک قومی کانگریس ہے۔ حالانکہ سوا ہندوؤں کے اس میں کوئی شریک نہیں ہے پھر نیشنل کا لفظ بالکل حالت کے خلاف ہے۔ ہندو کہتے تھے کہ اس میں دیسی عیسائی شامل ہیں اور مسلمان بھی اس کے ہمدرد ہیں۔ سر سید کو مسلمانوں کا بچانا مقصود تھا۔ انہوں نے پبلک اور گورنمنٹ پر ثابت کر دیا کہ مسلمانوں کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آج تیرہ چودہ برس کے بعد خود کانگریس کے ہمدردوں کو اس کا احساس ہونے لگا ہے، اس کے سرگرم ممبر بھی اب وہ راگ گانے لگے ہیں۔ جو کبھی سر سید کی زبان پر جاری تھا اور جس کی سزا میں اسی کانگریس کی زبانی دشمنِ قوم و ملت کا خطاب انہیں دیا تھا۔ چنانچہ کانگریس کے سرگرم کارکن مسٹر الفریڈ نندی ایک مضمون میں لکھتے ہیں کہ "کانگریس میں نیشنل کی تعریف فضول پائی جاتی ہے۔ دیسی عیسائیوں نے بھی اس سے کنارہ کشی کر لی ہے، مسلمانوں کی مدد بھی برائے نام ہے پھر اس کانگریس کو قومی کہنا کیا معنی رکھتا ہے؟"

"قومی اعزاز" حالی اور ان کی حیاتِ سعدی اور مسدس کی ستائش کرنے کے بعد حیاتِ جاوید کی نسبت لکھا ہے کہ "اردو زبان میں یہ پہلی بایوگرافی ہے۔ جو اس محنت اور جانکاہی سے تصنیف ہو کر انگریزی تصانیف کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے۔" اس تحریک کی تائید کہ قوم کی طرف سے حالی کو "اعزاز" بخشا جائے۔

شمارۂ فروری۔ انجمن ترقی اردو کا ذکر، ریاض الاخبار میں حالی کی شاعری پر جو اعتراضات ہیں فضول ہیں۔ محمود شورٹ ہینڈ کا ذکر، انجمن کی رپورٹ جو شبلی نے ایجوکیشنل کانفرنس میں پیش کی تھی۔ "انتقادِ حیاتِ جاوید": اس کتاب پر مختلف اصحاب نے جو اعتراض کیے تھے ان کا جواب۔ مدیر اس کتاب کے بڑے مداح ہیں۔ اور یہ مضمون شمارۂ اپریل میں تمام ہوا ہے۔ اس مہینے سے ضخامت ۲۰ ورق۔

شمارۂ مارچ — "ریاض الاخبار اور لسان الصدق"...." ہماری بیجا خاموشی نے قوم کو صرف تعریف و ستائش کا اس قدر عادی

---

[1] اس اخبار کے چند شمارے بابت ۲۳ء ادارۂ تحقیقات اردو کی نمائش کے لیے آئے ہیں۔ ان میں ابوالنصر آہ اور مدیر لسان الصدق کے مضامین ملتے ہیں۔

بتادیا ہے کہ اگر مستم کی تنقیدی نظر سے کام لیا جاتا ہے تو وہ اس کی تحمل نہیں ہو سکتی۔ اس کا ثبوت ہمیں مل گیا۔ اور ریاض الاخبار کے فاضل ایڈیٹر ہماری طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ ۲۸ مارچ کے ریاض الاخبار میں فرماتے ہیں کہ "ہمارے سابق اب ایڈیٹر مخزن اور فاضل علامہ شروانی (معترضین حالی) پر بھی گالی گلوچ کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔ شاید یہ طریقہ استدلال جدید تہذیب و شائستگی کے اصول کا مسلم مسئلہ ہے کہ جواب دینے کے وقت بھٹیاروں کی زبان استعمال کی جائے۔ ایسے لوگوں کو مخاطب کرنا بھی ہم مناسب نہیں خیال کرتے۔ اس لئے ہم ... ایڈیٹر مخزن کو صلاح دیتے ہیں کہ وہ لسان الصدق کلکتہ کا جواب دینے سے خاموشی اختیار کریں گے۔ مدیر نے بتایا ہے کہ لسان الصدق میں مخزن کی تنقید کے متعلق اظہار رائے سے پیشتر مدیر مخزن سے اس کی اجازت لی گئی تھی۔

ادبی خبریں۔ حالی تذکیر و تانیث پر ایک بسوط کتاب لکھ رہے ہیں۔ دو تین مہینوں میں مکمل ہو جائے گی۔ شبلی میر انیس کے کلام پر مفصل ریویو لکھ رہے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی، امیر خسرو کے حالات لکھ رہے ہیں۔ عبداللہ عمادی معارف ابن قتیبہ کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ انجمن ترقی اردو کے تحت حسب ذیل کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ کارلائل کے ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ کا ترجمہ از عبدالغفور شہباز، اسٹڈی آف پلانٹ کا ترجمہ از محمد اکبر، نالۂ دانشوراں کا ترجمہ از ریاض الحسن (صحیح ریاض حسن، ان کا تخلص خیال تھا) میکس مولر کے ہبرٹ لکچر کا ترجمہ از عبدالقادر — اس شمارہ میں ابوالمعظم آروی کی ایک کتاب متعلق خیام کا اشتہار ہے۔ "اردو کا دکھڑا" اور "نگار" از آہ "اس شمارہ میں حسب ذیل اخباروں کے نام گنے ہیں۔.. دارالسلطنت، جنرل، گوہر آصفی، المصباح، نوشہ، پنچ، لیڈر، گزٹ، مسلم ٹائمز، احسن الاخبار۔

شمارۂ اپریل۔ حیات جاوید کا ریویو۔ حالی نے اردو کو جدید بائیوگرافی سے آشنا کیا۔ حیات سعدی اور یادگار غالب کی تعریف کے بعد لکھا ہے کہ حیات جاوید ان سے زیادہ قابل قدر ہے۔ چراغ دہلی از حیرت دہلوی اور مد المنشور کا ریویو۔ لسان الصدق سے متعلق معاصرین کی رائیں۔

شمارہ مئی۔ "انجمن حمایت اسلام لاہور" اس سال کے جلسے میں مدیر لسان الصدق نے شرکت کی تھی۔ شمارہ جون و جولائی سے معلوم ہوتا ہے کہ آزاد کچھ دنوں سے بیمار گئے ہوئے تھے۔

نوائے کیمبرج

"نوائے کیمبرج" کا نام میں نے ہندوستان میں سُنا تھا۔ اپریل ۱۹۲۳ء میں کیمبرج پہنچا تو اس کا ایک شمارہ نظر سے گزرا اور خبر ملی کہ ایک شمارہ جلد شائع ہونے والا ہے۔ لیکن اردو ایسوسی ایشن جس نے اسے جاری کیا تھا اس وقت برائے نام زندہ تھی اور میرے زمانۂ قیام میں نہ "نوائے کیمبرج" کا کوئی شمارہ نکلا اور نہ انجمن مذکور کا کوئی جلسہ ہوا۔ وہ شمارہ جو میں نے کیمبرج میں دیکھا تھا۔ غالباً شمارہ دوم تھا۔ اور اس وقت پیش نظر نہیں تھا۔ لہٰذا جس شمارے کے مطالعہ پر مبنی ہے وہ شمارۂ اول ہے جو ۴۸ صفحوں میں ہے۔ صفحہ ا سے معلوم ہوتا ہے کہ "نوائے کیمبرج" اردو خواں طلبائے کیمبرج یونیورسٹی کا ادبی رسالہ[۱] ہر ٹرم میں نکلتا تھا اور اس کی ترتیب کا کام انجمن اردو کیمبرج یونیورسٹی کی مجلس انتظامیہ انجام دیتی تھی۔ یہ مطبع نولکشور لکھنؤ میں چھپتا تھا اور ہندوستان میں بذریعہ نواب نصیر حسین خاں خیالؔ شائع ہوتا تھا۔ انگلستان میں اس کے ملنے کا پتا یہ تھا۔ آنریری سکریٹری اردو ایسوسی ایشن پوسٹ گرنس ٹریس کیمبرج۔

ص۲ میں فہرست مضامین اور ہے۔ ایل کپور (ص۹) میں جیون لال کپور کی طرف سے "ضروری اطلاع" ہے۔ ص۹ سے پتا ملتا ہے کہ ایسوسی ایشن کا نام انجمن اردو تھا اور یہ اس کے سکریٹری تھے۔ ان کے نام کے بعد بی اے بھی مرقوم ہے۔

ص۳ میں رسالے کے نام کے بعد یہ الفاظ ملتے ہیں "مرتبہ مجلس انتظامیہ انجمن اردو کیمبرج" نمبر ا جلد ا لنٹ ٹرم جنوری، فروری، اپریل ۱۹۲۱ء اسی صفحے سے "افتتاحیہ" شروع اور ص۵ میں ختم ہوتا ہے۔ یہ ایڈیٹر کی طرف سے ہے۔ صاحب تحریر مرقوم نہیں کہ ادارت کے فرائض کون انجام دیتا تھا۔

اقتباسات افتتاحیہ: "آج سے تقریباً ۱۰، ۱۱ برس قبل کا ذکر ہے کہ اسی کیمبرج میں اہل ہند کی ایک جماعت تھی جس نے پہلا مجلسی طور پر اردو کا مشاعرہ پہلی مرتبہ منعقد کیا تھا جس میں متعدد مقامات انگلستان کے لوگ شریک ہوئے تھے۔ اس صحبت کی ابتدا بڑے زور و شور سے ہوئی تھی۔ لیکن یہ صحبت بالکل نجی کی تھی اور بعض لوگوں کے حلقۂ احباب تک محدود تھی۔ دو برس تک اس کی سرگرمیاں قائم رہیں۔ ساتھ ہی بانیوں کے منتشر ہوتے ہی اس کا وجود فنا ہو گیا۔ اس کے بعد ہی آکسفورڈ میں اردو کا مذاق رکھنے والے کچھ لوگ آ گئے جنہوں نے اپنی روایتی رقیبوں کا یہ چلنج قبول کیا اور اس محفل کو ۲ برس تک مسلسل باضابطہ چلاتے رہے۔ اس کے بعد لندن کی باری آئی۔ لیکن آکسفورڈ الگ کیمبرج علیحدہ، اور لندن کوئی مرکزی مشاعرہ کی جگہ نہیں رہا۔ مفصل تاریخ مذاق اردو کی مہیا کرنا ناممکن ہے۔ مگر روایات یہی ہیں کہ اس کے بعد مستقل مذاق اگر کہیں باقی رہا تو ہر جگہ بالکل علیحدہ علیحدہ۔ البتہ جنگ سے چند سال پیشتر کچھ دنوں کے لیے آکسفورڈ دوبارہ شعر و سخن کا مرکز ہو گیا تھا۔ جس میں سُنا گیا ہے کہ ایک صاحب دیہاتی اردو میں بھی قومی اور کچھ مذاقیہ اشعار فرمایا کرتے تھے۔ جنگ کے زمانے میں انگلستان میں اردو کا مرکز اور شاعری کا قبلہ مسجد ووکنگ

---

[۱] سال میں ۳ ٹرم ہوتے ہیں۔ ایک صاحب کپور نامی میرے زمانے میں کیمبرج میں تھے مگر ان سے کبھی ادبی گفتگو نہیں ہوئی۔ محمد زبیر صدیقی کا خیال ہے کہ یہ جیون لال کپور ہی تھے۔

تھی۔ وہاں سے لندن اور کیمبرج تک بذریعہ خط و کتابت شاعری ہوا کرتی تھی؛ یا کبھی کبھی لوگ جمع ہو کر اپنا گیت ایک دوسرے کو سنا دیا کرتے تھے۔

... اس اکتوبر میں ہماری اردو تحریک کی عمر ٹھیک ایک سال کی ہو گئی۔ ہمارے سرپرستوں نے از خود گزشتہ موسم بہار (مارچ) میں قواعد و ضوابط کی بیڑیاں اپنے زیب پا کر لیں اور اس ترتیب پسندی کا نتیجہ آپ انجمن اردو کیمبرج کو دیکھ رہے ہیں جس کا یہ رسالہ نوائے کیمبرج آرگن ہے۔ اس انجمن کی کارکن جماعت کا نام "مجلس انتظامیہ" ہے جس کے ہاتھ انجمن کا سارا نظم و نسق ہے۔ اس مجلس کے اہتمام سے کیمبرج کی ہر ٹرم میں ایک مرتبہ مشاعرہ ہوتا ہے اور اگلی ٹرم سے مشاعرے کے ماسوا کم از کم ایک مرتبہ اردو میں تقریر کرنے کی مشق ہوا کرے گی۔"

"نوائے کیمبرج" مسٹر عبدالماجد بی اے کا مضمون ہے (ص۱۰ تا ص۱۴) جو بمبئی میں "اپیل" دیکھنے کے بعد انھوں نے خود بھیجا تھا۔ اس کے اقتباسات درج ذیل ہیں: اس نصف صدی کی مدت میں جب کہ ہندوستانی طلبہ کیمبرج یونیورسٹی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، انھوں نے اگر کوئی مفید خدمت ... انجام دی ہے تو وہ یہی ہے کہ اس پرچے کو اردو میں نکالنے کا تہیہ کیا ہے۔ ہندوستان میں آج ہندو مسلمان ... اتحاد باہمی کے لئے طرح طرح کے معاہدے کر رہے ہیں، لیکن در حقیقت ... کسی جدید معاہدے کی ضرورت نہیں، دونوں قوموں کے درمیان اتحاد و اشتراک کا حقیقی معاہدہ آج سے صدیوں پیشتر ہو چکا ہے جو موجودہ خارجی و مصنوعی عہد ناموں سے بدرجہا زیادہ پائیدار ہے اور جس پر "مصلحت وقت" یا "مجبور کن ضروریات و حالات" کی نہیں، بلکہ باہمی خلوص و محبت، یگانگت و یکجہتی کی مہریں ثبت ہیں۔ اس دستاویز محبت کا نام اردو زبان ہے۔ ...

... یورپ سالہا سال سے اسپرنٹو کی رواج دہی کی ناکام کوشش میں مصروف ہے، لیکن ہندوستان کو ایک قدرتی اسپرنٹو کی نعمت صدیوں سے حاصل ہے، جو یورپ کی مصنوعی اسپرنٹو سے کہیں زیادہ مکمل و جامع ہے۔"

"کیمبرج میں اردو" "وسعت خیال" کا مضمون ہے (ص۱۵ تا ص۲۲)

۳۰ اکتوبر کی شام کو ... انجمن کا سالانہ جلسہ تھا، اور ہم اسی دن ... لندن سے ظہر پڑھ کر روانہ ہوئے۔ یوسف[1] ہمسفر ہو گئے۔ حماقت سے درجہ دوم کا ٹکٹ آمد و رفت لے کر گاڑی میں بیٹھے۔ لندن سے کیمبرج ۵۵ میل سے زیادہ نہیں مگر گاڑی جب ٹرام کی چال ... چلے تو ڈھائی کیا ۵ گھنٹے اس مختصر سفر میں گزر سکتے ہیں۔ ہمارے یوسف کو ولایت بہت پسند ہے مگر یہاں کا سفر ناپسند ... چار بجے کے بعد کیمبرج پہنچے۔ دوستوں کے ساتھ ٹیکسی میں بیٹھے۔ ریل کی طرح اس سواری میں بھی ایسے اسراف پر بجز ندامت ہوئی ... ہم لوگ چراغوں کی روشنی میں ... لائن ہوٹل پہنچے ... ماما گرم پانی دے گئی کہ وضو کر کے سلامتی سے منزل پر پہنچ جانے کا دوگانہ ادا کیجئے۔ ہوٹلوں میں ہمارے دیس ... ہوٹلوں کی طرح کمروں کے ساتھ غسل خانے نہیں ہوتے ... اس کے بعد مسلم ایسوسی ایشن کے سالانہ ڈنر کا حال: جس میں مہمانان خصوصی ڈاکٹر رضا توفیق پاشا، عبداللہ، یوسف علی، فیضی بے، مسٹر مینگ اور خیال تھے، ایسوسی ایشن کے صدر انعام الرحیم، نائب صدر ڈاکٹر احمد حامد (مصری) اور سکریٹری مسٹر جیٹ تھے۔ اس موقع پر خیال نے اردو میں تقریر کی تھی۔

دوسرے دن ... ۱۱ بجے الفضل کے گھر میں صحبت تھی۔ تجویز ہوئی کہ مسٹر عبداللہ (یوسف علی) میر مشاعرہ قرار پائیں، مگر وہ ایک ... اس وقت میزبان کیونکر بن جاتے؟ ... اپنی کرسی مجھکو عنایت کر دی! صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب کا کچھ دیر انتظار رہا اور ان کی طرحی اور غیر طرحی غزل کا سب کو اشتیاق تھا۔ سر سنکرا[?] اور مسٹر باسو رادی

[1] سید یوسف حسین بیرسٹر ایٹ لا [illegible]

تھے، صاحبزادہ صاحب نے بھی غزل کہی ہے۔ افسوس کہ موصوف وقت پر نہ پہنچ سکے۔... یہ عجب۔ گزشتہ شب کے ڈنر سے بھی کچھ زیادہ مزیدار تھی ہم کو اگر تھوڑی بہت شکایت ہے تو انصاری اور ماجد صاحبان سے کہ انھوں نے اپنی غزلیں اور خصوصاً انصاری کا نے اپنا مسدس پڑھ کر ہماری محنت پر پانی پھیر دیا۔ اور اس نے مشاعرہ ان کے ہاتھ رہا۔ (کیمبرج کے بینچ کا بجھنی کی ڈگری کے بعد) ... ۱۹ کالجوں کے مجموعے کا نام کیمبرج ہے۔ سڑکوں اور فٹ پاتھ پر بھیڑ ہے اور اس بھیڑ میں ننگے سروں کی بہار، یہ طلبا (کنفرا) ہیں۔ زیادہ تر طلبا اپنے اپنے کالج کے حجروں میں رہتے ہیں۔ مگر جب جگہ بھر جاتی ہے وہاں کے طالب علم کالج کے نامزد کردہ دوسرے مکانوں میں آرام کرتے ہیں۔ ایسے طالب علموں کو ان گھروں میں عموماً ایک سونے کا اور ایک اسٹڈی کا ضروری فرنیچر سے آراستہ کمرہ ملتا ہے۔ کالج کے ساتھ ڈائننگ ہال ہوتا ہے۔ بعض لڑکے لنچ وہیں کرتے ہیں۔ مگر لازمی طور پر سب مل کر رات کا کھانا وہیں کھاتے ہیں۔ شب کو اس کے بعد گھر سے نکلنے اور کہیں شبانہ رات کی اجازت نہیں۔ یونیورسٹی کے محتسب... کبھی ضرورۃً درون خانہ بھی پہنچ جاتے اور لڑکوں کی حاضری لیتے ہیں۔ جو صاحب زمانے لندن میں رہ چکے اور پکیڈلی کے چوک میں آدھی آدھی رات گزار چکے ہیں ان کے لئے کیمبرج کی سی تعلیم گاہ محبس ہے اور ایسے ہی آرے

اکثر طرز یونیورسٹی لائف کو قیدِ فرنگ سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر ہم خوش ہوتے کہ ہم ملا انصاری اور ماجد کیمبرج میں اس طرح بند ہو گئے اور لندن کا رستہ بھول گئے۔ (اس کے بعد ایک خط ملنے کا ذکر جس کے لفافے کی پشت پر اس کے بھیجنے والے کا نام ابجد حروف میں چھپا ہوا تھا اور جس میں ملنے کا وقت بتایا گیا تھا (اس کے بعد بعض کالجوں کا حال اور ریچ بروک کالج پہنچنے کی کیفیت) ...[۲]

• بائیں ہاتھ قدیم ہندوستانی وضع کا دروازہ تھا اور اس پر نہایت خوش خط نستعلیق میں نصر من اللہ و فتح قریب لکھا پایا۔ دق الباب کیا۔ اندر سے "آؤ" کی (کم ان) جواب:۔ "منم مسافر، خستہ و تشنہ"، "تمہارا تشریف بیاورید۔ اطاق تعلقات، بسم اللہ" اندر گئے تو معمولی کمرا۔ چار طرف میز کرسی اور ان پہ بے ترتیب کتابوں اور مسودات کا انبار، ایک طرف آتش دان روشن، اس کے قریب سوفا (کاؤچ) اور دو تین آرام کرسیاں اور کمرے کا مالک مسکراتا ہوا آگے بڑھا۔ پذیرائی کی۔ مصافحہ کرتے وقت جو دیکھا شصت سالہ مرد تھا۔ جس کی جوانانہ مسکراہٹ دل کھینچے لیتی اور اسی کی نظر جادو کر رہی تھی ... یہ بزرگوار ای جی براؤن (ایڈورڈ براؤن) معانقہ کرکے مسکرایا اور ایک خالی کرسی کی طرف اشارہ کیا: "بفرمائید توی بنشینید" (آگ کے پاس بیٹھو) دیکھا تو ہمارے رضا توفیق اور فہمی بے بھی کمرے ہیں۔ رضا توفیق بے فارسی کا بھی مذاق رکھتے ہیں اور فہمی بے کے ذکر کا لب و لہجہ پر تو رشک آتا ہے۔ پروفیسر (براؤن) نے خود دار کا پیچ کا اور روانی سے بولنے لگے۔ جیب سے سگار (سگار) نکلا۔ ایران کا ذکر وہاں کے سفر کا حال، فارسی ادبا کی نقلیں، حکایات، اس ملک کے گزشتہ کارناموں کا فخریہ تذکرہ، اور اس کی موجودہ حالت پر افسوس شروع ہو گیا

"دوبارہ ہم خیال مسافرت دارید؟"

"خیر حالا پیر شدم (افسردہ ہو کر) جوانی کجائی کہ یادت بخیر! آقا پاسے

[۳] صاحبزادہ واجد علی خاں تخلص ... نواب یوسف علی خاں ناظم کے حقیقی نواسے تھے یہاں ... جنگ سے قبل ہی ... گئے تھے۔ کیمبرج میں ... کالج میں تھے اور بھی ... ۱۹۲۳ء میں ... کیمبرج سے کچھ تعلق نہ رہا تھا مگر کیمبرج ہی میں رہے۔ ... پڑھنے کے بعد کیمبرج واپس آیا تو انھوں نے مجھے ... صاحب (جیز) کالج کے ... کیمبرج ... سے کچھ فائدہ نہیں ... یونیورسٹی میں داخل ہو جائیں ... ۱۹۲۳ء ... لیکن یونیورسٹی سے بے تعلق رہے ... برلن پہنچے تو ... اپنے ساتھ رامپور واپس لے گئے وہاں نواب کے پرسنل سکریٹری رہنے کے بعد اس عہدے سے الگ ہو گئے اور ... آباد وغیرہ میں رہے ... ۱۹۴۷ء ... رامپور میں ... کے سکریٹری تھے ... کے بعد اس عہدے سے سبکدوش کر دئے گئے ... پاکستان ... چلے گئے جہاں چند ماہ ... انتقال ہو گیا ... بہت کم ... خوش گو شاعر تھے ... کیمبرج کے بارے میں ... بھی لکھی ہیں۔ مگر ان سے بہت کم ... ادا ہوگا۔

[۱] سید علی اکبر کاظمی ۱۹۲۳ء میں کیمبرج میں تھے۔ آج کل کراچی میں ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن ہیں۔ [۲] یہ وہ کمرا ہے جو ریچ بروک کالج میں تھا۔ براؤن کا مکان الگ تھا اور وہ وہاں رہتے تھے۔

ہم تنگ شد است، باتوں میں دیر ہوگئی۔ ہم لوگ اس وقت پنج پر ،ونین میں مدعو تھے۔۔ رخصت طلب ہوئی۔ آکابرون نے ایرانی تہذیب کے مطابق دعا دے کر اور پھر ملنے کا وعدہ لے کر زرا خم ہو کر تا دروازہ پہنچایا۔ اور سب کو رخصت کیا۔ خدا حافظ، خدا حافظ شما، فی امان اللہ۔

"قومیت اور مذہب" مسٹر بشیر حسین زیدی کا مقالہ: (ص[illegible] تا ص[illegible])

تاریخ کا مطالعہ بتلاتا ہے کہ جب کبھی پرانی اور بوسیدہ طریق زندگی کی بنیادیں گرائی اور ان پر نئی معاشرت و سیاست کی شاندار عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں تو نئی صلاحیں، تغیرات اور اضافے اپنے ساتھ بہت سی غلطیاں اور نقائص بھی لے آیا کرتی ہیں۔ بیسویں صدی کا آغاز مشرق کی تاریخ میں بہت بڑی اہمیت کا زمانہ ہے۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ سوتے ہوؤں نے کروٹ لی۔ صدیوں کا لباس کہنہ اتار دیا۔ اور تاریخ نے نیا ورق پلٹا۔۔ ہندوستان بھی جذبات و خیالات کے اس انقلاب اور ہلچل سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا اور بھارت ورش کے سپوتوں نے اس نئے پیغام پر صدائے لبیک بلند کی۔۔ صدیوں کے تفضیے اور تفرقے مٹنے لگے اور دریائے حیات میں حب وطن کی لہریں اٹھنے لگیں۔ موجودہ زمانے میں ملک کے تمام لیڈر اس بات کی سر توڑ کوشش کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے مختلف فرقوں اور ملتوں کو رشتۂ اتحاد میں منسلک کر کے ایک مشترک پلیٹ فارم پر لے آئیں۔ بجائے خود یہ ایک قابل قدر اور اعلیٰ مقصد تھا۔۔ مگر انسان اکثر اوقات کسی خاص نقطۂ خیال کا اس قدر گرویدہ ہو جاتا ہے اور اس کی قدر و قیمت پر اس درجہ مبالغہ کرتا ہے کہ وہ اور چیزوں کی ضرورت اور اہمیت کو خواہ وہ اس سے زیادہ گراں قدر۔۔ ہی کیوں نہ ہوں فراموش کر دیتا ہے (اس کے بعد انقلاب فرانس کا ذکر جس کے آخر میں عبارات ذیل) "ملک کے تمام اہل قلم اور باخیال مذہب کے خلاف جہاد کر رہے تھے اور والٹیر نے تو انجیل تک کو نشانۂ ملامت و اقربہی بنا لیا تھا۔ جب انقلاب شروع ہوا تو مذہب کی دیواریں تک ہل گئیں اور لوگوں نے نہ صرف مذہبی بدعتوں کو خیر باد کہا بلکہ خود مذہب کو بھی ٹھکرا دیا۔ فلسفے کے پرستاروں نے اخلاق کی بنیادیں کمزور کر کے مختلف تغیروں اور اضافوں کے خیر کو بے قدر بنا کر اور انسان کے بدلتے رہنے والے جذبات کو فرائض کے ان قاعدوں کا جو صدیوں کے دوران میں جزو فطرت بن گئے تھے بدل بنا کر فرانسیسی سوسائٹی کا بگاڑ اور بداطواریوں کی رفتار کو تیز کر دیا۔۔۔ اس مادیت اور حسن پرستی کا جو نتیجہ ہوا وہ انقلاب فرانس کی تاریخ میں خاص دلچسپی رکھتا ہے۔

آج ہندوستان میں بھی اسی قسم کا خطرہ ہمارے پیش نظر ہے اور تعلیم یافتہ نوجوان مذہب سے متنفر ہوتے چلے ہیں۔ ان کا مکرر سوال یہ ہے کہ آخر مذہب ہمارے لئے کون سی خاص خدمت انجام دیتا ہے؟ مذہبی تنگ نظریاں ترقی کے رستے میں مسلسل حائل ہو رہی ہیں اور مذہبی تفرقوں نے ادنے ادنے باتوں پر کشت و خون کے۔ میدان گرم کر دئے ہیں۔۔ ہندوستان میں مذہب پرستی روح وطن پرستی کی دشمن ہے اور لہٰذا ہم سب ہندوستانی پہلے ہیں اور ہندو یا مسلمان بعد میں"۔۔ یہ خیالات بہت کچھ صداقت کے ساتھ ساتھ ایک زبردست غلطی پر مبنی ہیں۔ اگر یہ زاویۂ نگاہ مذہبی تعصب کے برخلاف اظہار نفرت اور اس سے بالا رہنے کی ہدایت کرتا ہے تو ہمیں اس کی صداقت ماننے میں کوئی تامل نہیں مگر یہ اس حد سے بہت آگے نکل کر ایک قومی خطرے کی صورت پیدا کرتا اور مذہب کو ثانوی حیثیت دے کر سیاست کو اس سے بلند تر قرار دیتا ہے۔۔ قومیت محض سیاسی بنیاد پر کبھی قائم نہیں ہو سکتی۔ میزینی۔ جس کی تمام زندگی اپنے ملک کے لئے ایک طویل قربانی تھی۔ ہمیشہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ "خدا کو ماننے اور اس پر بھروسا کرنے کے بغیر سیاست مضبوط۔۔ بنیادوں پر ہرگز قائم نہیں ہو سکتی"۔۔ ہم

---

[1] اوائل ۱۹۲۸ء میں کیمبرج سے رخصت ہوئے۔ نوٹ کیمبرج کے اسی زمانے میں جو کیمبرج میں میری نظر سے گزرا تھا۔ ان کا ایک مضمون جمالیات پر تھا۔ یہ بعد کو رام پور میں چیف منسٹر ہوئے اور آج کل دانش گاہ علی گڑھ کے وائس چانسلر ہیں۔

اس لئے حکومت خود اختیاری کے طالب ہیں کہ ہندوستان ہندوستانیوں کے لئے ہونا چاہیے۔۔ ملک کی اعلیٰ ملازمتیں، دولت، تجارت، انتظام، تعلیم اور دیگر مختلف چیزیں ہمارے لئے اور ہمارے ہاتھوں میں ہوں۔ یہ طرز خیال بالکل درست ہے۔۔ لیکن۔ لالچ اور حصول منفعت پر مبنی ہے سوراج ملنے کے بعد بھی اگر یہی جذبہ باقی رہا تو خدمت قوم کے بجائے لوگ نفس پرستی کریں گے۔ لہٰذا ملک کے لئے فائدہ مند وہ زاویۂ خیال ہے جو شروع ہی سے قربانی اور ایثار نفس، محبت اور بہادری، نیکی اور پاکیزگی کا سبق سکھائے، صرف مذہب ہی ایک ایسا محرک رہا ہے جو بنی نوع انسان کی تعداد غالب کو ایسے مقاصد عالی اور خیالات پاکیزہ سے پُر کر سکتی ہے۔ حقیقی اور سچا مذہب۔ ہمارے اتحاد اور ترقی میں کسی طرح مانع نہ ہوگا۔ بلکہ ان کے حصول کا تنہا مکمل اور قوی ذریعہ ہوگا۔ ۔۔ مذہب کا مقدس اور گراں پایہ نام ہرگز اس تعلیم پر صادق نہیں آ سکتا جو حب وطن" جیسے پاکیزہ جذبے کی منکر ہو۔ آج ہندوستان کو جوش درکار ہے۔ وہ یہ نہیں کہ مذہب کو ثانوی حیثیت دے کر قومیت کو ابھار دیا جائے۔ بلکہ خود مذہبی جذبات و خیالات کو اس بلندی تک پہنچانا چاہیے کہ قومیت جزو مذہب بن جائے۔ ہندوستان کو کم مذہب کی ضرورت نہیں بلکہ زیادہ روشن خیال اور وسیع النظر مذہب کی۔ آج ہمیں وہ شے درکار ہے جو یورپ کی تاریخ میں ریفارمیشن (اصلاح مذہب) کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

۔۔ ہندوستان کے بہت سے آزاد خیال اشخاص کا یہ عقیدہ ہے کہ تمام مذاہب کی بنیادی تعلیم ایک ہی ہے۔۔ سب کی تعلیم یہ ہے کہ دنیاوی زندگی اور خوش حالی انسانی حیات کا مقصود آخری نہیں۔ ۔۔ اس زندگی کے بعد اور زندگیاں آئیں گی جبکہ ہمارے افعال و اعمال کی جزا و سزا ملے گی۔ مختلف روحانی پیشواؤں نے۔۔ اپنی قوم کو ضروریات و حالات کے مطابق مختلف طریقہ ہائے عبادت تعلیم کئے۔ لیکن اصل اور بنیادی تعلیم ایک ہی تھی۔ یہ امر تسلیم کرنے کے بعد کیا وجہ ہے کہ ہم مختلف مذہبوں اور فرقوں کے پیرو بنے رہیں۔ دو ایک نئے عالمگیر مذہب کے حلقہ بگوش نہ بنیں تاکہ مذہبی تفرقوں و منافرتوں کا امکان ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے؟ میں بلاشبہ خود ان لوگوں میں سے ہوں جن کے نزدیک یہ خیال صرف ایک خواب خوشگوار نہیں، بلکہ امکان انسانی ہے۔ جن کا خیال راسخ ہے کہ پریت کی ترنگنی، میں جو تمام مذاہب کی جان ہے، دھرموں کے جھگڑے بہائے جا سکتے ہیں، مگر۔ بنی نوع انسان کی کثرت غالب کے لئے یہ منزل ابھی بہت دور ہے۔ اس منزل تک پہنچنے کا صحیح طریقہ یہ نہ ہوگا کہ موجودہ دھرموں کو ٹھکرا دیا جائے۔ جب تک کہ ایک عالی شان محل نہ بن چکے، اپنے جھونپڑے کو جلا دینا دھوپ اور بارش میں مرنا ہوگا۔۔

انسانی شخصیت میں مذہبی جذبات کی بنیاد صرف انفرادی عقل پر نہیں مذہب سیکڑوں برس کی پرانی روایات، ابتدائے عمر کی تعلیم اور زندگی بھر کی عادات سے جزو فطرت بن جاتا ہے۔ مذہب روایات، روابط سے مل کر قوانین اور انتظام کے قیام کے لئے باعث امداد ہوتا ہے کیونکہ خواہ ہم ان کے اثرات سے ظاہراً واقف نہ ہوں لیکن مذہبی تعلیم اور وابستگیاں انسانی خودی میں انمٹ طریقے سے پیوست ہو جاتی ہیں۔ رسومات و رواجات اگرچہ کسی مذہب کی جان نہیں ہوتیں تاہم وہ حیات انسانی کے لئے بے حد ضروری ہیں۔ فطرت انسانی میں منطق محض کا استبداد جو جذبے کو میدان سے بھگا دے۔ ہمیشہ ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ وہ تصور جسے میں نے "نئے عالمگیر مذہب" کے نام سے پکارا ہے، روایات، ابتدائی تعلیم کے اثرات اور عادت کے عناصر سے خالی ہے، اس میں کوئی ایسی مرکزی اور عظیم الشان شخصیت نہیں جس کا ذکر چاروں طرف پھیلا اور انسانی جذبے کو متاثر کرتا ہو جیسا کہ حضرت عیسیٰ۔۔ حضرت محمدؐ۔۔ کرشن جی اور رام چندر جی اور۔۔ مہاتما بدھ ہیں۔ ہر مذہب میں ایک ذہنی تصور ہے جس کا جسم مختلف رسومات ہوتی ہیں۔ اس نئے تصور کا دامن رسومات سے خالی ہے جو دماغ کے لئے نہیں تو دل کے لئے بہرحال ضروری ہیں۔ ۔۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا امر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی یہ

کہ سوسائٹی ایک باحیات عضو ہے، جس کی ہیئت اور خیالات وجذبات کا فیصلہ اس کی ہزاروں برس کی تاریخ کرتی ہے۔ اور جس کے افراد کے درمیان تعلقات کی کڑیاں ان گنت اور نامعلوم اثرات کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ کوئی شخص یا گروہ جب چاہے اس میں ایک نیا اضافہ نہیں کر سکتا۔ گو اس اضافے یا جدت کے حق میں قوی دلائل بھی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ ۹۹ فی صدی لوگوں کے خیالات و احساسات کا مدار ان کے گردوپیش پر ہوتا ہے اور تغیر صرف ایسا قدم بقدم اور ارتقائی تبدیلی کی صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ اگر افراد کے تعلقات میں مذہب کام کرتا رہا ہے تو اسے یک لخت نکال دینا بدنظمی اور بے قاعدگی کا باعث ہوگا۔ میں ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ مذہب اور عقل و دلیل زمانہ کی ضروریات اور انسانی فطرت کے تقاضوں سے آزاد ہو جائے۔ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ انسانی اخلاق و فرائض کے تصورات یا سوشل تعلقات کا سرچشمہ آسمانی ہے اور ہمارے دست تغیر کی پہنچ سے دور۔ جس بات پر میں زور دیتا ہوں وہ یہ ہے کہ انفرادیت اور افراد کی عقلی تصور کو آزادی ملنی چاہیے۔ مگر اسے انتہائی حد تک پہنچا دینا سوسائٹی کے لیے مضر ہوگا۔ دوسرے یہ کہ قوم کی زندگی میں ہمیں اس تاریخی تسلسل کو فراموش نہ کرنا چاہیے جس کی تشریح میں پیشتر کر چکا ہوں۔ ان دونوں وجوہات کی بنا پر موجودہ مذاہب کی بنیادوں کو کمزور کرنا ہمارے لیے نقصان کا باعث ہوگا۔ اس کے بجائے یہ مناسب ہوگا کہ ان مذاہب کی حدود میں رہ کر ہم مختلف تنگ نظریوں اور قبائلی تصورات کو رفتہ رفتہ زائل کریں۔۔ یہ طرز عمل ایک طرف تو قومیت اور وطن پرستی کے راستے میں سد راہ نہ ہوگا۔ اور دوسری طرف ہمیں اخلاقی و روحانی بگاڑ کے اثرات سے بچائے گا۔ اور آخرکار ایک روز ہم خوشگوار تعجب کے ساتھ معلوم کریں گے کہ کسی قسم کے منفی اور مسمارکن طرز عمل کے بغیر قدیم دھرموں کی دیواریں اس "نئے شوالے" کو اپنی آغوش حفاظت میں لیے ہوئے ہیں۔ جس کے گیت اقبال نے گائے ہیں۔"

ایڈیٹر نے اس مقالے کے آخری جملے کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:۔ "ہمیں امید ہے کہ لائق مضمون نگار کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ اقبال بھی اسی "عالمگیر مذہب" کی حمایت اپنے گیت میں کر رہے ہیں جس کی طرف اس مضمون میں اس قدر وضاحت کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے۔" اس کے بعد اسرار خودی کے ترجمہ کا ذکر ہے اور یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ اس کے مقدمے کا ترجمہ آئندہ اشاعت میں درج ہوگا۔ ایڈیٹر نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ اقبال کا عالمگیر مذہب نیا نہیں، بلکہ بہت پرانا ہے۔ ایڈیٹر کے نزدیک مضمون نگار کے مذہب کو بھی نقطۂ حاضر مفہوم میں نیا کہنا غالباً بہت درست نہ ہو کیونکہ بعینہٖ یہی خیالات ہندوستان کے ان عظیم الشان مدرسین اخلاق کی تعلیمات میں ہم پاتے ہیں جن کی کمی ہندوؤں اور مسلمانوں بلکہ غالباً کسی ایشیائی قوم میں نہیں رہی۔۔ مہاتما گوتم بدھ سے لے کر بابا کبیر داس اور گرونانک تک ہم ان تعلیمات کو کسی نہ کسی صورت میں ضرور پاتے ہیں۔"

"انڈین کانفرنس ۱۹۱۳ء" کی روداد رسالے کے "نامہ نگار" (نام نہیں دیا) کے قلم سے ص۲۳ تا ص۳۴ میں درج ہوئی ہے۔ خلاصہ:۔ تیسرا سالانہ جلسہ سننگ میں ۲۵ مارچ کو شروع ہوا اور پہلی اپریل کو ختم ہوا۔ حاضرین کی تعداد ۱۲۰ سے زیادہ تھی۔ کانفرنس کے سکریٹری کا غیر دز آزر خیر کو پڑتے۔ کانفرنس میں ہر روز تقریریں ہوتی تھیں یا تحریریں سنائی جاتی تھیں۔ ان پر عموماً مباحثہ ہوا کرتا۔ مقررین میں محمد علی، اثر جی نائیڈو اور سلیمان ندوی کے سوا کسی کا نام درج نہیں۔ دن کے کھانے کے بعد لوگ "ہوا کھانے" جاتے یا ورزشی کھیلوں میں حصہ لینے کے لیے باہر نکل جاتے، شام کو پھر تقریریں یا مشاعرہ۔ اردو، فارسی، ہندی، گجراتی اور انگریزی نظموں سے حاضرین لطف اندوز ہوتے تھے۔ محمد علی، سلیمان ندوی اور مسز سروجنی نائیڈو کا انگریزی کلام خوب رہا۔ نقلی پارلیمنٹ بھی ہوئی اور ٹیگور کا ڈرامہ "چترا" کھیلا گیا۔ جس میں مسٹر انعام الرحیم (پیمبروک کالج کیمبرج) ارجن بنے۔ یہی آئندہ کانفرنس کے سکریٹری منتخب ہوئے۔

کیمبرج کی رفتار۔ میکلمس ٹرم ص۳۵ تا ص۳۶

ہندوستانی طلبہ کی تعداد ۱۶۰ سے اوپر ہے اور کل طلبہ عورتوں کو چھوڑ کر ۵۵۰۰ سے زیادہ ہیں۔ ہندوستانیوں کو اس سال داخلے میں بڑی

دشواریاں ہوتی تھیں۔ ۳۰۰ سے زیادہ داخل نہ ہو سکے اور کم و بیش ۶۰۰ کی درخواست نامنظور ہوئی۔ ہندوستانیوں کی تعداد اب ان کالجوں میں بھی معین ہو گئی ہے جن میں اب تک ایسا قاعدہ نہ تھا۔ اس سال پی۔ ایچ۔ ڈی ڈگری قائم کردی گئی ہے۔ بعض نوواردوں (Freshmen) امیدواروں کی بے تکان حوصلہ مندیوں سے ظاہر ہوا کہ ہندوستان میں یہ ڈگری بالکل تماشا ہو گئی ہے۔۔ کیمبرج آنے والوں میں ایسی مثالیں بھی ہیں کہ ایک نووارد شخص ایک پروفیسر کے پاس جاتا ہے اور کہتا ہے کہ جناب مجھکو پی ایچ ڈی کی ضرورت ہے۔" (یہی الفاظ ہیں جن کو کانوں نے سنا ہے) اور پروفیسر منہ تکتا رہ جاتا ہے۔" سر چارلس بی کام مٹ نے کیمبرج کے شعبۂ انجنیرنگ کی ترقی کے لئے ۲۵ ہزار پونڈ دئے۔۔ اس خبر نے کہ آکسفورڈ میں اسی سال سے۔۔ لڑکیاں بھی ڈگریاں لیا کریں گی، امید ہوئی تھی کہ کیمبرج میں بھی یہ ہوگا مگر سینٹ میں یہ تجویز نامنظور ہو گئی۔ انڈر گریجویٹ طلبہ سے بھی غیر سرکاری طور پر ووٹ لئے گئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا: ڈگری کے موافق ۸۸۸، مخالف ۲۲۲۵۔ تقریباً دو ہزار طلبہ نے ووٹ نہیں دیا کیمبرج میں آجکل تین ہندوستانی لڑکیاں زیر تعلیم ہیں۔ مسٹر مینگ نے ہندوستانی طلبہ کی ایڈوائزری کمیٹی سے استعفا دے دیا۔" موصوف کے احسانات جیسے پردیسی لڑکوں پر ہیں، ان کا ذکر اب حسرت سے خالی نہیں۔ جیزز کالج جہاں مسٹر مینگ کو ایک عظیم الشان عہدہ ملا ہے پہلا کالج ہے جس نے ہندوستانیوں کے لئے سب سے پہلے اپنے دروازے کھولے تھے۔ انڈین لیسی میں پچھلے ٹرم محمد علی، سید حسین اور سلیمان ندوی کی دلچسپ اور زوردار تقریریں سننے میں آئی تھیں۔ اس مرتبہ ویسی تقریریں نہیں ہوئیں۔ لیکن آکسفورڈ کیمبرج جوائنٹ ڈیبیٹ (جب ہو) آکسفورڈ سے گوسوامی اور عبدالرحمن صدیقی آئے تھے۔ اس ٹرم میں سر پی۔ سی۔ رائے انڈین مجلس میں آئے۔ ان کی فاضلانہ تقریر دلچسپ اور سبق آموز تھی۔" یونین کے مباحث میں ہندوستانیوں نے اس مرتبہ غالباً اچھا حصہ لیا۔ مسلم ایجوکیشن میں اس سال سے ایرانی، مصری، شامی اور ترک طلبہ بھی حصہ زیادہ لینے لگے ہیں۔ یہ ہندوستانی لڑکے

مخصوص نہیں۔ لیکن اب تک اتفاق سے اس میں زیادہ تر ہندوستانی ہی ممبر تھے۔ اس سال ایک ہندو افرازی ممبر ہوئے اور سرگرمی سے شریک رہے۔ اور ایک انگریز نژاد مسلمہ خاتون رکن بنائی گئیں۔ مسلم ایسوسی ایشن کا میلاد ڈنر شاندار رہا۔ اس کی طرف سے داروتی کلب میں محفل میلاد بھی منعقد ہوئی۔ انجمن اردو کا چوتھا سالانہ مشاعرہ معین الدین انصاری رکن مجلس انتظامیہ کے مکان پر ہوا۔ پچھلے ٹرم کے مشاعرے میں جو کپور کے مکان میں ہوا تھا۔ سلیمان ندوی میر مجلس تھے۔ اس بار خیاکی نے صدارت کی۔ آکسفورڈ، ایڈنبرا اور لندن کے طلبا بھی شریک تھے۔ صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کا انتظار رہا مگر وہ نہ آسکے۔ ایک شاعر نے مصرع طرح دی۔ "بے گا جو اس مرتبہ تھا ہیمنہ ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا۔" کیمبرج میں تازہ ترین روایت پیدا ہوئی ہے کہ جشن اختتام جنگ کے موقع کی تاریخ کو مختلف خرافتوں (Rags) کے ساتھ منایا جائے۔۔ گزشتہ سال کی طرح پولیس جنگ کی نوبت تو نہیں آئی۔ نہ کوئی پولیس مین ندی میں ڈھکیلا گیا، اور نہ پبلک کا خاص طور پر کوئی نقصان کیا گیا۔ نہ کسی پراکٹر کی ٹوپی غائب کی گئی۔ اس مرتبہ نقصان پہنچا تو صرف شرارت کرنے والوں کو۔ بیسیوں گون جلا دئے گئے۔ ایک گاڑی میں آگ لگا کر شہر بھر میں گھمایا گیا تھا۔ جس سے کسی کی کھینچنے والے کو صدمہ پہنچا۔ ٹیلیفون کے تار میں پراکٹر کی نقل بنا کر لٹکائی گئی تھی۔ جو ہوا میں مست و محو رقص کر رہی تھی دفعتاً ایک شریر کے سر پر نازل ہو گئی۔ اب یہ مشہور ہو گیا ہے کہ مصنوعی پراکٹر بھی خطرناک ہو سکتے ہیں۔"

جواہر سخن کے تحت ۱۹۲۴ سے ۱۸۲۵ تک اشعار درج ہیں۔ شوق قدوائی کی دو غزلیں جن کے مطلعے یہ ہیں:-

پڑا ہے کام اب عرض تمنا کو خموشی سے
ہوا امید کا در بند اس کی چشم پوشی سے

اس سے تو پھر کلام کچھ غیر میں بے ادب سہی
بات نہ ہو جو کوئی اور شکوۂ بے سبب سہی

اکبر الہ آبادی اور عبدالسلام ندوی کی ایک ایک غزل منقول ہے

سلوٹ، ارتقا لکھنوی کی غزل، آسیہ امیٹھوی کی غزل، خیال کی غزل

اس کی صورت آپ ظاہر اس لئے ایماں ہو گیا
ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مسلماں ہو گیا
پاک دامانی کی شہرت حضرت یوسف کی تھی
کیا کہیں پھر کس کی خاطر چاک داماں ہو گیا
لے لیا دنیا نے سب کچھ ایک ہاں ہوش و حواس
اس تماشا گہ میں آکر محو انساں ہو گیا
سوزشِ زخم جگر کی کوئی لذت کیا کہے
کس مزے میں شوق سے خالی نمکداں ہو گیا
واہ ری دل کی مروت کس کو کس کو دے جگہ
خاطریں تھیں درد کی اب غم بھی مہماں ہو گیا
بعد مدت کفر ٹوٹا اور یہ لکھی غزل
خاطر جیون سے آخر میں مسلماں ہو گیا
کیمبرج میں ان کی الفت کھینچ لائی ہے خیال
انجمن کا آج کی شب تو بھی مہماں ہو گیا

مولوی محمد اللہ ابن سر بلند جنگ (کرائسٹ کالج کیمبرج) کے ۵ شعر:- مقطع سے معلوم ہوتا ہے کہ محشر تخلص تھا۔ شیخ محمد صلاح الدین حیدر (کیمبرج) کے چار شعر:- مسٹر محمد انعام الرحیم انصاری شائق - کی (ایما نوئیل کالج کیمبرج) کی دو غزلیں، مقطع میں شیدا تخلص ہے

غزلوں کے مطلع یہ ہیں:

ضبطِ غم کرتے سے ہوئی ایسی مکدر فریاد
دل میں درد آیا تو رہنے لگی لب پر فریاد
آج دیدِ یار کی تدبیر ہو کر رہ گئی
مہرباں کچھ گردشِ تقدیر ہو کر رہ گئی

مولوی محمد معین الدین انصاری (سینٹ کیتھرائن کالج کیمبرج) کی ۱۱ شعروں کی غزل جس کے ۵ شعر یہ ہیں:

وہ بلا نوشی مری جاتی تھی میخانے کی بات
چشمِ ساقی گر نہ پیدا کرتی پیمانے کی بات
کیا شگوفہ تھا کہ جس کی آمد سے پھر تو ہنسیں
آئینے نے کیا سکھا دی تم کو اترانے کی بات
ذوقِ نظارہ زباں کو کیا کہ وہ بتلائے کچھ
یاد بس آنکھوں کو ہے وہ دل کے آجانے کی بات
میں تو کہتا ہوں نہیں، کچھ اگر تجھے کہو
بات تو ہے میرے دل کی کیا ہے شرمانے کی بات
کاش سودائی کہے دنیا تو میں خوش ہوں اختر
اور مری ہر بات سمجھی جائے دیوانے کی بات

"عید" کے عنوان سے انعام الرحیم شیدا کے دو مختصر قطعے جو عید کے موقع پر مصنف نے ڈوکنگ میں سنائے تھے۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

گو کہ شیدا منزلِ جاناں میں ہے اب بار عید
نذر کرنے کے لئے ہم لے کے اپنا دل گئے
داد دے قسمت کہ وہ با این ہمہ انکار وصل
جھلجھائے، مسکرائے، پھر گلے سے مل گئے

"مکتوبِ دوست" کے عنوان سے اختر کے ۵ شعر جن میں اشارہ دوست کے لفافۂ خط کی طرف ہے

پیغام دوست ہے یہ کاغذ کے پیرہن میں
یا ہے زبانِ دلبر قرطاس کے دہن میں
تجدیدِ وصل اس سے احساسِ ہجر اس سے
لو دھوپ چھاؤں دیکھو کاغذ کے پیرہن میں
اللہ ری دراز کا دو لب ہیں جیسے ساکت
ٹانکے لگے ہیں گویا اس کاغذی دہن میں
تار نظر نے مل کر شریانِ قلب سے اک
نغمہ کیا ہے پیدا اس سازِ جان و تن میں
ہاں اے اختر بتا رے کس چیز کے اثر سے
بجلی سی دوڑتی ہے مجھ زار کے بدن میں

"مذاقِ کلام" کے عنوان سے شیخ محمد صلاح الدین حیدر (تخلص حیدر)

کے تین مختلف زمینوں میں اشعار۔ ان میں سے بعض یہ ہیں۔

تمہارے گانے میں اور میرے منھ چڑانے میں
یگا ہے فرق کر تھوڑا سا منھ بنانا کرے
ہمیں بھی سنتے، جو آتے ہو تم خود بھی اچھلتے ہو
غزل کے کہنے والا! یہ تمہاری کیا شرارت ہے

دیکھ ہوں دو ہوں ہزاروں عورتیں ملتی ہیں اور
کہتے کرتے ہیں اور اب ان کا پریشان ہو گیا
صدر میں جاپانی مضامین وغیرہ سے متعلق ہیں۔
نوائے کیمبرج کا شمارہ اول جنوری ، مولانا عبدالرحمن صدیقی کو ہی سے مستعار لیا ہے
اس کے لیے میں ان کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔

نوائے کیمبرج کے بارے میں قاضی صاحب کی تحریر کا عکس

"نوائے کیمبرج" کا نام میں نے ہندوستان میں سنا تھا۔ اپریل ۱۹۲۳ء میں کیمبرج پہنچا تو اس کا شمارۂ دوم نظر سے گزرا، اور خبر ملی کہ ایک شمارہ جلد شائع ہوگا، لیکن وہ انجمن جس کی طرف سے جاری کیا گیا تھا، اس وقت برائے نام زندہ تھی، اور میرے زمانۂ اقامت انگلستان (۶ برس) میں نہ اس کا کوئی شمارہ نکلا، اور نہ انجمن کا کوئی جلسہ ہوا۔ شمارۂ دوم تو اس وقت پیش نظر نہیں، شمارۂ اول جو جناب شاہ عطاء الرحمٰن عطا کاکوی کی مہربانی سے زیر مطالعہ ہے، اور یہ مقالہ اسی پر مبنی ہے۔

شمارۂ اول "لنٹ ٹرم جنوری فروری مارچ ۱۹۲۱ء" کا ہے اور ۵۴ صفحوں پر ہے۔ رسالہ ہر ٹرم میں ایک بار نکلنا قرار پایا تھا، اور اس کی ترتیب کا کام انجمن "اردو کیمبرج یونیورسٹی" (اسی کو کسی جگہ اردو اسوسی ایشن بھی کہا ہے) کی مجلس انتظامیہ انجام دیتی تھی۔ یہ لکھنؤ کے مطبع نول کشور میں چھپا تھا، ہندوستان میں بذریعہ "نواب نصیر حسین خاں خیال" شائع ہوتا تھا اور انگلستان میں آنریری سکریٹری اردو اسوسی ایشن پوسٹ آفس ٹرمپ کیمبرج سے مل سکتا تھا۔ سکریٹری جیون لال کپور بی اے تھے۔ یہ سب ص ۱ تا ۳ سے معلوم ہوتا ہے۔

"افتتاحیہ" ص ۳ تا ۹ میں ہے، اور اڈیٹر کی طرف سے ہے، لیکن صراحتہ یہ مرقوم نہیں کہ ادارت کے فرائض کون انجام دیتا تھا۔ اقتباسات افتتاحیہ:

(اوراق ۹)

طِبُ

مقدمہ معدن تجربات

پروفیسر حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی

مقدمۂ معدنِ تجربات

تصنیف، ۱۷۵۶ء

مؤلفہ

حکیم محمد مہدی اکبرآبادی

مرتبہ

پروفیسر حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی

(۱)

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ (بہار) کی تحریک پر مخطوطات طب کے موضوع پر پہلا جنوبی ایشیائی علاقائی سیمینار منعقد ہوا تو راقم نے "جلالی کلکشن" کے نادر طبی مخطوطات کی ایک مشرح فہرست مرتب کر کے خدا بخش لائبریری پٹنہ کو ارسال کی اور یہ فہرست بالآخر کتاب "طب اسلامی برصغیر میں" شامل ہوئی جسے خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ نے ۱۹۰۰ء میں شائع کیا ہے۔

"جلالی کلکشن" کے مخطوطات کی فہرست مرتب کرنے کے علاوہ راقم نے ایک تحقیقی مقالہ مخطوطہ "معدن تجربات" سے متعلق پہلے جنوبی ایشیائی علاقائی سیمینار میں پیش کیا جو مارچ ۱۹۰۰ء میں منعقد ہوا تھا چونکہ "معدن تجربات" مؤلفہ حکیم محمد مہدی اکبر آبادی کا ایک مخطوطہ دو جلدوں میں خدا بخش لائبریری پٹنہ میں بھی موجود تھا۔ لہٰذا جناب ڈائریکٹر صاحب نے خواہش ظاہر فرمائی کہ اگر اس مخطوطہ کو مقدمہ کے ساتھ ایڈٹ کر کے شائع کر دیا جائے تو طلباء و اطباء کے لیے مفید ہوگا اور وہ اس سے خاطر خواہ استفادہ کر سکیں گے۔ چنانچہ راقم نے کام شروع کر دیا۔

مقدمہ "معدن تجربات" تیار کرنے کے لیے تاریخ طب کے مطالعہ کے علاوہ "معدن تجربات" کے ان مخطوطات کا مطالعہ بھی کیا جو پٹنہ، رامپور، حیدرآباد، جلالی ضلع علی گڑھ اور علی گڑھ میں موجود ہیں اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ مخطوطہ جلالی ضلع علی گڑھ مقابلتاً زیادہ مکمل ہے۔ "مؤلف"

اکثر مورخین کا خیال ہے کہ قدیم مصریوں نے قدیم بابلیوں سے علم طب کو سیکھا تھا۔ لندن کے عجائب خانہ میں بجا سوریہ کی ایک خشتی کتاب نامکمل حالت میں موجود ہے اور یہ جو حضرت مسیحؑ سے سات سو سال پہلے کی لکھی ہوئی ہے۔ وہ ایک قدیم اور مستند کتاب کی نقل ہے جسے بوابیہ کے طبی مدرسہ کے بعض اساتذہ نے مرتب کیا تھا۔ اس کتاب

میں اکثر طویل نسخہ جات اور ایک ایک مرض کے کئی کئی نسخے لکھے ہوئے ہیں۔

مصر میں بعض قدیم شہروں کے دبے ہوئے کھنڈرات کو کھودنے سے ایسے کتبات و تحریرات برآمد ہوئی ہیں جن سے کہ قدیم مصریوں کے تمدن و معاشرت اور علمی ترقی پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ چنانچہ قدیم مصری پے پی رس (PAPYRUS) برَدی کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب جس میں سے کہ ایبرس پے پی رس جو کہ حضرت مسیح سے ایک ہزار چھ سو برس پہلے کی لکھی ہوئی ایک نہایت اہم اور مکمل تحریر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک قدیم مصری بادشاہ آتھوسس نے جس کا زمانہ خیالات حضرت مسیح سے چھ ہزار سال قبل کا ہے۔ علم طب پر ایک کتاب لکھی تھی۔

عربوں نے فن دواسازی کو فروغ دینے کے ساتھ مختلف قرابادینات بھی تالیف کیں۔ اولاً یوحنا ابن ماسویہ نے ایک جامع قرابادین مرتب کی جس کو سرکاری حیثیت حاصل رہی۔ عباسی دور کے آغاز میں ساتویں سسل متوفی ۲۲۵ ہجری نے ایک مفصل قرابادین لکھی جو سترہ ابواب پر مشتمل تھی۔ صدیوں تک شفاخانوں میں اس کے مطابق عمل جاری رہا۔ ابوالعباس ابن رومیہ کا رسالہ "مقالہ فی ترکیب الادویہ" محمد بن خجندی کی کتاب "اصول التراکیب فی الطب" نجیب الدین سمرقندی کی کتاب "اصول ترکیب الادویہ" (جس کا نسخہ خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں موجود ہے، اور جو ۱۲۲۵ھ کا مکتوبہ ہے) ذکریا رازی کی کتاب "الصیدلہ اور کتاب الجامع" کی پانچویں جلد جو علم الصیدلہ سے متعلق ہے، حنین ابن اسحٰق کی کتاب "اسرار الادویۃ المرکبۃ" جو اس سلسلہ کی ایک قدیم تصنیف ہے، ابونصر عطار اسرائیلی کی کتاب "منہاج الدکان و دستور الاعیان فی اعمال و ترکیب الادویہ" فن دواسازی پر ایک منتخب کتاب ہے۔

فارسی زبان میں بھی علم الصیدلہ پر متعدد کتب تصنیف و تالیف ہو چکی ہیں، مثلاً ترکیب الادویہ مصنفہ مہدی حسن بن مولوی محمود عالم (جس کا نسخہ سالار جنگ میوزیم لائبریری میں موجود ہے) تراکیب ادویہ مولفہ مہدی حسن بن محمد حسن بشارت خاں (جس کا نسخہ سالار جنگ میوزیم حیدرآباد میں موجود ہے) احمد شاہ کے عہد میں حکیم سکندر نے دو سو پچاس کتابوں کے مطالعہ کے بعد ایک قرابادین موسومہ بہ قرابادین سکندر تالیف کی جس میں تراکیب ادویہ کو بھی واضح طور سے بیان کیا۔ آیورویدک سے کشتوں کے علاوہ بعض مرکبات بھی اخذ کیے مثلاً مالتی بسنت، یوگراج گوگل، معجون سپاری پاک نوشدارو وغیرہ۔

مذکورہ مختصر تمہید کے بعد علم الصیدلہ و قرابادین کا تاریخی جائزہ حسب ذیل ہے۔

علم الصّیدلہ

صیدلہ یا فارمیسی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ یہ ایک فن اور سائنس ہے ان دواؤں کی تیاری اور تقسیم کرنے کا جو تقدم بالحفظ و علاج امراض کے لیے استعمال کی جاتی ہیں۔ ابتداء علم طب ہی سے فن دواسازی (PHARMACY) معالجہ سے متعلق رہا ہے۔

علم طب اور دواسازی کے فن نے عہد جدید میں جو ترقی کی ہے اس کا اصل ماخذ قدیم یونانی اور مصری معالجین بقراط، دیسقوریدوس، جالینوس، رازی، جابر بن حیان اور ابن سینا وغیرہ کے طبی کارناموں میں پنہاں ہے۔ عصر حاضر کی اصطلاح فارمیسی یونانیوں نے قدیم مصریوں سے اخذ کی تھی جو لفظ "فارما" PHARMA کا استعمال دوائی تاثیر کا حوالہ دیتے وقت کیا کرتے تھے اور بمعنی "اعانت کرنے والی" سمجھتے تھے۔ یونانی فارماکی PHARMAKI کو دوا یا زہر سے منسوب کرتے تھے اور اس طرح دنیائے طب میں انگریزی میں فارمیسی PHARMACY کی اصطلاح رائج ہوئی۔

تقریباً پانچ سو سال قبل مسیح قدیم مصری عطار یا دواساز متعدد لکڑی پتھر اور شیشہ سے بنے آلات دواسازی کا استعمال کرتے تھے اور مختلف طریق دواسازی مثلاً جوشاندے، عصارات، محلول، لصوق، مراہم اور حبوب وغیرہ کے علم سے بخوبی واقف تھے۔ قدیم مصریوں کے دواء تیار کرنے کے طریقے عصر موجودہ کے طریقوں سے بڑی حد تک مطابقت رکھتے تھے۔ قدیم مصریوں نے اولاً لصوق، لیڈ آکسائڈ سے تیار کیا۔ منوم حقنہ، خشخاش کے ڈوڈے (کوکنار) سے اور مہبلی ڈوش ایک نباتی جوشاندے سے تیار کیا۔ وہ حلق اور کان کے تعدیہ کی صورت میں لعوق اور غرغرے سے بخوبی واقف تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے بدن کی جلد کیلئے خوشبودار یا معطر مرہموں کا استعمال کیا۔ قدیم مصریوں نے اکثر معدنی، نباتاتی اور حیوانی دواؤں کا استعمال کیا جو اٹھارویں صدی عیسوی تک یورپی قرابادین میں شامل رہیں، اور عہد حاضر میں بھی عوامی معتقدات سے متعلق دواؤں FOLK MEDICINE کے طور پر مستعمل ہیں۔

قدیم یونانی معالجین خود اپنی ذاتی فارمیسی رکھتے تھے۔ مثال کے طور پر بقراط (۳۷۷-۴۶۰ ق م) نے اپنی دوائیں خود تیار کیں اور یہ بجا طور سے کہا جا سکتا ہے کہ علم الصیدلہ کا آغاز بقراط ہی کے دور سے ہوا۔ بقراط ان متعدد دواؤں کی تاثیرات سے واقف تھا جن کو آج ماڈرن ڈاکٹر استعمال کرتے ہیں۔ اس نے کوکنار سے حاصل شدہ افیون کا استعمال دافع وجع (درد دفع کرنے والی دوا) کی حیثیت سے کیا۔ مارفین جو افیون کا

جوہر ہے۔ آج بھی درد کو تسکین دینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ بقراط بھلاڈوان سے بھی باخبر تھا جس سے بلاڈونا اخذ کیا جاتا ہے۔ یہ بڑی مقدار میں زہر ہلاہل ہے، لیکن اس کی قلیل مقدار سوءِ معدی کی اصلاح میں بہت ہی موثر ثابت ہو سکتی ہے۔

بقراط کی تحریروں میں تقریباً چار سو مفرد اشیاء کا علم دوائی حیثیت کے ساتھ ملتا ہے۔ اس نے تکمید، پولٹس، مضمضہ، شیافات، فتائل، حبوب، لوزات، مراہم، نشوقات، قطورات وغیرہ تیار کرکے اور ان کو علاجاً امراض میں استعمال کرایا۔

عہد بقراط کے بعد پہلی صدی عیسوی میں علم الصیدلہ کے ایک اور اہم مصنف کورنیلیس سیلسس CORNELIUSCELSUS کا دور آیا۔ اس کا ایک نسخہ دانتوں کو سڑنے سے روکنے کے لیے سوری (SORY) کے نام سے معنون کیا گیا جو، تخم خشخاش، فلفل اور کاپر سلفیٹ کو اُشق کے ساتھ شامل کرکے ایک ضماد کی صورت میں تیار کیا گیا تھا۔

۶۰۰ سے ۱۰۰۰ سال قبل مسیح اسکندریہ اور روس دور میں بھی معالجین نے خیسانده، جوشانده، نقوع، مراہم، فرزجہ، سفوف، نسوار وغیرہ کا استعمال کیا تھا جو عہد حاضر میں بھی مستعمل ہیں۔

پہلی صدی عیسوی میں روم کا ایک مشہور یونانی معالج "دیسقوریدوس" تھا جو کئی صدیوں تک قرابادین اور صیدلہ PHARMACY MATERIA MEDICA پر مستند تسلیم کیا جاتا تھا۔ دیسقوریدوس کی کتاب الحشائش سترہویں صدی عیسوی تک یورپ میں جملہ قرابادینات کے لیے اساس کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے:

"ہمیں بخوبی معلوم ہونا چاہیئے کہ سفید اور سیاہ خربق وغیرہ کی قوت کئی سال تک قائم رہتی ہے، اور دوسری دوائیں تین سال تک صحیح حالت میں رہتی ہیں۔ مثلاً وہ جڑی بوٹیاں جو شاخدار ہوتی ہیں جیسے اسطوخودوس، گل شبو، اٹ کبیل، ثعلب مصری، افسنتین اور بنولہ وغیرہ۔ ان کا ذخیرہ کرلینا چاہیئے۔ جو جڑی بوٹیاں پھولدار اور تخم والی ہوں، ان کے پھول اور تخم پھول گرنے سے پہلے ذخیرہ کرلینا چاہیئے۔ پھل جب پختہ ہو جائیں اور بیج جب خشک ہونا شروع ہو جائیں تو ان کے گرنے سے قبل انھیں حاصل کرلینا چاہیئے۔ سرسبز بوٹیوں کا رس نکالنے کے لیے ان کو اس وقت حاصل کرنا چاہیئے کہ جب ان میں کونپلیں پھوٹنا شروع ہو جائیں اور اسی طرح پتوں کا رس بھی تب

ہی نکالنا چاہیے، لیکن افرازات حاصل کرنے کیلئے، نیم خشکی حالت میں تنے میں شگاف دینا چاہیے۔ جڑوں کا ذخیرہ کرنے کیلئے، یا ان کے عصارات حاصل کرنے کیلئے اور ان کی چھال حاصل کرنے کیلئے، اس وقت کا تعین کرنا چاہیے، کہ جب پودے سے پتیاں جھڑنا شروع ہو جائیں تو جو صاف ہوں ان کو خشک مقام پر خشک کرلینا چاہیے، اور جن پر مٹی چپکی ہوئی ہو ان کو پانی سے دھونے کے بعد سکھانا چاہیے، پھول اور خوشبو دار چیزیں لکڑی سے بنے خشک شدہ بکس میں رکھنی چاہییں لیکن بعض عقاقیر ایسی ہیں جو صحیح حالت میں رہتی ہیں، اگر ان کو پتوں میں لپیٹ کر رکھ دیا جائے۔ تر دواؤں کی حفاظت کے لئے، چاندی یا شیشہ یا سینگ کے برتن بہتر ہیں۔"

مذکورہ بیان دیسقوریدوس کے صحیح مشاہدہ اور اس کے وسیع مطالعہ کا غمازی کرتا ہے۔ دیسقوریدوس کے زمانے تک صیدلہ معالجہ کے ساتھ منسلک تھا اور معالجات سے جدا اس کی حیثیت نہیں تھی۔ عہد روم کا پہلا معالج جالینوس ہے جس نے فن صیدلہ کو ایک جداگانہ حیثیت بخشی اور قابل قدر کارنامہ اس فن میں انجام دیا، اور اسی بنا پر صیدلہ (PHARMACY) کا موجد جالینوس تسلیم کیا جاتا ہے۔ صیدلہ کا کثیر الادویہ ترشحی نظام اولاً جالینوس نے مرتب کیا اور طبی دنیا کو اس سے متعارف کرایا۔ اس فن پر اس نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ اس نے پودوں سے تیار کی جانے والی سینکڑوں ادویہ کی ترکیب تیاری کے بارے میں ہدایات درج کیں۔ ماڈرن میڈیسن میں جو ایک دوا نباتات سے اخذ کی جاتی ہے۔ ہنوز گلینیکل کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ جس طرح طب یونانی میں ایک جوارش، جوارش جالینوس کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ ادویہ کے بارے میں جالینوس کے مسلمات تیرہ سو سال تک یورپ میں تسلیم کئے جاتے رہے۔ جالینوس نے ہمیشہ معالجہ کے لئے، خالص ادویات کی اہمیت پر زور دیا اور ان کے صحیح طریق استعمال کا خیال رکھا۔ وہ اپنے قارئین کو مشورہ دیتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

"دواؤں کو جاننے کے لیے ان کا نہ صرف ایک دو بار بلکہ بار بار نظری معائنہ کرنا چاہیے۔ باہم مماثلت رکھنے والی دوائیں ایک اجنبی کو تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن ایک شناسا کے ذریعہ ان میں تفریق بآسانی کی جا سکتی ہے۔"

صیدلہ کی تاریخ میں جالینوس کی پہلی منظم قرابادین DECOMPOSITION MEDICAMENT—
—ORUM
ہے۔ اس طرح تقریباً پانچ سو سال تک یونانیوں نے صیدلہ (فارمیسی) کے میدان میں قابل ذکر ترقی کی لیکن

پانچویں صدی سے لے کر پندرہویں صدی تک صیدلہ کے میدان میں جو ترقی ہوئی وہ عرب معالجین کی رہین منت تھی۔ علم النباتات، علم الصیدلہ والکیمیا کے تعلق سے عرب معالجین و محققین کی تحقیقات نویں صدی سے تیرہویں صدی عیسوی تک اسقدر وسیع تھیں کہ ان کی بنیاد پر ترتیب دی گئی قرابادین اور اعمال کیمیادیہ صدیوں تک عروج پر رہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ آج بھی مشرق، شمالی افریقہ، ہندستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور براعظم ایشیا کے دوسرے حصوں میں معالجات کے نقطہ نظر سے اختیار کیے جاتے ہیں۔

سرل ایلگڈ کے مطابق صیدلہ (فارمیسی) کافن اس قدر ترقی یافتہ اور صحیح شکل میں کہیں اور موجود نہ تھا جیساکہ خلیفہ کے شہروں میں عروج پر تھا۔ دواؤں کے ذخیروں کے مالک (عطار) محتسب (ڈرگ انسپکٹر) کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔ جن کے فرائض میں داخل تھا کہ وہ اس بات پر نظر رکھیں کہ صرف وہی لوگ جو دواؤں کا صحیح علم اور تجربہ رکھتے ہیں دواؤں کو تیار کر سکیں۔ محتسب نہ صرف دواؤں کا معائنہ کرتے تھے بلکہ ان کو مرکب دواؤں کے طریق تیاری کے معائنہ کا حق بھی حاصل تھا۔ خاص طور پر وہ معائنہ کر کے یہ حکم دیتے تھے کہ وہ برتن کہ جن میں ماء الشعیر اور عرق گلاب وغیرہ تیار کیے جاتے ہیں۔ وہ صاف اور قلعی دار ہیں کہ نہیں۔ پرانے اور بدبودار برتن محتسب کے حکم سے برباد کر دیے جاتے تھے۔

دواؤں کی معیار بندی سے قبل دواسازوں کے ذریعہ دھوکا دھڑی عام تھی۔ وہ قیمتی دواؤں کے ساتھ ارزاں اور کم قیمت ادویہ کو شامل کر دیتے تھے۔ یا انہی جیسی مماثل دواؤں کو ان دواؤں کے ساتھ مرکب میں شامل کر دیتے تھے۔ اس خامی کو دور کرنے کی کوشش سرکاری سطح پر صابر بن سہل کی قرابادین کی مدد سے کی گئی اور اس کے بعد دواؤں میں ملاوٹ کا خاتمہ ابن البیان اور ابن التلمیذ کی قرابادین کی معاونت سے کیا گیا۔

سرل ایلگڈ

عربی دور میں دواساز تین درجات پر منقسم تھے۔

پہلے درجہ میں وہ لوگ شامل تھے جو پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرتے تھے اور مہذب دواساز تھے یہ لوگ الصیدلانی کہلاتے تھے۔ پیشہ صیدلہ معالجات سے الگ نویں صدی کی ابتدا میں شروع ہوا۔

دوسرے درجہ میں وہ لوگ شامل تھے جو مستقل ادویہ فروخت کرتے تھے۔ یہ لوگ العطارین کہلاتے تھے اور یہ لوگ عربی عہد سے قبل بھی پائے جاتے تھے اور موجودہ دور میں بھی موجود ہیں۔

تیسرے درجے میں وہ لوگ شامل تھے جو ادویہ حاصل کرکے پھیری کرتے ہوئے فروخت کیا کرتے تھے۔

ایماندار معالجین اور دواسازوں کا کام بڑھتا گیا کیونکہ انھیں مریضوں کے کامیاب علاج اور اپنی شہرت و نیک نامی کی خاطر دواؤں کی شناخت اور ان کا معائنہ کرنا پڑتا تھا۔ بقول ہیمر نے HAMERNEH عرب معالجین کے تحقیق کردہ طریقے محفوظ ہیں۔ دواسازی کے مراکز میں یہ طریقے دواؤں کی شاخ سے متعلق ہیں۔ نیز آگ کے اثرات سے اچھی اور بری دواؤں کی تفریق کرنے کے طاق پر مشتمل ہیں اور یہ طریقے عربوں نے ادویہ میں دھوکا دھڑی کو روکنے کے لیے ایجاد کیے تھے۔

اکثر عرب معالجین نے اعمال کیمیا ادویہ اور دواؤں کی تیاری میں کتب تصنیف کیں۔ یہ "کتب القرابادین" کے عنوان سے معنون تھیں۔ ان کتابوں میں عام طور پر مختلف بیماریوں کا علاج کے لیے مرکب دواؤں کو بیان کیا جاتا ہے۔ ان کتابوں کی مخصوص اسباب کے وقت درجہ بندی کی گئی ہے۔ مختلف مصنفین کی تصنیف کردہ ان کتب کی خاصی بڑی تعداد ہے۔

جندیشاپور کے شفاخانہ کے ناظم صابر بن سہل (۸۶۹ء) کی مرکبات کے نسخوں پر مشتمل ایک کتاب "القرابادین کبیر" صدیوں تک ایک مستند کتاب کی حیثیت سے تسلیم کی گئی۔ میسوخر دنے جو قرابادین لکھی اس کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا گیا اور یہ کتاب چار صدیوں تک یورپ میں فارمیسی پر ایک مستند تصنیف کی حیثیت سے تسلیم کی گئی اور بعد میں یہی کتاب یورپ کی سرکاری قرابادین کی اساس بنی۔ میسو بزرگ (۷۷۷ء۔ ۸۵۷ء) ہارون رشید کا معالج تھا۔ اس کی تصنیف کردہ قرابادین بھی عربی سے لاطینی میں ترجمہ کی گئی اور پہلی لندن فارماکوپیا کے لیے اس نے بنیادی نمونہ کی حیثیت اختیار کی۔ معالجین اولاً ملین اور مسہل کے طور پر سنائے الحناس، تمر ہندی وغیرہ کو متعارف کرانے کا سہرا بھی اسی کے سر ہے۔

ایک مشہور طبی فارماکوپیا "ابن البیان" کی تصانیف سے "الدستور البیمارستان فی الادویۃ المرکبۃ" ہے جو انگریزی میں HOSPITAL PROCEDURES WITH COMPOUND DRUGS کہلاتی ہے۔ نفس کتاب میں ایک جداگانہ باب کے تحت جدا جدا فہرست مرکبات، معاجین، حبوب، سفوف، شربت مضمضے، جوشاندہ وغیرہ مرتب کی گئی ہے اور ادویہ قطور، سفوف، ضمادات، حقنے، شیاف، فرزجہ، دہن، سنون اور ادویہ برائے ناصور و خراج مرتب کی گئی ہیں۔ اور اکثر دوائیں ایسی بھی بیان کی گئی ہیں جو مدر بول، مدر حیض، مفید برائے بانجھ پن، مقوی باہ، معرق اور مقوی شعر ہیں۔

عربی فارسی طبی تصانیف کا جائزہ لینے پر واضح ہو جاتا ہے کہ صیدلہ (فارمیسی) عربی دور میں بہت ترقی یافتہ تھی۔ کچھ اعمال کیمیا ویہ مثلاً تقطیر (DISTILLATION) تصعید (SUBLIMATION) اور تکلیس (CALCINATION) سب سے پہلے حکیم جابر ابن حیان (شاگرد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ۲۰۰، تا ۷۶۵ء) نے بیان فرمایا۔ جابر اعظم، شورہ کے تیزاب اور گندھک کے تیزاب کا بھی موجد ہے اور رہا التار اور نائٹرو ہائیڈرو کلورک ایسڈ (ایکوا ریجیا) بھی اسی نے ایجاد کیا۔ علم کیمیا سے متعلق ایجادات میں اس نے مرتبہ عظیم حاصل کیا۔ اس نے پانچ سو رسائل علم کیمیا میں تصنیف کئے ہیں جن میں سے اکثر ہندوستان میں رضا لائبریری رامپور اور کچھ دیگر لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ قرع انبیق RETORT بھی جابر بن حیان کی ایجاد ہے۔

مدرسہ طبیہ دہلی کے گیارہویں سالانہ جلسہ میں جو ۲۳ مارچ ۱۸۹۹ء میں منعقد ہوا، نواب محسن الملک بہادر نے اپنی تقریر میں ارشاد فرمایا :

"جابر ابو موسیٰ ہماری ہی قوم و ملّت کا تھا جس نے آٹھویں صدی عیسوی میں ان مرکبات کو ایجاد کیا اور ان ابتدائی عملیات عرق کشی وغیرہ کو جاری کیا جن سے یونانی بالکل ناواقف تھے اور ہزار برس پہلے وہ انکشافات اور ایجادیں شائع کیں کہ اگر وہ نہ ہوتیں تو یورپ کے بڑے نامور موجد بھی کچھ نہ کر سکتے تھے۔ اُس کی کتاب "نتائج التکمیل" کا ترجمہ ۱۶۷۲ء میں فرانسیسی میں ہوا اور اس سے اس فن میں یورپ کو بہت بڑی مدد ملی۔" (رپورٹ سالانہ مدرسہ طبیہ دہلی بابت سال یازدہم، اردو اسٹیک مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نمبر ۵۴۵۶ ص ۳۷۸۔)

محمد بن ذکریا رازی (۸۵۰ء - ۹۲۵ء) نے اولاً مرہم سیماب سے طبی دنیا کو متعارف کرایا۔ اس نے تقریباً دو سو پچاس کتابیں لکھیں جن میں سے کچھ خاص طور پر علم الصیدلہ پر لکھی گئی ہیں۔ رازی کے پاس ایک باقاعدہ معمل تھی۔ ای جی ہوم یارڈ E.G.HOLMYARDS نے اپنی تصنیف "الکیمی" میں رازی کے معمل میں موجود ساز و سامان کی درج ذیل فہرست پیش کی ہے۔

رازی کے معمل (LABORATORY) میں قدح (BEAKERS)، زورق (FLASK)، شیشیاں (PHIALS) حوض (BASINS)، شیشے کی قابیں (GLASS CRYSTALISING DISHES) جگ JUGS غلایہ (CASSEROLES) شمع دان (CANDLE LAMPS)، مجمر (BRAZIERS)، بھٹیاں (FURNACES) ملف (FILES) مسواط (SPATULAS) ہاون دستہ PESTAL AND MORTAR تیشہ HAMMERS

(LADLES) چمچے (SHEARS) حمام رملی (SAND BATH) حمام مائی (WATER BATH) قرع انبیق (ALEMBIC) (ALUDLES) قیف (FUNNELS) اور قرع (CUCURLUTS) موجود تھے۔

اس کے مخزن کی الماری میں نہ صرف جملہ اجساد کے نمونے موجود تھے، بلکہ دیگر ادویہ مثلاً جوازرق، جبس، شنگرف، جست سفید، جست سرخ، مردار سنگ، پھٹکری، سہاگہ، نمک طعام، چونا، پوٹاش، زنگار اور سرکہ وغیرہ کا بھی ذخیرہ موجود رہتا تھا۔

قرون وسطیٰ میں ابو علی سینا (۹۸۰ - ۱۰۳۷ء) کی مایۂ ناز تصنیف القانون فی الطب، معالجات پر سب سے زیادہ مقبول کتاب تصور کی گئی جس کے حوالے بعد کے مصنفین نے عام طور پر دیئے ہیں اور یہ کتاب یورپ کی یونیورسٹیوں میں سترہویں صدی عیسوی تک داخل نصاب رہی ہے۔ ابو علی سینا وہ پہلا حکیم تھا جس نے صیدلہ کی تاریخ میں حبوب و اقراص پر شکر، چاندی اور سونے کے ورق چڑھانے کی تدبیر متعارف کرائی۔ نیز اس نے قانون میں ایک جامع قرابادین مرتب و مدون کی۔

یونانی عربی طبی نظام کے عروج نے صیدلہ (فارمیسی) کی ترویج و ترقی کے لیے بھی راستہ ہموار کیا۔ دواسازی سے متعلق تیار شدہ اشیاء جیسے سفوف، محلول، شربت، معجون، جوارش، عرق اور بہت سی دوسری اشکال ادویہ تعداد میں ستر (۷۰) سے زائد تھیں۔ اس دور میں کچھ پیچیدہ تجرباتی آلات و اوزار APPARAT-USES بھی ادویہ کی تیاری کے سلسلہ میں وضع کیے گئے۔

ہندستان میں بابر کے عہد میں (جو ہندستان میں مغل بادشاہت کا موجد تھا) میر نظام الدین علی خلیفہ اور ابوالبقاء دو عظیم معالج گذرے ہیں۔ ہمایوں نے خواجہ خاوند کو اپنے دربار میں رکھا جو شیراز کے ایک قابل ذکر معالج تھے۔ اکبر نے بہت سے حکماء کو تمام ہندستان میں مقرر کیا تھا اور صیدلہ کی طرف خصوصی توجہ دی تھی۔ حکیم علی گیلانی نے روغن دیودار DEODAR OIL کا فارمولا دریافت کیا جو دورِ جدید میں بھی یونانی و ایلوپیتھی طریقہ علاج میں مستعمل ہے۔

عہد مغلیہ میں امراء اپنی نفاست طبع اور نازک مزاجی کی بنا پر تلخ یا بدمزہ دواؤں سے استعمال سے احتراز کرتے تھے اس بنا پر اطباء نے خمیرے ایجاد کیے جو خوش ذائقہ بھی ہوتے تھے اور خوشبودار بھی۔ اس عہد میں ایک قابل ذکر اضافہ طب میں یہ ہوا کہ آیورویدک میں عمل تکلیس کو اپنایا گیا اور مختلف دھاتوں کے کشتے جو بطریق آیورویدک تیار کیے جاتے تھے۔ استعمال کیے گئے اور اس طرح فولاد، سونا، ابرک وغیرہ کے کشتے

(OXIDE) تیار کیے گئے اور ان کو اقراص کی صورت میں استعمال کیا گیا۔

برٹش عہد حکومت میں دہلی کے خانوادہ شریفی کے نامور اطباء کے کارنامے یادگار ہیں جو طب یونانی کی ترویج و ترقی اور احیائے نو کے لیے انجام دیئے گئے۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں نے ایک فارمیسی بھی قائم کی تھی اور آیورویدک اینڈ طبی کالج دہلی میں ہندی نژاد دواؤں پر تحقیق کی گئی جہاں ڈاکٹر سلیم الزماں صدیقی نے اکثر مفید دواؤں کے جوہر فعالہ ACTIVE PRINCIPLES کو معلوم کیا جس سے طب یونانی میں حاد خواہ فائدہ حاصل کیا گیا۔ مثلاً انھوں نے سرپ گندھا۔ اسرول کا جز موثر تحقیق فرما کے اجملین کے نام سے موسوم کیا اور اسی سلسلے میں سر رام ناتھ چوپڑا کی نگرانی میں انسٹی ٹیوٹ آف ٹراپیکل میڈیسن کلکتہ میں یونانی و آیورویدک دواؤں پر مزید تحقیق ہوئی۔

آیورویدک دواسازی

تاریخ طب کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ عرب و ایران میں ہندستان کے مشہور وید حضرات کو دعوت دی گئی اور انکے ذریعہ آیورویدک عربی اور پھر فارسی زبانوں میں منتقل ہوا اور اس طرح طب میں آیورویدک سے بڑی حد تک استفادہ کیا گیا اور بالآخر آیورویدک دواؤں کے ساتھ اعمال دواسازی بھی طب میں اپنائے گئے لہٰذا آیورویدک دواسازی (فارمیسی) کا تعارف بھی ضروری ہے۔

آیورویدک دواسازی کی تاریخ بھی اتنی پرانی ہے جتنی کہ خود آیورویدک کی تاریخ قدیم ہے۔ عقاقیر اور دھاتوں کا معالجاتی طور پر استعمال بصورت بیشاجیہ کلپنا BAISHAJYA KALPANA واضح ہوا جو یونانی اصطلاح فارماکون PHARMACON سے مشتق ہے۔ آیورویدک فن دواسازی چار حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہے۔

۱۔ کاسایا کلپنا KASAYA KALPANA جو عصارہ، ضماد، چورن، جوشاندہ و خیساندہ سے متعلق ہے۔

۲۔ سینہا کلپنا SNEHA KALPANA (شحمی مرکبات) یعنی یہ ان مرکبات سے متعلق ہے جو گھی، تیل اور دیگر شحمی اشیاء سے بنائے گئے ہوں۔

۳۔ سندھانا کلپنا SANDHANA KALPANA (تخمیری مرکبات) یہ قسم ان مرکبات سے تعلق رکھتی ہے جس میں ارشٹا، آساوا، سورا، کنجیکا وغیرہ مرکبات شامل ہیں۔

۴۔ متفرقات MISCELLANEOUS GROUP اس میں حبوب، شربت، ضماد، عرقیات اور کشتہ وغیرہ شامل ہیں۔

مذکورہ اقسام کے مرکبات کا انتخاب مریض کی بدنی و نفسانی ضرورت اور اس کے طبی احوال پر

منحصر ہے۔ قدرتی طور پر ایک معالج کے لیے بے شمار مرکبات ہیں جن میں سے اُسے حالات کے مطابق انتخاب کرنا ضروری ہے۔ معدنیات کا استعمال بھی آیورویدک کا ایک اہم پہلو ہے اور معدنی مرکبات کی تیاری سے متعلق بہت سے طریقے آیورویدک میں بیان کئے گئے ہیں۔ دھاتوں کو معالجاتی نقطۂ نظر سے قابل استعمال بنانے کے لیے آیورویدک میں مختلف طریقے بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً بھسم (کشتہ) بنانے کے طریقے یا تصعید کرنے اور چونہ بنانے کے طریقے تاکہ ان کی قوت جاذبہ ABSORBILITY یا جسم میں اثر پذیر ہونے کی قوت (BIO-AVAILABILITY) بڑھ جائے اور اس طرح وہ زیادہ مفید ثابت ہوں۔ دواسازی سے متعلق اعمال جڑی بوٹیوں اور معدنیات دونوں کے ضمن میں بیان کئے گئے ہیں۔ بیشک یہ طریقے معالجین اور دواساز دونوں کے ذریعہ کام میں لائے جاسکتے ہیں۔

کسی دوا یا معالجاتی اہمیت رکھنے والی شے کی معیار بندی بھی اتنی ہی قدیم ہے کہ جتنی خود آیورویدک قدیم ہے۔ اس کے لیے مندرجہ ذیل اصول مرتب کیے گئے:

"کسی دوا کے بارے میں یہ جاننا چاہیئے کہ اس کا نیچر NATURE کیا ہے؟ اس کی خصوصیت کیا ہے؟ کس حد تک وہ دوا افادیت رکھتی ہے؟ وہ کس خطہ یا ملک میں پائی جاتی ہے؟ کس موسم میں اگتی ہے؟ کس طریقہ پر حاصل کی جاتی ہے؟ کس طور پر وہ دوا محفوظ کی جاسکتی ہے؟ کس خوراک میں مستعمل ہے؟ کس کس بیماری میں قابل استعمال ہے؟ اور کس خلط کو جسم سے نکالتی ہے؟ یا اس میں کس قسم کی تبدیلی پیدا کرتی ہے؟ اور اگر اس طریقہ پر کوئی اور بھی دوائی اہمیت کی شے ہے تو اس کی بھی جانچ پڑتال ایسی ہی کرنی چاہیئے۔ (چرک سمہتا (CHARAK SAMHITA - ENGLISH TRANSLATION OF GULAH KUNUARABA AYURVED SOCIETY, JAMNAGAR)

قرابادین

قرابادین یونانی لفظ ہے۔ اس سے مراد وہ کتاب جامع ہے جس میں ہر قسم کے طبی مرکبات کے نسخے اور ترکیب تیاری مذکور ہو۔ بقول بعض یہ معرب ہے کرابادین کا۔

حکمائے قدیم نے اکثر قرابادینات تصنیف و تالیف فرمائی ہیں۔ جن میں سے چند اہم قرابادینات حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ قرابادین قانون یعنی "القانون فی الطب" مصنفہ شیخ الرئیس ابو علی سینا۔ جلد پنجم۔

۲۔ "کامل الصناعت"۔ مصنفہ ابو الحسن علی بن العباس کا جزو قرابادین۔

۳۔ "ذخیرہ خوارزم شاہی"۔ مولفہ اسمٰعیل جرجانی کا جزو قرابادین یعنی جلد ہفتم۔

۴۔ "قرابادین سمرقندی"۔ مصنفہ علامہ نجیب الدین سمرقندی (جس کا نسخہ کتب خانہ اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے)

۵۔ "قرابادین اغراض الطبیب"۔ مولفہ اسمٰعیل بن حسن الحسینی الجرجانی۔

۶۔ "قرابادین معدن تجربات"۔ حکیم محمد مہدی بن محمد جعفر بن محمد حسن طبیب اُردستانی۔

۷۔ "قرابادین معصومی"۔ مؤلفہ معصوم الدین شیرازی۔

۸۔ "قرابادین کبیر" یا "مجمع الجوامع"۔ مؤلفہ حکیم محمد حسین خاں۔

۹۔ "قرابادین مخزن الجواہر"۔ مؤلفہ حکیم سید حسن علوی ابن حکیم محمد حسین بھوپالی۔

۱۰۔ "قرابادین شریف خاں"۔ مؤلفہ حکیم شریف خاں دہلوی۔

۱۱۔ "قرابادین لقائی"۔ مؤلفہ حکیم محمد اسمٰعیل مخاطب بہ لقاخان۔

۱۲۔ "قرابادین ذکائی"۔ مؤلفہ حکیم ذکاء اللہ ابن اسحٰق۔

۱۳۔ "قرابادین شفائی"۔ مؤلفہ مظفر بن محمد الحسینی الشفائی۔

۱۴۔ "قرابادین قادری"۔ مؤلفہ حکیم محمد اکبر ارزانی، برہانپوری۔

۱۵۔ "قرابادین جلالی"۔ مؤلفہ حکیم جلال الدین امروہی۔

۱۶۔ "قرابادین اعظم"۔ مؤلفہ حکیم محمد اعظم خاں ناظم جہاں۔

۱۷۔ "قرابادین احسانی"۔ مؤلفہ حکیم احسان علی خاں۔

۱۸۔ "قرابادین کوکبی"۔ مؤلفہ حکیم نیاز محمد خاں کوکب۔

۱۹۔ "قرابادین لطفی"۔ مؤلفہ حکیم عبد اللطیف۔

۲۰۔ "قرابادین حاذق"۔ مؤلفہ حکیم محمد حسن میرٹھی۔

۲۱۔ "قرابادین نجم الغنی"۔ مؤلفہ حکیم نجم الغنی رامپوری۔

۲۲۔ "قرابادین رضائی"۔ مؤلفہ حکیم محمد رضا خاں۔

۲۳۔ "بیاض کبیر جلد دوم"۔ مؤلفہ علامہ حکیم محمد کبیر الدین۔

۲۴۔ "قرابادین ہمدرد"۔ شائع کردہ "ہمدرد" دواخانہ (وقف)، دہلی۔

علم المفردات

بقراط (۴۶۰ ق۔م) علم طب کا بانی ہونے کی حیثیت سے ابوالطب کہلاتا ہے، لیکن طب یونانی میں دیسقوریدوس نے اولاً علم ادویہ کو ایک مستقل فن کی حیثیت سے نمایاں کیا اور معالجات سے جدا ایک مستقل فن کی حیثیت اسے دی۔ یہ حکیم طبی دنیا میں ماہر نباتات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

دیسقوریدوس (۳۲۵ تا ۳۵۴ ق۔م) یونانی النسل تھا۔ اس نے ادویہ پر زبردست تحقیق کی اس نے جڑی بوٹیوں کی تلاش میں متعدد ممالک کے سفر کیے۔ وہ مصر، ہسپانیہ، اطالیہ اور ملک شام بھی گیا اور وہاں اس نے بہت سی دواؤں کا مشاہدہ کیا اور مفردات پر سیر حاصل معلومات حاصل کیں اور ان کو ایک ضخیم کتاب میں پیش کیا۔ یہ کتاب یورپ میں صدیوں تک مستند تسلیم کی گئی۔ اس میں تقریباً پانچ سو جڑی بوٹیوں کا ذکر ہے۔ اس کتاب میں نباتی ادویہ کے علاوہ حیوانی اور معدنی دواؤں کا بیان بھی بالتفصیل ہے۔ ابن جلجل نے جو ۹۸۷ء/ ۳۷۷ھ میں بقید حیات تھا۔ مکمل طور پر "کتاب الحشائش لدیسقوریدوس" کی صورت میں بزبان عربی ترجمہ کیا اور اس کے بعض حصوں پر حنین ابن اسحٰق (م ۲۶۰ھ/ ۸۷۳ء) نے نظر ثانی کی۔ اور حنین بن ابراہیم بن حسین الطبری الناتلی (م ۳۸۰ھ/ ۹۹۰ء) نے تصحیح و اضافہ اور اپنے تجربات کے ساتھ مکمل کیا۔ (اس کا مخطوطہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں کیٹلاگ نمبر جلد چہارم نمبر ۹۱، ص ۱۴۰-۱۴۲، ہینڈ لسٹ نمبر ۲۱۸۹ پر موجود ہے۔)

دیسقوریدوس کے ہمعصر پلاٹنی نے روم میں تاریخ طبیعات لکھی جس میں علم الحیوان، علم النجوم اور حوادث فلکی کے علاوہ ایک ہزار نباتات کا بیان موجود ہے۔ پلاٹنی کے بعد اسکاٹوس کا نام تاریخ طب میں ملتا ہے۔ جس نے ایک جامع کتاب دواؤں کی تاثیر کے بیان میں لکھی ہے۔

جالینوس (۱۳۸-۲۰۱ ق م) نے بھی علم الادویہ پر بڑا کام کیا۔ اکثر نئی دواؤں کا حال معلوم کیا اور ادویہ کی تحقیق کے لیے دور دراز ممالک کا سفر کیا۔ اس نے مصر میں ایک مدت تک قیام کر کے دواؤں کی تحقیق کرتا رہا۔

۱۰۸ھ/ ۷۲۶ء میں عربوں نے مشاہیر اطبائے یونان بقراط و جالینوس کی طبی تصانیف کے ترجمے بزبان عربی کرائے اور اس طرح یونان کا طبی سرمایہ عربی میں منتقل ہوا۔

عربی طب میں مفردات کا بیان سب سے پہلے علی بن ربن طبری کی کتاب "فردوس الحکمت" میں ملتا

ہے۔ ان کے بعد محمد ابن زکریا رازی نے حاوی کبیر میں اکثر دواؤں کو بیان کیا۔

ابن بیطار و رشید صورتی مفردات کی تاریخ میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ابن بیطار کی کتاب "الجامع فی الادویۃ المفردہ" یورپ میں مدت تک مستند تسلیم کی گئی۔ رشید صورتی نے بھی مفردات کی تحقیق کا حق ادا کیا۔ یہ اپنے ساتھ ایک مصور بھی رکھتا تھا جو جڑی بوٹیوں کی تصاویر بناتا اور ان کے مختلف رنگوں کے مطابق رنگ بھرتا تھا چنانچہ اس نے مفردات پر ایک مصور کتاب مرتب کی جس کا مخطوطہ لندن کے رائل کالج آف فزیشنز کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

گیارہویں صدی عیسوی میں دمشقی کی شخصیت بھی یادگار ہے۔ جس کی "کتاب علم الادویہ" میٹیریا میڈیکا پر ایک مستند کتاب قرار پائی اور سولہویں صدی عیسوی تک چھبیس[۲۶] مرتبہ زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔ اور انگلستان کے شاہی طبی دارالعلوم کی جانب سے جو پہلا فارماکوپیا شائع ہوا وہ یہی کتاب تھی۔

چوتھی صدی ہجری کے مشاہیر اطباء میں شیخ الرئیس ابو علی حسین بن عبداللہ بن سینا ایک مایۂ ناز حکیم گذرا جس نے "القانون فی الطب" علم طب کے شعبوں پر ایک جامع کتاب القانون فی الطب تصنیف کی جو سولہویں صدی عیسوی تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں علم طب کے حصول کے لیے داخل درس رہی۔ اس کتاب کی دوسری جلد علم مفردات پر مشتمل ہے، اور مفردات کا انداز بیان ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔

سولہویں و سترہویں عیسوی میں مغلیہ عہد حکومت میں پایہ تخت آگرہ و دہلی اور قطب شاہی دارالخلافہ دکن میں طب نے خاص طور سے عروج پایا۔ حکیم علی گیلانی نے قانون کی شرح کے علاوہ سب سے پہلے ادویہ پر کام کیا اور اس علم کو فروغ دیا۔ اس کے بعد شاہجہاں اور دارا شکوہ کے عہد میں حکیم نورالدین نے ایک جامع کتاب "دارا شکوہی" لکھی۔ جس میں اس نے اپنے عہد کی طب اور وئیدک کی اہم معلومات کو سمو دیا۔ دوسری کتاب "حکیم امان اللہ خان کی "گنج باد آورد" کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے اپنے عہد کی تمام تحقیقات کو جو ادویہ پر ہوئی تھیں اس میں جمع کر دیا۔ یہ کتاب مفردات و مرکبات پر اپنے عہد کی ایک جامع قرابادین کہی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں معتمد الملوک حکیم سید علوی خاں نے فروغ دیا اور ایک جامع کتاب "مجمع الجوامع" لکھی جس میں ادویہ، معالجات اور قرابادین سے متعلق نہایت مفید ذخیرہ اس میں پیش کر دیا۔ اور عہد اورنگ زیب میں برہان پور میں حکیم محمد اکبر ارزانی نے مرکب ادویہ پر بزبان فارسی "قرابادین قادری" تصنیف کی۔ اور دکن میں حکیم سید مومن نے ادویہ پر مستند کتاب "اختیارات بدیعی" کی تنقیح و تصحیح کی اور ادویہ

مفردہ پر تحقیقی کام کیا جسے سلطان محمد قلی قطب شاہ سے منسوب کرکے "اختیارات قطب شاہیہ" تالیف کی۔ اسی دور میں حکیم تقی الدین نے دواؤں کے مزاج اور مقدار پر نادر تحقیقات کتاب "میزان الطبائع" میں پیش کیے۔ حکیم سید محمد مومن حسینی نے "تحفۃ المومنین" میں ادویہ کو تحقیقی انداز میں بیان کیا اور اس پر "حاشیہ" حکیم میر عبدالحمید نے لکھا۔ حکیم سید علوی خان اور حکیم سید محمد حسین کی تحقیقی کاوشوں کا نتیجہ کتاب "مخزن الادویہ" ہے، اور یہ اس دور کی یونانی ادویہ کے بیان میں ایک منتخب و مستند کتاب ہے۔ اس کے بعد حکیم محمد شریف خاں نے علم الادویہ پر "تالیف شریفی" اور حکیم عبدالعزیز نے "مفردات عزیزی" لکھیں جو قابل قدر ہیں۔

انیسویں[۱۹] صدی عیسوی میں حکیم محمد اعظم خان نے ادویہ پر محیط اعظم ایک نہایت جامع کتاب بزبان فارسی تصنیف کی اور اس کے بعد حکیم نجم الغنی رامپوری نے مفردات پر ایک نہایت ضخیم اور جامع کتاب بزبان اردو "خزینۃ الادویہ" تالیف کی۔ نیز ہندستانی ادویہ پر تحقیقی نقطہ نگاہ سے حکیم رضا علی خاں دکنی نے "تذکرۃ الہند" لکھی۔ (تاریخ ادویہ مولفہ حکیم سید محمد شجاع الدین حسین ہمدانی)

(۲)

معدن تجربات

حکیم محمد مہدی نے معدن تجربات میں حکمائے متقدمین کی تصنیف کردہ جملہ کتب ادویہ مفردہ و قرابادینیا سے استفادہ کرکے "معدن تجربات" مرتب کی۔

معدن تجربات، طب کی ایک جامع اور مستند قرابادین ہے اور ضروریات طب کے لحاظ سے ایک نہایت مفید کتاب ہے۔ اس لیے کہ اکثر یہ قدیم مستند طبی تصانیف کا ایک بہترین خلاصہ اور بے نظیر لب لباب ہے، جس کا مطالعہ اکثر قرابادینیات کے مطالعہ سے طبیب کو بے نیاز کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس کے مؤلف حکیم میر محمد مہدی طبیب فاضل اس کتاب کی تعریف میں اس طرح رقمطراز ہیں :

"امابعد فقیر حقیر محمد مہدی بن محمد جعفر طبیب بن محمد حسن طبیب۔ عرض می دارد کہ اکثر نسخہائے مرکبات وغیرہ از کتب معتبرہ و تجربات حکمائے قدیم و جدید متفرق بودند خواست کہ اینہارا جمع کردہ در سلک تحریر درآرد تا خلائق از و منتفع شوند و محتاج بہ قرابادنیات و مرکبات بفضل ایزد کارساز صورت انتظام یافت الخ۔"[۱]

---

[۱] مخطوطہ معدن تجربات، خدا بخش لائبریری پٹنہ، ص ۱۔

حکیم میر محمد مہدی، "معدن تجربات" کی تصنیف کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں :

"برین کتاب کہ موسوم بہ معدن تجربات را استخراج اعداد سال ہم ازاں می گردد۔" [۱]

پس اس کتاب کا سنہ تصنیف و تالیف اعدادِ "معدن تجربات" سے ۱۱۰۰ھ (مطابق ۱۶۸۹ء) برآمد ہوتا ہے، اور اسی سنہ میں یہ کتاب مصنف نے مکمل فرمائی ہے۔

حالاتِ مؤلف

حکیم محمد مہدی بن محمد جعفر بن محمد حسن کے حالات کی تحقیق نہایت دشوار ہے۔ اس لئے کہ کسی تاریخ و تذکرہ میں جو مشہور کتب خانوں میں محفوظ ہیں درج نہیں ہیں۔ نیز آپ کا تشخص بھی دشوار ہے اس لیے کہ اس نام کے متعدد حکیم گذرے ہیں۔

کتاب مآثر الامراء میں صمصام الدولہ شاہ نواز خاں نے حکیم الملک محمد مہدی کے حالات اس طرح درج فرمائے ہیں :۔

حکیم الملک :۔ آپ کا نام میر محمد مہدی اور وطن اردستان (ایران) ہے۔ جس سال کہ محمد اورنگ زیب بہادر، دکن سے مستقر الخلافہ (آگرہ) کے لیے روانہ ہوئے تو وہ (حکیم الملک) بھی ہمراہ آئے اور ہزاری منصب پر فائز ہوئے اور رفتہ رفتہ حکیم الملک کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ گیارہویں سال جلوس عالمگیری میں اصل و اضافہ کے بعد دو ہزاری ذات اور پانچ سو ذات کے منصب پر سرفراز ہوئے۔

سینتیسویں [۳۷] سال جلوس عالمگیری (۱۶۹۵ء) میں محمد اعظم استسقار کے مرض میں مبتلا ہوا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ چودہ گرہ چوڑی آستین بھی تنگ ہو جاتی تھی اور پاجامہ کا پائینچہ ایک گز چھ گرہ تک پہنچ گیا تھا۔ حکیم الملک شاہزادہ مذکور کے علاج کے واسطے مقرر ہوا۔ جب شاہزادہ بادشاہ کے حضور میں پہنچا تو محبت پدری کی وجہ سے شہزادہ کا خیمہ گلال بار میں نصب ہوا اور بادشاہ (عالمگیر) روزانہ ایک مرتبہ بیٹے کو دیکھنے جاتا تھا۔ شہزادہ کی حقیقی بہن زیب النساء بیگم، شاہزادہ کے ساتھ پرہیزی کھانا کھاتی تھی اور اس پر مطمئن تھی۔

حکیم الملک شہزادہ کے علاج کے واسطے مقرر ہوا تھا۔ راستے میں اور بادشاہ کے حضور میں پہنچنے کے بعد (حکیم الملک نے) علاج میں بہت کوشش کی۔ شاہزادہ کو جب شفاء ہو گئی تو اس کے منصب میں ایک ہزاری ذات کا اضافہ ہوا، اور بڑھ کر ان کا منصب چار ہزاری ہو گیا۔ [۲]

---

[۱] مخطوط معدن تجربات خدا بخش لائبریری پٹنہ۔ ص ۲۔ [۲] مآثر الامراء شاہ نواز خاں مترجمہ پروفیسر محمد ایوب قادری شائع کردہ مرکزی اردو بورڈ، ۳۶۔ جی گلبرگ، لاہور مطبوعہ جون ۱۹۶۸ء۔ ص ۵۹۴، ۵۹۵۔

مآثر الامرا کا مؤلف شہزادہ کی زبانی لکھتا ہے کہ جو اس نے اپنے باپ (عالمگیر) سے کہا تھا کہ ایک دن مرض کی شدت بہت تھی اور لوگ مایوس ہو گئے تھے۔ خیال تھا کہ بدن پھٹ جائے گا کہ اچانک سونے اور جاگنے کی حالت میں (یعنی غنودگی کی حالت میں) کوئی نورانی شخصیت ظاہر ہوئی اور اس نے فرمایا کہ توبۃ النصوح کرو، شفاء ہو جائے گی۔ چنانچہ توبہ کی گئی۔ غفلت ختم ہونے کے بعد پیشاب کی ضرورت ہوئی اور دو بڑے طشت (پیشاب سے) بھر گئے اور سارے جسم کا ورم ختم ہو گیا۔ دوسرے دن آزاد ولی شیخ عبدالرحمٰن درویش نے لکھا کہ جناب مرتضیٰ (حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسّلام) نے فرمایا ہے کہ آج رات کو توبہ (کی توفیق) دی ہے، شفاء جلد ہو گی۔[1]

قرائن سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حکیم الملک میر محمد مہدی نے شاہزادہ کی شفاء کے لیے کوئی عمل یا دعا کی جس کے نتیجہ میں آپ کو القاء ہوا اور آپ نے وہ مدر بول دوا تجویز کی کہ جس سے رطوبت فاسدہ سمیہ مرض استسقاء کا تنقیہ بذریعہ بول ہوا۔ حتیٰ کہ شاہزادے نے شفاء پائی۔

مذکورہ عبارت ساقی مستعد خان کی تصنیف کردہ تاریخ مآثر عالمگیری سے اخذ کی گئی ہے۔ اور اس اعتبار سے معتبر و مستند ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکیم الملک میر محمد مہدی دربار عالمگیری سے کس سنہ میں وابستہ ہوئے؟

صاحب مآثر الامراء کے بیان مذکورہ سے واضح ہے کہ جس سال محمد اورنگ زیب بہادر، دکن سے مستقر الخلافہ (آگرہ) کے لیے روانہ ہوا تو حکیم الملک بھی ہمراہ آئے اور ہزاری منصب پر فائز ہوئے۔ پھر سینتیسویں (۳۷) سال جلوس عالمگیری (۱۶۹۵ء) میں شاہزادہ محمد اعظم کے مرض استسقاء کا کامیاب علاج کیا تو ایک ان کے منصب میں اضافہ کیا گیا اور آپ چار ہزاری منصب پر فائز ہوئے

تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت تقریباً پچیس پچیس سال کے دو حصوں میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ پہلا دور ۱۰۶۹ھ/۱۶۵۸ء سے ۱۰۹۰ھ/۱۶۷۹ء تک وہ زمانہ ہے جس میں اورنگ زیب شمالی ہند کی طرف متوجہ رہا اور یہ زمانہ اسے شمالی ہند کی طرف بسر کیا، اور دوسرا دور ۱۰۹۲ھ/۱۶۸۰ء سے ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء تک ہے جو جنوبی ہند میں گذرا۔

اکبرنامہ مؤلفہ محمد کاظم کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ حکیم الملک میر محمد مہدی کو ۱۰۶۸ھ میں ایک ہزاری کے منصب پر فائز کیا گیا۔

---

[1] مآثر الامراء، جلد دوم، ص ۶۰ و اطبائے عہد مغلیہ، حکیم کوثر چاندپوری، ص ۱۸۵ تا ۱۹۰۔

حکیم الملک میر محمد مہدی کی حذاقت کی تعریف عالمگیر نامہ میں بھی کی گئی ہے کہ آپ نے حکیم محمد امین شیرازی کے ساتھ اورنگ زیب عالمگیر کے بخار کا علاج نہایت محنت اور دلچسپی کے ساتھ کیا اور مناسب تدابیر علاج اختیار فرمائیں کہ جن کے نتیجہ میں بادشاہ کو صحت حاصل ہوئی۔

عالمگیر نامہ میں زیر عنوان۔ " شرح بعضے از عنایات و مراحم شہنشاہی کہ از جلوس میمنت عنوان عید قربان کہ منتہائے ایام جشن بود نسبت بامرائے نامدار و اعیان دوست پائیدار سمت طبی یافتہ۔" تحریر ہے :۔

" واز اصل واضافہ حکیم محمد امین شیرازی و حکیم محمد مہدی اردستانی ہر یکے بمنصب ہزار و پانصدی پنجاہ سوار۔ مباہی گردیدید۔" [1]

مذکورہ تاریخی روایات کی روشنی میں واضح ہے کہ حکیم الملک میر محمد مہدی اردستانی اورنگ زیب کے ساتھ دکن (جنوبی ہند) میں رہے اور ان کا وطن اصلی اردستان تھا۔

حکیم محمد مہدی اکبر آبادی بھی زبان فارسی میں اعلیٰ معیاری کتابیں تصنیف و تالیف کرنے کے باعث کسی ایرانی طبی خانوادے کے فرد ثابت ہوتے ہیں، انھوں نے کتاب "معدن تجربات بزبان فارسی ۱۱۷۰ھ/ ۵۶-۱۷۵۷ء میں اور "کتاب مخزن اسرار اطبا" بزبان فارسی ۱۱۷۲ھ / ۵۸-۱۷۵۹ء میں تالیف فرمائیں۔ لہٰذا یہ حکیم محمد مہدی اکبر آبادی تاریخی اعتبار سے حکیم الملک میر محمد مہدی قرار نہیں پاتے جو اورنگ زیب کے درباری طبیب تھے۔

حکیم محمد مہدی نے "معدن تجربات" کے مقدمہ میں اپنے والد کا نام حکیم محمد جعفر اور دادا کا نام حکیم محمد حسن تحریر کیا ہے۔

حکیم محمد جعفر اکبر آبادی کا تذکرہ میرزا محمد بن رستم مخاطب بہ معتمد خاں نے تاریخ محمدی میں ۱۱۴۸ھ کے ضمن میں حسب ذیل کیا ہے:

" المولی محمد جعفر الاکبر آبادی الطبیب الحاذق وکان عالماً متفتناً زاہداً عابداً امات بشاہجہان آباد وہو فی عشر الثمانین۔" (تاریخ محمدی ص ۹۳)

(ترجمہ)۔ " مولانا محمد جعفر اکبر آبادی طبیب حاذق، عالم، ماہر فن، زاہد، عابد تھے۔ شاہجہاں آباد (دہلی) میں وفات پائی۔ وفات کے وقت وہ اسّی کے دہے میں تھے یعنی ان کی عمر ۷۰ اور ۸۰ سال کے درمیان تھی۔"

مذکورہ قول سے واضح ہے کہ حکیم محمد جعفر کی وفات ۱۱۴۸ھ/ ۱۷۳۴ء بعہد محمد شاہ، شاہجہاں آباد (دہلی) میں واقع

---

[1] عالمگیر نامہ، مؤلفہ محمد کاظم بن محمد امین منشی۔ ص ۳۹۹

ہوئی اور وطن ان کا اکبر آباد تھا۔

مذکورہ تاریخی حوالہ کے علاوہ منظفر بن محمد بن قاسم ہروی نے قرابادین سراج العلاج میں جو ایک ضخیم فارسی قرابادین ہے۔ حکیم محمد جعفر کے معتبر نسخے درج کئے ہیں۔

اور حکیم شریف خاں دہلوی نے کتاب "علاج الامراض" میں بھی حکیم محمد جعفر اکبر آبادی کے مجرب نسخے شامل کئے ہیں۔

مذکورہ حوالوں کی روشنی میں واضح ہو جاتا ہے کہ حکیم محمد جعفر عہد محمد شاہ کے مشہور و مایۂ ناز حکیم تھے اور ان کی سکونت اکبر آباد یعنی آگرہ میں تھی اور انہی کے فرزند حکیم میر محمد مہدی اکبر آبادی ہوئے۔

حکیم میر محمد مہدی نے "معدن تجربات" ۱۱۷۰ھ/۵۶-۱۷۵۷ء میں تصنیف کی اور اس کے دو سال بعد ہی اس سے زیادہ ضخیم اور مستند کتاب کلیات و معالجات کے موضوعات پر "مخزن اسرار اطبار" ۱۱۷۲ھ/۵۸-۱۷۵۹ء میں تصنیف فرمائی اور اس کتاب کا نام بھی مصنف نے تاریخی رکھا ہے۔ اور سنہ تصنیف ۱۱۷۲ھ کا استخراج اعداد نام کتاب "مخزن اسرارِ اطبار" سے کیا ہے۔

یہ بات مغالطہ پر مبنی ہے کہ "معدن تجربات" جیسی ضخیم کتاب جو سات سو چوراسی (۷۸۴) صفحات پر مشتمل تھی اس کی تصنیف سے فراغت پاتے ہی دو سال کے اندر اس سے زیادہ ضخیم کتاب "مخزن اسرار اطبار" جو بڑے سائز کے نوسو ۹۰۰ صفحات پر مشتمل ہے تصنیف فرمادی جو علمی و تحقیقی لحاظ سے ایک امر محال ہے۔

فنی اعتبار سے ایک دیگر مغالطہ یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اصولی طور پر کلیات و معالجات سے متعلق معیاری و مستند کتاب کو ایک فاضل حکیم کو اولاً تصنیف کرنا اور قرابادین کو اس کے بعد، لیکن سنین تصنیف "معدن تجربات" اور "مخزن اسرار اطبار" کی رو سے واضح ہے کہ حکیم محمد مہدی نے فنی تقاضہ کے برخلاف "معدن تجربات" جیسی قرابادین کو اولاً تصنیف اور کلیات و معالجات پر مشتمل جامع کتاب مخزن کو آخر میں۔

مذکورہ مغالطات کا حل غور و فکر کے بعد یہی ممکن ہو سکتا ہے کہ مذکورہ دونوں کتابوں کا سلسلہ تصنیف و تالیف حکیم محمد مہدی کے والد حکیم محمد جعفر اکبر آبادی اور دادا حکیم محمد حسن کے عہد سے جاری رہا ہو، لیکن ان کتب کی تکمیل حکیم محمد مہدی اکبر آبادی کے قلم مبارک سے ہوئی ہو اور انھوں نے دو سال کے وقفہ سے ان کتابوں کے تاریخی نام "معدنِ تجربات" (۱۱۷۰ھ) اور "مخزن اسرار اطبار" (۱۱۷۲ھ) قائم فرما کے ان کی تمہید بھی اپنے قلم سے لکھی ہو اور دونوں کتب کی تمہید ایک ساتھ لکھنے کی دلیل یہ ہے کہ "معدن تجربات" اور "مخزن اسرار اطبار" کی تمہید کی عبارت کا بیشتر حصہ یکساں ہے جسے ذیل میں ہدیہ ناظرین کرتا ہوں:۔

"معدن تجربات" کی تمہید کی عبارت حسب ذیل ہے:

" امابعد، فقیر حقیر محمد مہدی بن محمد جعفر طبیب بن محمد حسن طبیب عرض می دارد کہ اکثر نسخہائے مرکبات وغیرہ از کتب معتبرہ و مجربات حکمائے قدیم و جدید متفرق بودند خواست کہ اینہارا جمع کردہ در سلک تحریر آرد تا خلائق از او منتفع شوند و محتاج باقرابادنیات و مرکبات دیگر نگردند بفضل ایزد کارساز صورت ترتیب یافت۔ اُمید از عنایت عالی فیشان بلند ہمت و دانش پژوہان ہمایون فطرت آنکہ چون انصاف دیدہ برین کتاب کہ موسوم است بمعدن تجربات (۱۱۰۰ھ) و استخراج اعداد سال تاریخ ہم ازاں می کردد و بنظر تعمق کشایندہ بمقتضہائے نیک نہاد ے چشم عیب بینی و نکتہ چینی پوشیدہ تماشائے لطافت ہنر باشند و اگر احیانا بمقتضائے بشریت کہ الانسان مرکب من السہو والنسیان واقع شدہ خطائے ملحوظ گردد و در خور فطرت بلند و طبع ارجمند توجہ باصلاح فرمودہ چون سفلکان عاقبت نہ اندیش و فرو مالکان بہ کیش زبان طعن و تشنیع نکشایند و بفاتحہ کہ مقصد اقصیٰ و علت غائی از تالیف این مختصر است یاد فرمایند الخ۔"

"مخزن اسرار اطبار" کی تمہید کی عبارت حسب ذیل ہے:

" امابعد میگوید فقیر حقیر محمد مہدی بن محمد جعفر بن محمد حسن طبیب کہ اکثر مقدمات طب و نسخہائے مرکبات وغیرہ در کتبہائے معتبرہ و مجربات حکمائے قدیم و جدید متفرق بودند خواست کہ آنہارا بزبان فارسی جمع نمودہ در سلک ترتیب درآرد تا اکثر خلائق از او منتفع شوند و محتاج بکتبہائے دیگر نگردند بفضل خدائے عز و جل صورت ترتیب یافت۔ امید از عنایت عالی فشان بلند ہمت و دانش پژوہان ہمایون فطرت آنکہ چون دیدۂ انصاف برین کتاب کہ موسوم است "مخزن اسرار اطبار" و استخراج سال تاریخ ہم ازاں میگردد و بنظر تعمق کشایند بمقتضائے بشریت کہ الانسان مرکب من الشہو والنسیان واقع شدہ خطائے ملحوظ گردد و در خور فطرت بلند و طبع ارجمند توجہ بہ اصلاح فرمودہ چون سفلکان عاقبت نہ اندیش و فرو مالکان بد کیش زبان طعن و تشنیع نکشایند و بفاتحہ کہ مقصد اقصیٰ و علت غائی از تالیف این مختصر است یاد فرمایند الخ۔"

مذکورہ دونوں کتابوں کی تحریریں یکساں ہیں، حالانکہ دونوں کتابوں کے موضوعات جدا جدا ہیں۔ "معدن تجربات" ایک قرابادین ہے اور "مخزن اسرار اطبار" کلیات و معالجات پر مشتمل ہے۔

حکیم محمد مہدی اکبر آبادی، حکیم محمد جعفر اکبر آبادی کے فرزند ارجمند تھے جن کے نسخے بانیٔ خاندان شریفی دہلوی حکیم شریف خان نے اپنی تصنیف "علاج الامراض" میں شامل کئے ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حکیم محمد مہدی ایک عالی خاندان طبیب تھے اور اُن کی تصانیف کے مصادر و مراجع کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خود بھی ایک اعلیٰ پایہ کے طبیب تھے۔

حکیم محمد مہدی کی مذکورہ دونوں تالیفات کو علامہ شیخ آقائے بزرگ الطہرانی نے اپنی جامع تالیف "الذریعہ الی تصانیف الشیعہ" میں شامل کیا ہے جس سے واضح ہے کہ حکیم محمد مہدی مذہب شیعہ رکھتے تھے۔

کتاب "معدن تجربات" کا ذکر آقائے بزرگ نے "الذریعۃ" کے "الحادی والعشرون" میں صفحہ ۲۲۱ پر حسب ذیل فرمایا ہے:

"معدن التجربیات لحکیم محمد مہدی بن محمد جعفر مؤلف "مخزن اسرار الاطباء المذکور فی (۲۰: ۲۲۳) فارسی ألفہ فی ۱۱۷۰ھ یوجد فی (الاصفیہ ۲۸۲ طب) کتابت ۱۲۰۵ھ کما فی فہرسہا۔"

حکیم محمد مہدی کی دوسری تالیف "مخزن اسرار" اطباء کا ذکر آقائے بزرگ نے الذریعہ کے جزء العشرون کے صفحہ ۲۲۳ پر حسب ذیل فرمایا ہے۔

"مخزن اسرار الاطباء فارسی للحکیم محمد مہدی بن محمد جعفر بن محمد حسن فی مجاہدین ألفہ ۱۱۷۲ یوجد فی (الاصفیہ ۳۴۳، ۷۷ طب) کما فی نہر سہاویاتی للمولف "معدن تجربیات ایضاً فی الطب۔"

مصادر و مراجع کتاب معدنِ تجربات

معدن تجربات کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی تالیف میں مندرجہ ذیل حکمائے قدیم اور مصنفات سے استفادہ کیا گیا ہے:۔

۱۔ اسمٰعیل جرجانی۔ سید شریف شرف الدین اسمٰعیل بن حسین الحسینی جرجانی مؤلف ذخیرۂ خوارزم شاہی و خفِ علائی و زبدۃ الطب۔

۲۔ بحر الجواہر۔ مصنفہ حکیم محمد بن یوسف الہروی۔ اس کا مخطوطہ خدا بخش لائبریری میں موجود ہے۔

۳۔ نفیسی۔ مصنفہ ملا نفیس بن عوض الکرمانی۔ شرح موجز القانون مصنفہ علاء الدین قرشی معروف

یہ ابن نفیس۔ مطبوعہ ہے۔

۴۔ شیخ الرئیس ابو علی سینا:۔ مصنف "القانون فی الطب" و "احکام ادویۃ القلبیہ" وغیرہ۔

۵۔ صاحب مفتاح الطب:۔ ابو الفرج علی بن الحسین ابن الہندو۔ اس کا مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ (اسٹیٹ آرکائوز) حیدرآباد (آندھرا پردیش) میں موجود ہے۔

۶۔ صاحب ریاض الفوائد:۔ محمد امان بن محمد افضل بن محمد عارف (تصنیف ۱۱۴۳ھ) اس کا نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں موجود ہے۔

۷۔ صاحب تحفہ:۔ "صاحب تحفۃ المومنین" حکیم محمد مومن حسینی تنکابنی۔ مطبوعہ ہے۔

۸۔ میر مومن:۔ مصنف "قرابادین مومنین"۔

۹۔ جامع ابن بیطار:۔ "جامع لمفردات" تصنیف ابن محمد عبداللہ بن احمد ضیاء الدین ابن بیطار متولد ۱۱۹۷ء (اس کا مخطوطہ خدا بخش لائبریری پٹنہ، کتب خانہ آصفیہ، حیدرآباد۔ این. بی. آر. آئی لکھنؤ میں موجود ہے۔ نیز یہ کتاب چار جلدوں میں قاہرہ سے ۱۸۷۴ء میں شائع ہو چکی ہے، اور اس کا ترجمہ لٹریری ریسرچ یونٹ سنٹرل کونسل فار ریسرچ ان یونانی میڈیسن نئی دہلی سے زیر اشاعت ہے۔ پہلی جلد کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔

۱۰۔ تقویم الصحت:۔ مصنف ابو الحسن المختار بن عبدون بن سعدون ابن بطلان (۴۴۴ھ) اس کا مخطوطہ حیدرآباد میں موجود ہے۔ (طب العرب، ص ۳۵۷)

۱۱۔ صاحب الفاظ:۔ عین الملک شیرازی مصنف "الفاظ الادویہ"

۱۲۔ حاوی:۔ مصنف محمد ابن زکریا رازی (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن)

۱۳۔ زبدہ:۔ "زبدۃ الطب" مصنف سید اسمٰعیل جرجانی و ابن بطلان (م ۴۵۵ھ=۱۱۶۶ء) اس کا مخطوطہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں موجود ہے۔

۱۴۔ صاحب مختار:۔ مہذب الدین۔ ابن ہبل مصنف کتاب المختار۔ کتاب المختار کا نسخہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ میں موجود ہے۔

۱۵۔ عماد الدین محمود شیرازی:۔ مصنف امراض الاطفال وافیونیہ و چوب چینی و معجونات سموم وغیرہ۔

۱۶۔ کناش:۔ "الکناش المنصوری" مصنفہ محمد بن زکریا رازی۔ اس کتاب کا مخطوطہ خدا بخش

اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ میں موجود ہے۔

۱۷۔ حکیم کمال الدین حسین شیرازی:۔ مصنف رسالہ تریاق فاروق وغیرہ (تریاق فاروقی حکیم سید ظل الرحمن صاحب کے پاس موجود ہے۔)

۱۸۔ قادری:۔ "طب قادری" (فہرست مخطوطات فارسی پاکستانی مرتبہ احمد منزوی میں نمبر ۱۴۷ پر درج ہے) احمد کی تصنیف ہے۔ کتاب کا نمبر ۱۱۶۸ ہے۔

۱۹۔ حکیم محمد باقر:۔ ابن عماد الدین محمود الشیرازی، مصنف "قرابادین و مقالتین در مفردات" وغیرہ۔

۲۰۔ تذکرہ:۔ "تذکرہ اولی الالباب" مؤلفہ حکیم داؤد ضریرانطاکی مطبوعہ مطبع ازہریہ مصر ۱۳۰۵ھ۔

۲۱۔ حنین ابن اسحٰق:۔ مترجم جوامع اسکندرانین وغیرہ کتب طبیہ یونانیہ۔

۲۲۔ القلانسی:۔ بدرالدین القلانسی السمرقندی کی تصنیف کردہ قرابادین جسے اس کے مصنف نے قانون، حاوی، کامل الصناعت، ذخیرہ خوارزم شاہی قانون شیخ الرئیس ابو علی سینا، کفایہ اور فردوس الحکمت وغیرہ سے استفادہ کر کے چھٹی صدی ہجری میں لکھا تھا۔ عبداللہ بن مولا عرب کمّال کے قلم کی لکھی ہوئی برٹش میوزیم لندن میں ہے۔

۲۳۔ غنیٰ منیٰ:۔ مصنف حکیم ابو منصور حسن بن نوح القمری مترجمہ اردو حکیم منور حسین، دواخانہ معدن الادویہ، وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔

۲۴۔ جالینوس:۔ مصنف "جوامع اسکندرانین (طبی نصاب تعلیم سے متعلق جالینوس کے سولہ رسالے جن کا ترجمہ حنین ابن اسحٰق نے بزبان عربی کیا ہے۔)

۲۵۔ شفاء الاسقام و دواء الآلام:۔ مصنف خضر بن علی معروف بہ حاجی پاشا۔ دو جلدوں پر مشتمل اس کا مخطوطہ کتب خانہ اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ میں موجود ہے۔

۲۶۔ معالجات بقراطیہ:۔ مصنفہ ابوالحسن احمد بن محمد الطبری (متوفی ۳۶۶ھ/ ۹۷۶ء) اس کا مخطوطہ کتب خانہ اجمل خاں طبیہ کالج، کتب خانہ دارالعلوم دیوبند، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد اور مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔

مذکورہ مصادر و مراجع کی روشنی میں کتاب "معدن تجربات" کی طبی افادیت واضح ہو جاتی ہے۔ نیز مصنف کتاب میر محمد مہدی کی مہارت فنی اور وسعت نظری بھی آشکار ہو جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے

کہ فاضل مصنف نے یہ کتاب بزبان فارسی جامع و مانع تصنیف فرما کے اپنے دعوے کو صادق کر دکھایا ہے اور دیگر قرابادین کے مطالعہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔

ترتیب و تبویب "معدن تجربات"

کتاب "معدن تجربات" دو مقالوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مقالۂ اول :۔ مشتمل است بر چہار رسائل۔

رسالہ اوّل :۔ مقدمات و تراکیب ادویہ و طریق احتراق و تکلیس و مُدبّر کردن و مشوی نمودن وکشتن فلزات وغیرہ۔

رسالۂ دوم :۔ در تحقیقات آسامی مرکبات بترتیب حروف تہجی۔

رسالہ سیوم :۔ در تحقیقات آسامی الفاظ کہ مصلح اطبا است۔

رسالہ چہارم :۔ در تدبیرات ضروریہ و ادویہ ثمانیہ کثیر المنفعت۔

مقالۂ دوم :۔ در مرکبات بترتیب حروف تہجی موسومہ بہ مرکبات "معدن تجربات"

خاتمہ :۔ یہ تین فصول پر مشتمل ہے۔

فصل اول :۔ در اوزان ومکادیر۔

فصل دوم :۔ در بیان غذاہائے کہ مصلح اطبا است

فصل سوم :۔ در ابدال، ومزاج وخواص ادویہ مفردہ بترتیب حروفِ تہجی۔

مذکورہ فہرست کتاب کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ علم الصیدلہ ومرکبات پر یہ ایک جامع کتاب ہے جو علم الادویہ کے جملہ اہم موضوعات پر حاوی ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کتاب علم الادویہ سے متعلق ایک جامع انسائیکلوپیڈیا ہے۔

"معدن تجربات" کے قلمی نسخے

"معدن تجربات" ہنوز (۱۹۹۲ء تک) طبع و شائع نہیں ہوئی ہے۔ اس کے قلمی نسخے متعدد کتب خانوں میں موجود ہیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ "معدن تجربات کا ایک قلمی نسخہ جلالی ضلع علی گڑھ میں کتب خانہ حکیم سید شاہ خیرات علی ہمدانی، واقع امام باڑہ سید خیرات علیؒ، وقف، نواب آصف الدولہ، گڑھی قصبہ جلالی ضلع علی گڑھ میں موجود

ہے۔ اس نسخہ کے کاتب حکیم سید نقی علی صاحب ابن سید ہادی علی صاحب ساکن قصبہ جلالی ضلع علی گڑھ ہیں جیساکہ اس مخطوطہ پر ان کی تحریر سے واضح ہوتا ہے جو حسب ذیل ہے :۔

"تمت تمام شد نسخہ "معدن التجربات" بید عبدالمذنب سید تقی علی ابن سید ہادی علی جلالوی غفرلہ بنا بر بپاس خاطر قبلہ و کعبہ سید تقی علی صاحب تاریخ ۱۸ ربیع الاول ۱۲۶۱ھ فقط، ہر کہ خواند دعا طمع دارم زانکہ من بندہ گنہگارم۔"

کاتب صاحب کی ایک دوسری تحریر جو مخطوطہ کے صفحہ اول پر ہے حسب ذیل ہے :

"کتاب معدن التجربات، مرتبہ حکیم سید علی نقی ابن سید ہادی علی بپاس خاطر سید تقی علی برادر حقیقی بتاریخ ۱۸ ربیع الاول ۱۲۶۶ھ (۱۸۴۹ء) بمقام اکبرآباد جمع کردہ صورت اہتمام یافت۔"

اس دوسری تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نسخہ حکیم سید تقی صاحب نے اپنے برادر سید تقی علی صاحب کی خاطر بمقام اکبرآباد (آگرہ) نقل فرمایا ہے۔ نیز "مرتبہ" کا لفظ اس مقام پر صحیح نہیں ہے۔ "مکتوبہ" ہونا چاہیئے۔ اس لیے کہ یہ نسخہ نقل کیا گیا ہے نہ کہ ترتیب دیا گیا ہے۔

اس نسخہ کے عناوین اور ضمنی سرخیاں سرخ روشنائی سے اور باقی عبارت سیاہ روشنائی سے لکھی گئی ہے۔ قلم جلی اور کتابت معمولی ہے۔ بعض مقامات پر عبارت پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے یا نہیں پڑھی جاتی، اس لیے کہ کہیں کہیں الفاظ اور جملے کرم خوردہ ہو کر غائب ہو گئے ہیں۔ ص ۶۱، تا ۸۴، پر بادامی کاغذ کا جوڑ لگایا گیا ہے۔ جس کی بنا پر ان صفحات کی عبارت ناقص ہے جسے دگر نسخوں کی مدد سے مکمل کیا جا سکتا ہے۔ جو ہندستان کے دیگر کتب خانوں میں موجود ہیں اور جن کا تعارف ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

ضخامت و سائز:۔ "معدن تجربات" کا یہ نسخہ ۸۴، صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی لمبائی ½۱۰ انچ اور چوڑائی ½۶ انچ ہے۔ سطریں فی صفحہ بیس ہیں۔

۲۔ "معدن تجربات" کا دوسرا مخطوطہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ (بہار) میں موجود ہے۔ یہ نسخہ دو جلدوں پر مشتمل ہے اور ہر جلد مجلد ہے۔ جلد اول صفحہ ۱ تا ۲۲۴، اوراق پر اور جلد دوم صفحہ ۲۲۵ تا ۴۵۲، اوراق پر یعنی مکمل کتاب ۴۵۲، اوراق پر مشتمل ہے یعنی ۹۰۴ صفحات پر لیکن یہ نسخہ بھی جابجا کرم خوردہ ہے اور نمبر اس کا ۳۵۹۳ ہے۔ سطور فی صفحہ سترہ اور پیمائش ½۶ x ۳/۲ ۹ ہے۔ ترقیمہ حسب ذیل ہے :

"تمت بالخیر کتاب "معدن تجربات" بخط بندہ رستم علی بلگرامی ایا"۔
سنہ کتابت درج نہیں ہے۔

۳۔ "معدن تجربات" کا تیسرا مکمل مخطوطہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن کا اے۔پی۔ اور نٹل لائبریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ عابد روڈ حیدرآباد میں موجود ہے جو ۱۲۴ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کے آخر میں تحریر ہے:

"تمت تمام شد کتاب "معدن التجربات" بخط شکستہ دلخستہ خاکپائے اہل اللہ محمد برکت اللہ قوم جعفر طیاری ساکن شاہجہاں آباد سرکار فیض آثار دولت مدار آسمان جاہ کیوان بارگاہ، شاہزادہ (نام مٹا دیا گیا ہے) دام اقبالہ"۔

۴۔ "معدن تجربات" کا مقالہ دوم جو قرابادینی مرکبات پر مشتمل ہے۔ اس کا مخطوطہ، کتب خانہ اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔ یہ مخطوطہ ۲۵۵ اوراق یا ۵۱۰ صفحات پر مشتمل ہے فی صفحہ ۱۲ سطریں ہیں۔ لمبائی ۲۴ سینٹی میٹر چوڑائی ۱۵ سینٹی میٹر ہے۔ یہ مخطوطہ بھی کرم خوردہ ہے اور کہیں کہیں سے الفاظ غائب ہیں۔ اخیر میں "نسخہ عبداللہ" لکھا ہے۔ آخری جملہ حسب ذیل ہے:

"یہ اللہ، نہایت جلیل القدر و عظیم المنفعت است حیث امراض گردہ و مثانہ ھی بزکوہی چہار"
اس طرح یہ مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔

اس مخطوطہ کا خط شکست مگر پختہ و صاف ہے۔ عناوین سرخ روشنائی سے اور باقی عبارت سیاہ روشنائی سے لکھی گئی ہے۔

یہ نسخہ "معدن تجربات" کے مرکبات پر مشتمل ہے۔ جس میں ترتیب حروف تہجی مرکبات کے نسخے درج کئے گئے ہیں از 'الف' تا 'یا' بجملہ طبی مرکبات کے نسخے درج کئے گئے ہیں۔ اور معمولات مطب حکمائے قدیم سے کوئی نسخہ ایسا نہیں ہے جو اس میں درج نہ ہو۔ دراصل یہ قرابادین، معدن تجربات کے مقالہ دوم پر مشتمل ہے اور فہرست معدن تجربات میں یہ مقالہ "مرکبات معدن" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس کی فہرست جو ابتدائیں مرتب کی گئی ہے حسب ذیل ہے:-

باب الالف:- درنسخہائے ایارج و الغرویا۔

باب الباء:- درنسخہائے بزرگدار و باد مہرج و برشعشا و بزرجلی و حبشی و پختہ جوش و بناوق و بجور و بریکی و بہرود و یاسلیقون و بنفشجی و بردیو ماد پاشویہ۔

باب التا :- در نسخہائے تریاق و تریاخس و تیزاب۔

باب الثار :- در نسخہائے ثنا و ریطوس۔

باب الجیم :- در نسخہائے جواہر مہرہ و جوارش و جُلاب و جُلنجبین۔

باب الحار :- در نسخہائے حب ہا و حشو و حسار و حریرہ و حلول و حمول و حقنہ

باب الخار :- در نسخہائے خرم و خندیقون و خسرودارو و خروس مدبر و خمیرہ و خل و خضاب و خلوق و خشکدارو و خشکنید و خمیس۔

باب الدال :- در نسخہائے دیاقوذا و دوار المسک و دحمرتا و دبید الورد و دوار الجنطیانا و غیرہ دوا ہا و دیک بردیگ و دبس و دلوک۔

باب الذال :- در نسخہائے ذرور

باب الرار :- در نسخہائے راز مہران و روغن و رفادہ و ربوب و راب و رالک و روشنایا۔

باب الزار :- در نسخہائے زرعونی و زروق و زنیار۔

باب السین :- در نسخہائے سکنجبین و سفرجلی و سجز بنیا و سفوف و سک المسک و غیرہ سفوفات و سورنجان و سلاقہ و سعوط و سرداروج و سریشم بنیر۔

باب الشین :- در شلیسا و نسخہائے شراب و شموم و شیاف۔

باب الصاد :- در نسخہائے صبوغ و صاروج و صلحۃ۔

باب الضاد :- در نسخہائے ضماد۔

باب الطار :- در طلاکہ قسمے از خمر است و طرب الجرا و نسخہار طلا۔

باب العین :- در نسخہائے عصیدہ و عطوس و عزبر و عبیر و عقد سیماب۔

باب الغین :- در نسخہائے غزغرہ و غالیہ و غمرہ و غسول۔

باب الفار :- در نسخہائے فلونیا و فلاسفہ و فیروز نوش و فنجنوش و فیاض الحیٰ و غنداد یقون و فلافلی و فودنجی و فلدفیون و فقاح و فتیلہ و فرزجہ۔

باب القاف :- در قفطار غان، قوفیون، قرادارو و نسخہائے قرص و قطور و قیروطی و قوتی و قوقایا و قمیہ۔

باب الکاف:۔ در کلکلانج و نسخہائے کموتی و کاسکبیج و کشوما و کلقند و لعوب و کماد و کیوس و کحل و کل کلمتہ۔

باب اللام:۔ در نسخہائے لبوب و لبان و لعوق و لخلخہ و لزوق و لصوق و لطوخ۔

باب المیم:۔ در مشروبطو و مخلصہ و مطلیبہ الارواح و نسخہائے معجون، و مفرح و مطبوخ و باو ماء مرق و مطنخنا و ملح و مخیض و میبختج و مری مسہل و مسمنہ و محلی حلو و مسہل غذائی وغیرہ و مرس کلقند و مقوی و مجلی و مضمضہ و مضوغ و مروح و مشموم و مسوح و مقی و مرہم۔

باب النون:۔ در نسخہائے نقوع و نطول و نبید و نفوخ و نرو و ند و نشوق۔

باب الواؤ:۔ در وزرہ صندل و نسخہائے وجور۔

باب الہا:۔ در ہلام۔

باب اللام الف:۔ در لاذق

باب الیاء:۔ در نسخہائے یاقوتی و یداللہ۔

۵۔ **مخطوطہ فصل سوم "معدن تجربات مولفہ حکیم محمد مہدی بن محمد جعفر اکبر آبادی تصنیف کردہ** ۱۱۰۰ھ ذخیرہ حکیم سید ظل الرحمٰن تجارہ ہاؤس دودھپور علی گڑھ میں موجود ہے۔ یہ ادویہ مفردہ سے متعلق ہے۔ ادویہ کی شناخت اور رسم مخفی اسمار کی تحقیق کے سلسلہ میں مولف کی کاوش نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ ترقیمہ کے مطابق "کتاب طب فرہنگ ادویہ مفردات من کتاب معدن تجربات" کی قاضی امداد علی بن فتح علی ساکن چکلہ اٹاوہ نے ادویہ ہندی و ولایتی کے مطالعہ اور دریافت احوال کی خاطر ۲۱، ذی الحجہ ۱۲۱۲ھ میں کتابت کی ہے۔

حکیم محمد مہدی کی دیگر تصانیف

"معدن تجربات" کے علاوہ حکیم میر محمد مہدی نے چند دیگر مفید کتابیں علم طب میں تصنیف فرمائی ہیں جو بصورت مخطوطہ ہندستان کے مشہور اور وقیع کتب خانوں میں موجود ہیں۔ راقم کی نظر سے آپ کی جو دیگر مختلف کتب خانوں میں گذری ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ **مخزنِ اسرار اطباء:**۔ حکیم محمد مہدی کی تصانیف سے یہ ایک نہایت ضخیم اور مستند کتاب ہے جو علم طب کے شعبہ کلیات و معالجات پر مشتمل ہے۔ اس کا مخطوطہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری

پٹنہ اور اسٹیٹ آرکائوز حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔ یہ دونوں نسخے راقم کی نظر سے گذر چکے ہیں۔

خدابخش لائبریری میں "مخزن اسرار اطبار" کے مخطوطے کا ہینڈ لسٹ نمبر ۱۰۰۵ اور کیٹلاگ نمبر ۱۰۰۷ ہے۔ اس کے سرنامہ پر تحریر ہے :

" قد دخل فی ملک جدی وانتقل فی الآخراتی وانا العبد المذنب مظفر حسین عفی عنہ بن مسیح الدّولہ مرحوم ۲۸ دسمبر ۱۸۶۹ اعیسوی "

نیز اس نسخہ کے سرنامہ اور آخری صفحہ پر حکیم مظفر حسین ابن مسیح الدولہ کی ایک مہر ثبت ہے جس پر کندہ ہے :

" بر اعدائے دین شد مظفر حسین ۱۲۷۷ھ "

اس مخطوطہ کے اوراق کی تعداد ۳۲۱ ہے، اور ہر صفحہ میں ۲۵ سطریں ہیں۔ نیز ناقص الآخر ہے۔ کاتب کا نام اور سال کتابت مرقوم نہیں ہے۔

اسٹیٹ آرکائوز حیدرآباد اے۔پی (واقع عابد شاہ مارکیٹ حیدرآباد دکن) میں "مخزن اسرار اطبا" مصنفہ حکیم محمد مہدی کا مخطوطہ دو۲ جلدوں پر مشتمل ہے موجود ہے۔ جلد اول صفحہ ۱ تا ۷۰۷، اور جلد دوم صفحہ ۷۰۸ تا ۷۹۹۔ ہر صفحہ پر ۲۵ سطریں تحریر ہیں۔ ہر جلد کی پیمائش ½ ۲۴ × ½ ۲۱ سینٹی میٹر ہے۔ یہ نہایت مکمل نستعلیق نسخہ ہے۔

۲۔ رسالہ اسماء ادویہ :۔ یہ رسالہ سبحان اللہ کلکشن مولانا آزاد لائبریری کے مخطوطات میں شامل ہے۔ یہ بترتیب حروف تہجی ہے۔ پندرہ اوراق پر مشتمل ہے۔ سطریں فی صفحہ ۱۸ ہیں پیمائش ″۸ × ½″۵ ہے۔

ابتداء :۔ " مقدمہ در بیان امور مفیدہ انچہ دریں رسالہ مرقوم شد۔ اسمار ادویہ موافق لفظ شاہجہاں آباد نیست و ناموافق السلوک واا‌لسنہ مختلفہ غیر مناسب و خواص ایجاد کتب ہند لیست نوشتہ میشود در صورت تناقض سوزظن بمصنف بہم نرسانید مثل آنکہ سرد بارد را ہا ضم منولید و افعال آں وانچہ خود در مزاج و خواص دریافتہ است از اجد نوشتہ "

خاتمہ :۔ " قدتم چند لغات ہندیہ کہ در رسالہ تصنیف حکیم محمد مہدی اکبرآبادی بیان آں شود از رسالہ تالیف شریف علی سبیل الاختصار در استعمال بنام مقامیکہ عزیمت نہضت از شاہجہاں آباد حالستم نوشتہ شد تا بار رسالہ سابق ممزوج نمودہ حاوی اکثرے از ادویہ متعارف باشد واللہ اعلم بالصواب "

ارد، اسی، اڑیہ، ادنٹ، الّو وغیرہ۔

اس رسالہ کے صفحہ اوّل کے بالائی حاشیہ پر رسالہ کا نام " مفردات ادویہ ہندیہ غلط تحریر کیا گیا ہے اس لئے کہ اس نام کا دوسرا رسالہ نمبر ۶۱۰/۲ / ۱۱ پر سبحان اللہ کلکشن مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے، لہٰذا تصحیح ضروری ہے۔

اس رسالہ میں حکیم محمد مہدی اکبر آبادی نے ادویہ کے ہندی ناموں کی وضاحت فرمائی ہے اور ان کے مترادف فارسی نام بھی لکھے ہیں اور اس اعتبار سے یہ ایک نادر رسالہ ہے۔

۳- مفرداتِ ھندیہ :- یہ مخطوطہ ۷، صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی دواؤں کی ترتیب بہ حروف ابجی ہے۔ حکیم محمد مہدی اکبر آبادی نے یہ رسالہ برائے علاج غربا و دہاقین وغیرہ لکھا ہے۔ مفردات ہندیہ سے امراض کے علاج سے متعلق یہ ایک مفید رسالہ ہے۔ ادویہ کے خواص سے متعلق حاشیہ بھی اس پر درج ہے۔ سطریں فی صفحہ پندرہ ۱۵ اور پیمائش ۲۱ × ۱۶ سینٹی میٹر ہے۔ اس رسالہ کا مخطوطہ عبد السلام کلکشن مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں موجود ہے۔

حکیم محمد مہدی کی تصنیف " معدن تجربات " اور " مخزن اسرار اطبار " کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ایک عالم و فاضل اور ماہر و تجربہ کار طبیب حاذق تھے۔ آپ نے اپنے عہد سے قبل کی جملہ طبی تصانیف سے استفادہ فرمایا اور ان کا جامع انتخاب دو۲ ضخیم و مستند کتب (۱) معدن تجربات (۲) مخزن اسرار اطباء میں فرمایا بالفاظ دیگر پورے علم طب کو ان دو کتب میں اس طرح پیش کر دیا کہ علم طب حاصل کرنے کے لیے طالب علم طب کو ان کتب کے علاوہ دیگر طبی کتب سے رجوع کی حاجت باقی نہ رہے۔ یہ دونوں کتابیں علم طب کے جملہ اہم شعبوں پر حاوی اور نصابی اعتبار سے مکمل اور مستند کتابیں ہیں۔

وہ اطبار جنھوں نے فارسی زبان میں علم طب کی کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں حکیم محمد مہدی ممتاز ہیں۔ اس لئے کہ آپ نے " معدن تجربات " اور " مخزن اسرار اطبار " جیسی ضخیم کتب تصنیف فرما کے علم طب کو زبان فارسی کے قالب میں منتقل کر دیا ہے۔ اور اس اعتبار سے دونوں کتابیں حکیم محمد مہدی کا قابل قدر شاہکار ہیں، اور یہ کتابیں اس قابل ہیں کہ ان کا ترجمہ بزبان اردو شائع کیا جائے تاکہ اردو داں طبقہ و اطبار بھی ان معیاری کتب سے خاطر خواہ استفادہ کر سکیں۔

معدن تجربات کی افادیت

حکیم محمد مہدی نے " معدن تجربات " میں یہ اہتمام کیا ہے کہ جملہ انواع و اقسام مرکبات طبیہ کے متعدد

نسخے حکمائے متقدمین کی مستند کتب سے انتخاب کر کے شامل کتاب کئے ہیں جو باعتبار اجزا باہم مختلف ہیں اور یہ مجموعہ اس اعتبار سے مفید ہے کہ مریض کے مزاج اور حالات اور موسم کے اعتبار سے کوئی مناسب مرکب حسب حاجت انتخاب کیا جا سکتا ہے، اور اس اعتبار سے قرابادین "معدن تجربات" ایک نہایت مفید قرابادین اور ایک جامع فارماکوپیا ہے۔ اور اسی اعتبار سے اس کتاب کی قلمی نقلیں متعدد کی گئیں جو ہندستان کے مشہور کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ جن کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

حکیم محمد مہدی نے اپنی حذاقت کی بنیاد پر متعدد نسخے اختراع کئے اور مشاہیر اطبا نے ان نسخوں سے استفادہ فرمایا۔ مثلاً حکیم معالج خاں نے اپنے معمولات میں جوارش مخترع حکیم محمد مہدی اکبرآبادی کا نسخہ اپنے معمولات میں شامل فرمایا ہے[1]

"معدن تجربات" مصنفہ حکیم محمد مہدی اکبرآبادی کی تعریف پروفیسر حکیم ظل الرحمن بیچرر مینی خیہ علم الادویۃ اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے حسب ذیل فرمائی ہے:

"معدن تجربات، مولفہ حکیم محمد مہدی بن محمد جعفر اکبرآبادی۔ ۱۱۰۰ھ کی ادویہ مرکبہ اور ہندستانی ادویہ مفردہ کے ذخیرہ کی قابل قدر کتاب ہے۔ مرکبات کے تفصیلی بیان کے علاوہ اختیار بدیعی، تحفہ المومنین اور الفاظ الادویہ کی ان غلطیوں کی خاص طور پر نشاندہی کی گئی ہے جو ان کے مصنفین نے مفردات کی عربی فارسی ناموں کے ہندی مترادفات کے سلسلہ میں کی ہیں۔ ادویہ کی شناخت اور ہم معنی ناموں کے مطالعہ میں مؤلف کی کوششیں نظرانداز نہیں کی جا سکیں گی۔ الخ"

ملاحظہ ہو ذخیرہ حکیم سید ظل الرحمن، عربی و فارسی نوادر، کتاب طب اسلامی برصغیر میں شائع کردہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ۔ ص $\frac{۱۲۸}{۷۹}$

مدارک

۱۔ "تاریخ الاطباء" مؤلفہ حکیم ڈاکٹر غلام جیلانی مطبوعہ طبی کتب خانہ گمٹی بازار لاہور ۱۹۱۲ء۔

۲۔ مخطوطہ "معدن تجربات" مکتوبہ سید علی نقی ابن سید ہادی علی جلالوی بتاریخ ۱۸ ربیع الاول ۱۲۶۶ھ ذخیرہ حکیم سید محمد ریاض الدین حسین ہمدانی کتب خانہ سید خیرات علی امام باڑہ سید خیرات علی، گڑھی قصبہ جلالی ضلع علی گڑھ۔

۳۔ "مآثر الامراء" مؤلفہ صمصام الدولہ شاہنواز خان مترجم پروفیسر محمد ایوب قادری۔ مطبوعہ مرکزی

[1] معمولات حکیم معالج خاں نمبر ۲۶۵۹ مخطوطہ بزبان فارسی، طب خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ، بہار

اردو بورڈ، ۳۶۱۔ جی گلبرگ، لاہور۔ بار اوّل جون ۱۹۶۸ء ص ۵۹۴، ۵۹۵۔

۴۔ "تاریخ محمدی" مصنفہ میرزا محمد بن رستم مخاطب بہ معتمد خاں دہلوی بتصحیح و تحشیہ امتیاز علی عرشی، لائبریرین رضا لائبریری رامپور ناشر پروفیسر سید نورالحسن ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات تاریخی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

۵۔ "اطبائے عہد مغلیہ" مؤلفہ حکیم کوثر چاند پوری۔

۶۔ "عالمگیر نامہ" مؤلفہ محمد کاظم بن محمد امین مطبوعہ کالج پریس کلکتہ

۷۔ "السبحۃ المرجان" مطبوعہ بمبئی۔

۸۔ "ماثر الکرام" مؤلفہ غلام علی آزاد بلگرامی

۹۔ "ماثر عالمگیری" مؤلفہ ساقی مستعد خاں بتصحیح آغا احمد علی بحکم ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال، کلکتہ مطبوعہ ۱۸۷۱ء۔

۱۰۔ "علاج الامراض" مؤلفہ اشرف الحکما حکیم محمد شریف خاں صاحب دہلوی بتصحیح حکیم سید فرید احمد عباسی پرنسپل زنانہ طبیہ کالج دہلی۔ مطبوعہ محرم ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۹۲۱ء۔

۱۱۔ "تاریخ شاکر خانی" مؤلفہ شاکر خاں بن شمس الدولہ لطف الہی خاں صادق۔

۱۲۔ "طبِ اسلامی برِّ صغیر میں" مطبوعہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۱۹۸۸ء

(13) Pharmacy in traditional Medicine by Hakim Mohammad Abdur Razzack, Director Central Council for Research In Unani Medicine (Ministry of Health & F.W. govt. of India) New Delhi, December 22, 1986.

۱۴۔ مخطوطہ "معدن تجربات" خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ (بہار)

۱۵۔ مخطوطہ "معدن تجربات" کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن۔ یہ مخطوطہ فی الحال اے۔پی۔ اورینٹل لائبریری ریسرچ انسٹی ٹیوٹ عابد روڈ۔ حیدرآباد میں موجود ہے۔

۱۶۔ مخطوطہ قرابادینِ "معدنِ تجربات" کتب خانہ اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔

۱۷۔ "خزانۂ عامرہ" مصنفہ میر غلام علی آزاد بلگرامی در ۱۱۷۶ھ۔ مطبوعہ اورنگ آباد ۱۹۲۸ء۔

۱۸۔ "سبحۃ المرجان" (عربی) مصنفہ میر غلام علی آزاد بلگرامی در ۱۱۷۷ھ مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۲ھ۔

۱۹۔ "طب اسلامی برِّ صغیر میں" نادر طبی مخطوطات پر جنوبی ایشیائی علاقائی سیمینار منعقدہ مارچ ۱۹۸۴ء کے مقالات۔ شائع کردہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری۔ پٹنہ

●●

ممالک اسلامیہ کے سفر نامے

جادۂ حق

سید اعظم علی عظیم آبادی

جادۂ حق

سیّد اعظم علی عظیم آبادی

(تصنیف = ۱۸۷۸ء)

سید اعظم علی صاحب (پٹنہ سٹی) شوال ۱۲۹۶ھ
مطابق ۱۸۷۸ء کو حج کے سفر کے لئے روانہ ہوئے اور
جمادی الثانی ۱۲۹۷ھ کو واپس آئے۔ دوسری بار زیارات
عتبات وعالیات (نجف وکربلا) سے مشرف ہوئے۔
ربیع الاوّل ۱۳۰۰ھ میں سفر کے لئے نکلے اور ربیع الاوّل
۱۳۰۱ھ میں واپسی ہوئی۔ سفر کا یہ دوسرا حصّہ کسی اور
موقع پر دیا جائے گا۔ سفر حجاز والا حصّہ یہاں پیش کیا جارہا ہے

ولله علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلا

الحمد للہ کہ یہ کتاب عجیب متضمن باحوال سفر خیر جناب حاجی سید اعظم علی صاحب مرحوم مغفور مسمی

جادۂ حق

حسب ارشاد جناب مولوی سید خیرات احمد صاحب وکیل ضلع گیا

در مطبع احمدی پٹنہ محلہ لودی کٹرہ مطبوع شد



جب ماہ مبارک رمضان گذر گیا اور تاریخ نوین شوال ۱۲۹۶ھ ہجری تاریخ روانگی قریب پہونچی بندہ مع اہلخانہ اپنے مکان مغلپورہ واقع شہر پٹنہ مین مقیم تھا برادرم میر مظفر حسین صاحب بھی بمقام مغلپورہ ہمارے پاس آپہونچے اور مولوی نثار حسین صاحب نے بھی شیخپورہ کلان سے بتاریخ مذکور آنے کا وعدہ مستحکم کیا اوسوقت میرے اعزہ مخصوص لخت جگرم سید خیرات احمد سلمہ بوجہ سفر دور و دراز ہم لوگون کے سخت مضطر و بیقرار تھے ہماری جانے سے زیادہ اہلخانہ کے جانے پر سبھونکو تعجب گذرتا تھا اور آپسمین کہتے تھے کہ خود جاتے ہین ایسی مریضہ ضعیفہ کو کسواسطے لئے جاتے ہین شاید اونکو اونکی مٹی لیے جاتی ہے مگر وہ باوجود ضعف و نحافت کے اسقدر مستعد تھین کہ کسی کو مجال ممانعت نہ تھی اور مجکو تو یہ خیال تھا کہ ہرگاہ حکم خدا عورت و مرد سبھون کے لیئے بدرجہ مساوی ناطق و نافذ ہے تو بندہ کو اوسمین کیا سرتابی ہے حافظ حقیقی عورت مرد

سبھون کا مان باپ سے زیادہ نگہبان ہے انشاء اللہ تعالے منزل مقصود
تک پہونچا ہی دے گا اسواسطے نہایت بشاشت اور خضوع وخشوع سے
اپنے ارادہ پر ثابت قدم رہے قبل تاریخ معینہ برادرم سید تفضل حسین معہ
ہر سہ برادران ونورچشم پارۂ جگرم سید خیرات احمد مدعمرہ وقدرہ بمکان مغلپورہ
محلات شہر پٹنہ معہ دیگر اعزہ واقارب واسطے وداع ہمارے مجتمع ہوگئی بوقت
وداع ہم لوگون کے فرزندارجمند سید خیرات احمد سلمہ کی عجیب حالت
تھی کہ بوجہ مفارقت ہملوگون کے نہایت پریشان واشک ریزان تھے اور
بوجہ سفر خیر ہمارے رخصت کرنے مین بھی نہایت سرگرم ومستعد رہے پارۂ جگرم
ونورچشم نے ہم دونون والدین کو اپنے کسقدر خوش وخرم ومسرور ومشکور کیا
کہ ہر وقت وہر لحظہ ہر اک رگ وریشہ سے ہم دونون آدمی ہر ہر عتبات عالیات مین
دل وجان سے اوسکے لئے دعا ترقیات عمر ودرجات واولاد واموال کی کرتے
رہے خداوند عالم قبول فرماوے. الغرض بتاریخ نہم شوال سنہ ۱۲۹۶ ہجری مطابق
۲۷ آسن سنہ ۱۲۸۷ فصلی یہ گنہگار باجملہ عزیزان اسٹیشن بکیم پور مین قبل دوپہر
پہونچگیا نورچشم ممدوح نے ایک درجہ گاڑی خاص بلامداخلت احدے بہ تعین
مبلغ للعہ معہ اسباب ہر سہ کسان تامقام اسٹیشن بمبئی مقرر کرکے و
پاس حاصل کرکے درجۂ مذکور مین آویزان کردیا اور پاس اسباب کا ہمارے
حوالہ کیا چنانچہ بعد نواخت چار گھنٹہ روز بعد دوپہر بندہ معہ اہل خانہ وشاکر
خدمتگار وبرادرم مظفر حسین صاحب وچھوٹے صاحب ساکن عظیم آباد جو میرے
ہمسایہ مکان مین ساکن گزین تھے اور بھائی اونکے میر محمد عظیم صاحب جملہ ہفت کسان

گاڑی مذکور پر سوار ہوئے اور گھنٹی بجی اور گاڑی روانہ ہوگئی سب عزیزان
ہم سب مسافران سے رخصت ہوکر اپنے اپنے مقام پر گئے اور ہملوگ اونکی
نظروں سے غائب ہوگئے اور دم بھر مین بانکی پور پہونچ گئے وہان عزیزم
مولوی نثار حسین صاحب بھی منتظر تھے فوراً اوسی درجہ مین ہمراہ ہم سبھون کے
سوار ہوگئے اور گاڑی روانہ ہوئی دوسرے روز قریب صبح گاڑی اسٹیشن
نینی مین پہونچ گئی سب لوگ وہین فرود ہوکر حوائج ضروریات سے فرصت کرکے
فکر اکل و شرب مین مصروف ہوئے اور اوس روز شب وہین بازار مین مقیم
رہے جب گھنٹی بجی فوراً سب مسافران ٹکٹ جبل پور کا فی کس ہے مین حاصل کرکو
بتاریخ گیارہوین روز دوشنبہ گاڑی پر سوار ہوئے اور صبح ہوتے
جبل پور پہونچ گئے اور گاڑی سے فرود ہوکر بسواری پالکی گاڑی سرا مین آکر
مقیم ہوئے جیسے سرای نینی کی تھی ویسے ہی سرائے جبلپور کی بھی بے مرمت
اور ویران پائی گئی ناگزیر ایک کوٹھری چھ آنہ پر کرایہ لیکر شب بسر کی اور
اکل و شرب سب لوگون کا بخوبی ہوا کسیطرح پر کچھہ تکلیف نہوئی اور چونکہ اسباب کا
ہمراہ بریک مین لیجانا باعث زیر باری تھا اسواسطے سبھون نے اسباب اپنا
اپنا جبلپور سے یکسر بمبئی روانہ کردیا اور پاس رسید لیا اور ٹکٹ بھی جبل پور سے
بمبئی تک فی کس مبلغ آٹھہ روپیہ مین حاصل کرکے بتاریخ ۱۲ شوال گاڑی پر
سوار ہوئے اور دو شبانہ روز مین بتاریخ ۱۴ شوال اسٹیشن بھائی کلہ
شہر بمبئی مین پہونچکر گاڑی سے فرود ہوئے اور بہ سواری بگھی اسٹیشن سے
امام باڑہ میر ببر علی صاحب مرحوم مین آکر مقیم ہوئے سبحان اللہ کیا خوب

امام باڑہ سنہ منزلہ ہے ہر جگہ حاجیان و زوار ان کرایہ دیکر فرود ہوتے ہین
بندہ مع اہل خانہ نیچے کے درجہ مین اور جملہ ہمراہیان بالاخانہ کے درجہ مین
فرود ہو کر بہ انتظار جہاز بیس وپچیس ۲۰ ۲۵ روز تک مقیم رہے اس عرصہ مین مرزا
قربان علی صاحب یکے از رفقای نواب ولایت علیخان صاحب بہادر
بھی ہو کر ہم لوگون کے ہمراہ ہو گئے۔ بمبئی عجب شہر عظیم الشان ہے جسکے مکانات
سب عمدہ اور بلند اور سڑکین چوڑی چوڑی ہین دوکانون کی انتہا نہین اور
زبان بھی وہانکی مختلف ہے۔ مرہٹی۔ سندھی۔ تلنگ۔ ناگپوری۔ پارسی زبانین
جاری ہین مگر اردو ہر شخص بولتا اور سمجھتا ہے روز مرہ ہم لوگ یعنی برادرم
مظفر حسین صاحب و مولوی نثار حسین صاحب واسطے سیر و تفریح کے گشت
کیا کرتے تھے اور باعث عزیزان ہموطن ہونیکے کمال لطف تھا خورد و نوش
کی چیزین ہر قسم کی میسر آتی تھین چونکہ جہاز پر چیزین کھانے پینے کی بکتی نہین ہین
اسلئے ہملوگون نے بحری سفر کے انداز سے جنس اور گھی وغیرہ خرید کر لیا اور ایک
تھان کپڑا اسنگمین سولہہ ۱۶ گز عمدہ حسب خواہ واسطے احرام حج کے خرید کر کے
ہمراہ لے لیا بعد مہیای سامان سفر بانتظار جہاز بہت ایام گذاری ہوئی چند
اشخاص لکھنو ہمسفر تھے بہ صلاح و مشورہ اون کو سب لوگون نے چٹھی جہاز
فی کس تیس ۳۰ تیس روپیہ کی حاصل کر کے منتظر وقت رہے چنانچہ بعد انتظار
بسیار اشتہار ہو گیا کہ اب جہاز کھلتا ہے۔ سب حاجیان جلد سوار ہون
بمجرد اشتہار کے ہم سب مسافران راہ خدا ایک چھوٹی کشتی کہ جسکو بمبئی مین
ہوڑی کہتے ہین مقرر کر کے بتاریخ ہفتم شہر ذیقعدہ سنہ ۱۲۹۶ھ کشتی مذکور پر سوار

ہوئے اور قریب جہاز کے پہونچے اور اسباب جہاز پر روانہ کرنے لگے بعد اوسکے
خود سوار ہوکر بہایت عافیت و آسانی سے بالای جہاز پہونچ گئے اور اندر طوطخ
کے فرود ہوئے وہ جہاز ترنکل کمپنی کا بہت بڑا وسیع تھا جس طوطخ کے اندر
ہملوگ فرود ہوئے غالبًا دو تین سٹو آدمی سے کم نہ تھے علاوہ اوس کے
جہان جہان جسکو جگہ ملی سطحہ و عرشہ وغیرہ مین بستر ے لگا کر بیٹھہ گئے
اور اپنے اپنے صندوقون کو تین طرف رکھہ کر اپنی جگہ معین کرلی اس جہاز پر
بڑے بڑے اُمَرا و عمایدو غیرہ خاص ساکنان شہر بمبئی بھی تھے۔ اور
کل مسافر تخمینًا پندرہ سٹو لہہ سو سے کم نہونگے آخر کار آٹھوین یا نوین
ذیقعدہ کو لنگر اوٹھا اور جہاز روانہ ہوا آنًا فانًا تمامی عمارات و مکانات شہر
بمبئی کے نظرون سے غائب ہو گئے پھر تو بجز آسمان سیاہ اور پانی
سیاہ سمندر کے کچھہ نظر نہ آتا تھا جدھر نظر کیجیے آسمان ہی آسمان تھا یا
پانی پانی بعد چند ساعت کے سب آدمیون کو متلی وقی و چکر و دوران سر ایسا
ہونے لگا کہ عیاذًا باللہ دم بھر مین ہر کس و ناکس پریشان و نیم جان ہو گیا
جسکو دیکھا بد حواس سر بہ زانو پایا۔ اہل خانہ کو ہماری تو کشتی پر سوار ہوتے ہی
سے متلی و قے شروع ہو گئی تھی جہاز پر پہونچتے پہونچتے نہایت بچین ہو گئین
اور جہاز کھلنے کے بعد اونکا تو کچھہ ٹھکانا نہ تھا بالکل نیم جان تھین علی ہذا القیاس
برادرم سید مظفر حسین صاحب و مولوی نثار حسین صاحب وغیرہ مسافران
اہو دیار کے بہت پریشان ہو گئے۔ شکر خدا کہ بندہ کو متلی وغیرہ کچھہ نہین ہوئی
تا اینکہ تیسرے چوتھے روز جہاز کراچی بندر پہونچ گیا اور پانچ چار روز تک

لنگر انداز رہا کہ اس وجہ سے سب لوگون کی جان مین جان آئی قے متلی دور ہوگئی کھانے پینے کی خواہش ہوئی برادرم میر منظفر حسین صاحب و مولوی نثار حسین صاحب جہازسے فرود ہو کر بسواری کشتی کو چک اندر شہر کرانچی بندر کے گئے اور اشیاء خوردنی روٹی گوشت پختہ و خام وغیرہ خرید کر لائے سبھون نے خوب خوب نوش جان کیا اور دو تین روز لنگان ہونے سے سب لوگ قوی و توانا ہو گئے جہاز ایسا کلان وسیع تھا کہ کبھی طلاطم و تہلکہ کچھ نہوا مگر تازہ یہہ مصیبت پیش آئی کہ جس طوطخ مین ہم لوگ فرود کھے اوس مین مال تجارتی بہت تھا اسواسطے سب حاجیونکو حکم ہوا کہ اپنا اپنا بستر ابوریا لوٹا علحدہ علحدہ اوٹھا رکھین کہ اس طوطخ سے مال تجارت خلاص ہوگا اور اس شہر سے بھی مال تجارت لیا جائیگا چنانچہ کشتی ہاے تاجران ہر طرف جہاز کے مجتمع ہو گئی باستماع اس حکم کے عجب طرح کا انتشار ہو گیا دم بھر مین سبھون نے اپنا اپنا بستر ا اوٹھا لیا سب طوطخ کا تختہ اوٹھا کر علحدہ ہو گیا بوڑہ کھینچنے کی کل کھڑی ہو گئی گھرنی کل کی گھر گھر انے لگی اور مال اندر طوطخ کے جانے لگا تین روز تک سبھونکا فرودگاہ درہم برہم رہا کھانے پینے سونے بیٹھنے کا کچھ ٹھکانا نرہا بارے تیسرے دن بعد داخل خارج مال تاجران سب طوطخ بند ہو گیا سب لوگ اپنے اپنے ٹھکانے پر آ کر تکیہ بچھونا کہانے لگے واضح ہو کہ اسوقت بہت ہوشیاری و چالاکی درکار ہے کہ جلدی سے اپنا اپنا بستر الگا دین ورنہ جگہ چھین جانے سے کف افسوس ملنا ہوتا ہے اور چونکہ اسوقت ہر شخص اپنی اپنی جگہ کی خواہش کرتا ہے اسلئے شور و شر بھی ہوتا ہے اسوجہ سے ہم

ہندیونکو شیرین زبانی بھی ضرور ہے عرب و عجم خوب دہینگا مشتی کرتے ہین۔
غرض بعد تھوڑی دیر کے جہاز نے لنگر اٹھایا اور چند روز کے بعد عدن پہونچگیا
اور لنگر انداز ہوا یہان معلوم ہوا کہ عدن مین بھی جہاز چند روز لنگر انداز رہیگا
اور آیندہ بھی جابجا مال تجارتی لیتا دیتا جائیگا اس مین ایام گذاری بہت ہوگی
باستماع اس امر کے سب حاجیونکو بڑا تردد ہوگیا کہ اس ایام گزاری مین اگر
زمانہ حج کا خدانخواستہ گذر گیا تو قیامت ہے اسواسطے سبھون نے بڑا بلوا
کیا بلکہ چند اشخاص عدن مین جاکر محکمہ انگریزی مین مستغیث ہوئے کہ اگر ایام گزاری
مین زمانہ حج کا گذر جائیگا تو ہملوگ کا ہرج عظیم ہوگا اور جہاز پر بھی کپتان کو
سبھون نے بہت پریشان کیا اور بڑا ہنگامہ مچایا اسواسطے کپتان نے مالک جہاز
کو مقام بمبئی تار دیا کہ حاجیان بلوا کرتے ہین سو کیا حکم ہے پہلے حاجیون کو جدہ پہونچا دون
یا تاجرون کا مال خلاص کرین مالک جہاز نے بمبئی سے فوراً تار دیا کہ پہلے
حاجیون کو جدہ پہونچادو تب تاجرون کا مال خلاص کرو چنانچہ دوسرے روز
اہلیان جہاز نے سبھون کو خوشخبری سنائی کہ حاجیو حاجیو مالک جہاز کی اجازت
آئی اب پہلے آپ سب حاجیون کو جدہ پہونچا لینگے تب مال تاجرون کا
خلاص کرینگے اب آگے کہین لنگر نہوگا بمجرد استماع اس مژدہ کے سب
باغ باغ ہوگئے تا اینکہ بعد دو یک روز کے سب لوگون کو دیکھا کہ احرام حج
باندھنے لگے اور دو تین روز تک احرام باندھے رہے معلوم ہو کہ محاذی میقات
کے جہاز پہونچگیا مگر لنگر انداز نہوا اور روان رہا باوا این ہمہ سب حاجی احرام
باندھتے رہے ہم سب اہل عظیم آباد و لکھنؤ کا عزم بالجزم ہوگیا تھا کہ محاذی

میقات جہاز پر احرام باندھنا خالی دغدغہ سے نہین ہے اور ہمارے برادرم حاجی مولوی وزیر علی صاحب نے بھی تاکیداً ایساہی لکھا تھا کہ بمقام سعدیہ میقات پر پہونچکر احرام باندھنا محض بے دغدغہ ہوگا اسواسطے ہملوگون کا ارادہ مستحکم ہوگیا تھا کہ سعدیہ میقات امین پر پہونچکر احرام حج باندھینگے الغرض بمبئی سے بتیس اکیس روز مین جہاز جدہ پہونچکر لنگرانداز ہوا سب حجاج بہت بہت شکر خدا کرکے چھبیسوین ذیقعدہ کو جہاز سے فرود ہوئے اور کشتی ہای کوچک جو گرد جہاز مجتمع ہوگئی تھی مقرر کرکے معہ اسباب سوار ہوئے کشتی والون نے حسب معمول کشتی کو عین خانہ کمرک مین لگا دیا اور مردونکو اوتار دیا کہ محصول سرکاری داخل کرکے کنارہ دریا چلے آوین اور اسباب اوتروالین ہم سب مسافران راہ خدانی کس یک یک روپیہ محصول داخل کرکے اپنی کشتی پر آئے اور سب اسباب اوتروالیا اور سب عورتین بھی فرود آئین تا اینکہ شام ہوگئی تلاشی والہ عملہ شاہی برخواست کرکے پیادہ تعینات کرگئے کہ سب لوگ اسوقت کنارہ دریا شب باش قیام کرین صبح کو بعد تلاشی اندر شہر جانا ہوگا ناگزیر شباش سب لوگ مع اسباب کنارہ دریا فرود رہے جب صبح ہوئی عمال شاہی نے آکر ہر ہر صندوق کو کھولکر ہر ہر چیز کو خوب اولٹ پلٹ کرکے بخوبی تلاشی کی کوئی مال ناجائز نہ ملا اسپر بھی فی صندوق یک یک روپیہ محصول لیکیہ ہا کیا اور یہہ سب انتظام طرف سے سلطان روم کے مقرر ہے۔ الغرض بعد اس خرابی و تلاشی کے سب مسافران مع اسباب اندر شہر داخل ہوئے مرزا محمد علی صاحب نائب و سید ابو الفضل صاحب مطوف نے واسطے لیجانے حاجیان و زواران کی چند قطعہ مکانات کرایہ مین مقرر کرلیا تھا اونھین مکانون

ہم سبھونکو بھی جگہ دی کہ ہم سب مسافر وہان فرود ہوئے اور جو کچھ اسباب معرفت
مطوف صاحب کی بہ بار برداری شتران روانہ مکہ معظمہ کیا گیا اسباب زیادہ تھا
فی کس ایک ایک اونٹ سات سات روپیہ کرایہ پر مقرر ہوا اور واسطے سفر سعدیہ
کے ایک اونٹ اپنے واسطے بکرایہ مبلغ ہفتدہ روپیہ مع آمد و رفت تا مکہ
معظمہ اور دوسرا واسطے حاجی شاکر کے بکرایہ ہفت روپیہ مقرر کیا اور ایک
شغدف بھی دس روپیہ کو خرید کیا اور بتاریخ اٹھائیسوین ۲۸ شہر ذیقعدہ تاریخ
روانگی مقرر ہوئی اور جب شہر جدہ مین داخل ہوئے تو اپنی جدہ معظمہ حضرت
حوا علیہا السلام کے مزار مبارک کی زیارت کی بڑی تمنا ہوئی ایک خادم
کو وہان کے ہمراہ لیا اور برادرم میر مظفر حسین صاحب و مولوی نثار حسین
صاحب تینون آدمی واسطے زیارت قبر اطہر حضرت حوا کے چلے روضۂ
مبارک بڑا طول طویل بہت کلان نظر آیا ایک گنبد بالائے سر دوسرا قریب
کمر اور دونون پانون کا نشان تا سمندر پہونچا ہوا معلوم ہوا حسب ہدایت
اون خادم صاحب کے زیارت سے مشرف ہو کر مقام پر واپس آئے اور شکر
خدا کیا کہ پہلے زیارت سے اپنی جدہ معظمہ حضرت حوا کے مشرف ہوئے سید ابو الفضل
صاحب مطوف ماشاء اللہ بڑے مردم دیانت دار ہین ہملوگ سب مسافرون
نے کل اسباب و نقد روپیہ اور کاغذات نوشتہ وغیرہ باخذ رسید حوالہ اون
کے کر دیا کہ مکہ معظمہ پہونچکر واپس لینگے اور کچھ مختصر اسباب بقدر ضرورت
اخراجات آمد و رفت سفر سعدیہ کے ہمراہ لیا اور بتاریخ ۲۰ ذیقعدہ بسواری
شتران کہ جسکے دونون طرف شغدف مثل دو میانہ کو چک کے بندھا رہتا ہے

ایک طرف خود وایک طرف اہلخانہ سوار ہوئے اور شاکر تنہا ایک اونٹ پر بطور گھوڑہ کے سوار ہوا اور قریب شام سب حاجی روانہ ہوئے یہہ قافلہ آخری بہت چھوٹا تھا غالباً اونیس بیس اونٹ سے زیادہ نہوگا اور سفر پُرخطر تھا معلوف صاحب نے ایک شخص کو مرداد ﷺ مقرر کرکے ہمراہ کردیا تھا کہ وہ محافظ و مددگار رہینگے اول روز بمقام ہُدیدا مقام ہوا بعدہ یہہ طور رہا کہ تمام دن کھانے پینے آرام مین کٹتا تھا اور شب کو کوچ ہوتا تھا تاانیکہ چوتھے پانچوین دن بمقام سعدیہ میقات الیمن پر پہونچ گئے۔



چوتھے پانچویں روز ذی الحجہ کے بوقت صبح داخل مکہ معظمہ ہوگئے مرزا محمد علی صاحب مطوف نے ایک مکان کرایہ کا دلوادیا اوس مین سب لوگ فرود ہوئے اور بعد الفراغ اکل و شرب وغسل مستحب کے واسطے طواف خانہ کعبہ کے مستعد ہوگئے مرزا صاحب موصوف سب حاجیون کو ساتھ اپنے لے چلے قریب دوپہر حرم محترم میں داخل ہوئے۔



ایک روز مرزا محمد علی صاحب نائب مطوف و شیخ سالم افسر جالان

واحمد جمال نے ہملوگون کے پاس آکر کہا کہ عمال سلطانی نے کرایہ
شتران بابت آمد و رفت مدینہ منورہ تا جدہ باقرار اقامت
ایک ہفتہ بمقام مدینہ طیبہ فی شتر شغدف دار تیس ریال تجویز
کردیا ہے اور تاریخ روانگی قافلہ بھی مقرر ہوگئی ہے ۲۶ ذی الحجہ
کو قافلہ روانہ مدینہ طیبہ ہوگا۔ آپ سب حاجیون کو جتنے شتر
مقرر کرنے ہون مقرر کر لیجئے اور آمادہ سفر رہیے۔ چنانچہ
ہمنے ایک شتر باشغدف واسطے اپنے اور ایک شتر بہ نصف کرایہ
واسطے حاجی شاکر کے پینتالیس ۴۵ ریال پر کہ جسکا بحساب انگریزی
مبلغ ـــــــ ہوتا ہے مقرر کر لیا اور احمد جمال نے جو سفر
عرفات مین ہم سبھون سے بہت خوش ہوا تھا خود درخواست
واسطے لیجانے ہملوگون کے کی ہم سبھون نے بھی بدل منظور
کیا اور مرزا محمد علی صاحب اور سید ابو الفضل صاحب
معطوف کی بقدر وسعت خدمت کی اور علاوہ اوسکے حق امانت
اسباب کا بھی نذر کیا اور کل کرایہ شتران کا موصوف الیہ کو بے باق دیدیا
موصوف الیہ سفر مدینہ منورہ مین برابر ہملوگون کے ہم سفر و معین
و مددگار رہے اور جسقدر مال و اسباب نقد و جنس وغیرہ جدہ
مین حوالہ موصوف الیہ کے کر کے مکہ معظمہ پہونچکر واپس لے لیا
تھا اب بروقت سفر مدینہ منورہ کے اسباب صرف بقدر ضرورت
ہمراہ لیکر باقی سب اسباب مع نقد و نوٹ وغیرہ حوالہ موصوف الیہ

کے گیا کہ بعد مراجعت مدینہ منورہ کے جدہ پہونچکر کل اسباب
مفوضہ واپس لینگے - چنانچہ بتاریخ ۲۶ ذی الحجہ قافلہ مدینہ طیبہ جانے کو
طیار ہوگیا اور احمد جمال مع شتران واسطے ہملوگون کے
لیکر حاضر آیا اور باربرداری ہونے لگی سب حاجی یکے بادیگرے روانہ ہونے لگے
ہملوگ اوس روز بمقام وادی الفاطمہ بانتظار قافلہ متوقف ہوئے وہان ایک چھوٹی
پہاڑی سے ایک چشمہ آب خوب صاف وشفاف جاری تھا سب
لوگ اوس روز وہین مقیم رہے اور خوب غسل وطہارت کیا - شام
تک سب حجاج مجتمع ہو گئے اور قافلہ تین چار سو آدمیون کا شامل
ہوگیا کچھ رات رہے قافلہ روانہ ہوا اور منزل بمنزل قیام
ہونے لگا - آبادی بستی کہین کچھ نہین تھی - جہان جہان کنوان ملتا
تھا وہی منزل قرار پاتی تھی - بعد وادی فاطمہ بیر محسن بعد اوسکے
بیر عسفان بعد اوسکے بیر قدیمہ بعد اوسکے نصف راہ مین رابغ بلاد
جسکو اکثر رابق بھی کہتے ہین - یہان آبادی بستی کی بطور قصبہ
کے ہے اور قلعہ شاہی بھی ہے جس مین عسکر شاہی رہتے ہین
اور یہہ بستی کنارہ سمندر کے ہے اکثر چیزین کھانے پینے کی ملتی
ہین بعد اوسکے بیر ابی الحصان بعد اوسکے شریفہ قریب مدینہ
منورہ کے واقع ہے چنانچہ ہملوگ چلتے چلتے بتاریخ دہم محرم
الاحرام عین روز عاشورہ کو داخل مدینہ منورہ ہو گئے - مرزا
محمد علی صاحب بھی ہمراہ قافلہ تھے وہان بھی ایک قطعہ مکان پختہ

وسیع کہ جس مین سب لوگ بہ آسایش تمام قیام پذیر رہین کرایہ مین دلوادیا اور سب حجاج اوس مین قیام پذیر ہو گئے سب ہمراہیان نے صلاح کی کہ اعمال روز عاشورہ بجالا کر اعمال زیارت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بجالانا چاہیے۔ چنانچہ سب لوگ امام باڑہ موسومہ حسینیہ مین گئے اور اعمال زیارت عاشورہ بجالاے بعد اوسکی اپنے منزل پر آئے اور سب زوار ان ہمراہ شیخ امیر اللہ صاحب خادم حرم محترم مسجد نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مین داخل ہوئے۔ سبحان اللہ عجب بارگاہ عرش پناہ ہی کہ فرش سے عرش تک نور نظر آتا ہی حسب ہدایت خادم موصوف اولاً زیارت حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بعدہ زیارت حضرت سیدہ خاتون جنت فاطمہ زہرا بتول عذرا اندر ضریح مبارک حضرت رسول خدا اور پھر درمیان منبر وضریح مبارک بڑھکر دو دو رکعت نماز زیارت ادا کی اور بحصول اس نعمت عظمی کے سجدات شکر بجالایا کہ بعد حصول زیارت روضۂ مطہر رسول خدا اعمال حج کامل ہوگیا۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا ہی کہ جسنے حج کیا اور ہماری زیارت کو نہ آیا اوسنے مجھ پر ظلم کیا۔

••

علوم اسلامیہ

ہندستان اور مغرب میں فلسفے کی شرح نگاری کا روایتی انداز اور مسلمانوں کی شرحیں

مولانا محمد عبدالسلام خاں

مولانا محمد عبدالسلام خاں
(سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ رام پور)

ہندوستان اور مغرب میں فلسفے کی شرح نگاری کا روایتی انداز اور مسلمانوں کی شرحیں

(راجستھان یونیورسٹی، جے پور کے سمینار میں ۱۳ مارچ ۱۹۸۹ء کو پڑھا گیا)

حکمت وفلسفہ مسلم فلاسفہ کے نزدیک وجودی حقیقتوں کے واقعی احوال کو متوسط انسانی عقل کی رسائی تک جاننے اور سمجھنے کا اور اگر وہ عملی ہیں تو جاننے کے ساتھ ان کو عمل میں لانے کا نام فلسفہ ہے۔[1] چنانچہ اخلاقیات، معاشریات اور سیاسیات فلسفے کا عملی حصہ ہیں اور طبیعیات، ریاضیات اور مابعد الطبیعیات اس کا فکری اور نظری حصہ۔ یہاں فلسفے سے مراد یونانیوں کا یہ عام مفہوم نہیں بلکہ صرف مابعد الطبیعیات ہے، یعنی ایسی بنیادی حقیقت یا حقیقتوں کا علم جن کے جان لینے سے ساری وجودی حقیقتوں کی توجیہ و تشریح ہو سکے۔ اپنے اس معنیٰ میں فلسفہ بہت محدود اور صرف الٰہیات اور مابعد الطبیعیات کے چھوٹے سے حصے کا نام رہ جاتا ہے۔

مسلم فلاسفہ اور آزادیِ فکر اس محدود معنیٰ میں مسلم فلسفے میں مکمل آزادیِ فکر اور خالص فلسفیانہ غور و خوض کی تلاش زیادہ ترعبث ہے۔ مسلم فکر اسلام کے بنیادی عقائد اور اس کے عملی رخ کی سختی سے پابند رہی ہے، چنانچہ ان کا فلسفہ ایک خاص دائرے کے

---

[1] شرح ہدایۃ الحکمۃ از خیرآبادی، مطبوعہ شعلۂ طور ص ۵

اندر ہی محدود رہا۔ ان کا یہ فکری انداز مابعد الطبیعیات سے ہی مخصوص نہیں بلکہ ان کے تمام علوم و فنون میں عام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم فکر کو وہ آزادی میسر نہ آئی جو فلسفیانہ فکر کی پہلی ضرورت ہے، چناں چہ بنیادی فکروں کے اختلاف کی بنا پر ان میں مختلف اور متناقض مدارسِ فلسفہ وجود میں نہ آسکے۔ باری تعالیٰ کی ہستی اور اس کی وحدت ان کی فکر کا وہ بنیادی نقطہ ہے جہاں سے ان کا فکری سفر شروع ہوتا ہے۔ اسی بنیادی فکر کی بدولت ان کی الہیات کی قریب قریب سب بحثیں ان کی طبع زاد ہیں؛ رسالت حشر و نشر، ثواب و عذاب اور اُخروی سعادت و شقاوت ان کا اپنا فکری اثاثہ اور یونانی فکر پر اضافہ ہیں۔

نوفلاطونی فلسفہ اور مسلم فلاسفہ

اسے مسلمان فلسفیوں کی غلط فہمی کہیے، مخطوطے کا اپنا غلط انتساب باعث سمجھیے یا ترجموں کی غلطی مانیے کہ مسلمانوں تک یونان کے ارسطو کے نام سے جو الہیات پر تحریر پہنچی وہ اسکندریہ کے نوفلاطونی فلسفی اور افلاطینوس[1] کی الہیات کا ایک حصہ تھا جس میں فرفوریوس[2] کی تشریحات شامل تھیں[3]۔ چونکہ یہ نوفلاطونی فلسفہ متصوفانہ[4] تھا اور اسلامی عقائد سے بنیادی طور پر متصادم نہ تھا اس لیے مسلمانوں میں مقبول ہوگیا، ابونصر فارابی[5] نے اس کی تنقیح کی، افلاطون سے اس میں جو اختلافات پائے ان کی توفیق اور تشریح کی، شیخ ابو علی ابن سینا[6] نے شفا وغیرہ اپنی کتابوں میں اس کی تہذیب و تفسیر اور اس پر اضافے کیے[7]، مغرب میں ابن رشد[8] وغیرہ نے

---

[1] افلاطینوس مصر کا باشندہ تھا، روم میں معلم کی حیثیت سے سکونت اختیار کر لی تھی ۲۶۹ء میں وفات پائی۔

[2] فرفوریوس افلاطینوس کا شاگرد اور اس کا سوانح نگار ہے۔ افلاطینوس کی تحریروں کو اسی نے مرتب کیا تھا، ۳۰۳ء میں وفات پائی

[3] Arabic thought and its place in History by O'Leary P. 116

[4] A short History of Philosophy by Alexander P. 141

[5] ابونصر محمد بن طرخان ملقب بہ معلم ثانی متوفی ۹۵۰ء

[6] شرف الملک، الشیخ الرئیس ابو علی حسین بن عبداللہ بن سینا متوفی ۱۰۳۷ء

[7] مرقاۃ از فضل امام وغیرہ

[8] ابوالولید محمد بن احمد ابن رشد القرطبی متوفی ۱۱۹۸ء

اس کو رواج دیا، اس کی تفسیر کی، تکمیل کی اور زیادتیں کیں۔ ابن رشد اگرچہ مشرق میں زیادہ روشناس نہ ہوسکا اور شیخ الرئیس کا ہی طوطی بولتا رہا لیکن مغرب میں ارسطو کا سب سے بڑا شارح مانا گیا اور اپنے یہودی مداحوں کے توسط سے اس کا تشریحی فلسفہ مغرب کی درسگاہوں میں بار پا گیا[1] غرض نوفلاطونی فلسفہ ارسطو کی طرف غلط انتساب کی وجہ سے براہ راست یونانی فلسفہ سمجھا جانے لگا۔ چونکہ مسلم فلسفیوں نے اپنے اضافوں، تکمیلوں اور تنقیحوں کو الگ نہیں کیا تھا بلکہ قدما کی تشریحوں میں مخلوط کر دیا تھا[2] اس لیے وہ سب یونانی فلاسفہ کی ملک مان لی گئیں جب کہ حقیقت یہ تھی کہ اپنی مجموعی صورت میں یہ مسلمان فلاسفہ کی اپنی مستقل فکر تھی، یونانی فکر سے بالکل الگ۔ چنانچہ اس کو مسلمانوں کا فلسفہ اور اس کے مفکرین کو مسلم فلاسفہ کہا جانے لگا۔

مسلم فلاسفہ اور ان کی اصالتِ فکر

یہ سچ ہے کہ مسلم فکر کا سرچشمہ براہ راست بھی اور بالواسطہ بھی یونانی فلسفہ تھا، تاہم یہ کہنا مسلم فلاسفہ پر ظلم ہے کہ ان کی فکر میں اصالت اور اُپج نہیں ہے۔ مسلم فکر اگرچہ مذہب کے دائرے میں محصور رہی لیکن یہ دائرہ تنگ نہیں بلکہ اتنا وسیع تھا کہ اس میں الحاد تک سما گیا، بہت سی ایسی فکروں کو جو نہ صرف یہ کہ اسلام سے بے تعلق بلکہ اسلام کے مستند عقائد سے متناقض ہیں، ان کے حامیوں نے اس وسیع تر دائرے میں شامل رکھا ہے، چنانچہ اس دائرے میں محصور ہوتے ہوئے بھی مسلم فلسفے میں کافی اصالت اور طبع زادگی ہے۔ اسی فکری اصالت اور طبع زادگی کی بنا پر اس میں متعدد مذہبی فلسفیانہ مدارس وجود میں آئے اور پہلے پھولے مسلمانوں کا علم کلام اور پھر اس میں اعتزال اور اشعریت، تصوف اور باطنیت مسلمانوں کی فکری اصالت اور طبعی جدت کی پیداوار ہیں۔[3] میں پہلے بتا چکا ہوں کہ مسلمان فلاسفہ نے یونانی فکر کو جوں کا توں قبول نہیں کر لیا تھا۔ بلکہ اس میں ان کی اپنی تنقیحیں، طبع زاد تفسیریں، تکمیلیں اور اضافے بھی شامل تھے جو خالص فلسفے میں بھی ان کی اصالتِ فکر اور جدتِ طبع پر دلیل ہیں، ان مدارسِ فکر میں سے

ل Arabic thought and its place in History by O'Leary P. 253

ل۲ ابن رشد از رینان (ترجمہ جامعہ عثمانیہ) ص ۹۵

ل۳ ابن رشد از رینان (ترجمہ جامعہ عثمانیہ) ص ۸۹

تصوف نے تو ہندوستان پہنچ کر یہاں کی فکر پر اثر ڈالا بھی اور قبول بھی کیا۔ جیسا کہ ہندوستانی صوفیہ کے وجودی تصورات اور ہندو ویدانت کے تقابلی مطالعے سے اور مسلم صوفیوں کے عشق و محبت اور آخری زمانے کی ہندو بھگتی کے مقابلے سے ظاہر ہوتا ہے۔[۱]

مسلم فلسفہ پر عدم اصالت اور نقالیٔ محض کے بے جا الزام کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ مسلم فلاسفہ نے قدما خصوصاً ارسطو سے غیر معمولی حسنِ عقیدت کی بنا پر اپنی فکر کو اُن کی نمائندگی قرار دیا اور اُن سے لیے ہوئے اجزا کو اپنے تنقیحی، تکمیلی اور مستزاد اجزاء سے الگ نہیں کیا بلکہ ایک کُل کی صورت میں مرتب کیا، جہاں ضرورت سمجھی قدما کے اختلافات بھی ذکر کیے اور اُن کی تردید و توثیق بھی کی، لوگوں نے بے مقابلہ کیے اس کو یونانی فلسفے کی ترجمانیٔ محض سمجھا۔ یہ دوسروں سے ہی گلہ نہیں بلکہ خود ہمارے متاخرین نے بھی اُن کی اپنی خالص فکر کو قدما کی فکر سمجھ لیا۔

ہندو فلسفۂ قدیم مسلم مدارسِ فکر کے مقابلے میں ہندی مدارسِ فکر مکمل اصالتِ فکر کے حامل اور کامل آزادی سے بہرہ مند ہیں۔ کائناتی معمّے کو حل کرنے میں یہاں کے فلسفیوں نے پوری آزادی سے سوچا اور جو صحیح سمجھا اُسے پوری جرأت اور خلوص کے ساتھ بغیر کسی ہیر پھیر کے بیان کر دیا اور ملک میں پھیلے ہوئے عقیدوں اور برتے جانے والی رسموں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔[۲] چنانچہ یہاں کے مسلّمہ اور مستند مدارسِ فکر میں چارواکی، جینی اور بُدھ بھی شامل ہیں جو خدا کے مُنکر یا خدا سے بے تعلق ہیں، نہ ویدوں کی صداقت کے قائل ہیں نہ ان سے سند لیتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی ساتھ سانکھیہ، یوگ، ویدانت، میمانسا، نیائے اور وشیشک ہیں جو وید کو مانتے ہیں اور ان کو سند سمجھتے ہیں۔[۳] یہ دونوں قسم کے مدارسِ فکر پھلتے پھولتے رہے۔ قابلِ داد ہیں یہاں کے عوام کہ انھوں نے خدا بیزار فلسفوں کو نہ صرف یہ کہ برداشت کیا بلکہ ان کا احترام کیا اور بلا خوفِ ملامت اختیار بھی کیا۔

---

[۱] عرب و ہند کے تعلقات از سید سلیمان ندوی ص ۲۴۶ و Influence of Islam on Indian Culture by Tara Chand PP. 112-416, 143, 151, 152

[۲] Indian Philosophy by Max Muller, Vol. one, Introduction PPX, XI

[۳] تاریخ ہندی فلسفہ از ایس این داس گپتا (ترجمہ جامعہ عثمانیہ) جلد اول ص ۹۶-۱۰۰

ہندی فلسفے کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ فکر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک طرح کا برتاؤ، عقیدہ اور مذہب ہے جس کے ہندوستانی زندگی اور کردار پر مثبت اثرات ہیں۔

فلسفیانہ فکر میں کامل آزادی کے باوجود کچھ تصورات یا معتقدات ایسے بھی ہیں جو ہندی آریاؤں کے ضمیر میں شامل ہیں اور انھوں نے ان کو نہایت واضح ہونے کی بنا پر عینی مشاہدات اور طبیعی مظاہر جیسی حیثیت دے دی ہے اور سامنے کی دیکھی بھالی حقیقتیں مان لیا ہے۔ مثلاً عمل، تناسخ اور نجات کے عقیدے جو فلسفیانہ سہی مگر کسی خاص مدرسۂ فکر سے مخصوص نہیں بلکہ ہندوستانی زندگی کے لازمی جزو بن گئے ہیں اور عوام و خواص دونوں میں مذہبی عقیدے کے طور پر ملتے جاتے اور برتے جاتے ہیں اور یہی عقیدے ہندوؤں کا گویا بین الفرقاتی مشترک مذہب ہے۔

ہندی فلسفہ باوجود مکمل آزاد ہونے کے اس کے اہم مدارسِ فکر نے یہاں کی الہامی کتابوں سے اپنا رشتہ توڑا نہیں بلکہ انھیں کی نمائندگی کے دعوے دار رہے، چاہے یہ دعویٰ لفظوں سے آگے نہ بڑھے۔ شاید ہندوستان کا یہی خاص اندازِ فکر ہے جس سے ہندوستانی فلسفے کی اس روایت نے نشوونما پایا کہ شارحین نے کسی متن یا فکر کو سامنے رکھ کر پوری آزادی سے اپنی ذاتی فکر کی توضیح و تشریح کی اور اصل متن یا فکر کی توضیح و تشریح سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ مثال میں بادراین کے ویدانت سوتروں اور شنکراچاریہ کی شرح کو پیش کیا جاسکتا ہے لے

مغربی اور مشرقی شرح نویسی

یونانی فلسفوں کی شرح نویسی | مغرب کے قدیم یونانی فلسفے میں کسی خاص متن کو سامنے رکھ کر اس کی تشریح کی مثال میرے علم میں نہیں۔ ہاں اپنی فکر کے ساتھ معاصر یا متقدم فلسفیوں کے رایوں کے بیان، ان کی تائید و تردید، اصلاح، ان پر اضافہ اور نقد و تبصرہ کر دیا جاتا تھا۔ افلاطون کی فکروں اور راویوں پر ارسطو کے تبصرے اسی انداز کی تشریح کی مثالیں ہیں لیکن ۲۰۰ء کے بعد

لے Indian Philosophy by Max Muller Vol. two P. 5

سے نیا میلان شروع ہو گیا اور یونانی کی خصوصی فلسفیانہ متون کی حامل المتن شرحیں لکھی جانے لگیں۔ ان شرحوں کا بیشتر حصہ ارسطو کی کتابوں کی شرحوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ان میں کچھ شرحیں مخلوط بھی ہیں کہ جن میں شرحیں اور متن ممتاز اور الگ الگ نہیں مزید برآں اکثر شروح محض شرح نہیں بلکہ ان میں شارحین کے خالص اپنے نظریات بھی مخلوط ہیں[1] چنانچہ مدرسہ اسکندریہ جو قدیم یونانی فلسفے کی آخری سانسیں تھیں، اس کے نام لیواؤں، نوفلاطونی فلسفیوں میں کسی مستقل متن کو اپنی تشریحات کے ساتھ پیش کرنے کی مثال فرفوریوس کی اپنے استاذ افلاطینوس کی اینڈس (Enneads) یا کتاب التسع کی تلخیص و تفسیر ہے[2] جو مخلوط انداز کی شرح ہے۔

قرونِ وسطیٰ کے مغربی فلاسفہ میں شرح نویسی

قرون وسطیٰ کا کلامی فلسفہ جو نویں صدی سے پندرھویں صدی عیسوی تک پھیلا ہوا ہے اور مسلم فلاسفہ کے زیرِ اثر اور ان کے واسطے سے اسکندریہ کے نوفلاطونی فلسفے پر مبنی ہے[3] یونانی شارحین کی یہ روایت یعنی خاص متن یا فکر کو سامنے رکھ کر شرح کرنے کا دستور ان میں بھی قائم رہا، ساتھ ہی ساتھ یونانی فلسفے کی قدیم روایت بھی ان کے یہاں جاری رہی کہ وہ مستقل تصنیفوں کے ذریعے سے اپنے کلامی فلسفے کو پیش کرتے ہیں اور اس ضمن میں دوسروں کی رایوں کو بیان کر کے اُن پر نقد و تبصرہ کرتے ہیں، قبول بھی کرتے ہیں اور رد بھی۔ ایکوینا اس کی سماتھیا لوجیا (Summa Theologia) کو اس اندازِ بیان کی مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے[4]

مغرب کے فلسفۂ جدید کی شرح نویسی

مغرب کے کلامی فلسفے کے نقد و تبصرہ کی روایت جدید مغربی فلسفے میں بھی آئی۔ چنانچہ اصلاحی عہد اور اس کے بعد کے فلسفی اپنے اپنے مخصوص فلسفے کو قدمائے یونان کے انداز پر مستقل تصنیفوں میں پیش

---

[1] Simplicius on Aristotle edited by Richard Sorabji (Appendix) P. 141,142,14.

[2] Arabic thought by O'Leary P. 116

[3] A short history of Philosophy P. 157,158

[4] ابن رشد از رینان ص ۱۹۵، A short history of Philosophy P. 167-168

کرتے ہیں اور اسی ضمن میں دوسروں کی رایوں پر نقد بھی کرتے جاتے ہیں اور تایید و تردید بھی۔ ڈی کارٹ، برکلے، ہیوم اور کانٹ کی تصانیف کا یہی انداز ہے۔

معاصر اور جدید عہد میں کسی فلسفی کی پوری فکر یا مخصوص جزوی فکر کی تشریح اور اس پر نقد و تبصرہ کی ایک نئی روایت قائم ہوئی۔ زیرِ تبصرہ فکر کی تشریح میں اس کے مخصوص مصطلحات کی تشریح اور اس کے مشکل و مبہم تصورات کی توضیح بھی آجاتی ہے۔ ان تبصروں میں کوئی خاص تصنیف سامنے نہیں رکھی جاتی بلکہ مجموعی یا جزوی فکر کو سامنے رکھا جاتا ہے۔

مغرب کا یہی اندازِ تشریح و تبصرہ معاصر ہندی و اردو شرح و نقد میں بھی آگیا۔ اردو میں اقبال کے خطبات اور اُن کی فکر کی تشریح و تبصرے پر برابر کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔ اس ذیل کی ہندی کتابوں کا جہاں تک تعلق ہے وہ بھی بکثرت بازار میں آرہی ہیں۔

قدیم فلسفۂ ہند کی شرح نویسی

یوں تو ہندوستان کے تمام آستک مدارس کی حیثیت کسی نہ کسی متن کی شرح تک محدود ہے لیکن یہ شرحیں اپنے اپنے متنوں سے قریب قریب آزاد ہیں اور شارحین کے اپنے مستقل فلسفے ہیں۔ اُن کو کسی سوتر کی شرح کہنا بہت مشکل ہے۔ اپنے فلسفے اور فکر کو شرح کہنے کی روایت ہندی فلسفیوں کی قدیم عادت ہے۔ سوتر تو درحقیقت پرانی مجلسوں کی بحث و تمحیص کی حافظے میں محفوظ اُن یادداشتوں کے سرے اور حوالے یا اشارے ہیں جو استاذوں سے شاگردوں تک زبانی پہنچتی تھیں۔ یہ سرے یا حوالے اس بحث و تمحیص کو یاد دلادیتے جو کبھی ہوئی تھیں۔ شارحین کچھ تو اپنے محفوظ ذخیرے سے اور زیادہ تر اپنی رائے کے مطابق ان روایتی تشریحات کے حوالوں کی آزادی سے تفسیر کرتے۔ تغیر کرتے بلکہ ایسی روایتی رایوں کو جو اُن کی اپنی رایوں سے متصادم ہوتیں یا جن کی حمایت ان کے لیے دشوار ہوتی تردید بھی کردیتے تھے۔ یہ تکمیلی تشریحات اور اصل میں اپنی طرف سے تغیرات پُرانے روایتی نظام میں ہی ترقی پاتے تھے[1]۔

مسلمان شارحین کا اندازِ تشریح

مسلمانوں میں شروح کی ابتدا غالباً قرآن کی تفسیر سے ہوئی جن کی عہدِ صحابہ میں ہی ترتیب و روایت شروع ہوگئی تھی[2]۔ جہاں تک

---

[1] تاریخ ہندی فلسفہ از داس گپتا ص ۹۲-۹۰

[2] الفہرست ابن ندیم (مطبوعہ مصر) ص ۵۵

کتبِ فلسفہ کی شروح کا تعلق ہے غالباً پہلی شرح فیلسوف العرب ابو یوسف یعقوب بن اسحاق کندی متوفی ۲۶۰ھ کی ارسطاطالیس کے بعض اقوال کی شرح ہے، فارابی اور شیخ نے بھی ارسطو کے بعض اقوال و فصول کی شرح کی ہے[1]

مسلمانوں میں شرح نگاری کا عام دستور یہ تھا کہ انہوں نے اصل متن کو سامنے رکھ کر نہ صرف یہ کہ متن کی شرح کر دی بلکہ متن کے معانی اور الفاظ پر ان کی نظر میں جو قابلِ رفع اعتراضات ہوئے، انہیں رفع کیا اور توجیہیں کیں اور جو رفع نہ ہو سکے انھیں بے جواب چھوڑ دیا۔ مسئلے کے متعلق اہم اور قابلِ ذکر اختلافات ہوئے تو انھیں بیان کیا، مختلف رایوں میں تطبیق کی اور اگر تطبیق نہ ہو سکی تو کسی ایک رائے کے وجوہِ ترجیح ظاہر کیے، متن کی توضیح و تفصیل کی کوشش کی اور اسی کو اولیت دی، اس ضمن میں اپنی رایوں کو بھی پیش کیا، متن کو جزءاً جزءاً خط کھینچ کر دوسری روشنائی سے لکھ کر یا متن کو مصنف کے قول سے اور شرح کو اپنے قول سے تعبیر کر کے الگ کیا اور اس کے لیے شرح کی اصطلاح وضع کی اور اگر متن کے محض اہم اور مشکل مقامات کی باندازِ بالا تشریح پر اکتفا کیا تو اس کا نام حاشیہ رکھا۔ ایسے حواشی جو حاشیہ نگاروں کی جدتِ فکر کے شہکار مانے جاتے ہیں۔ رسالہ قطبیہ، شرح تہذیب دوانی اور شرح مواقف[2] پر میر زاہد ہروی کے حواشی ہیں جو دقتِ نظر کے مثالی نمونے ہیں جن کو اختصار کے طور پر اساتذہ زواہد ثلثہ کہا کرتے تھے۔

شروح و حواشی کی متن کے مضمون سے موافقت و مطابقت اور اس کے مفہوم کی حقیقی تشریح مسلمانوں کی شروح و حواشی کی اگرچہ عام خصوصیت ہے لیکن اس میں مستثنیات بھی ہیں کہ شارحین نے پوری آزادی کے ساتھ صرف اپنے خیالات پیش کیے ہیں اور اصل متنوں کے مضمون اور ان کے

---

[1] الفہرست لابن ندیم (مطبوعۂ مصر) صفحہ ۳۵۸-۳۶۸

[2] رسالہ قطبیہ علم و ادراک پر قطب الدین محمد یا محمود بن محمد رازی متوفی ۱۳۶۵ء کا رسالہ ہے۔ تہذیب منطق پر سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی متوفی ۱۳۹۰ء کا رسالہ ہے جس پر قاضی جلال الدین محمد بن اسعد الدوانی کی شرح ہے۔ مواقف عضد الدین ایجی متوفی ۱۳۵۵ء کی علم کلام میں مشہور تصنیف ہے جس کی علی بن محمد الجرجانی المعروف بمیر سید شریف متوفی ۱۴۱۳ء نے شرح کی ہے۔ قاضی محمد زاہد بن محمد اسلم الہروی المعروف بمیر زاہد متوفی ۱۶۸۹ء

حقیقی مفہوم اور اس کی تشریح کو یک سر ترک کر دیا ہے اور متن اور شرح کے مضمونوں میں کوئی ربط و تعلق نہیں باقی رکھا ہے۔ تاہم اس اختلافِ مضمون کے باوجود شرحوں میں متون کے الفاظ اور عبارت سے بے تعلقی نہیں برتی ہے بلکہ ان کے معانی میں ہیر پھیر کر کے کسی نہ کسی طرح اپنی من مانی تشریح پر ان کو چسپاں کر دینے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح کی شرحیں جہاں تک میری نظر ہے تصوف سے مخصوص ہیں اور بیشتر قرآن کی تفسیر سے تعلق رکھتی ہیں۔ مثال کے طور پر مشہور صوفی صدر الدین محمد بن اسحاق القونوی متوفی ۱۲۷۵ء کی اعجاز البیان فی کشف ام القرآن کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ یہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ہے۔ اس میں تفسیر کے ذیل میں ان صوفیانہ اسرار کا بیان ہے جو اُن کے نزدیک سورت کے الفاظ اور اس کی تعبیروں میں مخفی ہیں۔ اسی طرح کی سورۂ فاتحہ کی ایک دوسری تفسیر ہے جو کاتب کے بیان کے مطابق حضرت حسین کی تصنیف ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ انتساب قطعی غلط ہے اور بظاہر تیرھویں صدی ہجری کے ربع اول میں ہندوستان میں ہی لکھی گئی ہے۔ ان کے علاوہ اس قسم کی تفسیریں پورے قرآن پر بھی حاوی ہیں اور ان کا ذکر تراجم اور فہرستوں میں ہے لیکن میری نظر سے نہیں گذری ہیں۔ ہماری درسی تفسیروں میں قاضی ناصر الدین ابو سعید عبداللہ بن عمر البیضاوی متوفی ۱۲۸۶ء نے اپنی تفسیر انوار التنزیل واسرار التاویل میں تفسیر کے ساتھ موقع بہ موقع متصوفانہ تاویلیں بھی کی ہیں لیکن یہ ضمنی نکات ہیں۔ اس سلسلے کی نہایت دلچسپ کوشش ابن حاجب کے "کافیے" کی شرح ہے۔ کافیہ نحو کی مشہور درسی کتاب ہے اور صرف عربی زبان کی نحو پر مشتمل ہے لیکن بلگرام کے عبدالواحد حسینی واسطی نے خالص صوفیانہ رنگ میں اس کی شرح کی ہے۔ یہ دسویں صدی ہجری کے اواخر یا گیارھویں صدی کے اوائل میں لکھی گئی۔ لیکن الفاظ کے کافی ہیر پھیر کے باوجود کافیے کے بہت چھوٹے ٹکڑے سے آگے نہ بڑھ سکی۔[۱] اگر تفتیش و تلاش کی جائے تو اس قسم کی شرحیں مزید ڈھونڈی جا سکتی ہیں۔ چونکہ اس قسم کی تفسیروں اور شرحوں سے اصل متنوں کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ اس لیے لوگوں نے شرح و تفسیر کی حیثیت میں ان کو اہمیت نہیں دی اور ان کو صرف نکتہ آفرینی اور ذہانت کا کرشمہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔

شرح اشارات

ان خصوصی شروح کو چھوڑ کر جو درحقیقت اپنی متوں کی شرح نہیں ہیں مسلمانوں کے روایتی انداز شرح نویسی کو واضح کرنے کے لیے مشہور مسلمان فلسفی شیخ ابو علی ابن

---

[۱] مآثر الکرام ص۲۴۳ و نزہۃ الخواطر جلد پنجم ص۲۶۳

سینا کی فلسفے میں ایک مختصر تصنیف 'اشارات' کی شرح کو مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں جس طرح صاحبِ اشارات چوتھی صدی ہجری کا سب سے بڑا فلسفی ہے۔ اسی طرح اس کا شارح امام رازی[1] چھٹی صدی ہجری کا مشہور اشعری متکلّم ہے' دونوں الگ الگ مدارسِ فکر کے نمائندے ہیں اور خلافِ فکر و رائے میں ایک دوسرے کے مدِ مقابل۔ پوری شرح پر نظر ڈالنا اور 'اشارات' میں جن جن مسائل پر بحث کی گئی ہے اور شارح کی ان کی توضیح اور ان پر اُن کی اپنی رایوں کا بیان تو اس مختصر مقالے میں ممکن نہیں اور نہ شرح نویسی کے مسلمانوں میں مروّج اسلوب کی وضاحت کے لیے ضروری' چنانچہ یہاں نمونے کے طور پر صرف ایک مسئلے پر اکتفا کرتا ہوں اور وہ بھی نہایت مختصر اور ضروری حد تک۔

متن کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ کا جزئیات کے متعلق علم اگرچہ محیط ہے لیکن وہ کلی حیثیت میں ہے' کیوں کہ وہ وحدت ہی وحدت ہے اور بے تغیّر' بے تبدّل جیسا تھا ویسا ہی ہے اور ایسا ہی ہمیشہ رہے گا اور جزئیات کو جزئی حیثیت میں جاننے سے اس میں تغیّر پیدا ہو جاتا ہے جو اس کی شانِ ہمہ فعلیت و کامل ناانفعالیت کے منافی ہے۔ شیخ باری تعالیٰ کے علم کی اس نوعیت کو پہلے دلائل سے ثابت کر چکا ہے۔ اس موقعے پر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ جزئیات کو جزئی حیثیت میں جاننے سے ذات میں کس طرح تغیّر راہ پا جاتا ہے' اس کو ثابت کرنے کے لیے وہ مثالوں سے صفات کی متعدد قسمیں گِناتا ہے اور واضح کرتا ہے کہ کس قسم کی صفات کی تبدیلی سے موصوف متاثر ہوتا ہے اور کس سے متاثر نہیں ہوتا' چنانچہ وہ کہتا ہے کہ "ان میں سے کچھ تو سیاہی' سپیدی جیسی صفات ہیں کہ ان کے بدلنے سے موصوف کا اپنا قائم وصف ہی بدل جاتا ہے کچھ اس طرح کی ہیں جس طرح کسی شے میں کسی دوسرے جسم کو حرکت دینے کی قدرت' اب اگر وہ خاص جسم ناپید ہو جائے تو اس مخصوص جسم کو حرکت دینے کی قدرت بھی جاتی رہے گی اور قدرت رکھنے والی شے کا یہ خاص وصف اس خاص جسم کے لحاظ سے تو بدل جائے گا لیکن اس تبدیلی سے قادر شے میں کوئی تغیّر راہ نہیں پائے گا' صرف قدرت کے تعلق میں تغیّر ہوگا کہ قدرت اب اس مخصوص جسم سے متعلق نہیں رہے گی لیکن جو وصف اس میں تھا یعنی قدرت وہ اب بھی جیسا کا تیسا رہے گا۔ کچھ اس قسم کی صفات ہیں۔ مثلاً ایک شے جانتی ہے کہ ایک خاص

---

[1] فخر الدین ابو عبداللہ محمد بن عمر البکری المعروف بالامام الرازی متوفی ۶۰۶ھ

چیز نہیں ہے، جب وہ موجود ہوئی تو اس کو علم ہوا کہ چیز ہے۔ اس حالت میں علم بھی بدلا اور اس کی نسبت اور تعلق بھی۔ اور محض کلی علم ہر ہر جزئی کے علم کو محیط نہیں بلکہ خصوصی جزئی کے لیے جدید علم، جدید تعلق کی ضرورت پڑے گی اور نفس میں نئے تعلق اور نئی صورت کا ارتسام ہوگا چنانچہ جو ذات تغیر و تبدل کا محل ہی نہیں اس کو پہلی اور تیسری قسم کا تغیر لاحق نہیں ہو سکتا۔ ہاں دوسری قسم کے تغیر کی معروض ہو سکتی ہے کیونکہ یہ تغیر تعلقات میں ہے جو ذات پر اثر انداز نہیں۔"

امام رازی نے پہلے شیخ کے اس بیان کا سابق سے تعلق و ربط بیان کر کے اس کا منشاء و مقصد بیان کیا کہ چوں کہ زمانیات کے لیے تغیر ناگزیر ہے اور زمانیات متغیرہ کے علم سے خود ذات باری متاثر ہوتی ہے اور اس میں تغیر و تبدل راہ پاتا ہے جو ذات باری میں ناممکن ہے، لہٰذا اس کے لیے ان کا علم بھی ناممکن ہے، چنانچہ پہلے صفات متغیرہ کو تین قسموں میں تقسیم کر کے ان تینوں قسموں کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا، ان کے حصر کی وجہ لکھی اور شیخ کی دی ہوئی مثالوں کو پوری وضاحت سے ان اقسام پر منطبق کیا اور ان قسموں میں سے پہلی اور تیسری قسم کی صفت سے ذات میں تغیر و تبدل کیسے راہ پاتا ہے۔ اس کی توضیح کی، پھر یہ بتایا کہ علم کلی ہر ہر جزئی کو کیوں محیط نہیں بلکہ ہر جزئی کے لیے نئے علم کی ضرورت ہے اور ہر نیا علم، نیا تعلق اور ذات باری میں اس کی صورت کا حصول چاہتا ہے اور ذات کا یہی انفعالی تاثر ذات کا تغیر ہے جو ذات باری میں ممکن نہیں، اس لیے وہ پہلی اور تیسری قسم کی صفات متغیرہ سے موصوف نہیں ہو سکتا، دوسری قسم کی صفات متغیرہ چونکہ ذات پر اثر انداز نہیں ہوتیں صرف تعلق بدلتے رہتے ہیں اس لیے ذات انھیں صفات سے موصوف ہو سکتی ہے۔ یہاں تک شیخ کے بیان کی بے کم و کاست تشریح اور مفصلاً اس کی تقریر تھی۔ اس کے بعد شیخ کے بیان پر اعتراض کیا کہ فلاسفہ تعلقات و اضافات کا خارجی وجود مانتے ہیں اور چوں کہ اس استدلال میں یہ مان لیا گیا ہے کہ باری تعالیٰ جن عارضی تعلقات و اضافات سے موصوف ہو سکتا ہے ان میں تغیر و تبدل ذات باری کے تغیر کو مستلزم نہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان عارضی صفات یعنی اضافات و تعلقات سے اس طرح متصف ہو سکتا ہے کہ پہلے ایک اضافت سے متصف ہو اور وہ زائل ہو گئی تو دوسری اضافت سے متصف ہوا گویا ذات پر اس عارضی اتصاف سے لاحق تغیر و تبدل جائز ہے تو پھر صفات حقیقیہ کی بنا پر ذات میں تغیر و تبدل کیوں ناممکن ہے اور اس نقطے پر صفات عارضہ یعنی تعلقات حادثہ میں

اور صفات حقیقیہ میں کیا فرق ہے اور کیوں ہے۔ تاہم اگر تم صفاتِ عارضہ اور صفاتِ حقیقیہ میں اس نقطے پر فرق کرتے ہی ہو تو سرے سے علم ہی کو صفتِ حقیقی نہ قرار دو۔

اپنے اس اعتراض کو قوی سمجھ کر بے جواب دیے چھوڑ دیا اور فلاسفہ کے مقابلے میں اس مسئلے کے متعلق اپنی ذاتی رائے بیان کی اور فلاسفہ کی غلطی پر متنبہ کیا کہ یہاں اصل غلطی یہ ہے کہ علم، معلوم کی ایسی صورت کو قرار دیا جو عالم کی ذات میں مرتسم ہوتی ہے اور ہر لحاظ سے اپنے معلوم یا متعلق علم کے مساوی ہوتی ہے اور ظاہر ہے صورتوں کا ذات میں ارتسام اور پھر ذات سے اُن کا زوال ذات کے تغیر میں اثر انداز ہوتا ہے اور ہم فلاسفہ کے اس غلط خیال کی کہ علم صورتوں کا ارتسام ہے، پوری طرح تردید کر چکے ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ علم درحقیقت صورت نہیں بلکہ عالم و معلوم کے درمیان ایک خاص قسم کی نسبت ہے اور بس۔ لہٰذا علوم متجددہ میں صرف نسبتیں اور تعلق بدلتے ہیں۔ ذات میں تغیر نہیں سرایت کرتا۔ چنانچہ علم میں تغیر صرف اضافتوں کا تغیر ہے نہ کہ مضاف الیہ اور ذات کا۔ اس کے بعد ان لوگوں کی تغلیط کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ جزئیات معلومہ کا تغیر ذات کے تغیر کو مستلزم نہیں، الاّ یہ کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ علم صورۃِ حاصلہ نہیں بلکہ مخصوص تعلق ہے اور تعلق کے تغیر سے ذات میں تغیر نہیں ہوتا۔ اس کے بعد علم کے اضافت ہونے کو تحقیقی طور پر بیان کیا ہے اور اس کی توضیح کی ہے۔ یہاں شیخ کے مذکورہ سابق قول کی، جس کو خود شیخ کی عبارت میں نقل کیا گیا ہے، شرح ختم ہو جاتی ہے۔ (ملاحظہ ہو شرح اشارات از رازی بر حاشیہ شرح طوسی مطبوعہ مصر ص ۶۴-۶۲ جزء دوم)

(اضافہ حسب فرمائش مکرمی جناب ڈاکٹر پی کے ترپی واستوا، راجستھان یونیورسٹی، جے پور)

مسلمان فلاسفہ و متکلمین کے ان اساطین کے علاوہ بعد کے لوگوں میں اثیر الدین مفضل بن عمر ابہری سمرقندی متوفی ۶۶۳ھ کی ہدایۃ الحکمۃ کی شروح میں آخوند صدر الدین محمد بن ابراہیم شیرازی معروف بملا صدرا کی شرح ہے جو اپنی تفصیل و تدقیق کے لحاظ سے بہت اہم سمجھی جاتی ہے اور سبقاً سبقاً پڑھائی جاتی رہی ہے۔ اس میں قدماء کے اختلافات، ان کے دلائل اور شارح کی اپنی تحقیقات کا مفصل بیان ہے۔ کسی خاص مسئلے پر ان کی شرح کا مفصل نمونہ بہت طولِ بیان چاہتا ہے جس کا یہ مختصر مقالہ متحمل نہیں، میں متن کے عنوان بحث اور اس کے ایک ٹکڑے پر شارح کی شرح و بحث کا صرف ایک مختصر سا خاکہ پیش کیے دیتا ہوں۔ باقی قیاس کُن زگلستان من بہار مرا۔

متن کا عنوان ہے "در زمان" اس کے تحت شارح نے اس کے تین مقصد قرار دیے ہیں۔ زمانے کے وجود پر تنبیہ[1]، اس کی ماہیت کی تحقیق اور اس کی ابدیت و ازلیت کا اثبات۔ اصل مقصدوں کی شرح سے پہلے شارح نے زمانے کے متعلق لوگوں کے اختلاف بیان کیے کہ کچھ لوگ اس کو حسی موجودات میں شمار کرتے ہیں اور کچھ ذہنی موجودات میں۔ حسی وجود کے قائل بعض اس کو جوہر اور قائم بالذات مانتے ہیں بعض عرض اور قائم بالغیر۔ جوہریت کے مدعی کچھ تو مجرد، غیر مادی مانتے ہیں جن کا ایک فرقہ تو اسی کو واجب تعالیٰ اور خدا کہتا ہے (ہمارے زمانے میں اقبال کی بھی یہی تحقیق معلوم ہوتی ہے) اور کچھ مادی اور جسمانی کہتے ہیں، جو عرض سمجھتے ہیں وہ اس کو ناقرار تو کہتے ہی ہیں، اس میں مختلف ہیں کہ وہ خود ہی حرکت ہے یا خود حرکت نہیں ہے۔

اس تفصیل کے بعد ہر مذہب کے دلائل، اُن کی خامیاں، ان پر غلط اعتراضات کی تردید پھر شارح کے نزدیک جو مسلک صحیح ہے اس کا اثبات ہے۔ یہ پوری بحث بہت دقیق اور عمیق مطالعہ چاہتی ہے۔

اس کے بعد بحث زمان جن مقصدوں پر مشتمل ہے ان میں سے پہلے مقصد یعنی اس کے وجود پر اصل متن کی تنبیہ کی شرح کی ہے، متن کی وجود زمان پر تنبیہ یہ ہے۔

"ہم نے کسی مسافت پر ایک خاص اندازے یعنی درجے کی تیز اور دوسری کچھ مدھم ساتھ ساتھ شروع اور ختم ہونے والی حرکتیں فرض کیں تو مدھم تیز کی مسافت سے کم مسافت طے کریگی اور تیز مدھم سے زیادہ مسافت طے کریگی اور اگر دونوں حرکتوں کی شروعات اور ختم میں سے کسی ایک میں ہی موافقت ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں طے شدہ مسافت یکساں بھی ہوسکتی ہے اور دوسری حرکت میں اگر یکساں درجے کی تیزی فرض کریں اور شروع و ختم میں موافقت ہو تو تم دونوں کی طے کی ہوئی مسافت کی مقدار ایک ہی پاؤگے اور اگر ایک شروع ہوئی اور دوسری شروع نہیں ہوئی لیکن ختم ساتھ ساتھ ہوئیں یا اس کے برعکس ہوا تو ایک کی طے کی ہوئی مسافت دوسری کی طے کی ہوئی مسافت سے کم ہوگی اور ایسا واقع ہوا تو تیزی کی شروعات اور ختم کے مابین ایک امکان یعنی ایک ایسی محدود شے پیدا ہوئی کہ جس میں ایک معین مسافت کو معین تیزی کے ساتھ طے ہونے کی گنجائش اور معین مدھم حرکت کے لیے پہلی سے کم مسافت طے کرنے کی گنجائش ہے (یعنی ایک ہی وسعت میں تیز اور مدھم دونوں حرکتوں کو سمالینے

[1] وضاحت طلب بدیہی کی دلائل سے توضیح تنبیہ کہلاتی ہے یہ دلائل حقیقی دلائل نہیں ہوتے بلکہ توضیحات ہوتے ہیں۔

کی قابلیت ہے)۔ اور یہ محدود شے (یا گنجائش حرکت کے لیے نہ تو بعینہٖ مسافت ہے نہ حرکت ہے نہ تیزی اور مدھم پن ہے، کیوں کہ ان میں سے ہر ایک میں اختلاف ہو سکتا ہے جبکہ گنجائش بحالہ رہتی ہے اور یہ سب موافق ہو سکتے ہیں جبکہ گنجائش مختلف ہوتی ہے۔ امام رازی نے مباحثِ مشرقیہ میں اسی دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس دلیل میں تیزی اور مدھم پن جن کے مفہوم میں زمان شامل ہے اور حرکتوں کی شروعات اور ختم میں ساتھ ساتھ ہونا جس کے معنی زمانی معیت ہیں ملحوظ ہیں اور دونوں امروں کا ثبوت زمان کے ثبوت کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ اس دلیل میں دور (یعنی ہیر پھیر) ہے (کہ زمانے کے ثبوت سے پہلے ہی زمانے کو ثابت ماننا پڑتا ہے اور اس طرح زمانے کا ثبوت خود زمانے پر موقوف رہتا ہے) پھر خود ہی امام نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس دلیل سے مقصود زمانے کا وجود ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ مقصود زمانے کی ایک خاص نوعیت کو ثابت کرنا ہے کہ وہ حرکت کی مقدار ہے کیونکہ اس کا اصل وجود تو واضح ترین بدیہیات میں سے ہے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ زمانہ ظاہر الوجود اور خفی الماہیۃ ہے (چوں کہ شارح نے اصل بحث کے مقاصد میں زمانے کے اثبات اور اس کے مقدار حرکت ہونے کے اثبات کو الگ الگ مقصد قرار دیا ہے اور امام کا جواب اس پر مبنی ہے کہ مقصد زمانے کا اثبات نہیں بلکہ اس کے مقدار حرکت ہونے کا اثبات ہے۔ اس لیے شارح کے بیان کے پیشِ نظر) مناسب توجیہہ یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اصل غرض یہاں زمانے کو اس حیثیت میں ثابت کرنا ہے کہ اس پر اس کے مقدار حرکت ہونے کا اثبات مرتب ہو سکے اور یوں بھی جواب دیا جاتا ہے کہ ان امور کے وجود کا علم زمانے کے وجودِ حسی کے علم پر موقوف نہیں کیوں کہ جو لوگ اس کے وجودِ حسی کے قائل نہیں۔ وہ بھی شے کی شے سے معیت اور حرکتوں کے ایک دوسری سے تیز اور مدھم ہونے کے معترف ہیں اور اس اعتراف کے لیے زمانے کا فی الجملہ تصور کافی ہے، چاہے اس کا حسی وجود ہو چاہے ذہنی، لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس دلیل کا مقصد زمانے کا حسی وجود ثابت کرنا ہے "اور دلیل میں مذکورہ امورِ زمانہ کے فی الجملہ وجود پر موقوف ہیں نہ کہ اس کے وجودِ حسی پر"۔ لہٰذا دور لازم نہیں آتا۔ جواب کی تقریر کے بعد شارح نے اس جواب کے غلط موقف پر متوجہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ بنیادی طور پر یہ جواب اگرچہ صحیح ہے لیکن اس کی یہ تقریر صحیح نہیں ہے چنانچہ کہتے ہیں کہ)

- زمانے پر موقوف ان امور کی اصل حقیقتیں ہیں نہ کہ ان امور کے وجود کا علم، ان کے وجود کا علم تو اُن بدیہیات میں سے ہے جو زمانے کے حسّی ہونے یا ذہنی ہونے کے لحاظ کا محتاج نہیں اور دلیل میں جس کا لحاظ ہے وہ یہ (یعنی علم بالوجود) ہے نہ کہ وہ" (یعنی ان کے مفہوموں کا تصور اور اصل حقیقتیں، چنانچہ موقوف اور موقوف علیہ الگ الگ ہیں لہٰذا دور لازم نہیں)

شرح و متن کے اس اقتباس سے ملا صدرا کی شرح نگاری کا اسلوب سامنے آچکا ہوگا اور اشارات کی شرحِ رازی اور ہدایۃ الحکمۃ کی شرحِ صدر کا فرق بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ پہلی میں متن اور شرح "اس نے کہا" اور "میں کہتا ہوں" کی تصریح کے ساتھ ہے اور دوسری میں متن کو شرح سے متن پر خط کھینچ کر یا دوسرے رنگ سے لکھ کر ممتاز کیا گیا ہے۔ اب میں غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لیے محض متن سے استدلال کی تکمیل کیے دیتا ہوں اور شرح کو نظر انداز کرتا ہوں۔

"یہ امکان (یا گنجایش) کم اور بیش ہونے کے قابل ہے اور ناقرار ہے کیوں کہ اس کے اجزا ساتھ ساتھ نہیں موجود ہوتے۔ چنانچہ یہ امکان (یا گنجایش) ناقرار مقدار ہے اور زمانے سے بھی مراد ہے،، یہاں تک زمانے کے وجود پر تنبیہ تھی جو بحث کا پہلا مقصد تھا، آگے اس کی ماہیت کی تحقیق اور اس کی ازلیت و ابدیت کا بیان ہے جس کو چھوڑتا ہوں۔ (شرح ہدایۃ الحکمۃ از ملا صدرا مطبوعہ مطبع علوی ص ۲۳۶-۲۴۰)

مسلمان فلسفیوں کی شرح نویسی کا یہ عام اور روایتی نمونہ ہے اور شرح کا یہ روایتی اسلوب فلسفیانہ شرح سے مختص نہیں بلکہ غیر فلسفیانہ شرح و حواشی تک میں عام ہے لیکن موجودہ عہد میں قرآن، حدیث اور منظومات کی شروح و حواشی کو چھوڑ کر بالکل متروک ہو چکا ہے۔ قرآن، حدیث اور منظومات میں اس قدیم اسلوب کے باقی رہنے کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ ان میں مختلف وجوہ سے الفاظ و عبارات کی بھی خصوصی اہمیت ہے۔

جہانِ سرسیّد

سرسیّد کی دینی برکتیں

مولانا عبدالحلیم شرر

سرسید کی دینی برکتین

ایک

مدلل پر معنیٰ اور فاضلانہ لکچر

جو

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر مدظلہ العالی کی زبان حقیقت ترجمان

سے

ایک سال سرسید مرحوم کی برسی کے موقع پر ایک عظیم الشان مجمع مین سنا گیا

اور

خاکسار محمد سراج الحق منیجر و پبلشر دلگداز نے

سنہ ۱۹۱۳ع مین

دلگداز پریس لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان مین چھاپ کے

شائع کیا

طبع ثانی

قیمت فی نسخہ

عرض حال

سرسید مرحوم کی برسی کے زمانے مین مولوی محمد عزیز مرزا صاحب مرحوم و مغفور کی کوشش سے تقریباً ہر سال مین حیدرآباد مین جلسہ سرسید مرحوم کی یاد تازہ کرنے کے لیے کیا جاتا تھا چنانچہ ایک سال ایسے ہی موقع پر مولوی عزیز مرزا صاحب نے مجھے مجبور کیا کہ اُس صحبت ان مین سید صاحب مرحوم کی دینی برکتون پر کچھ عرض کرون۔ مین بالطبع ایسے جلسون سے بھاگتا ہون۔ اور جہان تک بنتا ہے علیحدہ ہی رہتا ہون مگر مولوی صاحب مرحوم کے اصرار سے مجال انکار نہ ہوئی۔ اور مین نے یہ لکچر جو پبلک مین پیش کیا جاتا ہے ایک بہت بڑے مجمع مین جس کے پریسیڈنٹ مسٹر اکبر نذر علی حیدری تھے پڑھ کے سنایا۔ اس عنوان سے تو اکثر حضرات چونکے تھے۔ مگر اس کے سُن لینے کے بعد مین نہین سمجھتا کہ کسی نے اس پر اعتراض یا اس سے اختلاف کیا ہو۔

پہلے اسے میرے دوست ظفر علی خان صاحب بی۔ اے ایڈیٹر زمیندار نے اپنے رسالہ "دکن ریویو" مین شایع کیا تھا۔ پھر جناب منشی حسن الدین خان صاحب خاموش کی قدردانی سے عزیزی پریس آگرہ مین ایک مستقل رسالے کی حیثیت سے طبع ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر حضرات اسے دلگداز پریس سے طلب فرمانے لگے۔ اسی خیال سے مین نے اُسے دلگداز پریس مین بھی طبع کر دیا

اکثر حضرات کی خواہش تھی کہ اس ایڈیشن مین کچھ اضافہ کر دیا جائے۔ مگر چونکہ یہ وہ چیز ہے جو پبلک مین پیش ہو چکی ہے اور ایک خاص جلسہ کی یادگار ہے لہذا مجھے مناسب نہین معلوم ہوا کہ اُس مین کچھ رد و بدل کیا جائے۔

بس اس سے زیادہ کچھ عرض کرنے کی مجھے ضرورت نہین معلوم ہوئی۔

خاکسار محمد عبدالحلیم شرر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سر سید احمد خان کی دینی برکتین

سر سید کے خلاف جو ہنگامہ آج سے ۳۰ - ۳۵ سال پہلے زور و شور پر تھا - اُن کی زندگی ہی مین کم ہو چلا تھا - اور اب اُن کے انتقال کے دس گیارہ برس بعد تو ہم دیکھتے ہین کہ وہ سب اختلافات ہباءً منثوراً ہو گئے - اور ہر شخص اتنا ضرور تسلیم کر رہا ہے کہ سید مرحوم مسلمانون کے سچے خیر خواہ اپنی قوم کے فدائی - اور اپنے ہم مذہبون کے ولی دوست تھے - اس بکا اعتراف کرنے مین بھی کسی کو تامل نہین کہ اُن کی ذات سے مسلمانون کو بہت بڑا فائدہ پہونچا - بلکہ اکثر صاحب عقل عاقبت اندیش اور زمانہ شناس لوگ دعوے کرتے ہین کہ ممالک متحدہ و پنجاب ہی نہین سارے ہندوستان کے مسلمانون کو صرف ایک شخص نے تباہی و پامالی سے بچا لیا - اور وہ شخص سر سید تھا - لیکن سید صاحب کی زندگی کے اس رخ پر کہ قوم کو اُن کی ذات سے کیسے کیسے دنیوی فائدہ حاصل ہوے بہت کچھ غور کیا جا چکا - اور بے انتہا بحثین ہو چکین - اور تسلیم کر لیا گیا کہ مسلمانون کی دنیوی ترقی کے لیے اُن کی ذات ایک فرشتہ تھی - چنانچہ جب اُن کا نام آجاتا ہے تو ہر جگہ تحسین و مرحبا کی صدائین زور و شور سے گونجنے لگتی ہین - لہذا اب اس بارۂ خاص مین کچھ کہنے یا ہم وطنون اور ہم مذہبون کو بتانے اور سمجھانے کی بہت کم ضرورت باقی رہی ہے -

اسی لیے ہم آج سید صاحب کی زندگی کا ایک دوسرا رخ اختیار کر کے اس امر پر بحث کرنا چاہتے ہین کہ سید مرحوم کے ظہور اور اُن کی مجتہدانہ کوششون سے مذہب پر کیا اثر پڑا - اور آیا اُن کی ذات سے مذہب کو بھی کچھ فائدہ پہونچا یا نہین اگرچہ سچ یہ ہے کہ اُن کی زندگی پر اس حیثیت سے بحث کرنے کا صحیح وقت ابھی نہین آیا ہے - سید صاحب اس بارے مین جو کچھ کر رہے تھے اُس کو تعلق موجودہ دور کے مذاق موجودہ تعلیم - موجودہ انقلابات - اور موجودہ رفتار کے آخری نتائج سے تھا - اور وہ نتائج گو ہر جگہ ظاہر ہونے لگے ہین مگر ابھی اُن کا بہت کچھ ظاہر ہونا باقی ہے - اور خوب یاد رکھنا چاہیے کہ یہ نتائج جو جو زیادہ ظاہر و نمایان ہوتے جائین گے اُسی قدر سید صاحب کی مذہبی برکتین بھی

زیادہ نمایاں اور روشن ہوتی جائینگی۔ اور روز بروز زمانہ زیادہ وضاحت سے بتاتا جائیگا کہ سید صاحب کیا تھے اور مسلمانون کو من حیث الدین کیا فائدہ پہونچا گیے۔

اسلام کی گزشتہ بارہ صدیان اوج عروج مین گزر گئی تھین۔ جبکہ فقہ اسلام اُن کے ممالک کا قانون تھی اور حقیت اسلام کی دلیلون مین حکومت کا زور بھی موجود تھا۔ اُن کے اوضاع و اطوار ملک کی فیشن تھے۔ اور دولتمندی کی وجہ سے غیر قوم اور غیر مذہب والون کو بھی اُن کی ہر وضع مین ایک ادا اور اُن کی ہر بات مین ایک خوبی نظر آتی تھی۔ مسلمانون ہی کو اپنی معاشرت اور اپنے مذہبی رسوم پر ناز نہ تھا۔ بلکہ دیگر مذاہب والے بھی اُن کی صحبتون اور اُن کی عادتون کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے اور اُن کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی نہین۔ امتداد زمانہ نے مسلمانون کو باور کرا دیا تھا کہ اگر کوئی غیر قوم یا غیر مذہب والی جماعت اُن پر غالب بھی آئے گی تو وہ بھی اُن کے نقش قدم پر چلنے کے لیے مجبور ہوگی۔ اور اُن کے مذہب و اخلاق کو اختیار کرکے ترقی اسلام ہی کا ذریعہ بن جائے گی۔

تیرھوین صدی ہجری مین یکایک یہ انقلاب ہوا کہ خدا نے عنان حکومت اُن کے ہاتھ سے نکال کے یورپ کے مسیحیون کے ہاتھ مین دی۔ اور یہ لوگ تاتاری نہ تھے کہ مسلمانون پر حکمران ہونے کے بعد اُن کے کیش و آئین کو اختیار کر لیتے اور مسلمان ہو جاتے بلکہ اُنھون نے خود اپنے اوضاع و اطوار قائم رکھے اور جن چیزون کو مسلمانون سے لیا بھی تھا اُن مین غیر معمولی ترقی کرکے اس درجہ کو پہونچ گئے کہ وہ چیزین غیر سے لی ہوئی نہین بلکہ خود اُن کی اور اُن کے مغربی رنگ مین رنگی ہوئی نظر آتی تھین۔

ایسے انقلابات مین ہمیشہ دو صورتین ہوا کرتی ہین۔ اگر غالب و فاتح قوم ظالم و بے رحم اور متعصب و بے درد ہوئی تو مغلوب و مفتوح قوم کو بالکل پامال اور ہمیشہ کے لیے تباہ و برباد کر دیا کرتی ہے۔ جیسا کہ اگلے دنون آریہ لوگون نے ہندوستانیون کے ساتھ بابل و اسیریا والون نے یہود وغیرہ کے ساتھ اور فارسیون نے بابل کے صابئین کے ساتھ اور قرون وسطی مین کیتھائیلک عیسائیون نے ہسپانیہ کے مسلمانون کے ساتھ کیا اور اگر فاتح و غالب قوم منصف مزاج ہوئی تو مغلوب و مفتوح قوم بے شک دست برد زمانہ سے بچ جاتی ہے جس کی مثال خود ہندوستان کی اگلی اسلامی سلطنت

تھی۔ ہمیں اپنی خوش نصیبی پر خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ جس قوم نے ہمیں مغلوب کر کے مفتوح بنایا وہ انسانیت کے اعلیٰ اوصاف سے متصف اور منصف و غیر متعصب ہے جس کی وجہ سے ہماری قوم کا دست برد زمانہ سے بچ کے زندہ رہ جانا یقینی تھا۔

مگر اس صورت میں بھی ایک نہت بڑا اندیشہ ہے جسے کسی ظالم قوم کی ماتحتی کے اندیشہ سے کم نہ خیال کرنا چاہیے۔ ایک مذہب اور ایک قوم کی مفتوحی و مغلوبی کا ابتدائی زمانہ انتہا سے زیادہ تعصبات سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ایک ضد پیدا ہو جاتی ہے کہ ہمیں اپنے فاتحوں کی ہر چیز سے نفرت کرنی چاہیے۔ نہ اُن کے اوضاع و اطوار اختیار کرنا چاہیے بلکہ اُن کے ساتھ ملنے جلنے اور اُٹھنے بیٹھنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسی قوم اپنے زمانے کی ترقیوں سے محروم رہ کے خود ہی تباہ و پامال ہونے لگتی ہے پھر اس کے چند روز کے بعد جب محکومی کی عادت پڑ جاتی ہے اور دل زمانے کی ناسازگاری کو گوارا کر لیتا ہے تو یکایک ایک دوسری متضاد کیفیت شروع ہو جاتی ہے جسے انگریزی میں ری ایکشن کہتے ہیں۔ یعنی اپنی تمام چیزیں بُری اور حقیر نظر آنے لگتی ہیں۔ اور یہ حالت ہو جاتی ہے کہ اپنے وضع و لباس اوضاع و اطوار اور کیش و آئین تک ہیں ایسے معیوب نظر آنے لگتے ہیں کہ مفتوح قوم کو خود ہی اپنی عادتوں اپنی رسموں حتیٰ کہ اپنی صورت تک سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اور اگر حاکم قوم ہندوؤں اور یہودیوں کی سی نہ ہو جو کسی غیر قوم والے کو اپنی قوم و مذہب میں شریک ہی نہیں کرتے تو مفتوح قوم آہستہ آہستہ فاتحوں کے دین و ملت میں داخل ہوتے ہوتے فنا ہو جاتی ہے۔

اگلی تمام فنا شدہ قوموں کی یہی تاریخ ہے۔ اور یہی تاریخ ہماری قوم اور خصوص مسلمانان ہندوستان کی ہے۔ مگر وہ اس تاریخ کی انتہا تک نہیں پہونچنے پائے تھے کہ سرسید نے درمیان میں آ کے روکا۔ اور زمانے کی اُس خطرناک گاڑی سے اُتار لیا جو انھیں زوال و ہلاکت کی طرف لیے جاتی تھی۔ چونکہ انگریزوں کی قوم انصاف پسند اور غیر متعصب تھی اس لیے ان دونوں مذکورۂ بالا مدارج کو طے کرنا ہمارے لیے ضروری تھا۔

غدر کے بعد ہم میں انگریزی زبان اور انگریزوں کی تمام باتوں سے جو نفرت تھی وہ بھی ظاہر ہے اور آپ میں سے اکثر حضرات اُسے دیکھ چکے ہوں گے۔ اور اُس کے بعد اب انگریزی اوضاع و اطوار کا جو شوق بڑی تیزی کے ساتھ ہماری قوم میں بڑھتا

جاتا ہے اُس کو بھی آپ دیکھ رہے ہین-

اِس قدر ہماری تمہید کا پہلا جزو تھا- اب ہم تمہید ہی مین ایک دوسرے جزو کی حیثیت سے اس امر کو دکھانا چاہتے ہین کہ انگریزی قوم کس مذاق اور وضع کی قوم ہے اور اُنھون نے ہندوستان کی عنان حکومت ہاتھ مین لینے کے بعد کیا طریقہ اختیار کیا- دنیا کی تمام گذشتہ اور موجودہ قومون کے خلاف انگریزون مین حد درجہ کی آزادی ہے- کسی کے مذہبی امور مین وہ دخل نہین دیتے بلکہ ہر مذہب والون کو اپنے مذہب کے لیے مناظرہ کرنے اور خود حاکم قوم کے مذہب کی علانیہ تردید کرنے کی اجازت دیتے ہین- علم کو ترقی دینا چاہتے ہین- اور اُس کے بڑے زبردست حامی ہین- مگر وہ علم جس کو مذہب سے نہین بلکہ فلسفہ سے تعلق ہے- لہذا موجودہ گورنمنٹ نے اگرچہ مذہبون کو پوری آزادی دے دی لیکن اس کے ساتھ ہی ایک ایسی چیز کی سرپرستی شروع کی جس سے زیادہ مذہب کا کوئی دشمن نہین ہو سکتا- پھر فلسفہ کے ساتھ سائنس کو ترقی ہونا شروع ہوئی- جس نے مذہب کی جڑ کو اور کمزور کرنا شروع کر دیا-

خلاصہ یہ کہ چندہی روز مین فلسفہ اور سائنس کی ترقی نے مذاہب کی دنیا مین ایک ایسی کھلبلی ڈالی کہ تمام مذاہب مین ایک کون و فساد شروع ہوگیا- اور ہر مذہب نے اپنی مروجہ وضع چھوڑ کے ایک نئی صورت اختیار کرنا شروع کر دی- اب عام طور پر معیار صداقت یہ قرار پاگیا کہ "جو مذہب حقایق موجودات اور اصول تمدن کے خلاف ہو وہ مذہب سچا ہو نہین سکتا"- دوسری طرف غور سے دیکھیے تو مذہب کی حالت یہ ہے کہ اُس کی ابتدا تو نہایت ہی مضبوط و موجہ اصول عقلی سے ہوا کرتی ہے مگر بعد والے خلاف فطرت واقعات کو دلائل حقیت قرار دے کے مذہب مین شامل کرنا شروع کر دیتے ہین اور آخر مین مذہب صرف کرشمہ پرستی کا نام رہ جاتا ہے- لہذا ظاہر ہے کہ ایسے مذاہب جنھون نے قدامت کے رنگ مین رنگ کر ایسی صورت اختیار کر لی ہو زمانے کا کیونکر مقابلہ کر سکتے تھے-

اس کون و فساد کے زمانہ مین سید احمد خان پیدا ہوئے- اور اُن کی سب سے بڑی تعریف یہ ہے کہ اُن انقلابات کے نتایج اور قوم کے اس اندرونی مرض کو اُس وقت سمجھ گئے جب کہ کوئی نہین سمجھ سکتا تھا- اور کسی کے وہم و گمان مین بھی نہ تھا کہ زمانہ

ہمین کو مرلیے جاتا ہے انگریزی تعلیم اور انگریزی حکومت سے کیا نتائج ظاہر ہونے والے ہین اور چند روز بعد کیا ہوگا۔ ایک ایسا شخص جسے انگریزی تعلیم بھی نہ ہوئی ہو۔ انگریزی زبان اور اُس کے علوم سے ناواقف ہو اُس کے خیال کا آج سے پچاس برس پہلے آپ ہی آپ اِس طرف مائل ہو جانا تھوڑی حیرت کی بات نہین ہے۔ ابتدائی زمانہ مین وہ ایک پیرو حدیث مسلمان تھے اور اُس مذہبی ریفارم سے متاثر تھے جس کی بنیاد شاہ ولی اللہ سے شروع ہو کے مولوی شاہ اسمٰعیل صاحب کے زبردست ہاتھوں سے تکمیل کو پہونچی تھی اس ریفارمیشن نے دو باتین اُنھین پہلے ہی سے بتا رکھی تھین۔ ایک تو یہ کہ ہندوستان کے مسلمانون مین جو مذہبی رسوم کثرت سے مروج ہین اُن کا اصل مذہب اور حقیقی تعلیم نبوت مین پتہ نہین اور دوسرے یہ کہ جو روایتین اور حدیثین اور سنن و آثار اسلام کے عام علما و واعظین کی زبانون سے سُنے جاتے ہین اُن مین سے اکثر ضعیف و موضوع ہین۔ اس چیز نے اُنھین تحقیق و تنقید کی جانب مائل کیا اور اسی کی بدولت اُن مین وہ تعصب کم ہوا جو سوا تقلید جامد کے تحقیق کی طرف نہین مائل ہونے دیتا لیکن یہ صرف وہ مادّہ تھا جو پُرانے مذاق سے ہٹنے اور نیا رنگ اختیار کرنے مین اُن کا معین ہوا۔

اصلی چیز جس نے اُنھین ایک معمولی مسلمان سے وہ سرسید بنایا جس کی یاد تازہ کرنے کے لیے ہم آج جمع ہوئے ہین کتاب آثار الصنادید کا تصنیف کرنا ہے مولانا حالی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تصنیف کرنے کی جانب اُنھین مالی دشواریون اور روپیہ کی ضرورت نے مائل کیا۔ خیر اس کا خیال چاہے کسی وجہ سے پیدا ہوا ہو مگر دیکھنا چاہیے کہ اس کتاب کی تصنیف کے لیے اُنھین کیا کرنا پڑا۔ اُنھین دلّی کے پُرانے کھنڈرون مین پھرنا پڑا ایک ایک منہدم و پامال حوادث عمارت کو غور سے دیکھنا پڑا۔ اکثر راتین اُنھین خاموش اور سنسان کھنڈرون مین گزارنا پڑین اور ایک ایک کی عبرتناک صورت سے عبرت اور دست برد زمانہ کا سبق لینا پڑا۔ خلاصہ یہ کہ یہ گرے پڑے قصر و ایوان اُن کے لیے ریاضت و عبرت کی خانقاہین بن گئے اور یہ مثل صادق آئی۔ ع

کہ آگ لینے کو جائین پیمبری ہو جائے

پیغمبری تو اب حضرت ختمی مآب صلعم کے بعد کسی کو نصیب ہی نہ ہو سکتی تھی۔ مگر یہ ممکن نہ تھا کہ ایک شخص اس قسم کی پیمبرانہ ریاضت کرے اور انسان کامل نہ بن جائے۔

انھیں عبارتون نے اپنی خاموشی کی سراپا حسرت زبان سے اُن کے کان مین کہہ دیا کہ ہماری بربادی کے کیا اسباب ہین۔ اور تم اگر تباہی سے بچنا چاہتے ہو تو تھین کیا کرنا چاہیے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ انھون نے علوم اسلامیہ کو غور و تامل سے مطالعہ کرنا شروع کیا اور چند روز کی تحقیق و تنقید کے بعد دعویٰ کیا کہ اس وقت دنیا مین جتنی الہامی کتابین مانی جاتی ہین۔ اُن مین سے صرف قرآن پاک ہی ایک ایسی کتاب ہے جس مین نہ کوئی چیز حقایق موجودات کے خلاف ہے اور نہ تمدن اور حسن معاشرت کی سد راہ۔ مگر علمائے زمانہ اور عام مسلمان اس دعوے کے ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ خلاف فطرت واقعات کا ظاہر ہونا ہی دلیل نبوت اور برہان حقیت ہے۔ سید صاحب نے اس دعوے کے ساتھ ہی تمام مسائل مذہبی پر بحث شروع کی۔ موضوع وضعیف روایات کو چھوڑ دیا۔ اور سوا قرآن و حدیث کے دیگر تمام چیزون کی طرف سے آنکھ بند کر لی۔ یہ مباحث جو جو بڑھتے گئے۔ مخالفت بھی روز افزون ترقی کرتی چلی گئی ہر جگہ سید صاحب کو گالیان دی جانے لگین۔ کفر و الحاد کے فتوے شائع ہونے لگے اور اُن کی تردید مین متعدد رسالے جاری ہو گئے۔ اور یکایک ایک ایسا زمانہ آگیا کہ در و دیوار سے لعنت و نفرین کی صدا بلند ہوتی تھی اور سید صاحب اپنے کام مین مشغول تھے۔

اُن کے اس طرز عمل پر آج کل بھی کبھی کبھی اعتراض کر دیا جاتا ہے کہ سر سید دنیوی اصلاح کے متعلق جس قدر بحث چاہتے کرتے مگر مذہبی معاملات مین اُن کو نہ دخل دینا چاہیے تھا۔ مگر سچ یہ ہے کہ مسلمانون کی معاشرت اُن کے لٹریچر اُن کے اخلاق و عادات اور اُن کے تمدن پر اُن کا مذہب اس قدر چھایا ہوا ہے کہ بغیر مذہبی مسائل مین دخل دیے کسی قسم کی اصلاح ہو ہی نہ سکتی تھی۔

اور سید صاحب کو جس قسم کی اصلاح کی ضرورت محسوس ہوتی تھی اُس کو تعلق زیادہ تر مذہب ہی سے تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ایک طرف تو انگریزی کی عام تعلیم مسلمانون کو لامذہب اور بدعقیدہ بنا رہی ہے [illegible] ی طرف مشنری لوگ اسلام کی علانیہ تردید کر رہے ہین اور وہ ناپاک الفاظ زبان سے نکال رہے ہین جن کے سننے سے مسلمانون کے

کان نا آشنا ہین۔ تیسری طرف وہ مذاہب جو مدت ہائے دراز سے اُن کے محکوم چلے آتے تھے آزادی پا کے اُن کے مذہب پر حملے اور طعن و تشنیع کرنے لگے ہین۔ چوتھی طرف خود مسلمانون کی یہ حالت ہے کہ صرف رسمو ن اور ضعیف الاعتقادیون کا نام اُنھون نے مذہب رکھ لیا ہے۔

ان آفتون سے مسلمانون کا بچانا بغیر اس کے کہ مذہب مین دخل دیا جائے ناممکن ہی نہ تھا۔ علاوہ بر اس کے اب اسلام پر جو اعتراضات ہو رہے تھے وہ بالکل نئی قسم کے تھے۔ عیسائی مشنری اور مورخین کہہ رہے تھے کہ اسلام لوگون کو مجبور کر کے اور بزور شمشیر پھیلایا گیا۔ اور اسلام کی بنا ظلم و جور اور لوٹ مار پر ہے اُس کے مقابل مسلمانون کو بجائے جواب دینے کے اس پر ناز تھا کہ ہم نے اتنے کافر مارے اتنے گھنے کھودے۔ اتنے بت توڑے۔ اور فخر یہ وعظ کہہ رہے تھے کہ "فاقتلوہم" جہاں موقع پاؤ بزن بول دو۔ کافر کے مارنے سے بڑا کوئی ثواب نہین۔

عیسائی کہتے تھے کہ مسلمانون مین جہاد فرض ہے۔ لہذا وہ قدرۃً باغی ہین اور مطیع و وفاکیش رعایا کی حیثیت سے نہین رہ سکتے۔ ادھر ہمارے علما زور و شور سے جہاد کا فتویٰ دے رہے تھے۔ اور عوام کے نزدیک خانہ جنگی اور بلوے اور ہنگامہ کرنے کا نام جہاد تھا۔ عیسائی کہہ رہے تھے کہ اسلام علم و فضل کا دشمن ہے اور حضرت عمر نے مصر کا قدیم کتب خانہ جلوا دیا۔ ادھر ہمارے مولوی صاحب فرما رہے تھے کہ

علم دین فقہ است و قرآن و حدیث ۔۔۔ گر بخواند غیر ازین گردد خبیث

اور کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کی روایت جو متعصب عیسائیون کی بنائی ہوئی تھی اُس کو فخر کے ساتھ قبول کرتے اور بجائے خود اُس پر ناز کر رہے تھے۔

عیسائی رسول اللہ صلعم سے گناہ و عصیان کو ثابت کرتے۔ مسلمانون کی طرف سے اس کا الزامی جواب توراۃ سے نکال نکال کے یہ دیا جاتا کہ تمھارے نزدیک فلان فلان پیغمبر سے ایسی سیاہ کاریان ظاہر ہوئی ہین۔ اور یہ نہ جانتے تھے کہ عیسائیون کے نزدیک انبیا معصوم ہی نہین ہین۔ اُن کا کچھ نہین بگڑتا اور تمھارے عقیدے کی بُنیاد اور اُس کی عصمت مین بٹہ لگا جاتا ہے۔

غرض کہ دشمنان اسلام جو اعتراض کرتے اُس کو مسلمان اپنے جاہلانہ غرور سے بہ عوض دُور کرنے کے اُلٹے تسلیم کیے لیتے تھے۔ ایسی حالتون مین ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ بغیر مذہبی مباحث مین دخل دینے کے مسلمانون کی اصلاح کیونکر ممکن تھی؟ سید صاحب

کے دل مین جم گئی تھی کہ زمانے کا ایسا رنگ ہے کہ اگر مذہبی اصلاح نہ کی گئی تو یہ انگریزی اسکولوں کے تعلیم پائے ہوئے بچے سب عیسائی یا لامذہب اور ملحد ہو جائینگے - اور یقینا ہو جاتے - کیونکہ سید صاحب کے پاس بعد کے زمانے مین متعدد انگریزی طلبہ کے ایسے خطوط آئے - جن کا ماحصل یہ تھا کہ اگر آپ نے ہماری رہبری نہ کی ہوتی تو ہم مذہب اسلام کے چھوڑنے کو تیار تھے - یہ خطوط سید صاحب کو اس قدر عزیز تھے کہ اُن کو احتیاط سے رکھ چھوڑا تھا - اُن کو اپنی ہمدردی اسلام اور اپنی کوشش خیر کی سند اور انھین کو اپنی نجات کا ذریعہ خیال کرتے تھے -

سچ یہ ہے کہ اُن دنون اسلام کی پولٹیکل حالت مین ایک بالکل نیا انقلاب ہوا تھا - اور مسلمانون نے پہلے پہل ایک ایسا زمانہ دیکھا تھا - جیسا زمانہ دیکھنا اُس سے پیشتر اُنھین کبھی نہین نصیب ہوا تھا - یعنی اِس سے پہلے مسلمان یا تو خود اپنی مذہبی سلطنت مین رہے تھے یا ایسی غیر سلطنتون مین رہے تھے جو دنیا مین اُن کا اثر غالب دیکھ کے اُن کا ادب اور اُن کا پاس و لحاظ کرتی تھین - بے شک اسپین مین مسلمانون پر ظلم ہوا تھا - مگر وہان اُن کی آہ و فریاد کی آوازین قبل اس کے کہ کسی اور ملک کے مسلمانون کے کانون تک پہونچین اسپین ہی کی خاک مین دب کے فنا ہو گئی تھین - دیگر بلاد و ممالک کے مسلمان یا تو حاکم بن کے رہا جانتے تھے - یا کسی کے معزز مہمان بن کے رہنا - ایک کمزور رعایا کی زندگی سے وہ بالکل نا آشنا تھے - حکومت جاتے ہی اُن کو اپنے برابر ہندو نظر آتے تھے جو کل تک اُن کے زیر حکومت تھے - اور اپنے اوپر یورپ کے مسیحی - جن کو اُن کی وجاہت ماننے اور دیگر رعایا پر اُنھین فوقیت دینے کی کوئی وجہ نہ تھی - اس زندگی سے نا آشنا ہونے کے باعث اُن سے ایسے حرکات صادر ہو جاتے تھے جو ایک طرف تو غیر مذہب پڑوسیون اور ہم وطنون کو برافروختہ کر دیتے - اور دوسری طرف حکمران قوم کی نظر مین اُن کی اطاعت و وفاداری کو مشتبہ ثابت کر دیتے - اس زندگی کے عنوان پر انھین ایک ایسے عاقل و فرزانہ رہبر کی ضرورت تھی جو نہ ہم وطنون سے بگاڑ ہونے دے - اور نہ گورنمنٹ کو اُنکی طرف سے بدگمان ہونے کا موقع دے -

وہ عاقل و فرزانہ رہبر سرسید ثابت ہوئے - جنھون نے مذہبی مباحث مین پڑ کے اور نازمانہ شناس علمائے اُلجھ کے مسلمانون کو اس زمانہ کے مناسب ایک ایسی مذہبی

زندگی کی تعلیم دی جو مرنجان مرنج ہو۔ جس کا ماٹو غیرہ ہب اسلام دشمنوں کے مقابلہ میں تو یہ ہو کہ "لکم دینکم ولی دین" اور غیر مذہب حاکم کے مقابل میں یہ ہو کہ "اسلام میں حاکم اور فرمانروا کی اطاعت فرض اور بغاوت و سرکشی حرام ہے" اس زندگی کے متعلق احکام سچ پوچھیے تو مسلمانوں کو نہ حدیث میں مل سکتے تھے اور نہ فقہ و فتاوی کی کتابوں میں تھے۔ لہذا سچ یہ ہے کہ سید صاحب نے مذہبی اصول میں دخل دے کے فقہ اسلام کا وہ حصہ مکمل کر دیا۔ جو بیشتر ضرورت نہ پڑنے کے باعث مدون ہی نہیں ہونے پایا تھا۔ حضرات کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ دین اسلام کی یہ تھوڑی اور معمولی خدمت تھی؟ ہرگز نہیں۔ یہ بہت بڑی خدمت تھی۔ اور ایسی خدمت کہ نہ بجالائی جاتی تو ہندوستان میں اب تک مسلمانوں کا پتہ بھی نہ لگا ہوتا۔

اب ہم اس بحث کو شروع کرتے ہیں کہ سید صاحب نے مذہب میں کیا اصلاحیں کیں اور کن کن مسائل پر گفتگو کی۔ مولانا حالی نے حیات جاوید میں اس بحث کو بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ انھوں نے ۱۳ ایسے مسائل گنوائے ہیں جن میں سر سید نے جمہور علمائے اسلام کے خلاف کیا ہے مگر باوجود اس کے سلف میں سے اپنا کوئی نہ کوئی مستند ہم رائے ضرور پیش کر دیا ہے۔ گویا یہ کہنا چاہیے کہ ان مسائل میں وہ متفرد نہیں۔ ان مسائل کی پوری پوری فہرست پیش کر دینا چنداں ضروری نہیں تاہم میں اتنا بتائے دیتا ہوں کہ اجماع و قیاس کا حجت شرعی نہ ہونا۔ کسی آیت قرآنی کا منسوخ نہ ہونا۔ توراۃ و انجیل میں صرف تحریف معنوی ہونا۔ نصرانی کے پکائے ہوئے منخنقہ طایر (گلا گھونٹی مرغی) کو جائز سمجھنا۔ ملائکہ اور شیطان کا وجود خارجی نہ ہونا۔ کفار کے ساتھ تشبہ کا شرعاً ممنوع نہ ہونا۔ معراج اور شق صدر کا خواب میں ہونا۔ معجزہ کا دلیل نبوت نہ ہونا۔ ربا میں سود سے مراد بنیوں مہاجنوں کے سود کا ہونا نہ بنک اور پرامیسری نوٹ کے سود کا۔ رویت باری سے انکار کرنا۔ حضرت عیسیٰ کے بغیر باپ کے پیدا ہونے اور آسمان پر زندہ چلے جانے کا قرآن سے نہ ثابت ہونا۔ اور اسی قسم کے بہت سے مسائل ہیں مگر یہ سب وہ مسائل ہیں جن میں سید صاحب نے اپنے ذاتی اجتہاد کے علاوہ امام غزالی۔ ابن عربی۔ ابن رشد۔ امام ابوالمعالی جوینی امام رازی۔ اور شاہ ولی اللہ کے پائے کے مستند علمائے ماسبق میں سے کسی نہ کسی کو اپنا ہم خیال اور ہم رائے ضرور بتایا ہے۔

ان مذکورۂ بالا مسائل کے علاوہ مولانا حالی نے گیارہ ایسے مسائل منتخب کیے ہیں

جن مین سید صاحب متفرد ہین۔ اور اُن سے پیشتر کسی کا خیال ان کی طرف نہین گیا تھا وہ مسائل حسب ذیل ہین

(۱) غلامی کا اسلام مین قطعاً ناجائز اور از روئے نص قرآنی ممنوع ہونا۔ یہ ان دنون دنیا کا ایک پولٹیکل مسئلہ بنا ہوا ہے۔ یورپ کی سلطنتون نے اس مسئلہ کو افریقہ و ایشیا کے پالٹکس مین دخل دینے کا ایک زبردست ذریعہ بنا لیا ہے۔ جاہل مسلمان اور خصوص وہ مسلمان تاجر جو بردہ فروشی کرتے ہین اسے ایک رکن اسلامی قرار دے رہے تھے۔ اور علمائے اسلام اُن کے اِس خیال کی تصدیق کر دینے مین تامل نہ کرتے تھے۔ سید صاحب نے سچ تو یہ ہے کہ اس مسئلہ مین معجز نما اجتہاد کر کے اور بغیر اس کے کہ قیاس کو ذرا بھی دخل دین نص قرآنی سے ثابت کر دیا ہے کہ غلامی آخر عہد اسلام مین آیۂ کریمہ "اِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَاءً" کے نزول کے بعد ناجائز ہو گئی۔ کیونکہ اس مین صریح حکم موجود ہے کہ لڑائی کے قیدی یا تو احسان رکھ کے چھوڑ دیے جایا کرین اور یا معاوضہ کا روپیہ لے کے۔ مگر صحابہ کے زمانہ مین اِس پر عمل نہ ہونے پایا۔ اگرچہ خود حضرت رسالت کے عہد مین اس آیہ کے بعد کبھی کوئی قیدی غلام نہین بنایا گیا تھا۔

(۲) دعا ایک قسم کی عبادت ہے۔ کیونکہ حدیث مین آیا ہے "الدعاء ہو العبادۃ" اور دعا کے مستجاب اور مقبول ہونے سے مراد حصول مراد نہین بلکہ مقبولیت عبادت مراد ہے۔

(۳) قرآن پاک مین جہان "آیۃ یا آیات بینات" کے الفاظ آئے ہین اُن سے مراد معجزات نہین بلکہ مواعظ و حِکَم مقصود ہین۔

(۴) حضرت مسیح کی مصلوبیت کی نسبت وہ لکھتے ہین کہ آپ صلیب پر چڑھائے تو گئے مگر صلیب پر آپ کی موت نہین واقع ہوئی۔

(۵) تعدد ازدواج کے متعلق اُن کی یہ رائے تھی کہ مرد کو اگر اس بات کا احتمال بھی ہو کہ وہ عدل نہ کر سکے گا تو اسے ایک سے زیادہ جورُون کی اجازت نہین۔ اس کو وہ قرآن پاک کی آیۂ مثنیٰ و ثلاث و رباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ سے ثابت کرتے تھے۔

(۶) چور کے لیے ہاتھ کاٹنے کی سزا کے بارے مین اُن کا دعویٰ تھا کہ یہ سزا لازمی نہین۔ کیونکہ لازمی ہوتی تو فقہا اس سزا کے تجویز کرنے کے لیے مال مسروقہ کی ایک خاص مقدار کو نہ مشروط کرتے۔ اور نیز صحابہ کے وقت مین بعض چورون کو قید کی سزا نہ دی جاتی۔

(۷) وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید مین جنون سے مراد چھپے ہوئے لوگ یا پہاڑی اور صحرائی

اقوام ہین۔

(۸) سورۂ فیل مین ابابیل کے کنکریان پھینکنے سے مراد چیچک کے مرض کا پیدا ہوجانا ہے۔ جیساکہ اکثر کتب تفاسیر مین موجود ہے۔ لیکن اورون نے اُس کو ایک روایت ضعیف کی حیثیت سے بیان کیا اور سید صاحب نے اسی کو مرجح باصول درآیت قرار دے دیا۔

(۹) قرآن مین انبیائے سلف کے جو واقعات وحالات مذکور ہین اُن مین اول تو خود ہی خلاف فطرت واقعات کم ہین۔ مفسرین نے بنی اسرائیل کی کتابون سے اخذ کرکے اُن واقعات کے جو تکملے کیے ہین وہ البتہ ایسی خلاف عقل باتون سے لبریز ہین۔ مگر اس قسم کی چند باتین قرآن پاک مین موجود بھی ہین۔ جیسے ید بیضا۔ عصائے موسیٰ۔ دریا مین راستہ ہوجانا فرعون اور اُس کے لشکر کا غرق ہونا۔ خدا کا موسیٰ سے باتین کرنا۔ کوہ طور پر تجلی الٰہی۔ سامری کے گوسالے کا بولنا۔ پتھر سے پانی کا چشمہ نکلنا۔ ابر کا سایہ کرنا۔ من وسلویٰ کا نزول۔ مسیح کا گہوارے مین بولنا۔ خلق طیر۔ اندھون اور کوڑھیون کو اچھا اور مردون کو زندہ کرنا۔ مائدہ۔ (آسمان سے خوان نعمت) کا نازل ہونا اور اسی قسم کے دیگر واقعات۔ اِن سب مین سید صاحب نے اپنے خیال واجتہاد کے موافق تاویلین کی ہین۔ زور اور شور سے قیاس کو دخل دیا ہے۔ اور اُن کو فطرت کے موافق ثابت کرنا چاہا ہے۔ یہی باتین تھین جنھون نے تمام علمائے اسلام اور قریب قریب کل مسلمانون کو چونکا دیا۔ اور جن کی بنیاد پر آج بھی اکثر سید صاحب سے اختلاف کیا جاتا ہے۔

(۱۰) سید صاحب دعویٰ کرتے تھے کہ قرآن مجید مین دو طرح کا کلام ہے۔ ایک کلام مقصود اور دوسرا غیر مقصود یعنی وہ واقعات جن کا بیان ضمنی طور پر آگیا ہے اور یہ تقسیم کرکے وہ کہتے تھے کہ کلام غیر مقصود سے کسی شے کے نفی واثبات پر استدلال نہین ہوسکتا مثلاً کفار کی نسبت ہے۔ "لا تفتح لہم ابواب السماء" اس مین وہ فرماتے ہین کہ آیۃ کا اصل مقصود حرمان یعنی کافرون کا رحمت الٰہی سے محروم رہنا ہے۔ لہٰذا اس آیت سے اس بات پر استدلال نہین کیا جا سکتا کہ آسمان مین دریچے اور دروازے ہین۔

(۱۱) وہ فرماتے ہین کہ شریعت اسلامیہ مین دو قسم کے احکام ہین۔ احکام اصلی۔ اور احکام محافظ۔ احکام اصلی کی بنیاد صرف احکام اصلی پر ہے۔ نہ اُن احکام پر جو اصلی احکام کے محافظ ہین۔ مثلاً وضو۔ قیام۔ قعود۔ رکوع۔ سجود وغیرہ نماز کے محافظ ہین۔ اور

تو وہ نماز اصلی ہے۔ جس سے توجہ الی اللہ مراد ہے۔ یہ تقسیم فرمانے کے بعد وہ کہتے ہین۔ احکام محافظ کے متعلق یہ بحث نہین چل سکتی ہو کہ فطرت کے موافق ہین یا نہین۔ لازم ملزوم ہونے کے باعث دونون حکمون کا درجہ برابر ہے۔ مگر مرض یا عذر کی حالت مین حسب مجبوری و ضرورت سب لوازم ساقط ہو سکتے ہین۔

اِن مسائل کے متعلق یہ نہین کہا جاتا کہ سب ماننے کے قابل ہین یا کہ خواہ مخواہ انھین مان لینا چاہیے۔ اُن کی یہ حالت تھی کہ ایک مجتہدانہ حیثیت سے دینی مسائل مین بحث کرتے تھے اور تقلید سے سب کو منع کرتے تھے۔ بلکہ یہ کہتے تھے کہ ہر شخص غور و تامل کرے۔ تحقیق و تنقید سے کام لے۔ اگر یہ مسائل اور فیصلے اُس کے مذاق و تحقیق مین پورے اُترین تو اُن کو تسلیم کرلے۔ اور اگر ان کے خلاف اُس کی رائے قائم ہو تو خود اپنی رائے کو اختیار کرے۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمانون نے تو اُن کے پیروون بلکہ مین کہون گا کہ اُن کے دوستون اور اُن کی تعریف کرنے والون کا نام نیچری رکھ دیا۔ مگر انھین لوگون مین جو نیچری اور اُن کے پیرو بتائے جاتے ہین ایسے چار مسلمان بھی مشکل سے ملین گے جو اِن سب مسائل مین اُن سے متفق ہون۔ اُن کے سب سے بڑے معرف جو اُن کی زندگی ہی مین اُن کے خلیفہ بتائے جاتے تھے اور حسن اتفاق سے بعد زندگی اُن کے جانشین قرار بھی پاگئے۔ یعنی نواب محسن الملک بہادر مرحوم۔ مذکورہ مسائل مین سے اکثر مین اُن کے سخت خلاف تھے۔ اُن کے موجودہ جانشین نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب جو اُن کے بڑے دوست اور خاص لوگون مین تھے۔ وہ قریب قریب تمام مسائل ہین اُن کے خلاف ہین۔ لیکن ایسا نہین ہے کہ اُن کے گروہ مین نہ شمار کیے جاتے ہون۔

اگر سید صاحب کے ہم مذاقون کا نام نیچری ہے تو وہ بیشک نیچری ہین اور اُن کے ساتھ اور بھی بہت سے ہین۔ اصل یہ ہے کہ مخالفون نے تو اس کوشش مین کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا کہ نیچری اسلام کا ایک متمایز فرقہ بنجائے۔ مگر خود سید احمد خان کی یہ حالت تھی کہ وہ کوئی نیا فرقہ نہین بنانا چاہتے تھے بلکہ ملت اسلامیہ کے اندر تفرق اور نیا فرقہ پیدا کرنے کے نہایت مخالف تھے۔ اسی قدر نہین وہ کوشش کر رہے تھے کہ جتنے فرقے پیدا ہو گئے ہین۔ اُن سب کا اختلاف بھی اُٹھ جائے اور ایک سیدھا سادھا خالص اور پاک و بے غل و غش دین مصطفوی رہجائے جسے وہ ٹھیٹھ اسلام کہا کرتے تھے۔ وہ عام مسلمانون

کی اصلاح کے درپے تھے۔ عام اس سے کہ وہ کسی گروہ اور کسی فرقہ سے علاقہ رکھتے ہون۔ چنانچہ خالی سنی ہی نیچری نہین بلکہ نیچری سنیون شیعون۔ وہابیون بدعتیون۔ اسمعیلیون۔ آغاخانیون سب مین موجود ہین اور الحمد اللہ کہ سب روشن خیال ہین۔

خلاصہ یہ ہے کہ سید صاحب عام مسلمانون کی اصلاح کے درپے تھے اور سب کے ہادی و رہبر۔ اُنھون نے صرف یہ طریقہ بتا دیا کہ امور مذہبی مین کن چیزون سے اور کیونکر استدلال کیا جائے۔

اگر غور سے دیکھیے تو یہ بڑی حیرت کی بات نظر آتی ہے کیونکہ آج تک جس کسی نے مذہب مین دخل دے کے اصلاح کی کوشش کی ایک نیا فرقہ پیدا کر دیا اس کے نظائر سے دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ مگر سرسید نے اتنے کثیر التعداد مسائل مذہبی مین گفتگو کی اور اس آزادی سے گفتگو کی۔ مخالفت کا اس قدر زور و شور ہوا۔ مگر ان کی نیک نیتی اور سچی قومی ہمدردی کی برکت سے کوئی نیا فرقہ نہین پیدا ہو سکا۔ اُن کے ماننے والون مین ہمارے بیان کے موافق شیعہ بھی ہین۔ سُنی بھی ہین۔ وہابی بھی ہین۔ بدعتی بھی ہین سب ہی طرح کے لوگ ہین اور سب اپنے خاص مذہب کے ویسے ہی ماننے والے ہین جیسے کہ ہوتے ہین اور پھر بھی وہ سید احمد خانی یا نیچری ہین کیون؟ اس لیے کہ سید احمد خان کے فرقے سے مراد مذکورۂ بالا مسائل کے ماننے والے نہین۔ بلکہ وہ لوگ مراد ہین جو سید احمد خان کی طرح سے قرآن کی آیت استفت قلبک پر عمل کرین۔ مذہبی روایات کی تنقید کرین اور جو سچ ثابت ہو اس پر عمل کرین۔

غرض سید احمد خان نے اصل مین جو کچھ کیا صرف دو باتین ہین۔ ایک یہ کہ اجتہاد کا عام دروازہ کھول دیا۔ اور جن لوگون پر مخالفین اسلام اور غیر مذاہب کے اعتراضات کا جادو چلنے والا تھا۔ اُن کے دل مین جما دی کہ تمھارے جن مسائل پر غیر لوگ اعتراض کر رہے ہین اُن کو صرف رواج یا علماء کے کہنے سے اپنے مذہب کا مسئلہ نہ مان لو بلکہ غور و تامل سے دیکھو کہ وہ مسئلہ شارع سے ملا ہے یا بعد مین پیدا ہو گیا ہے۔ اور رسم کے طریقہ سے دین کی باتون مین شامل ہو گیا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ احادیث کی تنقید مین اہل حدیث و روایت کی طرح صرف روایت اور حدثنا و اخبرنا سے بحث نہین کی بلکہ روایت سے بھی کام لیا۔ اصول حدیث مین یہ مسئلہ قدیم سے لکھا چلا آتا تھا کہ واقعات سلف اور حدیثون کی جانچ مین قیاس

اور عقل سے بھی کام لینا چاہیے محدثین سلف اپنے ذوق سلیم سے بھی اندازہ کرکے بتایا کرتے تھے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا موضوع۔ مگر بعد والون نے سوائے روایت کے اس اصول کو مطلقاً چھوڑ دیا تھا۔ شاہ ولی اللہ اور امام غزالی وغیرہ کے خیالات بھی اس جانب متوجہ ہوئے تھے۔ ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ مین اس اصول پر زور دیا تھا مگر سچ یہ ہے کہ اس اصول سے اگر کام لیا تو صرف سرسید نے۔ بس اُن کی اتنی ہی چیز ہے جس کو ہم لیتے اور اُن کے پیرو بنتے ہین۔ باقی رہے وہ مسائل جو انھون نے اپنے اجتہاد سے نکالے اُن کی نسبت ہر شخص کو اختیار ہے کہ چاہے مانے یا نہ مانے۔ تحقیق کا دروازہ کھُلا ہے اور روز بروز زیادہ کھلتا جاتا ہے۔ وہ کتابین جو ناپید تھین پیدا ہوتی جاتی ہین۔ علوم دینیہ کا ذخیرہ روز بڑھتا جاتا ہے۔

ہر شخص کا ہاتھ اُن کتابون تک پہونچنے لگا ہے جو پہلے کبھی خواب مین بھی نہ نظر آتی تھین۔ اور ایسی ایسی مستند اور قدیم تصنیفین پردۂ خفا سے نکل کے چھپتی اور شائع ہوتی جاتی ہین۔ کہ تنقید کا سلسلہ روز افزون ترقی کرتا رہے گا۔ بعد مین ایسے لوگ آئین گے جو سرسید سے زیادہ وسیع النظر اور زیادہ محقق ہون گے۔ اور بعد کی پرکھ مین خدا جانے کتنے مسائل رہین گے اور کتنے مٹ جائین گے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ سید احمد خان کے بتائے ہوئے مسائل مین سے کتنے لغو ثابت ہو کے فنا ہو جائین گے اور کتنے نئے پیدا ہون گے۔ مگر یاد رکھو کہ توحید و رسالت کا سکہ ایسا ہی جما رہے گا اور سید احمد خان کی یہ برکت روز بروز زیادہ نمایان طور پر ثابت ہوتی اور دنیا پر حکومت کرتی جائے گی۔ کہ مذہب کو سچے دل سے مانو۔ مگر سوچ سمجھ کے اور یہ دیکھ کے کہ کتنا حصہ بانیٔ مذہب کا بتایا ہوا ہے اور کتنا حشو و زوائد کے حکم مین ہے۔

عجب بات یہ ہے کہ سید صاحب نے آج سے تیس پینتیس سال پہلے جن مسائل پر گفتگو شروع کی تھی اور جو فیصلہ کیے تھے وہی اب مستند علماء مصر کے زبان و قلم سے ظاہر ہو رہے ہین۔ اور ویسی ہی اصلاحین وہان بھی شروع ہو گئی ہین جیسی کہ ہندوستان مین سرسید مرحوم نے کرنا چاہی تھین۔ مگر ہماری بدقسمتی سے جیسی مخالفت ہندوستان مین ہوئی مصر مین نہین ہوئی۔

مسلمانون پر ایک بہت قیمتی اثر سید صاحب کے مذہبی ریفارم کا یہ پڑا کہ مذہبی

تعصب جو حکومت دولت مندی اور خود پسندی و جہالت کی وجہ سے مسلمانون مین پیدا ہو گیا تھا بہت کم ہو گیا۔ فرقہ ہائے اسلام کا باہمی تعصب بھی ایک بڑی خطرناک چیز تھا۔ شیعہ اور سُنی کی دشمنی بڑھتی جاتی تھی۔ سید صاحب نے اسے بھی کم کر دیا اور کالج مین طلبہ ایک ایسی بے آزار مہذب شایستہ اور غیر متعصبانہ زندگی سیکھ کے نکلتے ہین جس کی نظیر سے مسلمانون کی تمام درسگاہین خالی ہین۔

بس مین سمجھتا ہون کہ اس بارے مین مین نے کافی حد تک بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ میرے خیال مین یہ غلط فہمی اب بہت کچھ رفع ہو گئی ہو گی کہ سید صاحب دنیا مین کوئی نیا مذہب نہین چھوڑ گئے ہین بلکہ تحقیق و تنقید کی برکت ایسی وسیع النظری کے ساتھ پیدا کر گئے ہین کہ مسلمان اگر تحقیق سے کام لینا شروع کرے تو اُن کی پیروی کرنے ہی سے نیچری نہین ہو جاتا۔ بلکہ اُن کی تردید کرنے والا بھی اگر رسم پرستی سے محفوظ ہو تو نیچری اور سرسید کے گروہ کا رُکن رکین ہے۔ جناب پریسیڈنٹ اور حاضرین! مین اب آپ سے اجازت لے کے اپنے بیان کے سلسلہ کو ختم کرتا ہون۔ اور جس توجہ سے میرا لکچر سننے مین آپ نے اپنا وقت عزیز صرف کیا اُس کی نسبت آپ کا شکر گزار ہوتا ہون۔ والسلام۔

محمد عبد الحلیم شرر

جہانِ اقبال / جہانِ آزاد

ہندستان کا اچھوت مسئلہ

اور

اقبال اور آزاد کے دو اہم خطوط

- علامہ اقبال کا ایک نایاب مکتوبِ گرامی
بنام: شیخ الازہر، قاہرہ
محمد اکرام چغتائی

- مکتوبِ آزاد۔ بنام: سید سلیمان ندوی
مولانا ابوالکلام آزاد

محمد اکرام چغتائی

علامہ اقبال کا ایک نایاب مکتوب گرامی

بنام : شیخ الازہر، قاہرہ

ہندو معاشرے میں ذات پات کا نظام صدیوں سے چلا آرہا ہے۔ اس عرصے میں بہت سی مخالف ہوائیں چلیں، متعدد اصلاحی اور مذہبی تحریکوں نے لوگوں کو اس نظام کے چنگل سے آزاد کرانے کی کوششیں کی؛ لیکن اس کی بنیادیں اس قدر مستحکم تھیں کہ اتنی شدید مزاحمت کے باوصف اس غیر انسانی نظام کی عمارت زمین بوس نہ ہو سکی۔ اگر بغور دیکھا جائے تو ہندو معاشرے کے لیے اس نظام نے ایک ایسا مضبوط اور بلند و بالا حصار مہیا کر دیا، جس میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے راستے مسدود دکھائی دیتے ہیں۔ نسل انسانی کی اس قلعہ بندی نے ہندوؤں کے معاشرتی خصائص کو تو کسی حد تک قائم رکھا، لیکن اس کے اندر رہنے والوں کو جن مصائب سے گزرنا پڑا، ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ تاریخ اس ماتم سے شاید کبھی فارغ نہ ہو سکے کہ برصغیر پاک و ہند کی آزادی تک، پورا انسانی معاشرہ اس نظام کے جبر سے کراہتے ہوئے کروڑوں بے بس اولادِ آدم کی چیخ و پکار سنتا رہا لیکن ذات پات کے ذلت آمیز برتاؤ سے غریبوں کو نجات نہ دلا سکا۔ بے شبہ تاریخ میں اس ظلم کے خلاف آوازیں بھی بلند ہوتی رہیں، لیکن مجموعی طور پر یہ آوازیں غیر موثر رہیں۔

ایسی ہی ایک آواز ۱۹۳۵ء میں متحدہ ہندوستان کی ایک بہت بڑی آبادی کے، جسے اچھوت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ایک سرکردہ لیڈر کی جانب سے بلند ہوئی۔ یہ آواز اچھوتوں کی نامور سیاسی شخصیت ڈاکٹر بھیم راؤ رام جی امبیدکر (۱۸۹۱ء - ۱۹۵۶ء) کی آواز تھی، جس نے اس طبقے میں اجتماعی طور پر سیاسی بصیرت، شعورِ ذات اور ذہنی

بیداری کی ایک لہر دوڑادی اور نتیجتاً یہ طبقہ بھی سیاسی محاذ پر ایک قوت بن کر سامنے آگیا۔

ڈاکٹر امبیدکر کے تفصیلی حالات زندگی اور ان کے سیاسی کارناموں کو اُن کے انگریزی[1] اور مرہٹی[2] سوانح نگاروں نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ یہاں اتنا ہی بتادینا کافی ہوگا کہ ڈاکٹر موصوف ایک اچھوت گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، لیکن وہ اعلیٰ تعلیمی خوبیوں کے مالک تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اُنھیں اُن بے انصافیوں اور زیادتیوں کا شدید احساس تھا جو ہندو معاشرہ صدیوں سے ان کے ہم ذات افراد پر کر رہا تھا۔

چنانچہ امبیدکر نے ہندوستان واپس آتے ہی اچھوتوں کی معاشرتی سطح کو بلند کرنے اور ان کو بنیادی انسانی حقوق دلانے کے لیے تگ و دو شروع کر دی۔ ان کی خواہش تھی کہ اچھوت اپنے مسائل اور مطالبات کے لیے کسی اور کے محتاج نہ ہوں اور اُنھیں اپنی بکھری ہوئی قوت کو مجتمع کر کے خود ہی اپنے مسائل حل کرنا چاہییں۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے جداگانہ انتخابات کی پر زور حمایت کی لیکن کانگریس کے زعما اور مہاتما گاندھی نے ڈاکٹر امبیدکر کے سیاسی مطالبات کو تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا، بلکہ ان کے خلاف مرن برت بھی رکھا۔ بالآخر مہاتما گاندھی اور امبیدکر کے مابین ۲۴۔ ستمبر ۱۹۳۲ء کو ایک سمجھوتہ طے پایا، لیکن یہ سمجھوتہ سیاسی امور تک محدود تھا، جب کہ ذات پات کے مسئلے پر یہ دونوں رہنما کوئی متفقہ لائحہ عمل تلاش نہ کر سکے۔

جب امبیدکر اور گاندھی جی کے متذکرہ بالا معاہدے کے خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہوئے تو بالآخر ڈاکٹر امبیدکر نے ۱۳۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو ضلع ناسک (Nasik) کے ایک شہر Yeola میں منعقد ہونے والی اچھوت کانفرنس میں یہ اعلان کر دیا کہ وہ عنقریب ہندو مت ترک کر دیں گے اور کسی ایسے مذہب کو اختیار کر لیں گے جو اُنھیں اور اُن کے ہم ذات لوگوں کو ذات پات کے اس چنگل سے آزاد کر دے۔ امبیدکر کی اس تاریخی تقریر کے کچھ حصے اس دور کے انگریزی اور اردو اخبارات میں شائع ہوئے۔ اس تقریر کا مکمل متن S. R. Kharat نے اپنی مرہٹی کتاب میں دیا ہے[3]۔ ذیل میں اس تقریر کا متعلقہ حصہ درج کیا جا رہا ہے:

"We shall cease our fight for equality where we are denied it. Because we have the misfortune of calling ourselves Hindus, we are treated thus. If we are members of another Faith, none would dare treat us so. Choose any religion which gives you equality of status and treatment. We shall repair our mistake now. I had the misfortune of being born with the stigma of an Untouchable. However, it is not my fault, but I will not die a Hindu, for this is in my power."

اپنی تقریر کے آخر میں ڈاکٹر امبیدکر نے اچھوتوں کو یہ تلقین کی کہ وہ فی الحال اپنی دیگر تحریکوں اور مطالبوں کو پس پشت ڈال دیں اور متحد ہو کر اپنے انسانی حقوق کے حصول کے لیے کوششیں شروع کر دیں اور نہ صرف اندرونِ ملک بلکہ بیرونِ ملک بھی عوام الناس کو یہ احساس دلائیں کہ اچھوت ایک الگ قومیت سے تعلق رکھتے ہیں اور اُنھیں یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ بھی اس دھرتی پر آزادی کا سانس لے سکیں[29]

ڈاکٹر امبیدکر کی اس تقریر نے ہندوستان کے سیاسی اور مذہبی حلقوں میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ ہندو تبدیلِ مذہب کے اس اعلان سے سخت پریشان تھے اور انہیں یہ فکر دامن گیر تھی کہ کہیں اتنی بڑی اکثریت ان کے ہاتھوں سے نکل نہ جائے۔ چنانچہ مہاتما گاندھی نے اس تقریر کے حوالے سے ۱۵۔ اکتوبر کو ایسوسی ایٹڈ پریس کو جو انٹرویو دیا، اس میں اچھوتوں کی سماجی بدحالیوں کو تو تسلیم کیا گیا، لیکن تبدیل مذہب کے بارے میں یہ واضح کرنے کی کوشش کی گئی کہ مذہب کوئی گھر یا کوٹ نہیں، جس کو جب چاہا، تبدیل کر لیا[30]

ڈاکٹر امبیدکر کے تبدیلیٔ مذہب کے اعلان نے جہاں ہندوؤں کو مستقبل کے خطرات کے سبب تشویش میں مبتلا کر دیا، وہاں دیگر مذاہب کے پیروکاروں، حتیٰ کہ بعض مذہبی فرقوں نے اچھوتوں کو اپنے مذہب یا مسلک میں شامل کرنے کے لیے دوڑ دھوپ شروع کر دی۔ اس ضمن میں بعض مسلمان انجمنوں کے اہل کاروں نے سب سے زیادہ سرگرمی کا ثبوت دیا۔ امبیدکر کی تقریر سے تقریباً ایک ہفتہ بعد یعنی ۲۱۔ اکتوبر کو مولانا محمد عرفان خلافت

کمیٹی کے نمائندے کی حیثیت سے انھیں ملے۔ ان کے ہمراہ سید عزیز الرحمن بھی تھے۔ ان اصحاب نے امبیدکر کو اسلام کی غیر طبقاتی تقسیم، مساوات اور رنگ و نسل کی تمیز کیے بغیر لوگوں کی خدمت جیسی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرایا اور انھیں دعوت دی کہ وہ اور ان کے تمام ہم ذات افراد جونہی دائرہ اسلام میں داخل ہوں گے، انھیں یہ تمام مراعات خود بخود حاصل ہو جائیں گی اور وہ ہر مسلمان کی طرح آزادی کے ساتھ سانس لے سکیں گے، نیز سیاسی اعتبار سے مزید مستحکم ہو جائیں گے۔ جواباً امبیدکر نے ان علما کو بتایا کہ تبدیلی مذہب جیسے اہم مسئلے کو وہ ذاتی طور پر حل نہیں کر سکتے اور وہ اس سلسلے میں جو بھی فیصلہ کریں گے، اس میں ان کے ساتھیوں کا مشورہ ضرور شامل ہوگا۔

امبیدکر سے رابطہ قائم کرنے والی ایک جماعت بمبئی کی "جمعیت شبان المسلمین" بھی تھی، جس نے انھی دنوں لاہور کے نومسلم قانون دان خالد لطیف گابا کو بذریعہ تار بلایا تاکہ وہ آ کر امبیدکر سے بالمشافہ گفتگو کر سکیں۔ گابا نے اس ضمن میں علامہ اقبال سے مشورہ کیا تو انھوں نے یہ ہدایت کی کہ وہ اور مولانا محمد عبداللہ قصوری (جمعیت دعوت و تبلیغ) فوراً بمبئی روانہ ہو جائیں۔ (بحوالہ "انقلاب" بابت ۲۲۔ اکتوبر ۱۹۳۵ء)۔ بمبئی ہی کی مجلس احرار کے ایک اجلاس (منعقدہ ۲۰، اکتوبر) میں، جس کی صدارت چوہدری افضل حق نے کی، اتفاق رائے سے یہ فیصلہ ہوا کہ مبلّغین کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو اچھوتوں کی بستیوں میں جا کر اسلام کی تعلیمات کا پرچار کرے۔ اس کمیٹی کے لیے ان ارکان کو منتخب کیا گیا: سید سلیمان ندوی (یوپی)، ڈاکٹر محمد اقبال (پنجاب)، مولانا مفتی کفایت اللہ (دہلی) مولانا سید حسین احمد مدنی (یوپی)، مولانا محمد علی قصوری (بمبئی)، خالد لطیف گابا (پنجاب)، اور مولانا شوکت علی (بمبئی)۔[۳۶]

علمائے دین اور تبلیغی اداروں کے علاوہ اس مہم میں مسلمان پریس نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ "مدینہ" (بجنور) نے اپنے ایک شمارے (بابت یکم نومبر ۱۹۳۵ء) میں مسلمانوں پر زور دیا کہ انھیں انفرادی اور اجتماعی سطح پر اچھوتوں کو دائرۂ اسلام میں لانے کی کوششیں جاری رکھنا چاہییں اور اس کے ساتھ ساتھ تبلیغ دین کے لیے ایک عمومی کونسل

بھی تشکیل دینی چاہیے، جس میں مختلف صوبوں کے نمائندے شامل ہوں اور وہ وفد کی شکل میں امبیدکر سے ملاقات کریں اور انھیں اسلام میں شامل ہونے کی دعوت دیں۔

روز نامہ "انقلاب" (بابت ۱۸، اکتوبر ۱۹۳۵ء) رقم طراز ہے کہ "اچھوت اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں، یہ ہم محض اس بنا پر نہیں کہتے کہ اسلام ہمارا اپنا مذہب ہے اور ہمارے نزدیک یہ دین و دنیا میں فلاح کے حصول کا واحد ذریعہ ہے بلکہ اس لیے بھی کہتے ہیں کہ کلمہ توحید کے اقرار کے ساتھ ہی اچھوتوں کے لیے کامل مساوات کا دروازہ کہیں اور نہیں کھل سکتا۔"

اس دوران میں جب ڈاکٹر امبیدکر کی طرف یہ بیان منسوب کیا گیا کہ "میں نے ایک مذہب قبول کر لیا ہے، لیکن ابھی اس کا نام نہیں بتانا چاہتا" (بحوالہ "انقلاب" بابت ۲۶، اکتوبر ۱۹۳۵ء) تو پورے ملک کے پریس میں امبیدکر کی قرارداد کی موافقت اور مخالفت میں مضامین اور اداریے لکھے جانے لگے۔ چنانچہ چند ماہ بعد بیرونی ممالک، مشرق وسطی اور مصر کے ممالک تک اطلاعات پہنچنا شروع ہو گئیں کہ ہندوستان میں اچھوتوں کی بہت بڑی تعداد کے راہنما تبدیل مذہب کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ سوچ رہے ہیں۔

مصر کے اخبارات مثلاً ہفت روزہ الفتح، روز نامہ البلاغ اور الاہرام میں اچھوتوں کے ارادۂ تبدیلِ مذہب کے بارے میں رپورٹوں کی اشاعت شروع ہوئی اور وہ بھی زیادہ تر روز نامہ "البلاغ" میں۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس اخبار کا اپنا ایک نمائندہ بمبئی میں مقیم تھا اور وہ اپنے اخبار کو وقتاً فوقتاً ہندوستان کے حالات پر مبنی رپورٹیں ارسال کرتا رہتا تھا۔ اس نمائندے کی ایک رپورٹ "البلاغ" کے ۱۷، جون ۱۹۳۶ء کے شمارے میں شائع ہوئی اور یہ اس نے بمبئی سے ۶۔ جون کو روانہ کی تھی۔ اس میں یہ خبر دی گئی کہ اس دفعہ عید میلاد النبیؐ کی مبارک تقریبات میں بہت سے نومسلم اچھوتوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اس موقع پر مہاتما گاندھی کے بیٹے ہیرا لال نے بھی تقریر کی، جس نے اس سال ۲۹، مئی کو اسلام قبول کیا تھا اور اس کا اسلامی نام عبد اللہ رکھا گیا تھا۔

اسی سال یعنی ۱۹۳۶ء میں "الاہرام" کو بھی کلکتہ سے ایک مفصل رپورٹ ملی جو ۱۸، جون

کے شمارے میں اشاعت پذیر ہوئی۔ اس رپورٹ میں یہ بتایا گیا کہ مہاتما گاندھی کا ایک پیروکار پنڈت گز دھم اپنے بارہ سو ساتھیوں سمیت حلقہ بگوش اسلام ہوگیا ہے۔

مصری اخبارات میں ان رپورٹوں کی اشاعت نے عوام الناس میں تبلیغ دین کے لیے ایک نیا جوش و ولولہ پیدا کر دیا اور وہاں کے علماء مبلغین، ارباب فکر و دانش اور متعدد شخصیات نے ہندوستانی مسلمانوں کے تعاون سے اچھوتوں کو دائرۂ اسلام میں شامل کرنے کے بارے میں سنجیدگی کے ساتھ سوچنا شروع کر دیا، چنانچہ فوراً ایک کمیٹی کی تشکیل کا فیصلہ کیا گیا، جو جمعیت شبان المسلمین (بمبئی) کے اشتراک عمل سے کام کرے گی۔ اس کمیٹی کے صدر شہزادہ عمر طوسون مقرر کیے گئے۔ علاوہ ازیں جامعہ الازہر کے ریکٹر (شیخ الازہر) نے اس مسئلے کی اہمیت کا اندازہ لگاتے ہوئے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں ہندوستان کی بعض علمی شخصیات اور تبلیغی اداروں سے رجوع کریں گے اور اگر ممکن ہو سکا تو ایک خصوصی وفد بھی ہندوستان بھیجیں گے تاکہ صحیح صورت حال کا موقع ہی پر جائزہ لیا جا سکے (بحوالہ "البلاغ" بابت ۱۷ جون ۱۹۳۶ء)

جب مصری اخبارات میں اچھوتوں کے بارے میں ہندوستان سے آمدہ اطلاعات شائع ہو رہی تھیں، ان دنوں جامعہ الازہر کے ریکٹر محمد مصطفیٰ المراغی تھے۔ وہ اس سے پہلے بھی اس عہدے پر فائز تھے (سنہ تقرر مئی ۱۹۲۸ء)، لیکن انھیں بعض وجوہ کے باعث اکتوبر ۱۹۲۹ء میں مستعفی ہونا پڑا۔ چند سال بعد انھیں پھر اسی عہدے پر تعینات کر دیا گیا (اپریل ۱۹۳۵ء) اور پھر وہ اپنی وفات (۲۲۔ اگست ۱۹۴۵ء) تک الازہر کے سربراہ کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ؎

محمد مصطفیٰ المراغی علوم دینیہ پر کامل دستگاہ رکھتے تھے اور انھیں عرب ممالک میں ایک دینی مصلح، جید عالم، مفسر اور فقیہ کی حیثیت سے بلند مقام حاصل تھا۔ چنانچہ اسی قدر و منزلت کی وجہ سے انھیں یہ ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ ایک ایسا وفد تشکیل دیں جو ہندوستان جا کر اچھوتوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات سے روشناس کرائے اور انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دے۔ ؎

یہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ اچھوتوں تک دعوتِ اسلام پہنچانے کے لیے کون سا لائحہ عمل سودمند ثابت ہوگا۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ مصری وفد کو ہندوستان بھیجنے سے قبل وہاں کی نامور علمی شخصیات سے رابطہ قائم کیا جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ وہ ایسی تجاویز پیش کریں، جن پر عمل پیرا ہو کر یہ وفد اپنے تبلیغی فرائض بطریق احسن انجام دے سکے۔ چنانچہ شیخ الازہر نے اپنے اسی مقصد کے پیش نظر اس دور کی تین شخصیات یعنی علامہ محمد اقبال، نومسلم خالد لطیف گابا اور مولانا شوکت علی کو الگ الگ خطوط روانہ کیے۔

المراغی نے اقبال کے نام جو خط تحریر کیا، وہ عربی میں تھا، لیکن اس کا اصل متن دستیاب نہ ہونے کی صورت میں اس کا جو اُردو ترجمہ اُس دور کے اخبارات میں شائع ہوا، وہی یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اُمید ہے کہ جناب مکرم و معظم بخیر و عافیت اور اللہ تعالیٰ کے افضال و نعم سے شادکام و خوش ہنگام ہوں گے۔

گزارش ہے کہ میں نے جریدہ "البلاغ" مصر میں ایک جامع و طویل مقالے کا مطالعہ کیا ہے، جس میں اچھوتوں کی اس کانفرنس کا تذکرہ ہے، جس میں انھوں نے دین بت پرستی کو ترک کرنے اور کوئی مذہب اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جناب مکرم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ وہ زریں موقع ہے کہ جس کو اسلام بلکہ تمام ادیان و مذاہب کی تاریخ میں دوبارہ دستیاب ہونا ندرت کا حکم رکھتا ہے۔ تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ کمر ہمت کو چست کرلیں اور جدوجہد کی آستینوں کو چڑھالیں اور ان لوگوں کو اسلام کے مقدس و متبرک ایوان میں داخل کرنے کے لیے جو کوششیں بھی ان کی قدرت میں ہوں، کر ڈالیں۔ اسلام وہ فطری مذہب ہے کہ رواداری، سادگی اور موافقتِ جمہور کے مسئلے میں کوئی مذہب اس کا مثیل نہیں بن سکتا۔ یہی وہ مذہب ہے کہ اللہ کے سامنے اور عدل و انصاف کے سامنے اپنے ماننے والوں کو برابری کا درجہ دیتا ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت

حاصل نہیں ہے۔ اگر کسی وجہ سے فضیلت حاصل ہو سکتی ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ اسلام کا قطعی فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان نسب و قرابت کے کوئی وجوہ حائل نہیں ہو سکتے۔ اللہ کے نزدیک، وہی بندہ سب سے زیادہ مہذب ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہندوستان میں ایسی اسلامی جماعتیں موجود ہیں، جن میں بہترین علما اور قابل ترین مناظر و مبلغ موجود ہیں اور اُمید ہے کہ وہ اس راہ میں جو کہ سچے جہاد کی راہ ہے، قابلِ تحسین اقدام شروع کر دیں گے۔ بایں ہمہ اگر آنجناب پسند کریں تو ازہر بھی اس جہادِ اکبر میں حصہ لے اور اپنے علما اور قابل ترین مناظرین کا وفد ہندوستان کی طرف بھیجے جو اس کی جلد و جہد میں برادرانِ ملتِ اسلامیہ ہند کا ہاتھ بٹائے۔

اگر جناب کا جواب اثبات میں ہو تو فرمائیے کہ ارکان وفد کیسے ہونے چاہییں اور کیا یہ ضروری ہے کہ ان ارکان کے ساتھ ایسے ترجمان ہوں جو ان کی تقریروں کا ترجمہ کریں یا ہندوستان ہی سے ایسے آدمی مل سکیں گے جو عربی اور انگریزی دونوں زبانیں جاننے کی وجہ سے ترجمان کا کام اچھی طرح کر سکیں۔"[۹]

شیخ الازہر کا یہ خط ملتے ہی اقبال نے سب سے پہلے اپنے دیرینہ دوست غلام بھیک نیرنگ سے رابطہ قائم کیا اور ان سے رائے طلب کی۔ چنانچہ یکم جولائی ۱۹۳۶ء کو اقبال نے نیرنگ کو یہ خط ارسال کیا:

"مجھ سے شیخ الازہر صاحب نے مشورہ طلب کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس وفد کے متعلق آپ ضروری ہدایات دیں۔ مہربانی کر کے آپ لکھیں کہ ان کو کیا مشورہ دیا جائے۔ بعض باتیں میرے خیال میں ہیں، مگر میں آپ کی رائے بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اس وفد کے ہمراہ ملک کا دورہ بطور پروپیگنڈا سیکریٹری کے کریں۔ اس سے بہت اچھے نتائج نکلیں گے اور وفد کو آپ کی معلومات کے امیال و عواطف سے بے حد فائدہ پہنچے گا۔"[۱۰]

اقبال کی فرمائش پر نیرنگ نے اپنی تجاویز پیش کر دیں اور ساتھ ہی ان مشکلات کا بھی ذکر کر دیا، جو اس وفد کے مقصد کی راہ میں رکاوٹ پیدا کر سکتی تھیں - ممکن ہے، نیرنگ نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا ہو کہ مصری وفد کے ہندوستان آنے سے خاطر خواہ نتائج متوقع نہیں ہیں- چنانچہ اقبال نے فوراً نیرنگ کے موقف کو درست مانتے ہوئے پھر بھی اس وفد کی آمد کو مسلمانوں کے لیے مفید قرار دیا- ان کے خط (بنام نیرنگ بلا تاریخ، اندازاً جولائی ۱۹۳۶ء) کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:

"آپ کا خط عین انتظار میں ملا- یہ تمام مشکلات میرے ذہن میں تھیں جو آپ نے خط میں لکھی ہیں- باوجود ان کے میرا خیال تھا کہ ان کا ہندوستان آنا عام طور پر اعلیٰ ذات کے ہندوؤں پر اور نیز خود مسلمانوں پر اچھا اثر ڈالے گا- ان کے آنے سے مسلمانوں کے تبلیغی جوش میں اضافہ ہوتا بہت ممکن ہے- اس کے علاوہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں پر عام اسلامی اخوت کا اثر پڑے گا- اس واسطے میرا خیال ہے کہ ان کو تمام مشکلات سے آگاہ کر دیا جائے اور جو فوائد ان کے وفد سے ممکن ہیں، ان کا بھی ذکر کر دیا جائے اور فیصلہ ان پر چھوڑ دیا جائے"۔[۱۱]

اقبال نے شیخ الازہر کا خط ۲ جولائی ۱۹۳۶ء کے روزنامہ "احسان" میں شائع کرا دیا اور اسی روز انجمن حمایت اسلام کے سیکریٹری ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین کو ایسے مترجمین مہیا کرنے کے بارے میں خط لکھا، جو مصری وفد کے ارکان کی تقریروں کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ کر سکیں۔

علامہ اقبال نے غلام بھیک نیرنگ کی مفصل تجاویز اور انجمن حمایت اسلام کے ارباب بست و کشاد کے فیصلوں کی روشنی میں شیخ الازہر کو ایک طویل مکتوب روانہ کیا- حتمی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس خط کا سنہ تحریر کیا ہے- البتہ اس کا جو خلاصہ قاہرہ کے اخبار "البلاغ" میں شائع ہوا (بابت ۲۵ جولائی ۱۹۳۶ء) اس سے یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اقبال نے وسط جولائی میں یہ مراسلہ بھجوایا ہوگا- اقبال کے اس خط

کا ملخص پہلی بار بشیر احمد ڈار مرحوم نے مختصر تعارف کے ساتھ شائع کرایا ہے[۱۲] اس خلاصے کا اردو ترجمہ اُسی سال یعنی ۱۹۳۶ء ہی میں "انقلاب" ۲۰ ستمبر ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ یہی خلاصہ اب تک اقبال کے مکاتیب اور تحریروں کے مجموعوں میں شامل ہوتا چلا آرہا ہے۔ اب پہلی بار سطور ذیل میں علامہ اقبال کے مکتوب گرامی بنام شیخ محمد مصطفیٰ المراغی کا مکمل متن منظرِ عام پر لایا جارہا ہے۔

شیخ الازہر حضرت شیخ مصطفیٰ المراغی کے نام علامہ اقبال کے خط کا مکمل متن۔

Your reverence : I received your esteemed letter and ask to be excused for the delay in answering it. Since it involved some necessary enquiries on my part before writing. I have applied to some of the Islamic societies and some of the more important educational societies of India, and I am now in a position to reply to you on the points on which you consulted me.

It was a noble thought of yours to propose sending an Egyptian mission to India. For Islam in India moves on with hastening footsteps. And I have no doubt that the embracing of Islam by the outcastes will be an exceptional opportunity in Indian history and one with a great influence on the future history of Islam throughout Asia. It is not only outcastes who are entering Islam; there is also a movement, even if it is slow, on the part of the higher ranks of Indian society. No doubt you read in the Indian newspapers that the son of Mahatma Gandhi has actually become a Muslim. Never a week passes but some member of the higher castes of India enters Islam in some Indian mosque.

It is very clear to me that a great opportunity is before Islam in India. And it seems as if this opportunity is calling out hitheto undreamed of powers in the Indian Muslim community.

As for the matter of the outcastes, there is one hindrance almost impossible to overcome, which is that the greater number of these outcastes live in the south of India and speak six different languages, none of which are really capable of expressing the highest religious thought. Hence your Reverence will understand the difficulty of finding interpreters able to pass on the massage of your delegation in the language of the outcastes. So far, our Indian Islamic societies have not found a solution for this problem, and it would of course be impossible to make a success of evangelistic work except through the help of our Indian Muslim societies.

I have taken the advice of two of the largest Islamic societies in India, who assured me that they would do everything in their power to help such a mission from the Azhar, but this does not dispel the difficulty I have already explained.

My opinion, then , is that the visit of an Egyptian mission to India would be beneficial to the Islamic movement in India, and would quicken the activities of Muslim societies in this land, and would reveal to the higher classes the true spiritual brotherhood of Muslims, and the spread of Islam into all parts of the world. If in spite of the difficulties which I have mentioned, you still think of sending a mission to India, I should like to make the following proposals :-

1. The mission must consist of 'ulama who are well informed and able to set forth Islam in the light of modern ideas and modern experience. They must have information and figures showing how Islam has raised the pagans of Africa to a civilized status.

2. It is necessary that during their stay in India and their travels in the country the mission should live in a manner which benefits the good reputation of the Muslims in Egypt.

3. It is necessary that secretary should be attached to mission who would secure invitations for its work in different Muslim towns.

4. On its return to Egypt the mission should take with it a number of young converts to Islam from the outcastes to be trained in the Azhar, and to spend sufficient time there to become really capable exponents of Islamic life and thought, thus fulfilling the saying of the converts of old, 'I was once a Kurd, now I am an Arab'. These, as you will have perceived, will he leaders in Islamic societies on their return to India, as we have seen in the case of non-Islamic societies.

5. I consider that it would be wise before the mission leaves Egypt to get into touch with Maulvi[13] Sayyid Ghulam Bheek Nairang the lawyer in the city of Anbala. He is a member of the Indian parliament and secretary of the principal Islamic society of India, and has written to me that he is willing to help the mission to the best of his ability.

It is not necessary for me to tell you that if you do send a mission to India they will have a warm welcome from their Indian Muslim brothers. The Muslim community everywhere, as your Reverence knows, is waking up to the spiritual brotherhood which distinguishes Islam. The Muslims of India are deeply concerned to bring the ourcastes into Islam and are found by the orders of their religion to do so. Alas, the rich among them, unfortunately, for various reasons which I need not specify, care very little for the affairs[14] of Islam.

علامہ اقبال کا شیخ الازہر کے نام یہ مکتوب جولائی ۱۹۳۶ء میں لکھا گیا اور اسے بعد میں شیخ الازہر کے خط بنام اقبال سمیت مصر کے اخبارات میں بھی شائع کرا دیا گیا۔

اس سے اگلے ماہ یعنی اگست میں دہلی کے انگریزی روزنامہ "ہندوستان ٹائمز" نے یہ دونوں مراسلات شائع کر دیے اور ساتھ ہی ان خطوط کے مندرجات کو بنیاد بنا کر ایک طویل مضمون بھی شائع کر دیا، جس میں اقبال کے اس اقدام پر شدید تنقید کی گئی کہ انھوں نے اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کے لیے علمائے مصر کی اعانت حاصل کی ہے۔ "ہندوستان ٹائمز" کے اس مضمون نے تمام ہندو پریس میں اقبال کے خلاف ایک محاذ کھڑا کر دیا۔

'ہندوستان ٹائمز' کی پیروی میں "تیج" اور "پرتاپ" نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ہندو اخبارات کو اقبال سے سب سے بڑی شکایت یہ تھی کہ انھوں نے ہندو مت سے تعلق رکھنے والی اتنی بڑی اکثریت کو ہندوؤں سے الگ کرنے کی ترغیب دے کر انھیں سیاسی اور سماجی سطح پر کمزور کرنے کی کوشش کی ہے۔ مزید یہ کہ اس مقصد کے لیے انھوں نے مصر جیسے اسلامی ملک کے علما اور اربابِ فکر و نظر کو ہندوستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کی دعوت دی ہے۔

اقبال کے خلاف ہندو پریس کی مخالفت کے جواب میں مسلم پریس کو آگے آنا پڑا اور مختلف اخبارات و جرائد میں اقبال کی تائید میں خبریں اور مضامین شائع ہونے لگے۔ مثلاً روزنامہ "انقلاب" (بابت ۲۰۔ ستمبر ۱۹۳۶ء) رقم طراز ہے:

"ہندوستان ٹائمز" میں مصر کے ایک انگریزی اخبار کے حوالے سے اچھوتوں کے تبدیلِ مذہب کے سلسلے میں شیخ الازہر اور حضرت علامہ اقبال کی خط و کتابت شائع ہوئی ہے، جسے ہندوؤں نے حسب توقع ایسے انداز میں شائع کیا ہے کہ گویا ہندوستان میں اچھوتوں کے تبدیلِ مذہب کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا اور شیخ الازہر نے مصر سے ایک تبلیغی وفد ہندوستان بھیجنے کی جو تجویز فرمائی ہے، وہ غلط اطلاعات پر مبنی ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ شائع شدہ تحریرات حضرت شیخ الازہر اور حضرت علامہ اقبال کے حقیقی خیالات و افکار کا کس حد تک صحیح آئینہ ہیں، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اصل مسئلہ بے حد اہم ہے۔ مسلمانانِ ہند کو اس پر خاص توجہ مبذول کرنی چاہیے تھی لیکن افسوس کہ جو کچھ ہونا چاہیے تھا، ابھی تک اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوا۔ یہ ظاہر ہے کہ اسلام کی تاریخ میں کم از کم

ہندوستان کے اندر آج تک ایسا زریں موقع کبھی نہیں آیا کہ غیر مسلموں کی اتنی بڑی آبادی، جو مسلمانانِ ہند کی موجودہ تعداد کے برابر یا اس سے بھی زیادہ ہے، تبدیلِ مذہب کے جذبے سے معمور ہوئی ہو۔ ہندوستان کے مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ صحیح اسلامی تعلیمات کا عملی پیکر بن کر دوسرے مذاہب کے باشندوں کے لیے سرچشمہ جذب وکشش بنتے۔ وہ اپنے نیک، اچھے اور سچے اسلامی اعمال کے ذریعے سے ہر غیر مسلم قوم کے سامنے سراپا تبلیغِ دینِ قیم بن جاتے، لیکن انھوں نے اس فرض سے غفلت برتی۔ آخر قدرت نے خود اچھوتوں کو تبدیلِ مذہب پر آمادہ کر دیا۔ اس موقع پر مسلمانوں کا فرض تھا کہ منتظم طریق پر دینِ اسلام کی خوبیاں اچھوتوں پر واضح کرتے اور مختلف حلقوں میں مختلف جماعتیں ضروری اسباب کا انتظام کر کے تبلیغِ دین شروع کر دیتیں، لیکن افسوس کہ یہ بندوبست بھی جس پیمانے پر مطلوب تھا، نہ ہو سکا۔ ہمارے نزدیک اس غفلت کے ذمہ دار وہ اکابر ہیں جو سالہا سال سے مسلمانوں کی قیادت کے دعوے دار بنے بیٹھے ہیں، لیکن انھوں نے کماحقہٗ اس مسئلہ پر توجہ مبذول کی، نہ کوئی مستقل پروگرام بنایا اور نہ مسلمانوں کو دعوتِ عمل دی۔ متفرق طریق پر مختلف جماعتیں اور مختلف افراد بے شک جابجا مصروفِ کار نظر آتے ہیں، لیکن ظاہر ہے کہ کام کی وسعت واہمیت جس قوتِ عمل کی محتاج تھی، اس کا کوئی بندوبست نہ ہو سکا۔ زیادہ تر افراد نے اس کام کو بھی محض اپنی اپنی جماعتوں اور گروہوں کے پروپیگنڈے کا ذریعہ بنالیا اور اس طرح حصولِ مقصد میں آسانیاں پیدا کرنے کے بجائے حقیقتاً مشکلات پیدا کر لیں۔"[15]

ہندو پریس میں اقبال اور المراغی کی خط وکتابت پر جو مخالفانہ تحریریں شائع ہوئیں، ان کی خبر مصر بھی پہنچی۔ ستمبر ۱۹۳۶ء کے اواخر میں جامعہ ازہر کے شعبہ امور مذہبی کے منتظمین کو یہ اطلاع ملی کہ جو مصری وفد تبلیغ اسلام کے لیے ہندوستان جانے والا ہے، ہندو پریس اور ہندو لیڈر اس کی سخت مخالفت کر رہے ہیں اور اس کو روکنے کے لیے ہر طرح کا حربہ استعمال کرنے کو تیار ہیں۔ یہ اطلاع ملتے ہی شیخ الازہر نے ہندوستان کی سرکردہ مسلمان شخصیات کو خطوط لکھے اور ان سے یہ رائے طلب کی کہ ان حالات میں

مصری وفد کا بھیجنا ٹھیک ہے یا نہیں۔ (بحوالہ "الاہرام"، بابت ۳۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

ہندو پریس اور مسلم پریس نیز مختلف سیاسی اور مذہبی تنظیموں میں متذکرہ بالا مراسلت کے حوالے سے جو محاذ آرائی چل پڑی، اس کے پیش نظر علامہ اقبال کو بڑی تشویش لاحق ہوئی اور وہ یہ سوچ کر فکرمند ہو گئے کہ کہیں بات دور تک نہ جا پہنچے اور نتیجتاً اس سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات متاثر نہ ہو جائیں۔ چنانچہ انھوں نے اس صورتِ حال کا بغور جائزہ لینے کے بعد شیخ الازہر کو ایک خط ارسال کیا اور انھیں مصری وفد کو ہندوستان بھیجنے سے منع کر دیا۔ اس اہم خط کا متعلقہ اقتباس درج ذیل ہے:

"اچھوتوں میں تبلیغ کی غرض سے مصری علما کی جماعت کو اس وقت ہندوستان بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے لیے تو ٹھوس کام کی ضرورت ہے، جس کو ہندوستان کے علما ہی انجام دے سکتے ہیں۔ مصری وفد کی ضرورت اس لیے بھی نہیں کہ اچھوت جن زبانوں کو جانتے ہیں، ان سے علمائے مصر واقف نہیں۔ ہم ہندوستان کے مسلمان اچھوتوں میں اطمینان اور سکون کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ اگر مصر سے علما کا وفد آیا تو اس کی وجہ سے ہندو مسلم تعلقات پر ناخوش گوار اثر پڑے گا اور ہمارا حقیقی مقصد فوت ہو جائے گا۔"[۱۵]

علامہ اقبال نے شیخ الازہر کو مصری وفد ہندوستان بھجوانے سے منع تو کر دیا، لیکن بعض دیگر مسلمان مذہبی اور سیاسی رہنماؤں نے پُرزور اصرار کیا کہ اس وفد کو بھجوانے کا فیصلہ واپس نہ لیا جائے۔ چنانچہ مسلم پریس اور سرکردہ افراد کی یقین دہانیوں پر شیخ الازہر اپنے فیصلے پر قائم رہے اور اُنھوں نے فی الفور ایک وفد تشکیل دے دیا۔ اس وفد میں جن ارکان کو منتخب کیا گیا ان کا تعلق جامعہ الازہر کے مختلف شعبوں سے تھا۔ وفد ان ارکان پر مشتمل تھا:

۱۔ شیخ ابراہیم الجبالی

۲۔ شیخ عبدالوہاب النجار

۳۔ پروفیسر شیخ العدنی

۴ - شیخ محمد حبیب احمد آفندی

۵ - محمد صلاح الدین النجار (فرزند شیخ عبدالوہاب النجار)

۶ - عبدالعزیز الثعالبی (ان کا تعلق تیونس سے تھا لیکن یہ شیخ الازہر کی خصوصی درخواست پر وفد میں شامل ہوئے تھے)

ان ارکان میں سے صرف حبیب احمد آفندی اور محمد صلاح الدین النجار انگریزی جانتے تھے، اسی لیے انہیں بالترتیب سیکرٹری اور جائنٹ سیکرٹری مقرر کیا گیا اور انہی کو ترجمانی کے فرائض بھی سونپے گئے۔

تشکیل وفد کے ساتھ ہی اس کے مقاصد بھی بیان کر دیے گئے، جو درج ذیل ہیں:

۱- اچھوتوں کی زبوں حالی کا جائزہ لینا۔

۲- اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کے لیے جامعہ ازہر ایک ثقافتی اور مذہبی ادارے کی حیثیت سے کہاں تک معاونت کر سکتا ہے۔

۳- اگر ممکن ہو تو اچھوتوں کے رہنماؤں سے ملاقات۔

۴- مسلمانوں کے رہنماؤں اور دینی تنظیموں کے مابین باہمی یگانگت کو فروغ دینا۔[۱۲]

رئیس وفد نے بمبئی پہنچنے کے دوسرے روز یعنی ۱۲، دسمبر کو غلام بھیک نیرنگ کو بذریعہ خط مطلع کیا کہ وفد ان سے ملاقات کی شدید خواہش رکھتا ہے۔ چنانچہ ۲۰ دسمبر کو نیرنگ صاحب دہلی پہنچے اور چار روز تک وفد سے ان کے مشن کے حوالے سے طویل مذاکرات کرتے رہے۔ ان ملاقاتوں کے بارے میں نیرنگ لکھتے ہیں:

"چار روز کے مسلسل مکالمات کے بعد رئیس وفد نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ خواہش ظاہر کی کہ میں وہ تمام واقعات و خیالات، جو میں بیان اور ظاہر کر چکا ہوں، انگریزی میں لکھ کر دے دوں۔ چنانچہ میں نے بائیس صفحے کی ایک ٹائپ شدہ یادداشت مرتب کر کے وفد کو دے دی۔ اندریں اثنا ایک صاحب نے ناگپور سے وفد کو ایک چٹھی لکھی تھی۔ وفد نے چاہا کہ میں اس چٹھی پر بھی ایک تبصرہ لکھ دوں۔ چنانچہ پانچ صفحے کا ٹائپ شدہ تبصرہ لکھ کر ان کے حوالے کیا گیا۔"[۱۳]

دہلی کے بعد یہ وفد علی گڑھ، رام پور، دیوبند اور پشاور گیا اور بالآخر ۲۳ جنوری ۱۹۳۸ء کو لاہور پہنچا۔[19] دو روز بعد انٹر کالجیٹ برادر ہڈ کی طرف سے وفد کو سپنسر ہوٹل میں دعوتِ چائے پر بلایا گیا۔ میزبان انجمن نے وفد کو علامہ اقبال کی کتابیں بطور تحفہ دیں جسے قبول کرتے ہوئے رئیس وفد نے کہا کہ:

"حضرت علامہ صاحب اس وقت دُنیائے اسلام کے سب سے جلیل القدر فرزند ہیں، جنھوں نے نوجوانانِ اسلام کے قلوب کو (گرما) دیا ہے۔"[20]

اُن دنوں اقبال علیل تھے اور صحت روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی۔ اپنی مسلسل علالت کے باعث وہ بہت کم گھر سے باہر نکلتے تھے، لیکن اس کے باوجود اُنھوں نے وفد کے اعزاز میں سپنسر ہوٹل میں دوپہر کے کھانے کا اہتمام کیا۔ اس دعوت میں شہر کے چیدہ چیدہ اربابِ علم و دانش کو مدعو کیا گیا۔ مہمانوں میں غلام بھیک نیرنگ بھی شامل تھے۔ کھانے کے بعد ارکانِ وفد، اقبال اور نیرنگ کی طویل نشست ہوئی، جس میں وفد کے ہندوستان آنے کے بعد کی پیش رفت کا تفصیلی جائزہ لیا گیا۔ اس ملاقات کے بارے میں نیرنگ لکھتے ہیں:

"وفد کے مقصد سے متعلق وفد کی اقبال سے باتیں ہوئیں۔ میں جو کچھ کر چکا تھا، وہ میں نے بیان کیا۔ اقبال نے میرے خیالات سے اتفاق کیا۔ اقبال سے جو خاص مشورہ ہوا، اس کی ایک ٹائپ شدہ یادداشت مرتب کر کے میں نے وفد کو دے دی۔"[21]

اقبال کی اس ضیافت میں جن اصحاب نے شرکت کی، کھانے کے بعد ان سب کی ایک تصویر بھی کھینچی گئی۔ یہ تصویر انتہائی اہم ہے کیونکہ یہ اقبال کی زندگی کی آخری تصویر ہے اور اس میں ان کی خرابیٔ صحت کے آثار واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں؛ نیز یہ آخری اجتماع تھا، جس میں اقبال بنفسِ نفیس شریک ہوئے اور وہ بھی چھ ماہ کے وقفے کے بعد۔ اس کے بعد انھیں ایسی کسی علمی مجلس میں شریک ہونے کا موقع نہیں ملا۔ اس تقریب اور تصویر میں نیرنگ اور نذیر نیازی موجود ہیں، چنانچہ وہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"لنچ کے بعد ایک گروپ فوٹو لیا گیا۔ جاوید اس فوٹو میں بھی ہیں۔ یہ گروپ ایک نہایت خاص یادگار ہے۔"

"..... کھانے کے بعد شام کی دعوت کی تصویر بھی لی گئی جس میں حضرت علامہ کی تصویر نہایت صاف آئی ہے ..... میرا خیال ہے، اس کے بعد شاید ان کی کوئی تصویر نہیں لی گئی۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ۱۹۳۷ء کی اس تصویر کی اہمیت کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔"[۲۳]

لاہور میں مصری وفد کی اقبال سے کئی ملاقاتیں ہوئیں اور اس کی آمد کے اصل مقاصد پر سیر حاصل بحث ہوتی رہی۔ یہاں سے فارغ ہو کر وفد واپس دہلی روانہ ہو گیا اور مختلف شہروں سے ہوتا ہوا اور وہاں کے علما اور سیاسی زعما سے تبادلۂ خیالات کرتا ہوا وسط مارچ ۱۹۳۷ء کو واپس مصر چلا گیا۔ اس وفد کی روانگی سے تقریباً تیرہ ماہ بعد اقبال کا انتقال ہوا (۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء) لیکن اس دوران میں وفد کے کسی رکن یا جامعہ الازہر کے ریکٹر نے اُن سے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ اس وفد سے متعلق معتبر ترین شخصیت غلام بھیک نیرنگ بھی اسی انتظار میں رہے کہ وفد کی سفارشات کے بعد مصری حکومت کیا فیصلہ کرتی ہے، لیکن انھیں بھی کوئی خبر نہ ملی۔ بالآخر انھوں نے اقبال کی وفات کے چند ماہ بعد جون ۱۹۳۸ء میں وفد کے ایک رکن محمد حبیب احمد آفندی کو خط لکھا اور اس کے جواب میں مکتوب الیہ نے انھیں وفد کی تحریر کردہ رپورٹ کی ایک کاپی ارسال کر دی، جس میں اُن کی تجاویز سے بھی اتفاق کیا گیا تھا۔ اسی دوران میں جامعہ ازہر کی انتظامی کونسل میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔

چنانچہ اس وفد کی سفارشات اور اس پر عمل درآمد کا مسئلہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا اور وفد کی تیار کردہ یہ رپورٹ دفتر کی فائلوں کے انبار میں دب کر رہ گئی۔ اقبال کی وفات کے بعد غلام بھیک نیرنگ بھی خاموش ہو گئے، اور یوں اچھوتوں میں تبلیغ اسلام کے دعوے، جوش و خروش اور مسلم پریس کا سارا پروپیگنڈا فضائے آسمانی میں تحلیل ہو کر رہ گیا، اور ہر طرف خاک اڑنے لگی اور علامہ اقبال کی یہ پیش گوئی صحیح ثابت ہوئی کہ "اچھوتوں میں تبلیغ کی غرض سے مصری علما کی جماعت کو اس وقت ہندوستان بھیجنے کی ضرورت نہیں، اس کے لیے تو ٹھوس کام کی ضرورت ہے۔"

حواشی

۱ W.N. Kuber: *B.R. Ambedkar*, 2nd ed., New Delhi, 1990 (1987).

۲ رک: C. B. Kheirmode (ڈاکٹر بھیم راؤ جی امیڈکر چرتر، حصہ اوّل، بمبئی ۱۹۵۲ء، حصہ دوم ۱۹۵۸ء) S.R. Kharat: کرم ویر بھاؤ راؤ گراور قادادا صاحب گائیکواڈیانا ڈاکٹر بابا صاحب آمیڈکرانسی پتر، مطبوعہ پوتا، ۱۹۶۱ء

۳ *Ambedkarancya sahavasat*, Poona 1961.

۴ Shanthi Deva and C.M. Wagh: *Dr. Ambedkar and Conversion*, Hyderabad Deccan. 1965.

۵ "..... But religion is not like a house or a cloak which can be changed at will. It is more an integral part of one's self than of one's body."

۶ رک: الفتح (قاہرہ)، مضمون از بدر الدین الصینی، بحوالہ الجامعۃ العربیہ، یروشلم، بابت ۶ر دسمبر ۱۹۳۵ء۔

۷ شیخ الازہر محمد مصطفیٰ المراغی بن محمد بن عبد المنعم کے مختصر حالات زندگی ان کی ایک کتاب "الاجتہاد فی الاسلام" (قاہرہ ۱۳۷۹ھ) کے مرتب محمد عبد اللہ السمان نے قلم بند کیے ہیں اور ساتھ ان کی تصویر بھی دی ہے۔ ان تفصیلات کے مطابق شیخ الازہر ۱۲۹۸ھ (۱۸۸۱ء) کو مصر کے شہر مراغہ میں پیدا ہوئے۔ جامعہ الازہر میں تعلیم مکمل کی اور شیخ محمد عبدہٗ کی مجالسِ علمیہ میں بھی شریک ہوتے رہے۔ مصر

کے متعدد علمی اور دینی اداروں کے مناصب جلیلہ پر فائز رہے۔ ان کی تصانیف میں "بحث فی ترجمۃ القرآن الکریم واحکامہا (قاہرہ ۱۹۳۶ء) اور "الدروس الدینیۃ" (قاہرہ ۱۳۶۴ھ-۱۳۶۵ھ) قابلِ ذکر ہیں۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔

محمد حسین الذہبی: التفسیر والمفسرون، جلد سوم، قاہرہ، ۱۹۶۲ء، صفحہ ۲۵۷-۲۶۰۔ محمد مصطفیٰ المراغی کے حالات اور علمی آثار سے متعلق رک: انور الجندی: تراجم الاعلام المعاصرین فی العالم الاسلامی، قاہرہ ۱۹۷۰ء صفحہ ۴۳۱۔

۸؎ جس اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا، اس کی صدارت المراغی نے کی تھی (بحوالہ البلاغ بابت ۲۷ جنوری ۱۹۳۶ء)

۹؎ "حمایت اسلام" لاہور، ۶ رجولائی ۱۹۳۶ء، صفحہ ۵ بحوالہ اقبال اور انجمن حمایت اسلام از محمد حنیف شاہد، لاہور ۱۹۷۶ء، صفحہ ۱۳۷-۱۳۸) یہ خط بلا تاریخ ہے، لیکن قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خط وسط جون ۱۹۳۶ء کے لگ بھگ تحریر کیا گیا۔ اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے سیکریٹری ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین کو جو خط لکھا (بابت ۲، جولائی ۱۹۳۶ء) اس کی ابتدا کچھ یوں ہے: "شیخ مراغی جامعہ ازہر قاہرہ کا خط میرے نام آیا جو آج کے اخبار "احسان" میں بھی شائع ہو گیا ہے۔"

۱۰؎ اقبال کے بعض حالات از نیرنگ (رک: مطالعہ اقبال، مرتبہ گوہر نوشاہی، لاہور، ۱۹۷۱ء، صفحہ ۴۱-۴۲)

۱۱؎ ایضاً، صفحہ ۴۲۔ اس خط کے بعد مکتوب الیہ رقم طراز ہے: "اس کے بعد مجھ کو اقبال کا کوئی اور خط اس سلسلے میں نہیں ملا، مگر یہ قرار پا چکا تھا کہ اقبال، شیخ جامعۃ الازہر کو میرے بارے میں لکھ دیں گے۔ انھوں نے ضرور لکھا ہوگا۔ میں نے اقبال کو اطمینان دلایا تھا کہ میں وفد کو ہر امکانی امداد دوں گا۔"

۱۲؎ Letters and Writings of Iqbal. Compiled and edited by B.A. Dar, Karachi, 1967, pp. 83-85.

۱۳؎ (۱۸۷۵ء-۱۹۵۲ء) اقبال کے دیرینہ رفیق۔ انھوں نے "اقبال کے بعض حالات" کے

عنوان سے ایک اہم معلوماتی مضمون تحریر کیا تھا (دیکھیے سطور بالا)۔ شعر کہتے تھے اور ان کا ایک مجموعہ شاعری "کلام نیرنگ" کے نام کے تحت شائع ہو چکا ہے (طبع اول ۱۹۰۷ء، طبع سوم مع ضمیر مدون کلام، مرتبہ ڈاکٹر معین الدین عقیل، کراچی ۱۹۸۳ء)۔ نیرنگ نے ۱۹۲۳ء میں انبالہ میں "جمعیت مرکزیہ تبلیغ الاسلام" کی بنیاد رکھی۔ اقبال نے مختلف مشائخ، علما اور معززین سے اس جمعیت کے ساتھ تعاون کی اپیل کی تھی۔

ابتدائی عمر میں سید شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی کے مرید ہو گئے۔ اُنھوں نے اپنے مرشد کے فارسی، اردو اور ہندی کلام کو چھپوایا اور اس کے شروع میں مقدمہ بھی تحریر کیا۔ یہ مجموعہ "تحائف اشرفی" کے عنوان سے شائع ہوا (طبع ثانی، درگاہ کچھوچھہ ضلع فیض آباد، ۱۹۰۰ء، مقدمہ نیرنگ، صفحہ ۴۰-۴۸) نیرنگ کے سوانح حیات، نیز ان کی شعری اور تبلیغی سرگرمیوں کے بارے میں رک،

کلام نیرنگ (محولہ بالا) مقدمہ مرتب، صفحہ ۹-۴۴۔ حیات اقبال کی گم شدہ کڑیاں از محمد عبداللہ قریشی، لاہور ۱۹۸۲ء، ص ۱۰۹-۱۱۱۔ سید جعفر طالب، میر غلام بھیک نیرنگ اور ان کی شاعری (قومی زبان، جولائی ۱۹۵۹ء، ص ۱۱۶-۱۱۷)۔ ڈاکٹر انور سدید، میر غلام بھیک نیرنگ (ہفت روزہ "چٹان"، بابت ۱۱ جولائی ۱۹۸۳ء)

۱۴؎ اقبال کے خط کا یہ مکمل متن قاہرہ کے اخبار "الاہرام" سے منقول ہے (بابت ۲۶ جولائی ۱۹۳۶ء)

۱۵؎ بحوالہ حیات اقبال کے چند مخفی گوشے، صفحہ ۳۶۶-۳۶۷

مزید دیکھیے، "حمایت اسلام" بابت یکم اکتوبر ۱۹۳۶ء بحوالہ اقبال اور انجمن حمایت اسلام، متذکرہ بالا صفحہ ۱۳۹-۱۴۱۔

۱۶؎ بحوالہ اقبال اور انجمن حمایت اسلام، صفحہ ۱۳۹۔ علامہ اقبال کا یہ خط مصر کے اخبار "البلاغ" میں شائع ہوا تھا (بابت ۵ ستمبر ۱۹۳۶ء)

۱۷؎ بحوالہ "البلاغ" بابت ۳۰ نومبر و یکم دسمبر ۱۹۳۶ء

وفد کے مقاصد کے بارے میں غلام بھیک نیرنگ لکھتے ہیں کہ "اخباروں سے معلوم ہو چکا تھا کہ اس وفد نے اپنا مقصد ہندوستان کے مسلم ادارات تعلیم

کا معائنہ اور مطالعہ اور مسلمانانِ ہند سے ثقافتی CULTURAL تعلقات قائم کرنا بیان کیا ہے۔ دہلی میں ملاقات ہونے پر معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے تبلیغی مقصد کو سب سے راز میں رکھا ہے اور اس بارے میں مجھے اور اقبال سے بصیغہ راز مبادلۂ خیالات اور اخذ معلومات کریں گے" (اقبال کے بعض حالات، محولہ بالا، صفحہ ۴۳)۔

۱۸ اقبال کے بعض حالات، محولہ بالا، صفحہ ۴۴۔

۱۹ بحوالہ انقلاب، بابت ۲۷، جنوری ۱۹۳۷ء

۲۰ بحوالہ ایضاً، (ارک، حیات اقبال کے چند مخفی گوشے، محولہ بالا، صفحہ ۵۰۹)

۲۱ علامہ اقبال سید نذیر نیازی مرحوم کو اپنے مکتوبات (بابت ۲۳، جنوری ۱۹۳۷ء) میں یوں مدعو کرتے ہیں:

"مصر کے علما آج آگئے ہیں۔ میں نے ان کو ۲۷، جنوری بروز بدھ ڈیڑھ دو بجے دوپہر لنچ دیا ہے۔ آپ مع راجہ حسن اختر صاحب ضرور آئیں۔ لنچ سپنسر ہوٹل (منٹگمری روڈ) میں ہوگا، جو آپ کی جگہ سے قریب ہے": (مکتوباتِ اقبال مرتبہ سید نذیر نیازی، کراچی، ۱۹۵۷ء، ص ۳۴۱)

۲۲ مکتوباتِ اقبال، مذکورہ بالا، صفحہ ۳۶۱

(المعارف: نومبر۔ دسمبر ۱۹۹۲ء)

مکتوبِ آزاد

بنام

سیّد سلیمان ندوی

صدیقی العزیز!

مصری وفد کی بڑی لمبی داستان ہے۔۔۔ نے سب کو بے وقوف بنانا چاہا، لیکن چونکہ مسلمانوں میں بے وقوف بننے کی استعداد زیادہ ہے۔ اس لیے سب زیادہ یہی بنے۔ سب سے پہلے بمبئی کے چند فرصت طلبوں نے ڈاکٹر امبیدکر کے اعلان اور مولانا عبداللہ گاندھی کے معاملے کو ہر طرح کے مبالغوں سے آراستہ کرکے مصر پہنچایا۔ پھر عبداللہ فوزان بھی اس چکر میں آگئے۔ اور جمعیت شبان قاہرہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوگئی کہ ہندستان کے تمام اچھوت مسلمان ہونے کے لیے تیار ہوگئے ہیں۔ علمائے ازہر کا ایک تبلیغی وفد ضرور بھیجنا چاہیے۔ مالابار کے ایک طالب علم عبدالقادر نے بھی بہت غلط سلط باتیں لکھ دیں اور غالباً لاہور کے "علامہ گابہ" نے بھی اس میں کافی حصہ لیا۔ وہ قاہرہ میں ڈاکٹر عبدالحمید سے مل چکے ہیں۔ ڈاکٹر نے ان سے خط و کتابت کی تھی، لیکن معلوم ہوتا ہے جب ترسیل وفد انتظامات مکمل ہوگئے تو شیخ ازہر اور ارکان جمعیت نے یکایک محسوس کیا کہ صورت حال قابل اعتماد نہیں ہے مزید معلومات حاصل کرنی چاہیے۔ چنانچہ اکتوبر میں شیخ مراغی کا ایک خط مجھے وصول ہوا تھا اور بعد کو بمبئی سے عبداللہ فوزان کا بھی ایک خط ملا تھا۔ دونوں نے استفسار کیا تھا کہ کسی تبلیغی وفد کی ترسیل سود مند ہوگی یا نہیں؟ میں نے انھیں لکھا تھا کہ اچھوتوں کے لیے مصر کا وفد یہاں آکر کچھ نہیں کرسکتا۔ اس غرض سے وفد کا بھیجنا نہ صرف بے سود ہوگا، بلکہ کئی اعتبار سے مضر ثابت ہوگا لیکن اگر آپ وفد کا اہتمام کر چکے ہیں تو اسے ایک صحیح اور ضروری مقصد کے لیے کیوں نہ کام میں لائیں؟ یعنی مصر اور ہندستان کے علمی اور اسلامی روابط کے استحکام و ترقی کے لیے بھیجیں۔ یہ وہ کام ہے جو برسوں پہلے ہونا تھا، کم از کم اب شروع کیا جائے۔

معلوم نہیں پھر کیا ہوا؟ مصر ہی میں یہ بات قرار پا گئی تھی یا بمبئی پہنچ کر اور صورتحال دیکھ کر قرار دی گئی؟ مگر بہر حال وفد نے محض تعلیمی نوعیت اختیار کر لی اور یہ بہت اچھا ہوا۔ علمائے وفد بہر حال ازہری ہی ہیں اس لیے کوئی زیادہ توقع نہیں کی جا سکتی، لیکن یہ ضرور ہے کہ اب ازہر وہ ازہر نہیں رہا جو پچاس برس پہلے تھا اور جس سے شیخ محمد عبدہ کو بالکل مایوس ہو جانا پڑا تھا۔ اب ازہری مولوی بہر حال وقت کی عام مولویانہ سطح سے بلند تر ذہنیت رکھتا ہے اور شیخ مراغی کی اصلاحات نے تو واقعی اسے بالکل ایک نئے عالم میں پہنچا دیا ہے۔[1]

ابوالکلام

---

[1] خط پر تاریخ درج نہیں ہے، لیکن مشمولات بتاتے ہیں کہ یہ دسمبر ۱۹۳۰ء یا جنوری ۱۹۳۱ء یا اس کے ایک آدھ مہینے بعد کا ہے۔

○ یادداشتہائے ودود

● قاضی عبدالودود



قاضی صاحب ہمارے عہد کے سب سے بڑے اردو دانشور تھے۔ اپنے پیچھے انھوں نے اچھا خاصا تحریری سرمایہ چھوڑا ہے۔
آخری زمانے میں عالم یہ تھا کہ لکھتے تھے اور ادھر اُدھر ڈال دیتے تھے۔ کبھی کبھی اسی نوشتہ کے سامنے نہ رہنے کے سبب دوبارہ سہ بارہ لکھتے تھے۔ انگنت موضوعات پر ان کی یہ یادداشتیں ہزاروں چھوٹے بڑے پرزوں کی شکل میں موجود ہیں۔ انھیں وقتاً فوقتاً پیش کیا جاتا رہے گا، شاید کوئی چیز کسی کے کام آجائے۔ ان یادداشتوں میں کتنی ایسی ہیں جو کسی نہ کسی مضمون کی شکل میں آچکی ہیں، کچھ بالکل نئی چیزیں ملیں گی۔ کچھ رقعے بھی۔

ادارہ ——————

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

نیاز علی بیگ نکہت، مؤلف مخزن فوائد

اور ظہور اللہ نوا کے بارے میں

نکہت تخلص نیاز علی بیگ از ارشد تلامذہ شاہ نصیر و از مدت لکھنؤ ساکن است۔ سکندر نامہ ریختہ ترجمہ کردہ است، لو بعضی داستانی بر من خواندہ بود۔ او راست:

آج اک پردہ نشیں کو ہی مرے گھر آنا — آئیو تو ای ملک الموت تو کہہ کر آنا

دل نہ جا رشتِ گرد زلف یار کو — جمع ہو جائیگی مارا مار کو

نوا تخلص ظہور اللہ خان بدایونی از اولاد ادب بخدمت ابوالبقای اللہ خان تلمذ کردہ، از پیشگاہ میرزا زادہ عالم جہاندار شاہ خوشگو خان لقب یافتہ بلکھنؤ رفتہ شتافتہ و با جرأت و مصحفی صحبت داشتہ و صلابت کند بسمعی از زبان مردم کہ زیارت کنندہ مصلحت در ترک شعر دیدہ لذا بکسب دری زبان بایران شتافتہ بہر گشتہ باز بلکھنؤ آمدہ اسیر و وفات ادرا درکلی رفتہ، عمر طویل یافتہ

این ابیات از دیدہ است نقل شد:

تیر پہ تیر ناز کا دل پہ مرے گذار تھا — رخنہ زخم ہر خدنگ دیدہ انتظار تھا

اس از خم تک تو سیل سرشک ما پنا جا پڑا — جس میں کہ ابر جون کف دریا لیا پڑا

سانس ہے سینے میں اب کھٹکی ہی سبزی پھانس سی — کیا ہی زور دن پہ چڑھی ہی ناتوانی ان دنوں

اس پا ی خنائی پہ رکھتا ہوں جو میں سر کو — کس ناز سے وہ ہنس کر کہتا ہے کہ اس سر کو

نو کا ہی نشتر لوں کو یا پیام یاس لاتا ہے — الٰہی خیر کیجو نامہ بر کچھ سست آتا ہے

طاقت تیر دکھاں ہے سخت جانوں کو کہی — قتل کو میرے ذرا ابرو پہ بل دکھا رہی

میں گرفتاری سے میری دی عالم کو نجات — شور زنانہ سے مرے ہر شغل بیداد ہے

رکھا ہے کو کسی کی پھر نہ میری آستیں پکڑی — بنر نگ نقش پا اس در پہ جب میں نے زمیں پکڑی

دیوان ناجی مرتبہ ڈاکٹر فضل الحق

۱۔ مارچ ۱۹۳۶ء کے معیار میں میرا ایک مضمون ہے جس میں تذکرہ خوشگو (اس وقت تک طبع نہیں ہوا تھا) کے نسخہ کتب خانہ خدا بخش سے ترجمہ آبرو مع فارسی اشعار کے ساتھ نقل ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آبرو کی تاریخ وفات ہو رہی ۱۱۳۶ھ ہے۔ اس کے بعد اس کے دو مصرعوں کی شہادت سے جو ۱۱۴۶ھ کی مصدق ہیں مل گئیں اور میں نے ان کا ذکر اپنے کسی مضمون میں کر دیا۔ ایک مدت کے بعد دیوان ناجی مرتبہ ڈاکٹر فضل الحق میں غزل ۷ بعد ذیل ۱۸۱ میں مرتب نے قطعہ کہا ہے:

بتاں میں سنگدل تاریخ کا مصرع تو پڑھ ناجی
کہ بے بلطفی کیس ادن کی آبرو نے جی دیا مر مر

مصرع آخر سے ۱۱۵۶ نکلتا ہے۔ خوشگو آبرو کا استاد بھائی تھا اور آبرو کی طرح دہلی میں مقیم۔ کوئی وجہ اس کی نہیں کہ انھیں صحیح سال وفات معلوم نہ ہو۔ میرا قیاس ہے کہ مصرع آخر دراصل یوں ہے کہ بے بلطفی کسوں ادن کی آبرو نے جی دیا مر مر۔ داد کے نکل جانے سے مصرع ۱۱۴۶ پر ختم ہو جاتا ہے۔ مرتب کا فرض کاتب کی غلطی کی تصحیح کر سکتا یا نہ کر سکتا۔ انھیں اس اختلاف کا ذکر ضرور کرنا تھا

۲۔ مرتب دیوان ناجی نے اپنے مقدمے میں اس کا ذکر نہیں کیا کہ ڈاکٹر سید سلیمان ندوی نے کلام شاد کے مقدمے میں جو انھوں نے میری استدعا پر لکھا تھا "ناجی کو عظیم آبادی شعرا میں شمار کیا ہے۔ مجھے حیرت تھی کہ سید صاحب کو یہ بات کس طرح کھٹکی۔ ایک مدت کے بعد ان کے فرزند سید نجیب اشرف سے معلوم ہوا کہ پہلی نسل ناجی کا عظیم آبادی ہونا انھوں نے لکھا تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے یہ کہاں سے لکھا تو انھوں نے نامکمل جواب دیا کہ عنفوان شباب کا زمانہ تھا، جب وطن اس کا باعث تھا، میں نے بھی ناجی کا عظیم آبادی ہونا دکھانا تھا۔

۳۔ مرتب دیوان ناجی نے ناجی کے زمانہ ولادت کے متعلق میرا قیاس کر لیا ہے لیکن زمانہ وفات کے بارے میں میرے قیاس کو اس لیے تسلیم نہیں کیا کہ دیوان ناجی میں امیر خاں انجام مقتول ۱۱۴۹ھ کی وفات کا قطعہ تاریخ ہے۔ ناجی کے دیوان میں صرف ایک مادہ تاریخ ہے جو غزل کے ایک شعر کا مصرع ہے اور اس بنا پر کافی بیانیہ جس کے مصرع آخر شروع ہوتا ہے مادے میں شامل ہے اور مصرع آخر بجائے خود سال مذکور پر ختم ہو مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ

کو قبول

مظہری اور نعمت کے بارے میں

مظہری تخلص سید محبوب علی از سکنائے کوتانہ و آشنائے برکت اللہ خان برکت - ابتدا اگر اصلاح سخن از ند کرد، آخر صحبت مومن خان ہم دریافتہ، چند روز است کہ ترک کردہ" از دست"

نعمی تخلص نعمت اللہ غلام محی الدین عشق و مبتلا را پدر میشود، بنظم فارسی میلان خاطر داشت، گاہی فکر ریختہ میکرد، لو ماست:

زخم کی صورت جو لگی ہوں میں پانی تیغ کے — تشنہ رہتا ہوں سدا اس دم شمشیر کا
دل کو اس زلف سیہ سے کب ہو آزادی نصیب — چھوٹنا مشکل ہے دیوانے سے گھر زنجیر کا

نعیم تخلص نعیم اللہ خان از جہان آباد یا لفعل مشورہ سخن با ناسخ حاتم میکرد، از زادہائے طبع اوست:

کوچۂ یار سے ہم سے اٹھایا نہ گیا — مل گیا خاک میں اس طرح کہ پایا نہ گیا
آفت کی تنہائی کی ہے ہم تو زمیں پر — جو سنگ جفا چرخ سے لاتا ہے ہمیں پر
خیال کرکے تر مو گھر کو روتا ہوں — وہ کیوں نہ رو دے پڑے جس کی بال آنکھوں میں

نعمت تخلص حکیم عبدالحئی شخصیت در نہایت شکستگی و انکسار رفعت دید مند و تمکن را از بر مثل سکندر آباد ہر سپاہی تلمذ داشتہ - چندے آرزوئے دل برزبان آوردہ! یاد ضم برلب و ذکر خدا در دل بود - عاقبت پردہ برافگنند و بہ پردہ طریق خداپرستی از قدوۂ علمای کرام مولانا عبدالعزیز طاب ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ آموخت۔ مانند ظاہر بدرستی باطن نیز پرداخت، و نعمتہای فراوان از مولانا ربودہ، با فقیر ہم در شمار اخلاص بودہ، سالی چند است کہ ازیں دار المحن بدار الجنۃ تحول فرمودہ خدایش بیامرزد، از دست:

پوچھ مت ایام ہجراں میں تھا کیا اسباب زیست — اپنا خوں پیتا رہا اور تیرا غم کھاتا رہا
ظالم نہ پوچھ مجھ سے مری سرگذشت تو — اب کیا کہوں تجھی سے تیری ہی جور و جفا کہوں
تڑپے ہے پڑا یہ دل غمگین بغل میں — اب تو کہیں اے باعث تسکین بغل میں
زلفوں کا اب تصور آنکھوں پھر رہی ہے — سودا کہیں نہ ہووے یہ مجھ کو ڈر رہی ہے
ہر چند ضبط گریہ کیا ہم نے تو بھی — یہ آستین دامن ہر وقت تر رہی ہے

سرورق دیوان قدرت

سلسلۂ مطبوعات ادارۂ تحقیقات اردو
(۲)

دیوان قدرت

مصنفہٗ
شاہ قدرت اللہ قدرت دہلوی

مرتبہٗ
قاضی عبدالودود
و
شاہ مقبول احمد

۱۹۵۵ء

شائع کردۂ ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ ۴

مقدمہ دیوانِ قدرت - ۱

مقدمہ دیوان قدرت

مقدمہ

(حلی الاسلام)
(حلی اللہ برحرم)

(۱) اشارات

(۱) اشارات کی قیاسی اہمیت بہت کم نہیں۔ (۲) لفظی یہ ظاہر کرتی ہیں کہ بعض الفاظ عارضی طور پر بدل گئے ہیں۔ (۳) حسب ضرورت یہ اطلاعات دی گئی ہیں کہ کس کتاب میں قدرت کے کتنے اشعار ہیں، اور یہ کون سی ہیں؟ ..... میں جو اشعار نقل ہوئے ہیں وہ ساتھ مندرج ہیں، وہ شمار میں تو آتی ہیں، لیکن انکو ..... نہیں دی گئی۔

۱- نکات الشعرا، مصنفہ میر کا اختتام ۱۱۶۵ھ میں ہوا، لیکن قطعی طور پر کہنا مشکل ہے کہ اسکا آغاز کب ہوا تھا:
"در قدرت ..... قدرت تخلص اگرچہ عاجز سخن است، لیکن برای خاطر یاران که ..... فقیر است، نوشته شد" (۱۲۶۷)

یکساں کے ترجمہ میں بھی میر عارف کا ذکر آیا ہے: "این هم از زبان میر عارف به تحقیق رسیده" پر محمد عارف: عارف (بوگر) سے کئی مختلف ہیں: (۱) عارف کا فرزند نام ..... کسی نے (..... "میر" نہیں لکھا، انکا نام ہی قبل "محمد" آتا ہے جو میر عارف کے نام کا جزو نہیں۔ (۲) میر عارف کا نام معلوم نہیں ہوتی، ہوتی تو نام کا جزو تخلص ہوتا۔ (۳) میر محمد عارف عارف کی نسبت لکھا ہے کہ "با فقیر نیز آشناست" تو تخلص بھی ..... "از یاران درگاہ فقیر" نہیں کہا جا سکتا۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

۲- تذکرہ ..... مصنفہ فتح علی ..... گردیزی کا آغاز نکات کی ..... پر ہوا اور اتمام ..... ۱۱۶۶ھ میں ہوا ہے۔ مصحفی کے پیش نظر جو نسخہ ..... اس کے ..... کی دو پیشرو نکات تھے، مثلاً ترجمہ بقا، سالم مصحفی:
"قدرت تخلص قدرت ..... برسخن قدرت دارد در شاہجہان آباد میگذراند" (۱۲۶۷)
پر شعر دارد "میر کہ عاجز سخن است" کا جواب معلوم ہوتا ہے۔
۳- نکات، مصنفہ قائم کا آغاز ماہ ..... دہم کے ..... میں ادا ہوا

مقدمہ دیوانِ قدرت ۔ ۲

[illegible] مشتمل ہوا ۔ [illegible] ایسا ہی تھا جیسا [illegible] تھا (مغ [illegible]
[illegible] دیا [illegible] ۔ [illegible]
[illegible] ۔ [illegible] وجہ یہ ہیں :

"[illegible] شاہ قدرت اللہ [illegible] شیخ عبدالعزیز [illegible] بیان [illegible]
[illegible] واقعیت - در سخن [illegible] شباب چندے [illegible] زدہ [illegible]
افتاد [illegible] از مشائخ [illegible] خود دارد، اما چون [illegible] قدیر [illegible]
[illegible] در صحبت [illegible] این طائفہ [illegible] آخر حال [illegible] شاہ [illegible] اللہ
[illegible] زمانہ [illegible] مقتضای مناسبت [illegible]
کار خود [illegible] اتمام رسانید - بالجملہ [illegible] دیگر [illegible] ہیچگاہ [illegible]
[illegible] منصوب [illegible] میکنند [illegible]
[illegible] شفقتہا میکند [illegible]" (۵ [illegible] ۱۶ - [illegible] ۷۵ [illegible]
[illegible] ۸۱ [illegible] ۱۷۳)

(۲) [illegible] قدرت [illegible] احوال [illegible] میں حوالہ [illegible] لکھا ہو تو عجب نہیں ۔
[illegible] قدرت میں ہم
[illegible] قدرت اللہ [illegible]
[illegible] زمانہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] ۱۱۷۴
[illegible] ۔ مصنف [illegible]

شکریہ

دیوان قدرت کا چھاپا جناب ... الزماں (اُستاد اردو ... الٰہ آباد) کی نگرانی میں ... اس سلسلے میں ... بڑی زحمت اٹھائی ہے ادارۂ تحقیقات اردو ان کا بہت شکر گزار ہے۔

علامات و مخففات

X حرف ... حاشیہ
کتاب ... کا ... مصنف کا ... ہوتی ہے جیسے نکات ... ہے ... قاسم ...

آذرہ — آذرہ ...	غ — غزل
الف — دیوان قدرت نسخۂ مسعود	ش — تذکرۂ ...
ب — نسخۂ قاضی عبد الودود	گ — گلزار ابراہیم نسخۂ ...
بیاض — عثمان المعانی	لب — ... نسخۂ ...
ج — دیوان قدرت نسخۂ کلکتہ	ل — ...
دیباچہ — دیباچہ دستور الفصاحت	م — گلشن سخن
ذ — عیار الشعرا	س — تذکرۂ ...
مبتلی — تذکرۂ ...	مصحفی — تذکرۂ ...
عشق — تذکرۂ عشقی	نسخۂ پٹنہ — مخطوطہ کتب خانہ شرقیہ پٹنہ
ظ — ...	نسخۂ ثالثہ — ...

ابوالکلام آزاد کے بارے میں - ۱

م = جناب الکرام ... مولانا ابوالکلام آزاد - پہلی بیس سال، شائع کردہ تحریر شائع اجالا ...
۵ = انڈیا ونس فریڈم شائع کردہ پروفیسر ہمایوں کبیر طبع دوم
ب = مولانا ابوالکلام آزاد از ڈاکٹر عابد رضا بیدار۔

۱) زمانۂ ولادت

م: اپنے بیان کے مطابق ولادت مکہ ذی الحجہ ۱۳۰۵ (بحوالۂ تذکرہ) ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ = ۹ اگست تا ۶ ستمبر ۱۸۸۸ء۔ لہٰذا ولادت اگست یا ستمبر ۱۸۸۸ء میں ہوئی۔ تاریخ ذی الحجہ نامعلوم، اس لیے عیسوی ماہ کی تعیین ناممکن (حاشیہ بقول جناب غلام رسول مہر خود ابوالکلام سے جو کچھ معلوم ہوا اس کی بنا پر تاریخ ولادت ۹ ذی الحجہ ۱۳۰۵ = ۱۷ اگست ۱۸۸۸ء یعنی ہوئی ... مارچ ۱۹۶۷ء) - پروفیسر ہمایوں کبیر کی تاریخ ولادت ۱۱ نومبر ۱۸۸۸ء کہتے ہیں (بحوالۂ دیباچہ انڈیا ونس فریڈم) اور حکومت ہند کی طرف سے جو تقریبات ولادت ابوالکلام کے سلسلے میں ہوتی ہیں ان کے لیے بھی یہی تاریخ مقرر کی گئی ہے، حالانکہ مہر کو کسی نے کہیں بھی تاریخ ولادت نہیں کہی تو اس میں ۱۵ الحجہ ۱۳۰۵ ہے نومبر کسی طرح ... ۱۳۰۶ میں پڑتا ہے۔

دیباچہ ۵: میں بمقام مکہ ۱۸۸۸ء میں پیدا ہوا ص ۲۔
دیباچہ ۵: "It was Maulana Azad's wish that the book should appear in November 1958 to synchronise with his seventieth birthday"

ب - پیدائش مکہ ۱۸۸۸ء مطابق ذوالحجہ ۱۳۰۵ (حاشیہ تذکرہ - تاریخ پیدائش ابوسعید بزمی نے ۱۸۷۹ء لکھی ہے۔ ص ۴۰ "میری عمر اس وقت ۷۵ سال کے قریب ہے جس میں مرزا غلام احمد قادیانی کو مسیح موعود مانتا ہوں" "میری بیعت کے زمانے میں آپ شاید ۱۵ سال کے ہوں گے" [اجمل خاں کا نوٹ کہ اس حساب سے مولانا کی ولادت ۱۸۷۹ء کی ہوتی ہے۔ ابوسعید بزمی نے "... بھی یہی سال پیدائش اختیار کیا ہے"] ص ۱۵

تذکرہ میں حروف ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ ہے، اور ایک تاریخی نام جو اس سنہ پر مشتمل ہے - جناب مہر کو غلط سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں، اور ۹ ذی الحجہ خود ابوالکلام کا قول ہوگا - دیباچہ میں نومبر تو ہے، مگر ۱۱ نومبر نہیں اور پروفیسر ہمایوں کبیر کی تحریر سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خود ابوالکلام اپنا ماہ ولادت نومبر کو مانتے تھے - تعجب کی بات نہیں اگر حکومت ہند نے ۱۱ نومبر کی تعیین کی ہے اس کے ذمہ دار بھی وہ خود ہی ہوں - ستمبر تا نومبر ۱۸۸۸ء ہو یا ۱۱ نومبر ۱۸۸۸ء، عمر میں کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا، لیکن جناب بزمی کا قول تسلیم کیا جائے تو بڑا تفاوت ہو جاتا ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ جناب بزمی ۱۸۷۹ء کو کیوں سال ولادت قرار دیتے ہیں، اور ص ۱۵ جناب اجمل خاں

"It was Maulana Azad's wish that the book should appear in November 1958 to synchronise

ابوالکلام آزاد کے بارے میں ـ ۲

کہ جو عبارت یا اس کا مطلب نقل ہوا ہے اس سے بھی یہ واضح نہیں ہوتا کہ سحت کے وقت تسبین کا سنہ ب میں مرقوم نہیں، اگر کاتب خط کی تخمین کے مطابق ابوالکلام کی عمر ۱۶ برس کی تھی، تو اس سے یہ کس طرح قرار پا گیا کہ ولادت ۱۸۷۹ء میں ہوئی تھی

امور تحقیق طلب: (۱) کیا برٹش میوزیم کے کیس ۱۱ نومبر کھائی ہے؟ ان سے دریافت کرنا چاہیے کہ یہ تاریخ و ماہ با حرف جنیا انہیں واقعی ابوالکلام ہی کا معلوم ہوا تھا (۲) یہ تحقیق کرنی چاہیے کہ حکومت ہند نے ۱۱ نومبر کی تعیین کس طرح کی (۳)

۴ الف: "مولانا خیرالدین کی... دو لڑکے... ابوالنصر غلام یٰسین اور ابوالکلام غلام محی الدین احمد" ص ۷۹

۵ سرورق میں "مولانا ابوالکلام آزاد" کتاب میں صراحتہً اس کا ذکر نہیں کہ ان کے والد نے کیا نام رکھا تھا۔

ب: "۱۹۰۰ء میں غلام محی الدین آزاد (بحوالۂ مکتوب بنام عبدالرزاق کانپوری)، دو سال بعد مخزن میں "ابوالکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی"۔ ۱۹۱۲ء میں الہلال میں احمد المکنیٰ بابی الکلام الآزاد الدہلوی" پانچ چھ سال بعد تذکرہ میں احمد۔ "نام ابوالکلام آزاد.... احمد سے لوگ آشنا نہیں گو نام وہی ہے" نقش آزاد خط ۱۱۲۔ ۱۹۱۹ء میں احمد ہی تھی (بحوالۂ معارف ملی جب ۱۹۱۹ء) - ۱۹۳۰ء - ۱۹۳۱ء میں ابوالکلام احمد (بحوالۂ ترجمان القرآن جلد اول بار اول) ۱۹۴۲ - ۱۹۴۶ء میں ابوالکلام (بحوالۂ غبار خاطر)، اور دوسری جگہوں پر بھی اپنی قلم سے اکثر و بیشتر ابوالکلام ہی صرف کبھی کبھی ابوالکلام آزاد اور محقق التعاقا احمد (اس کو بھی چوالیس، اس سے مشکل حالت میں مرقوم ہے "مولانا دہلوی خون شہادت کے دو قطرے" کی تمہید میں ان کا نام اس طرح لکھا ہے "مولانا ابوالکلام محی الدین آزاد دہلوی قادری نقشبندی"

دربارۂ حدنگ نظر: "مولانا کا نام حسوری" کی لکھنؤ خبر (۱۹۰۰ء) میں اسی طرح ہے "آزاد مولوی غلام محی الدین صاحب... دہلوی" [illegible] "محی الدین صاحب آزاد از بمبئی"... نومبر میں مقام البتہ بدل گیا ہے اضافہ ہوا ہے: غلام محی الدین آزاد دہلوی مقیم کلکتہ" چھٹی جلد ۱۹۰۳ء... مولانا کا ایک طویل مضمون... (دی جون) لٹریچر الکلام محی الدین احمد آزاد دہلوی، اکتوبر نومبر میں... ایک اور اہم مضمون از مولانا

یادداشت کا ایک صفحہ - ۱

دعیہ دار یہ تقیہ تھی - م ۱۱ صفر ۱۱۶۷ ماہ ۳۲ و ۵۲ شاہ عباد من اللہ نام اصلی
شجرہ شاہ نجابت بیگ بھی مرید ہے شاہ برکت اللہ م ۱۱۷۶ [illegible] - شاہ من اللہ
دہلی میں کامل تھی قادری

JANUARY 1962

نواب غازی الدین خاں داماد شاہ درانی با اعتقاد کامل دا کشتند [illegible]

24 Poh 2018 SUNDAY 7 29 Rajab

ہزار جو یکی از یاران حضرت، ان کی تحریر [illegible] میں اس ستر سے کا ادب [illegible]
برکت اللہ کی بتایا کہ امام حسین کی خدمت و حضور ان سے تعلق ہے اور امام کی [illegible]
۲۱ [illegible] ہیں - م ۳۳ ۱۱ [illegible] - شاہ ہدایت اللہ مرید شاہ برکت اللہ
باشندہ قصبہ اکراولی م ۹۹ ۱۱ [illegible] - شاہ روح اللہ نام اصلی محمد مسعود
از اقربای خواند [illegible] خان کمبوہ، مصنف بحر التجارب مرید شاہ برکت اللہ م ۱۱۷۰ [illegible]
وغیرہ - شاہ حاجی کمبوہ نام [illegible] الحمد [illegible] مقبول [illegible] کردم
۱۱۹۱ [illegible] - بی بی رنگی (کنار) افغان سکندرہ مرید شاہ حجت اللہ
م ۱۱۵۶ [illegible] بی بی جنخہ ساکنہ [illegible] مریدہ شاہ برکت اللہ م ۵ شعبان
۱۱۶۷ [illegible] ساہ ماماں نانی [illegible] ساماں [illegible] بازی [illegible]
پیپی

25 Poh 2018 MONDAY 8 1 Shaban 1381

پیپی ہندو ترک میں [illegible] دوسانی [illegible] لور [illegible] میں دیپ ایک ہی [illegible]
۲۶ [illegible] نواب [illegible] خان کو لوی [illegible] (کنور) [illegible] اور نواب جمال [illegible] بار سال
[illegible] مثنوی [illegible] زیارت حضور [illegible] جانب [illegible]
شاہ آل محمد شاہ برکت اللہ د ۱۸ رمضان ۱۱۱۱ [illegible] م ۱۷ رمضان
دوشنبہ [illegible] ۶۹ - یعنی از یاران شاہ آل محمد: محمد طفیل بلگرامی (۵۱) [illegible]
برس (اس کے اسلام قبول کرنے کا ذکر ہے) شاہ ظہور اللہ، شاہ داصلی، شاہ
شہباز، نصرت علی، غلام نبی، باقی باللہ م [illegible] ۱۱۵۵ - شاہ اسرار اللہ
اصلی نام شیخ عاقل شاہ [illegible] شاہ [illegible] یافتہ مرزا [illegible] از صاحبان
[illegible] نواب صاحبزادہ احمد خاں بنگش - شاہ [illegible] در الحضور شیخ عبدالکریم ساکن [illegible]

یادداشت کا ایک صفحہ-۲

از مریدانِ شاہ بدیع الحق عمر ۲۰۰ یا زیادہ) م ۱۱۹۹ - ش دملن، عبید
اصلی نام محمد فاخر، شاہ بو علی بخش دب ؛ کتخدائی متوفی م ۱۱۶۱ - تاریخ
پارسا" شاہ عارف با لله ساکن ملراوی (؟) قریب
JANUARY 1962
ان کا یہ: مرکیۃ کہ رباعی ادرش الست لطیف نمونہ

'oh 2018 FRIDAY 5 27 Rajab 1381

بحر رہا دو جہاں میں یہ تجمل محمد کا ہمیشہ ورد جاں میں ہے تجمل آل محمد کا
نہ بوجھو یہ سخن میرا ای یاراں لکرری ہرگز تصور لامکاں میں ہے تجمل آل محمد کا
بنا یہی مہندی رنگ میں ہر رنگ ہو سماعی دیدل اور سیٹ میں دیپ ایک ہی ۶/۱/۶۲

23 Poh 2018 SATURDAY 6 28 Rajab 1381

یادداشت کا ایک صفحہ-۳

(۴) حضرت ام کلثوم کے متعلق شبلی کی "الفاروق" میں ص ۲۰۶ - مجھے علم نہیں ہے ...... اس کے بارے میں کیا لکھا ہے
لیکن، صرف یہی لکھا ہے کہ ان کا عقدِ نکاح حضرت عمر سے ہوا تھا۔ تو اس وقت ان کی عمر ظاہر ہے شاید دس سال
زیادہ ہو۔ کیا ڈاکٹر حسن عسکری کو بھی اس سے انکار ہے؟

(۵) ۲۰۶ء - ایک بار ڈاکٹر حسن عسکری اور ڈاکٹر فیاض الدین حیدر، میرے یہاں آئے ہوئے تھے میں نے متقدم الذکر
سے پوچھا کہ کیا اہلِ تشیع کے نزدیک حضرت علی کا مرتبہ کل پیغمبروں سے ماسوائے پیغمبرِ اسلام بلند تر ہے؟ انھوں
نے جواب دیا کہ پیغمبروں سے بلند تر تو نہیں، تمام اوروں سے بلند تر سمجھتے ہیں۔ میں نے ڈاکٹر فیاض الدین حیدر سے
پوچھا کہ آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم لوگ کل انبیا سے ایک کو چھوڑ کر بلند تر سمجھتے ہیں
کچھ دنوں کے بعد دائرہ ادب کے جلسے میں میں نے اہلِ تشیع سے یہی سوال کیا، سب ڈاکٹر حسن عسکری کو
چھوڑ کر ڈاکٹر فیاض الدین حیدر کے ہم عقیدہ نکلے

(۶) خلفا کے معاملے میں قاضی عبدالودود کی رائے "عام اہلِ سنت کے عقائد سے کلی طور پر مطابق نہیں ملتی"
۲۰۶ء۔ میرا خیال ہے کہ پیمبر صاحب حضرت علی کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے لیکن انھوں نے اس کا

میر حسن، ریاض خیر آبادی اور ناسخ و نسیم کے بارے میں

JUN
18
MON

"تو جب ناصحا نے کیوں مسجد یہ بتخانہ کیا تب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ کیا"
یہ مطلع میر حسن نے میر اعلیٰ علی بن میر ولایت اللہ خاں دہلوی کی طرف منسوب کیا ہے
اور اس میں شک نہیں کہ انھیں کا ہے لیکن یہ ذرا مختلف شکل میں سید محمد خاں رند
سے نقل آتش کرد

ماہنامہ نگار کے ریاض نمبر (جنوری فروری ۱۹۴۳ء) میں ریاض کی کچھ قدیم تحریریں
جناب سید علی احمد جعفری نے بعنوان "ریاض کے بعض انتقادی مباحث" جمع کر دی
ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے "جناب ناسخ مرحوم پر ایک سخت چوٹ تو بھی تعصب
کے پردے میں چکبست نے کی ہے جس کا کسی تذکرے میں ذکر نہیں ہے اور نہ کوئی اور ثبوت
چکبست اپنے مقدمے میں لکھتے ہیں :
مشاعرہ شروع ہونے سے قبل شیخ ناسخ نے نسیم سے مخاطب ہو کر کہا : پنڈت صاحب
ایک مصرع کہا ہے، دوسرا نہیں سوجھتا، انھوں نے جواب دیا "فرمائیے" - ناسخ نے
مصرع پڑھا : "شیخ نے مسجد بنا مسمار بتخانہ کیا" .... ان کے منہ سے

19
TUE

مصرع نکلتے ہی نسیم نے کہا : "تب تو اک صورت بھی تھی اب صاف ویرانہ کیا"
سب پھڑک اٹھے - شیخ ناسخ نے مذہبی چوٹ کی تھی مگر نسیم نے ٹھنڈا کر دیا"
اس کذب وافترا کے بیان میں چند باتیں قابل غور ہیں : (۱) ناسخ کی غیور طبیعت
اور استادی کے دعوے ایسے نہ تھے جو وہ نسیم کو قابل خطاب سمجھتے اور ان کو اس
تعظیم و تکریم کے ساتھ مخاطب کرتے جو آتش کو بھی کبھی خیال میں نہ لاتے تھے (۲)
ناسخ ایسے غیر مہذب نہ تھے کہ وہ ایک ہندو کو (اور پھر اپنے محبوب ہندو کو)
مخاطب کر کے ایسا دل شکن مصرع پڑھتے (۳) نسیم چاہے لاکھ حاضر جواب سہی مگر
ناسخ کا دبدبہ اور طنطنہ ایسا تھا کہ وہ ان کو ناسخ کے سامنے زبان نہ کھولنے دیتا-
(۴) دراصل نسیم نے کوئی مصرع لگایا نہ ناسخ نے کوئی مصرع پڑھا، نہ اس حکایت
کا ذکر کسی لکھنؤ میں دیکھا گیا - یہ حرف غلط تو بس جوش کا نتیجہ ہے جس نے بے سر دیا

.... نگار میں اسی طرح .... نسیم کا محبوب ناسخ ہونا کہیں اور نظر سے نہ گزرا اور اسی طرح
سمجھنے کی .... ہو لی .... وجہ نہیں ہے

امیر اللغات کے بارے میں (۱)

بکثرت الفاظ جو مستند اساتذۂ اردو کے یہاں آئے ہیں، امیر اللغات سے غیر حاضر ہیں:

۱۔ امتداد "کیا امتداد مدت ہجراں بیاں کروں" میر ص ۱۱۰

۲۔ ایکوں جمع ایک "ایکوں کی کھال کھینچی ایکوں کو دار کھینچا" میر ص ۱۳۷

۳۔ ازاں جملہ "اک ازاں جملہ اب سکندر تھا" میر ص ۱۴۸

۴۔ آرمیدہ "اقبال خطر وی کہ یاں بھی دل آرمیدہ تھا" میر ص ۱۵۱ ۵۔ آوارہ گرد "پھرتا رہوں گلیوں میں آوارہ گرد" میر ص ۱۵۹ ۶۔ انابت "سجدہ کروں ہوں الحاح با انابت" میر ص ۱۶۷ ۷۔ "از خویشتن رفتہ ہر دم فکر وصال میں ہوں" میر ص ۲۰۲ ۸۔ ابرام "پریشانی گرد اداسی کے ابرام کرو" میر ص ۲۴۴ ۹۔ "آفتاب زدہ" میر ص ۲۵۴ ۱۰۔ اضطراب زدہ "ایضاً" ۱۱۔ "اشمال" میر ص ۲۳۴ ۱۲۔ "اختلال مزاجوں کا" میر ص ۳۲۴، امیر میں "اختلاف حواس" ہے ۱۳۔ "اطناب" میر ص ۳۴۱ ۱۴۔ اندردنہ "ایک دل کو ہزار داغ لگا اندرونے میں جیسے باغ لگا" ص ۳۵۲ ۳۶۳ ۱۵۔ اصلح "اصلح ہے حجاب اس کا ہم شوق کے ماروں سے" ص ۳۶۳ ۱۶۔ "استادگی" میر ص ۱۴۴ ۱۷۔ انکر اصوات" میر ص ۲۸۵ ۱۸۔ اشکال بالکسر "یاس کلی ص ۴۵۸ ۱۹۔ اجسام جمع جسم، میر ص ۸۲۹ ۲۰۔

امیراللغات کے بارے میں ۲

آرام جمع الم، میر ص ۱۸۶ ۲۱ انتظار کشی، میر ص ۹۰ ۲۲ ا
میر ص ۸۹ ۲۳ اضطراری میر ص ۶۷۵ ۲۴ احراق
باتش میر ص ۶۵۶ اکلائی، میر ص ۶۱۹ ۲۶ احوال گری
۱۵ میر ص ۵۹۶ ۲۷ استغاثہ میر ص ۵۴۵ ۲۸ استماع
میر ص ۵۴۲ ۲۹ :۔

۲۹ اعلام کیا بلا مفتی کا لونڈا سر چڑھا ہی ان دنوں + آوے گا
کہ مجھ پر قاضی کا اعلام لگے میر ص

ابلق کے گھوڑے

ابجد [illegible]

ابرسم

ابرہم

ابہام

ابو سنگھ

بابری مسجد/رام جنم بھومی دستاویزات

بابر کا وصیت نامہ

مصطفیٰ خاں شروانی

مصطفیٰ خاں شروانی
حیدر آباد

بابر کا وصیت نامہ

اور اب جب ۶ دسمبر کو بابری مسجد شہید ہوئی تو مکرمی مصطفیٰ خاں صاحب شروانی کو اس دستاویز کی فوٹو کاپی یاد آئی جو راس مسعود نے مصطفیٰ صاحب کے والد مرحوم و مغفور ہارون خاں صاحب شروانی کے حوالے کر دی تھی۔ مصطفیٰ شروانی صاحب نے فوٹو کاپی کی زیراکس خدابخش لائبریری جرنل کے لیے عنایت کرتے ہوئے اس کے بارے میں جو کچھ لکھا وہ انھیں کی زبانی:

—— عرب

"وصیت نامہ مخفی" محررہ یکم جمادی الاول ۹۳۵ھ منجانب شاہنشاہ ظہیر الدین محمد بابر بشاہزادہ نصیر الدین محمد ہمایوں کا اصل نقش بھوپال میں سلطانیہ اسٹیٹ سنٹرل لائبریری میں محفوظ ہے اور اسکی تصویری نقل کا سفر بھی ایک طرح تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ میرے والد معظم پروفیسر ہارون خاں شیروانی مرحوم کے دیرینہ رفیق اور لندن میں ہمعصر بھر حیدر آباد میں والد گرامی کے ابتدائی دور ملازمت میں یہاں کے ناظم تعلیمات نواب سر راس مسعود (نواب مسعود جنگ مرحوم) نے اسکی تصویر بھوپال کی اسٹیٹ لائبریری کے کیوریٹر جناب ایم گھوسال سے ۱۱ فروری ۱۹۲۱ء کو حاصل کی اور جناب گھوسال کا خط مع فوٹو کاپی سر راس مسعود مرحوم نے متعدد تاریخی دستاویزات اور تصانیف کے ساتھ حیدر آباد سے علیگڑھ تشریف لے جاتے وقت والد معظم پروفیسر شیروانی کے حوالے کر دیے تھے۔ وصیت نامہ کی ایک فوٹو کاپی مع جناب گھوسال کے سر راس مسعود کی خدمت میں روانہ کردہ خط کی فوٹو کاپی کے پیش خدمت ہے۔


ظهیرالدین محمد بابر
بهادر غازی

راس مسعود کے نام

اسٹیٹ لائبریری بھوپال کے۔بی گھوسال کا خط

۱۱ر فروری ۱۹۲۱ء

The State Library:

A 353.

BHOPAL C.I.

The 11/2/21

My dear Sir,

The photographer has now supplied me with the photo of Emperor Babar's to his son Emperor Humayun, which I have great pleasure in sending on to your good self as per your request.

With my respectful regards,

I remain,

Yours very respectfully,

B. Ghosal.

Syed Ross Masood. Esq
M.A. (Oxon). D.P.I.
Hyderabad. Deccan.

مصطفےٰ خاں شروانی

۳۱ر دسمبر ۹۳ء



بنام خدا بخش لائبریری

میں نے آپ کی خدمت میں بذریعہ رجسٹری مؤرخہ ۲۹ر دسمبر ۱۹۹۲ء اپنے عریضہ کے ساتھ شاہنشاہ ظہیر الدین محمد بابر کے "وصیت نامہ مخفی بنام شاہزادہ نصیر الدین ہمایوں" کی فوٹو کاپی پیش کی تھی (بطور یاد دہانی ایک اور فوٹو کاپی ہمرشتہ ہذا ہے۔) آنجناب نے اپنے والا نامہ <u>۵۰۶۴</u> مورخہ ۳۱ر جنوری ۱۹۹۳ء میں ارشاد فرمایا تھا:

"<u>یہ تفصیلات مع وصیت نامہ "جرنل" میں جا رہی ہیں</u>"۔ لیکن شاید تاخیر اشاعت کی وجہ سے "جرنل" کا وہ شمارہ ہنوز زیر ترتیب ہی ہے جس میں شاہنشاہ ظہیر الدین بابر کا وہ "وصیت نامہ مخفی" شائع ہونے والا ہے۔

جیسا آپ نے "The Times of India" کے ۵ر دسمبر ۱۹۹۳ء کے شمارہ میں محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر آر ناتھ صاحب پروفیسر تاریخ جے پور یونی ورسٹی کے عالمانہ مقالہ "THE LOST TESTAMENT" میں ملاحظہ فرمایا ہوگا، موصوف ممدوح نے میرے حوالے سے اس اہم دستاویز کے سلطانیہ (اسٹیٹ لائبریری) بھوپال میں محفوظ ہونے کے سلسلہ میں استفسار کیا، جس کے جواب میں پروفیسر ناتھ نے:

> "Much after Dr.Mustafa Sherwani's letter, I received a reply to my enquiries from the Library at Bhopal. Dated June 18, 1993 it acknowledged the receipt of my letter enquiring about Babur's will but stated that no such document was available..."
>
> (Dr.R.Nath in The Times of India, dt.5.12.1993)

یعنی ایسی اہم دستاویز جس کی نشاندہی خود اسٹیٹ لائبریری بھوپال کے اس دور کے ناظم مسٹر ڈگھوسال نے کی تھی، اب اس لائبریری میں عدم دستیاب ہے۔ میری ناچیز رائے میں اس وصیت نامہ مخفی کی مزید تشہیر اور جرنل میں شمول اب زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

مصطفےٰ خاں شروانی

۱۴ر فروری ۹۴ء



بنام خدا بخش لائبریری

"وصیت نامہ مخفی شاہنشاہ ظہیر الدین محمد بابر بہ شاہزادہ نصیر الدین محمد ہمایون" کا "قضیہ" اب بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ آپ نے Times of India کے ۵ر دسمبر ۱۹۹۳ء کے شمارہ میں پروفیسر

آر۔ناتھ پروفیسر تاریخ جے پور یونی ورسٹی کا مضمون ملاحظہ فرمایا ہوگا (جس کا اردو ترجمہ مع شذرات کے فراش خانہ دہلی کے جناب ڈاکٹر فضل الحق صاحب نے "نئی دنیا" دہلی ۱۱ر تا ۱۷ فروری ۹۴ء کے شمارہ میں بھی شائع فرمایا ہے)، ان ہر دو مضامین میں یہ دلخراش حقیقت سامنے آتی ہے کہ جیسا میں نے ۱۲ر فروری ۱۹۹۴ء کو دہلی کے ایک جلسہ میں تقریر میں بتایا کہ "وصیت نامہ" اب بھوپال اسٹیٹ لائبریری میں موجود نہیں ہے اس لیے کہ اس لائبریری کے انچارج اردو سیکشن نے اپنے خط مورخہ ۱۸ر جون ۱۹۹۳ء میں تحریر کیا ہے کہ لائبریری میں ایسا کوئی وصیت نامہ موجود نہیں ہے جبکہ سابق لائبریرین مسٹر گھوکل نے ۱۱ر فروری ۱۹۲۱ء کو اپنے خط کے ساتھ اس وصیت نامہ کی تصویر سر راس مسعود مرحوم کو بھیجی تھی۔ (زیراکس ملفوف ہے)۔

اب صورت حال یہ ہے کہ میں سمجھتا ہوں ہندستان میں ہی نہیں پوری دنیا میں صرف میرے پاس اس گم شدہ "وصیت نامہ" کی تصویر ہے۔ (ملفوفہ ۲)

مصطفےٰ خاں شروانی

یکم مارچ ۹۴ء



بنام خدا بخش لائبریری

کل ۲۸ر فروری ۱۹۹۴ء کے مقامی روزنامہ رہنمائے دکن میں "گم شدہ وصیت نامہ بابرؒ" کے موضوع پر میرے نوٹ معہ اس وصیت نامہ کی بہت صاف فوٹو کاپی کے شائع ہوا ہے۔ اس کا تراشہ پیش خدمت ہے ساتھ ہی بھوپال لائبریری کے انچارج اردو سکشن کے عجیب نستعلیق انگریزی میں اس خط کی فوٹو کاپی بھی ہمرشتہ ہے جس میں بھوپال لائبریری نے "وصیت نامہ بابرؒ" سے قطعی لاعلمی کا اظہار کیا ہے اور اس سلسلہ میں خدا بخش لائبریری سے رجوع کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

گمشدہ وصیت نامہ بابر

از۔ مصطفیٰ شروانی

موقر روزنامہ رہنمائے دکن کی ۱۸ر فروری ۱۹۹۴ء کی اشاعت میں "ہمایوں کے نام شہنشاہ بابر کا وصیت نامہ" کے زیر عنوان، ناگپور اور جرگاؤں سے شائع ہونے والے مراٹھی اخبار "لوک مت" نے اسی عنوان کے مضمون کا کچھ حصہ اور شہنشاہ ظہیر الدین محمد بابر کے "وصیت نامہ مخفی" بہ شاہزادہ نصیر الدین ہمایوں (یکم جمادی الاول ۹۳۵ھ) کے فارسی متن کا مختصر ترجمہ بھی شائع فرمایا گیا ہے۔ جیساکہ راقم الحروف نے ۱۲ر فروری ۱۹۹۴ء کو نئی دہلی میں منعقدہ

INTACH Indian National Trust for Art & Cultural Heritage کے جلسہ سالانہ میں ایک مخصوص اجتماع سے خطاب کرتے وقت کہا تھا... وصیت نامہ مخفی کا یہ جزو بھی لائق توجہ ہے:

"رعیت مختلف القلوب را بحکم اربع عناصر قائم کن"

INTACH کے اس ۱۲ فروری ۱۹۹۴ء کے دہلی میں منعقدہ جلسہ میں محترم جناب سندر لعل بہوگنا "نرمدا بچاؤ اندولن" کے روح رواں بھی تشریف فرما تھے۔ میں نے وصیت نامہ کے اس جزو کو بہوگنا جی سے مخاطب ہوتے ہوئے 'ویدوں' سے ماخوذ قرار دیا۔

جیسا رہنمائے دکن میں شائع شدہ "لوک مت" کے مضمون سے ظاہر ہے شہنشاہ بابر کے اس وصیت نامہ مخفی کا فوٹو سٹریٹ گھوس صاحب لائبریرین بھوپال اسٹیٹ لائبریری بھوپال نے اپنے خط مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۲۱ء کے ساتھ یہاں حیدر آباد میں سر راس مسعود (اس وقت کے ناظم تعلیمات حکومت نظام) کے پاس بھیجا تھا جو سر راس مسعود مرحوم نے والد ماجد پروفیسر ہارون خاں شروانی مرحوم کے حوالے کیا۔ جیسا کہ پروفیسر آر ناتھ نے اپنے مضمون مطبوعہ Times of India مورخہ ۵ دسمبر ۱۹۹۳ء میں تحریر فرمایا 'والد ماجد پروفیسر شروانی نے ضرور اس وصیت نامہ کا اپنے کسی تحقیقی مضمون میں تذکرہ فرمایا ہوگا لیکن حالیہ دور میں سب سے پہلے راقم الحروف نے اپنے خط مطبوعہ The Hindu ۱۱ فروری ۱۹۹۳ء میں اس وصیت نامہ کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ اس کا تذکرہ دہلی سے شائع ہونے والے ہفتہ وار نئی دنیا کے ۱۱-۱۷ فروری ۱۹۹۴ء کے شمارہ میں جناب ڈاکٹر فضل الحق صاحب نے اپنے مضمون میں بھی فرمایا ہے۔

ڈاکٹر آر ناتھ کے استفسار پر بھوپال اسٹیٹ لائبریری کے "انچارج اردو سیکشن" کا بگڑی انگریزی میں خط مورخہ ۸ جون ۱۹۹۴ء موصول ہوا جس میں اس وصیت نامہ کی لائبریری میں موجودگی سے قطعی لاعلمی کا اظہار کیا گیا ہے۔

پھر وہ سلطنت مغلیہ کی سب سے اہم دستاویز آخر کہاں گئی؟

••

اضافہ
از خدا بخش لائبریری



شیخ محمد اکرام نے رود کوثر میں بابر کے وصیت نامہ کا اردو ترجمہ اس طرح دیا ہے:۔

"فرزند من! ہندوستان میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی عنایت ہے کہ اس نے تمھیں اس ملک کا بادشاہ بنایا ہے۔ اپنی بادشاہی میں تمھیں ذیل کی باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے (۱) تم مذہبی تعصب کو اپنے دل میں ہرگز جگہ نہ دو اور لوگوں کے مذہبی جذبات اور مذہبی رسوم کا خیال رکھتے ہوئے رو رعایت کے بغیر سب لوگوں کے ساتھ پورا انصاف کرنا (۲) گاؤکشی سے بالخصوص پرہیز کرو تاکہ اس سے تمھیں لوگوں کے دل میں جگہ مل جائے اور اس طرح وہ احسان اور شکریے کی زنجیر سے تمہارے مطیع ہو جائیں۔ (۳) تمھیں کسی قوم کی عبادت گاہ مسمار نہیں کرنی چاہیے اور ہمیشہ سب سے پورا انصاف کرنا چاہیے تاکہ بادشاہ اور رعیت کے تعلقات دوستانہ ہوں اور ملک میں امن و امان رہے۔ (۴) اسلام کی اشاعت ظلم وستم کی تلوار کے مقابلے میں لطف و احسان کی تلوار سے بہتر ہو سکے گی (۵) شیعہ سُنّی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہو۔ کیونکہ ان سے اسلام کمزور ہو جائے گا۔ (۶) اپنی رعیت کے مختلف خصوصیات کو سال کے مختلف موسم سمجھو تاکہ حکومت بیماری اور ضعف سے محفوظ رہ سکے۔"

اکرام کو اس وصیت نامہ کا انگریزی ترجمہ مانٹس کی اسلام ان انڈیا میں ملا جو پہلی بار ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ خود مانٹس کو یہ انگریزی ورژن ڈاکٹر سید محمود (بہار) کے ایک مضمون میں ملا تھا جو انڈین ریویو (الہ آباد) کے ایک شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ انڈین ریویو کا یہ شمارہ ۱۹۲۳ء کے اگست کا تھا۔ اس سے دو سال قبل بھوپال کی اسٹیٹ لائبریری کے مسٹر گھوسال نے اس کی فوٹو کاپی سر راس مسعود کو ان کی طلب پر اپنے ایک خط کے ساتھ حیدرآباد بھیجی تھی۔ [یاد رہے راس مسعود اس زمانے میں حیدرآباد میں ناظم تعلیمات تھے اور عثمانیہ کی اردو جامعہ قائم ہو چکی تھی، اس کے بعد مسعود علیگڑھ کے وائس چانسلر ہوئے اور پھر آخر میں بھوپال آگئے اور وہیں وفات پائی]۔ گھوسال کے خط کی تاریخ ۱۱ فروری ۱۹۲۱ء ہے۔

اکرام کے ماخذ ٹائٹس کا ترجمہ جو واقعۂ سید سود کا ترجمہ ہے، ٹائٹس کے چند سطری نوٹ کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

All of these contacts with the Hindu environment gradually tended to produce an attitude of tolerance among the Muslims of India, which has given to Indian Islam some peculiar characteristics. Further proofs of this are found in the terms of a confidential will which Bābur left to his son Humāyūn, the original copy of which is preserved in the State Library at Bhopāl. The document, as translated, runs as follows:

O my son: People of diverse religions inhabit India; and it is a matter of thanksgiving to God that the King of kings has entrusted the government of this country to you. It therefore behoves you that:

1. You should not allow religious prejudices to influence your mind, and administer impartial justice, having due regard to the religious susceptibilities and religious customs of all sections of the people.

2. In particular refrain from the slaughter of cows, which will help you to obtain a hold on the hearts of the people of India. Thus you will bind the people of the land to yourself by ties of gratitude.

3. You should never destroy the places of worship of any community and always be justice-loving, so that relations between the king and his subjects may remain cordial and there be peace and contentment in the land.

4. The propagation of Islam will be better carried on with the sword of love and obligation than with the sword of oppression.

5. Always ignore the mutual dissension of Shī'ahs and Sunnis, otherwise they will lead to the weakness of Islam.

6. Treat the different peculiarities of your subjects as the different seasons of the year, so that the body politic may remain free from disease.v

Source: **Islam in India by M.T.Titus, 1930; rev. ed., 1959.**

خود متن کا ماخذ سید محمد محمود تھے جنھوں نے ۱۹۲۳ء میں یہ دستاویز دریافت کی تھی۔
ڈاکٹر سید محمود نے اگست ۱۹۲۳ء کے انڈین ریویو میں مسلم حکمرانوں کے عہد میں گاؤکشی (Cow killing under Muslim Rule) کے عنوان سے ایک مضمون میں بابر کے اس وصیت نامہ کا ذکر کیا جس کا عکس انھیں بھوپال کے نواب حمید اللہ خاں کی عنایت سے دستیاب ہوا تھا۔ یہ اس زمانہ کے آس پاس کی بات ہے جب بھوپال کے ریاستی کتابخانہ کے کتابدار مسٹر گھوسال نے اس کا عکس ہارون خاں شروانی کو بھیجا تھا۔ سید محمود نے اپنی متعلقہ تمہید کے ساتھ اس کا ترجمہ اس طرح دیا تھا،

BABAR'S ADVICE TO HIS SON: When the Moghuls established their rule in India and Babar ascended the throne, he not only found out the depth of Hindu feeling in this matter during his few years' reign but also wrote out a confidential will for his son Humayun, in which he referred to this religious belief of the Hindus and exhorted him to prevent the killing of cows. The original copy of this document is preserved in the State Library at Bhopal, and a photo of it has been made available to me through the courtesy of Nawab Col. Hamid Ullah Khan Sahib. The following is a translation of the documen

"O my son: People of diverse religions inhabit India: and it is a matter of thanks-giving to God that the King of Kings has entrusted the government of this country to you. It, therefore, behoves you, that:—

(1) You should not allow religious prejudices to influence your mind, and administer impartial justice having due regard to the religious susceptibilities and religious customs of all sections of the people.

(2) In particular, refrain from the slaughter of cows, which will help you to obtain a hold on the hearts of the people of India. Thus you will bind the people of this land to yourself by ties of gratitude.

(3) You should never destroy the places of worship of any community and always be justice-loving, so that the relations between the king and his subjects may remain cordial and there be peace and contentment in the land

(4) The propagation of Islam will be better carried on with the sword of love and obligation than with the sword of oppression:

(5) Always ignore the mutual dissensions of Shias and Sunnis, otherwise they will lead to the weakness of Islam.

(6) Treat the different peculiarities of your subjects as the different seasons of the year, so that the body politic may remain free from disease.

اصل وصیت نامہ جس کا عکس شیروانی صاحب نے مرحمت فرمایا ہے وہ عکسی صورت میں آپ نے ملاحظہ فرمایا اسے صاف خط میں بھی پڑھتے چلیے۔ تاکہ انگریزی ترجمہ زیادہ واضح ہو جائے۔

الحمد للہ



وصیّت نامہ مخفی ظہیر الدین محمد بابر بادشاہ غازی بشاہزادہ نصیر الدین محمد ہمایوں طول اللہ عمرہ

باستحکام سلطنت نوشتہ شد

اے فرزند مملکت ہندوستان از مذاہب مختلفہ مملو است۔ بحمد اللہ کہ حق سبحانہ تعالیٰ بادشاہی آں بتو کرامت فرمود۔ باید کہ تعصبات مذہبی را از لوح دل پاک نمودہ، موافق طریق ہر ملت معدلت کن۔

خصوصاً از قربانی گاؤ پرہیز کہ تسخیر قلوب اہل ہندوستانست و رعیت ایں ولایت با احسانات بادشاہی وابستہ شود۔

ومنادر و معبدگاہ ہر قومیکہ زیر فرمان بادشاہی ست خراب مکن۔ اینچناں عدل گستری اختیار کن کہ شاہ از رعیت و رعیت از بادشاہ آسودہ شود۔

ترقی اسلام از تیغ احسان بہتر است نہ از تیغ ظلم۔

و از مناقشات اہل سنت و شیعہ چشم پوشی کن والّا ضعف اسلام موجود است۔

و رعیت مختلف القلوب را بحکم اربعہ عناصر قائم کن کہ جسم سلطنت از امراض مختلفہ ایمن باشد۔

و کارنامہ حضرت امیر تیمور صاحبقرانی پیش نظر باید داشت کہ با امور شہریاری پختہ شود۔

وما علینا الا البلاغ

یکم جمادی الاول ۹۳۵ھ

بھوپال سے آخری رپورٹ (مئی ۱۹۹۲ء)

بابر کا وصیت نامہ جو فی الحال غائب ہے، شیروانی صاحب کے توجہ دلانے کے بعد اسکی کھوج شروع ہوئی۔ راج بھون بھوپال کے علمی ذوق کے سبب کچھ مدد ملی اور ہمارے کہنے سے کچھ تلاش ہوئی، نتیجہ البتہ وہی کا وہی رہا۔ راج بھون کے سکریٹری مسٹر بے۔ ایل۔ بوس نے پرائیویٹ سکریٹری پی بشرا کو اس کی تلاش پر مامور کیا جن کی ہندی رپورٹ کا اردو ورژن درج ذیل ہے:-

شری ایس۔ این شرما چیتر یہ گرنتھ پال سنٹرل لائبریری نے بتایا کہ برس ۱۹۲۱ء میں یہ وِل اُپلبدھ ہوگی جس کے آدھار پر شری گھوشال" تتکالین لائبریرین نے حیدر آباد، ان کے پتر دینانک ۱۱ ر ۲ ر ۲۱ء کو فوٹو کاپی بھجوائی تھی۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۵۵ء تک اس لائبریری پر کسی کا دھیان نہیں گیا۔ ۱۹۵۵ء میں جس استھتی میں پرانا ریکارڈ تھا وہیں سنٹرل لائبریری کو ملا جس میں یہ "وِل" نہیں ملی۔ "اسٹیٹ آرکائیوز" کو جو ریکارڈ بھیجا گیا اس میں بھی یہ "وِل" نہیں ہے۔

●●

اشاریے

سوغات (بنگلور) کا اشاریہ

ڈاکٹر سلمان عابد

سوغات (بنگلور)

پہلی بار ۱۹۵۹ء میں نکلا ——— ۱۹۶۳ء میں بند ہوا

دوسری بار ستمبر ۱۹۷۰ء میں نکلا اور ۱۹۷۳ء تک جاری رہا

تیسری بار ستمبر ۱۹۹۱ء میں نکلا، اور تیسری بار کے سلسلے میں

اب تک اس کے پانچ شمارے نکل چکے ہیں۔

نثر

○

● آل احمد سرور، جدید نظم کی ہیئت و تشکیل، شمارہ ۸-۷، اکتوبر ۱۹۶۱ء ○ جدت پرستی اور جدیدیت
کے مضمرات، شمارہ ۱، ستمبر ۱۹۷۰ء ● ابن انشار، من چہ می سرائم... ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● اختر الایمان، نئی نسل
ایک خط؟ ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ جدید نظم کی ہیئت و تشکیل، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ یادیں، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● اسلوب
احمد انصاری، حالی ادبی مجدد کی حیثیت سے، ۲، مئی ۱۹۵۹ء ● اسٹیون اسپنڈر، ایک نوجوان ادیب کے
نام خط، ۵، ۱۹۶۰ء ● ایڈمنڈ ولسن، علامت نگاری، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● ایرش فرام، زوال آدم خاکی، ۲، ۱۹۵۹ء
● باقر مہدی، پرانے سوالات نئے نکات، ۳، ستمبر ۱۹۵۹ء ○ پریوک وادی ہندی شاعری، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ صدی کا
الشعر المنظیہ، ۱۱، اپریل ۱۹۶۲ء ○ ایک جوان برگد کی موت، ۳-۴، اگست ۱۹۷۰ء ○ جدیدیت اور توازن، ۱، ستمبر ۱۹۷۰ء
○ بھولا سے بیل تک، ۱۲-۱۳-۱۴، جنوری ۱۹۶۳ء ● بلراج کومل، جدید نظم اور تعصب، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● جذبی:
جدید نظم کی ہیئت و تشکیل، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● جمیل جالبی، پیسٹرنک، بحیثیت شاعر، ۲، ۱۹۵۹ء ● حسن عسکری:
ادب برو ر آطیت، ۱، ۱۹۵۹ء ○ ایک دیباچہ، ۹، دسمبر ۱۹۶۱ء ● حمید نسیم، جدید اردو نظم، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ●
خلیل الرحمٰن اعظمی، اردو نظم کا نیا رنگ و آہنگ، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ اس پہ چلے ہیں کہ ہم درد جگر دیکھیں گے، ۹-۱۰، دسمبر ۱۹۶۱ء
● خورشید الاسلام، جدید نظم کی ہیئت و تشکیل، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● دیوندر اسّر، تخلیق، فن اور جنون، ۱۲-۱۳-۱۴،
جنوری ۱۹۶۳ء ● ڈی لن تھامس، جدید انگریزی شاعری، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● راجندر سنگھ بیدی، مختصر افسانہ
۱۲/۱۳، ۱۹۶۳ء ○ " میں " ۱۱، اپریل ۱۹۶۲ء ● رائے قلم، انگریزی شاعری ۵۰ کے بعد، ۸-۷، ۱۹۶۱ء
● رفیق خاور، ایک شاعر، رات اور دو نظمیں، ۹، دسمبر ۱۹۶۱ء ● ریاض احمد، جدید اردو نظم کا ارتقاء ۱۱، ۱۹۶۲ء
● سرل کنولی، جدید شاعری کے مراحل، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● سی ایم بورا، علامت پسندی کی روایت، ۶، مارچ ۱۹۶۱ء
● شہزاد منظر، آل بیئر کامیو، ۵، ۱۹۶۰ء ● شیام لال ادیب، دل کی بستی، ۱۲-۱۳، ۱۹۶۳ء —

تنقید/جدید اردو ادب

● ہیئت کی تلاش میں (ن م راشد) سوغات ۸-۷، ۱۹۶۱ ● پرانے سوالات نئے نکات (باقر مہدی) ستمبر ۱۹۵۹ء
● عہد جدید کا ذہنی پس منظر (محمد حسن)، ۳، ۱۹۶۰ء ● فکر نو کا آغاز (علی جواد زیدی)، ۳-۴، ۱۹۵۹ء
● جدت پرستی اور جدیدیت کے مضمرات (آل احمد سرور)، ۱۳۱-۱۲۱، ستمبر ۱۹۷۰ ● نئی اور پرانی نسل (محمد حسن)
اکتوبر ۱۹۶۱ ● نئی نسل ایک خط (اختر الایمان) اکتوبر ۱۹۶۱ء ● نئے ادبی تقاضے (محمد حسن) ۲، ۱۹۵۹ء

● جدیدیت اور قوانین (باقر مہدی)، ستمبر ۱۹۷۱ء ● جدیدیت اور روشن خیالی (وارث علوی)، ۸، اگست ۱۹۷۰ء
● جدیدیت ایک تہذیبی رویہ (وحید اختر)، ۱۰، ۱۹۷۱ء ● صدی الافکار الشعریۃ العظمیہ (باقر مہدی)
اپریل ۱۹۶۲ء ● ہمارے عہد کا ادبی مزاج (وحید اختر)، ۴، ۱۹۶۰ء ● علامت پسندی کی روایت (سی ایم بورا)
مارچ ۱۹۶۱ء ● علامت نگاری (ایڈمنڈ ولسن)، اکتوبر ۱۹۶۱ء ● ادب پرور اقلیت (حسن عسکری)، ۱، ۱۹۵۹ء
● ادیب کا مستقبل (محمود ایاز)، ۱، ۱۹۵۹ء ● تخلیق، فن اور جنون (دیوندر اسر) جنوری ۱۹۶۳ء ●
شاعر، صانع یا خالق (ممتاز حسین)، ۱۱، ۱۹۶۲ء ● ادب اور جنسیات (دیوندر اسر)، ۷، ۱۹۶۱ء

تنقید/افسانہ، ناول:

● جدید اُردو افسانے کا جائزہ (محمد حسن)، ۵، ۱۹۶۰ء ● لباس مجاز میں۔ تبصرہ۔ میگھ ملہار
(ممتاز شیریں)، ۳، ۱۹۶۰ء ● منفی ناول کی ایک مثال (ممتاز شیریں)، ۹، ۱۹۶۱ء۔

تذکرہ/راجندر سنگھ بیدی:

● بھولا سے بیل تک۔ تبصرہ بیدی (باقر مہدی)، جنوری ۱۹۶۳ء ● بیدی کا فن (محمد حسن) ۱۲-۱۳-۱۴،
۱۹۶۳ء ● دل کی بستی۔ بیدی کی ناول پر تبصرہ (شیام لال ادیب)، ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء ● مختصر افسانہ
(راجندر سنگھ بیدی)، ۱۲/۱۳/۱۴، ۱۹۶۳ء ● میں (راجندر سنگھ بیدی)، اپریل ۱۹۶۲ء۔

تنقید/جدید شاعری (نظم):

● اردو نظم کا مزاج (وزیر آغا)، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ● اردو نظم کا نیا رنگ و آہنگ (خلیل الرحمٰن اعظمی)
اکتوبر ۱۹۶۱ء ● جدید اردو نظم (محمود ایاز)، اکتوبر ۱۹۶۱ء ● جدید اردو نظم (حمید نسیم)، اکتوبر ۱۹۶۱ء ● جدید اردو نظم
(ضیا جالندھری)، اکتوبر ۱۹۶۱ء ● جدید اردو نظم کا ارتقا (ریاض احمد)، ۱۱، ۱۹۶۲ء ● جدید نظم اور تعصب (طراز کومل)
اکتوبر ۱۹۶۱ء ● جدید نظم کی ہیئت و تشکیل (اختر الایمان)، اکتوبر ۱۹۶۱ء ○ آل احمد سرور، اکتوبر ۱۹۶۱ء ○ جذبی ۱۹۶۱ء
○ منیب الرحمٰن، ۷-۸، اکتوبر ۱۹۶۱ء ○ خورشید الاسلام، اکتوبر ۱۹۶۱ء ● جدید شاعری کے مراحل (سرل کنولی) اکتوبر ۱۹۶۱ء
● نئی شاعری کی بنیادیں (میراجی)، ۷-۸، ۱۹۶۱ء

تذکرہ شعرا:

● اجنبی رضوی (نظیر صدیقی)، ۱۱، ۱۹۶۲ء ● دو جدید نظم گو۔ اختر الایمان، مجید امجد (محمد حسن) اکتوبر ۱۹۶۱ء
● یادیں۔ خود نوشت سوانح اختر الایمان (اختر الایمان)، اکتوبر ۱۹۶۱ء ● نارسس کا دیباچہ۔ تبصرہ۔ مجموعہ کلام
اختر الایمان (میراجی)، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ● حالی ادبی مجدد کی حیثیت سے، (اسلوب احمد انصاری)، مئی ۱۹۵۹ء ●

ایک شاعر۔ راشد اور دو نظمیں (رفیق خاور) دسمبر ۱۹۶۱ء ● پردیسی کے خطوط۔ شاد عظیم آبادی (مجنوں گورکھپوری) ۵۔۱۹۶۰ء ● فراق۔ ایک مطالعہ (میر ضیاء اللہ) ۱۔۱۹۵۹ء ● اپنی شاعری کے بارے میں، مصطفےٰ زیدی، اکتوبر ۱۹۶۱ء ● خواجہ میر درد (مجنوں گورکھپوری) ۴۔۱۹۶۰ء ● اردو نظم کا آغا (وزیر آغا)، ۵۔۱۹۶۰ء ● یاس عظیم آبادی (مجنوں گورکھپوری) ۶۔۱۹۶۱ء

تذکرہ ادبا/ناقدین :

● من چہ می سرائم۔ سوانح ابن انشا (ابن انشا، اکتوبر ۱۹۶۱ء ● ایک جوان برگد کی موت۔ سید احتشام حسین (باقر مہدی)، اگست ۱۹۶۰ء ● ایک دیباچہ، حسن عسکری، دسمبر ۱۹۶۱ء ● اس پہ مچلے ہیں کہ ہم درد جگر رکھتے ہیں (خلیل الرحمن اعظمی، دسمبر ۱۹۶۱ء ● مجھے بھی کچھ کہنا ہے، محمد حسن، ۵۔۱۹۶۰ء ● دانش حاضر کے سواد میں، عزیز حامد مدنی، اکتوبر ۱۹۶۱ء

غیر ملکی ادب :

● امریکی ادب جو مرچکا ہے، محمد اسمٰعیل تابش، ۱۔۱۹۵۹ ● انگریزی شاعری ۱۹۴۵ء کے بعد، (رائے فلر)، اکتوبر، ۱۹۶۱ء ● جدید انگریزی شاعری (ڈی لن تھامس)، اکتوبر ۱۹۶۱ ● جدید فرانسیسی شاعری، (والس فاؤلی)، ۸۔۷۔۱۹۶۱ء

تذکرہ غیر ملکی ادبا/ناقدین:

● البیر کامیو، شہزاد منظر، ۵۔۱۹۶۰ء ● ایک نوجوان ادیب کے نام خط (اسٹیون اسپنڈر) ۵۔۱۹۶۰ء ● فطری آدمی اور سیاسی آدمی۔ ایڈون میورم (محمود سعید) ۱۔۱۹۵۹ء ● زوال آدم خاکی، (ایرش فرام)، ۲۔۱۹۵۹ء ● لیسٹر نگ بحیثیت شاعر (جمیل جالبی)، مئی ۱۹۵۹ء ● جیمز جوائس ایک منور فنکار، (جان بیہن، ستمبر ۱۹۵۹ء ● سارتر سے ایک انٹرویو (مجید فاروقی، ۹۔۱۹۶۱ ● فرانز کافکا، فلیپ راؤ، ۶۔ مارچ ۶۱ء ● کامیو کی ایک کہانی، ضمیر الدین احمد، ۹۔ اکتوبر ۱۹۶۱ء۔

تراجم/شاعری :

● انگریزی شاعری ۱۹۴۵ء کے بعد (ایک مذاکرہ)، رفیق خاور ۸۔۷۔۱۹۶۱ء ● جاوید نامہ (علامہ اقبال)، شفیق فاطمہ شعریٰ، ۶۔۱۹۶۱ء ● جدید انگریزی شاعری/مذاکرہ (ڈی لن ٹامس، جیمز اسٹیفنز، جیرالڈ بلیٹ) شان الحق حقی، ۸۔۷۔۱۹۶۱ء ● جدید شاعری کے مراحل، خیر النساء، ۸۔۷۔۱۹۶۱ء ● جدید فرانسیسی شاعری (والیس فاؤلی)، منہاج برنا، ۸۔۷۔۱۹۶۱ء ● چاند کی کھیتی (منظوم ڈراما۔ ہربرٹ ریڈ)، خلیل مامون، ۴۔۷۔۶۱ء

تراجم/افسانہ :

● اوتاموتو۔ (سنٹ میوئل بوٹنو شہید)، مریم زمانی، ۱۱، ۱۹۶۲ء ● جلاوطن۔ (جیمز جوائس)، محمود ایاز، ۲، ۱۹۵۹ ● دیوار۔ (ژاں پال سارتر)، حمید اللہ صدیقی، ۱۴-۱۳، ۱۹۶۳ء ● سے پورپلا۔ (اسٹیفن زویگ)، چندر اکوئن، مارچ، اپریل، ۱۹۶۱ ● فیصلہ۔ (فرانز کافکا)، محمود ایاز، ۶، ۱۹۶۱ء۔

تراجم/ناول :

● اجنبی/دی آؤٹ سائیڈر (البرٹ کامیو)، رفعت نواز، ۱۰، ۱۹۵۹ء ● دل کی بستی (شیام لال ادیب)، خیر النساء، ۱۴-۱۳، ۱۹۶۳ ● زوال۔ دی فال (البیر کامیو)، محمد عمر میمن، ۱۴-۱۳، ۱۹۶۳ء

تراجم/... ادب :

● امریکی ادب جو مر چکا ہے (ہنری ملر)، محمد اسمٰعیل تابش، ۱۰، ۱۹۵۹ء ● ادیب کا مستقبل (جے بی پریسٹلے) محمود ایاز، ۱۰، ۱۹۵۹ء ● علامت پسندی کی روایت، محمود ایاز، ۶، ۱۹۶۱ء ● علامت نگاری (ایڈمنڈ ولسن)، ضمیر الدین، ۸-۷، ۱۹۶۱ء

تراجم/... ادبا :

● ایک نوجوان ادیب کے نام خط، محمود ایاز، ۵، ۱۹۶۰ء ● فطری آدمی اور سیاسی آدمی۔ ایڈون میوس، محمود سعید، ۱۱، ۱۹۵۹ء ● زوال آدم خاکی (ایرش فرام)، محمود ایاز، ۲، ۱۹۵۹ء ● جیمز جوائس ایک مغرور فنکار (جان لیہمی)، محمود ایاز، ۳، ۱۹۵۹ ● ژاں پال سارتر سے ایک انٹرویو، مجید فاروقی، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● فرانز کافکا۔ ایک تعارف (فلپ راؤ)، محمود ایاز، ۶، ۱۹۶۱ء ۔۔

● ضمیر الدین احمد، کاٹو کی ایک کہانی، ۹، اکتوبر ۱۹۶۱ ● ضیا جالندھری، جدید اردو نظم، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● عزیز حامد مدنی، دانش حاضر کے سواد میں، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● علی جواد زیدی، فکر نو کا آغاز، ۴، جنوری ۱۹۶۰ ○ فکر نو کا آغاز، ۳، ۱۹۵۹ ● فلپ راؤ، فرانز کافکا۔ ایک تعارف، ۶، مارچ ۱۹۶۱ ● مجتبیٰ حسین، نئی اور پرانی نسل، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● مجنوں گورکھپوری، یاس عظیم آبادی، ۶، ۱۹۶۱ء ○ پردیسی کے خطوط، شاد عظیم آبادی، ۵، ۱۹۶۰ء ○ خواجہ میر درد، ۴، ۱۹۶۰ء ● مجید فاروقی، سارتر سے ایک انٹرویو، ۹، ۱۹۶۱ء ● محبوب خزاں، مگر سچ کون بولے گا، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● محمد اسمٰعیل تابش، امریکی ادب جو مر چکا ہے، ۱۰، ۱۹۵۹ ● محمد حسن، دو جدید نظم گو، اختر الایمان، مجید امجد، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ مجھے بھی کچھ کہنا ہے، ۵، ۱۹۶۰ء ○ جدید اردو افسانے کا جائزہ، ۵، ۱۹۶۰ء ● محمد حسن، نئے ادبی تقاضے، ۳، ۱۹۵۹ء ○ عہد جدید کا ذہنی پس منظر، ۳، ۱۹۶۰ء ○ بیدی کا فن، ۱۴-۱۳، ۱۹۶۳

۱۹۶۲ء ● محمود ایاز، جدید اردو نظم، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ ادیب کا مستقبل، ۱۰، ۱۹۵۹ء ● محمود سعید، فطری آدمی
اور سیاسی آدمی، ۱، ۱۹۵۹ء ● مصطفےٰ زیدی، اپنی شاعری کے بارے میں، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● ممتاز حسین، شاعر
صانع یا خالق، ۱۱، ۱۹۶۲ء ● ممتاز شیریں، منفی ناول کی ایک مثال، ۹، ۱۹۶۱ء ○ لباس مجاز میں، ۳۰، ۱۹۶۰ء
● منیب الرحمٰن، جدید نظم کی ہیئت و تشکیل، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● میراجی، نارس کا دیباچہ، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ نئی شاعری
کی بنیادیں، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● میر ضیاء اللہ، فراق - ایک مطالعہ، ۱، ۱۹۵۹ء ● نظیر صدیقی، اجتبیٰ رضوی، ۱۱، ۶۲ء
● ن۔م۔ راشد، ہیئت کی تلاش میں، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● وارث علوی، جدیدیت اور روشن خیالی، ۴، اگست ۷۴ء
○ قافیہ تنگ اور زمیں سنگلاخ، ۱، ۱۹۷۱ء ●
● وزیر آغا، اردو نظم کا آغاز تقسیم کے بعد، ۵۰، ۱۹۶۰ء ○ اردو نظم کا مزاج، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● وحید اختر
جدیدیت ایک تہذیبی رویہ، ۱، ۱۹۷۱ء ○ ہمارے عہد کا ادبی مزاج، ۴، ۱۹۶۰ء ● دیوندر اسّر، ادب اور جنسیات
۶، ۱۹۶۱ء۔

افسانہ:

● احمد ندیم قاسمی، جن و انس، ۴، جنوری ۱۹۶۰ء ● اختر انصاری، وہ کہیں اور سنا کرے کوئی، ۳۰، ۱۹۴۴ء
● اسٹیفن زوئیگ، سے پہیلا، ۶۰، مارچ ۱۹۶۱ء ● البیر کامیو، زوال، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ● امام الدین سعید،
مجھے جو پیاس تو اشکوں کے جام حاضر ہیں، ۱، ستمبر ۱۹۷۱ء ○ لندن سے نیویارک تک، ۳-۲، ۱۹۷۱ء ● انور عنایت اللہ، گوہر مراد،
۳، ۱۹۵۹ء ○ متوالی لڑکی، ۴، جنوری ۱۹۶۰ء ● اوناموتو، سنیٹ مینوئل بونو شہید، ۱۱، اپریل ۱۹۶۲ء ● پریم ناتھ در،
نیلی آنکھیں، ۶۰، ۱۹۶۱ء ○ اترائی، ۶۰، ۱۹۶۱ء ○ زندگی کا گھونٹ، ۶۰، ۱۹۶۱ء ● جیلانی بانو، ایک آنس، ۱۰، ۱۹۵۹ء
● جیمز جوائس، جلاوطن، ۲، ۱۹۵۹ء ● حسین الحق، اندھی دشاؤں کے سائے، ۳، ۱۹۷۱ء ● راجندر سنگھ بیدی،
بتل، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ○ لمبی لڑکی، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ○ جوگیا، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ● رفعت نواز،
اجنبی، ۱، ۱۹۵۹ء ● ژاں پال سارتر، دیوار، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ● سہیل عظیم آبادی، یوں بھی ہوتا ہے زمانے میں
۵، ۱۹۶۰ء ● سید قاسم محمود، موت کی خوشبو، ۲۰، ۱۹۵۹ء ○ حیات گذراں، ۳۰، ۱۹۵۹ء ○ ایک شہر آرزو، ۴، ۶۰ء
● شرون کمار ورما، گڈو کی کہانی، ۲، ۱۹۵۹ء ○ اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر، ۳، ۱۹۵۹ء ○ ایک افسانہ
۵، ۱۹۶۰ء ○ اے لالۂ صحرائی، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ● شفق سہسرامی، اندھی رات، ۱۰، ۱۹۷۱ء ● صفیہ ادیب
ریت، سمندر اور سیڑھیاں، ۱۰، ۱۹۷۱ء ● ضمیر الدین احمد، یگانگا، ۲۰، ۱۹۵۹ء ○ کامیو کی اک کہانی، ۹، ۱۹۶۱ء ○

امر شہید، ۱۰، ۱۹۵۹ء ● غیاث احمد گدی، ایمان سلامت ہے تو، ۵، ۱۹۶۰ء ● فرانز کافکا، فیصلہ، ۶، ۱۹۶۱ء ● قرۃ العین حیدر، آگ کا دریا، ۲، ۱۹۵۹ء ● قمر احسن، سلیماں سر بہ زانو اور سبا ویراں، ۷-۴، ۱۹۷۴ء ● کرشن چندر، اندھیرے کا ساتھی، ۳، ۱۹۵۹ء ○ دو چور، ۵، ۱۹۶۰ء ● کرشن کانت شرما، بھگوان بدھ اور ایک عورت ۶، ۱۹۶۱ء ● گربچن سنگھ، اندھے کی لاٹھی، ۱۱، ۱۹۶۲ء ● معین انور، پرانی قمیص، ۴، ۱۹۶۰ء ○ بڑی رات ۲، ۱۹۵۹ء ● ممتاز شیریں، کفارہ، ۹، ۱۹۶۱ء ○ یاں کوئی خریدار نہیں جنس گراں کا، ۱۰، ۱۹۵۹ء ● واجدہ تبسم رقیب رو سیاہ، ۱۰، ۱۹۵۹ء۔

نظم:

● ابن الحق عظیم آبادی، نروان، ۱۱، اپریل ۱۹۶۲ء ● احسن لکھنوی، اجڑا ہوا گھر، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ● احمد ہمیش، پرچھائیں کا سفر، ۹، ۱۹۶۱ء ● اختر الایمان، میا شہر، ۷-۸، اکتوبر ۱۹۶۱ء ○ عمر گریزاں کے نام، ۷-۸، اکتوبر ۱۹۶۱ء ○ میر ناصر حسین ۷-۸، اکتوبر ۱۹۶۱ء ○ کتبہ، ۷-۸، اکتوبر ۱۹۶۱ء ○ مسافت ایک نامکمل نظم، ۷-۸، اکتوبر ۱۹۶۱ء ○ دعا، ۴، ۱۹۶۰ء ● اختر الایمان، شکست خواب، ۲، ۱۹۵۹ء ○ چلو چلیں، ۲، ۱۹۵۹ء ○ پکنک ۱، ۱۹۷۱ء ○ نظم کی تلاش، ۱، ۱۹۷۱ء ○ بنت لمحات، ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء ○ لوگو اے لوگو!، ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء ○ باز آمد ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء ○ بے تعلق، ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء ○ کوزہ گر، ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء ● اختر انصاری، چار قطعات، ۲، ۱۹۵۹ء ○ پانچ رباعیات، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ تین قطعات، ۳، ۱۹۵۹ء ● اسد محمد خان، نو منزلہ بلڈنگ ۱۱، ۱۹۶۲ء ○ آدھی رات کا سورج، ۱۱، ۱۹۶۲ء ○ اوشا درشن، ۱۱، ۱۹۶۲ء ● اسلم انصاری، فاوسٹ، ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء ● اشتیاق حسین قریشی، درس فطرت، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ● اشوک باجپائی، پیار کرتے ہوئے، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ● اعجاز احمد، یوں کر جیسے ہمیشہ، ۱، ۱۹۷۱ء ○ موت کا عکس، ۱، ۱۹۷۱ء ○ چھ نظمیں، ۱، ۱۹۷۱ء ○ نظموں کیلیے دعائے خیر، ۲-۳، ۱۹۷۱ء ○ چاند، ۲-۳، ۱۹۷۱ء ○ پہچان، ۲-۳، ۱۹۷۱ء ○ آواگون، ۲-۳، ۱۹۷۱ء ○ مہاجر ۲-۳، ۱۹۷۱ء ○ فاصلوں کی بات، ۲-۳، ۱۹۷۱ء ○ اقتباسات، اوشا کے لیے، ۲-۳، ۱۹۷۱ء ○ میری موت کے مسیحا، ۲-۳، ۱۹۷۱ء ● باقر مہدی، دو نظمیں، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ منزل کے آگے، ۱۱، ۱۹۶۲ء ○ شہرت، ۱۱، ۱۹۶۲ء ○ ایک شہری شام، ۱، ۱۹۷۱ء ○ پیڑ کے نیچے، ۱، ۱۹۷۱ء ○ لہو میں اتری دھنک، ۱، ۱۹۷۱ء ○ نیم خوابیدہ، ۱، ۱۹۷۱ء ○ بے خوابوں کی تیسری شب ۱، ۱۹۷۱ء ○ خواب میں پھول، ۱، ۱۹۷۱ء ○ سرکس کا ایک منظر ۱، ۱۹۷۱ء ○ دو ترستے ہوئے لب، ۱، ۱۹۷۱ء ○ ایک طویل بوسے میں، ۱، ۱۹۷۱ء ○ ایک اجنبی نیم پاگل سا، ۱، ۱۹۷۱ء ○ تمہارے نام میرا پہلا خط

۱، ۱۹۷۱ء ○ نئی آرٹ گیلری میں ۱۰، ۱۹۷۱ء ○ عیادت ۱۰، ۱۹۷۱ء ● بلراج کومل، دستِ گل، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ فولاد کا
کارخانہ، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ اگلے برس کی بات، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ جدائی کا گیت ۱۱، ۱۹۶۲ء ○ عالم کل ۵، ۱۹۶۰ء
○ بادل، ۱، ۱۹۷۱ء ○ ایک نظم، ۱، ۱۹۷۱ء ○ یہ میری حسین صورت، ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۲ء ● بمل کرشن اشک
ایک سانیٹ ۱۱، ۱۹۶۲ء ● پریم وار بٹنی، آرتی، ۶، مارچ ۱۹۶۱ ● تلوک چند محروم، بوئے گل، ۱۰، ۱۹۵۹ء ●
جالب وطنی، جمود سورج کے آئینے میں، ۴-۷، ۱۹۷۰ء ● جبار جمیل، لفظوں کی تجارت، ۲-۳، ۱۹۷۱ء ● جلیل حشمی
انتظار سے پہلے، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ سانپ اور تعاقب، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ گناہ، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ رات کی باتیں، ۶، ۱۹۶۱ء
○ گورا گمن، ۶، ۱۹۶۱ء ○ وہ ہے، ۶، ۱۹۶۱ء ○ دانہ گندم، ۱۱، ۱۹۶۲ء ○ بغداد کے بعد، ۲، ۱۹۵۹ء ○
وقت کا پڑاؤ، ۲، ۱۹۵۹ء ● جگن ناتھ آزاد، نئی نظم، ۴-۷، ۱۹۷۰ء ○ رباعیات، ۵، ۱۹۶۰ء ● حامدی عزیز
دروں خانہ، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ● حبیب تنویر، جمیل، ۵، ۱۹۶۰ء ● حرمت الاکرام، درد کی آگ، ۶، ۱۹۶۱ء ●
حسرت موہانی، بربطِ سلمیٰ، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ ترانۂ جنت، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ حفیظ ہوشیارپوری، بے وفائی، ۷-۸، ۱۹۶۱ء
● حمید اکاس، مہکے، ۱۰، ۱۹۵۹ء ○ آخری نظم، ۴-۷، ۱۹۷۰ء ○ صبحِ تخلیق، ۵، ۱۹۶۰ء ○ پہچان، ۱۰، ۷۱ء
● خلیل الرحمٰن اعظمی، متاعِ نژادِ نو، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ کھردری حقیقتیں، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ سلسلے سوالوں کے، ۷-۸،
۱۹۶۱ء ○ سوداگر، ۴، ۱۹۶۰ء ○ تذکرہ شعرائے اردو، ۵، ۱۹۶۰ء ○ نقد نامہ، ۵، ۱۹۶۰ء ● خلیل مامون
دعا، ۴-۷، ۱۹۷۰ء ○ لالہ، ۴-۷، ۱۹۷۰ء ○ جلاوطن شہزادگان کا جشن ۲-۳، ۱۹۷۱ء ● درپندر کمار جین،
انتر نہیں، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ● ڈاکٹر دھرم ویر بھارتی، یہ ڈھلتا دن، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ● ذوالفقار احمد، راتوں کا ساتھی، ۱۱، ۱۹۶۲ء
● راج نرائن راز، جیسے فسانہ ختم ہوا، ۴-۷، ۱۹۷۰ء ● رؤف خیر، امانت آنے والی ساعتوں کی، ۲-۳، ۱۹۷۱ء
○ نذرِ غالب ۱، ۱۹۷۱ء ● زبیر رضوی، تشنگی، ۱۰، ۱۹۵۹ء ● ساجدہ زیدی، ایک نظم، ۲-۳، ۱۹۷۱ء ○
اکائی، ۲-۳، ۱۹۷۱ء ○ لالۂ صحرائی ۱۰، ۱۹۷۱ء ○ قہرِ لب ۱۰، ۱۹۷۱ء ○ امکانات ۱۰، ۱۹۷۱ء ○ وحشتِ امکاں تری سرحد
۱، ۱۹۷۱ء ○ ایک نظم، ۱، ۱۹۷۱ء ○ ایک نظم، ۱، ۱۹۷۱ء ○ ایک نظم، ۱، ۱۹۷۱ء ● ساقی فاروقی، ایک نیا موڑ
۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ ناخن کا قرض، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ شکست کی آواز، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ سحر زدہ شہر، ۵، ۱۹۶۰ء ○ بغداد بغداد
۶، ۱۹۶۱ء ○ مردہ خانہ، ۱۱، ۱۹۶۲ء ○ نندہ پانی سچا، ۱۱، ۱۹۶۲ء ○ انہدام، ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۲ء ○ روتی مٹی ۱۲-۱۳-۱۴
۱۹۶۲ء ● سجاد حیدر یلدرم، انتہائے یاس، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ● سکینہ نریندر دیال، اپنی بٹیا کے لیے، ۷-۸، ۱۹۶۱ء
○ پلیٹ فارم، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ○ میگھ گرجے، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ● سلیمان خمار، دو نظمیں، ۴-۷، ۱۹۷۰ء ○ سنگل لائف

۴، ۱۹۷۱ء ○ آٹھواں رنگ، ۳-۲، ۱۹۷۱ء ● سید مراتب اختر، دھرتی ماتا، ۱۱، ۱۹۶۲ء ● سید ہاشمی فریدآبادی
یاسمین، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● سنیٹ جان پرس، گھنٹیاں، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ○ یہ دیوار، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ○ یہ شہر
۱۴-۱۳-۱۲، ○ قزاقی ڈبے، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ○ طوطا، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ○ کال کا پچھتاوا، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ○ یہ کان
۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ○ ایک دیوانہ، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ○ یہ کتاب، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ● شاد عارفی، قطعات (۵)،
۴، ۱۹۶۰ء ○ وہی تو گفتنی ہے اصل میں جو گفتنی نہیں، ۳۰، ۱۹۵۹ء ● شاذ تمکنت، خوں بہا، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ غنچۂ ممنوعہ،
۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ قید حیات و بند غم، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ برف باری، ۳-۲، ۱۹۷۱ء ○ گونج، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ●
شاہد عشقی، درد مشترک، ۱۰/۹، ۱۹۶۱ء ● شفیق فاطمہ شعریٰ، صدا الصحرا، ۸-۷، ۱۹۶۱ء، ○ یادنگر، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○
زوال عہد تمنا، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ خاک الجیریا نے، ۱، ۱۹۵۹ء ○ نیل سے کف بلنے لگا، ۱، ۱۹۵۹ء ○ روح صحرائے نفوسطر
۱، ۱۹۵۹ء ○ فعل نیک فال، ۱، ۱۹۵۹ء ○ درماں، ۵، ۱۹۶۰ء ○ لو حنوط کے، ۵، ۱۹۶۰ء ○ اک ستارہ، ۴، ۱۹۶۰ء
○ شفیع الامم، ۷-۴، ۱۹۷۴ء ○ سرمایۂ بہار، ۷-۴، ۱۹۷۴ء ○ نکک قمر (ترجمہ) (حصص از جاوید نامہ)، ۶، ۱۹۶۱ء ○
تو نکات از عارف ہندی، ۶، ۱۹۶۱ء ○ نوائے سروش، ۶، ۱۹۶۱ء ○ پجارن، ۳۰، ۱۹۵۹ء ○ کفارہ، ۳۰، ۱۹۵۹ء ○
اے دل اے دل، ۲، ۱۹۵۹ء ○ خلد آباد کی سرزمین، ۲، ۱۹۵۹ء ○ تار رگ جاں، خاص نمبر ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ●
شمس الرحمن فاروقی، خفیہ کمرے میں نظارہ، ۳-۲، ۱۹۷۱ء ○ جنگل دمکتا ہے، ۱۰، ۱۹۷۱ء ● شہریار، زندگی جو آنے
والی ہے، ۶، ۱۹۶۱ء ○ یادیں، ۳۰، ۱۹۵۹ء ○ بھگتی کا ایمان، ۳، ۱۹۵۹ء ○ طلسم ٹوٹنے پر، ۴، ۱۹۶۰ء ○ دوستو، ۴،
۱۹۶۰ء ○ اجنبی، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ کلا بیوپار، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ سوال، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ منظر منظر سے آگے، ۱، ۱۹۷۱ء
○ پھر سفر بے سمت بے منزل ہوا، ۱، ۱۹۷۱ء ● صادق، تین نظمیں، ۳-۲، ۱۹۷۱ء ● ضیاء جالندھری،
ایک نظم، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● طاہر رضوی، بازگشت، ۴، ۱۹۶۰ء ● عبدالعزیز خالد، طاؤس ورباب آخر، ۸-۷، ۱۹۶۱ء
● عبدالحلیم شرر، سمندر، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ فلکنار، ۱۰-۹، دسمبر ۱۹۶۱ء ○ کلک موج، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء
● عبدالرحمن بجنوری، منٹ راجا، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ یادگل، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ دعا، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● عزیز
تمنائی، چار نظمیں، ۳-۲، ۱۹۷۱ء ● عزیز لکھنوی، مٹی کا جواں چاند، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● عزیز حامد مدنی، اے
لمحوں کے چاک، ۱۰-۹، دسمبر ۱۹۶۱ء ● عزیز قیسی، یکش نگری ۔۴، ۴-۷، ۱۹۷۴ء ○ یکش نگری ۔۵، ۴-۷،
۱۹۷۴ء ○ تسلسل، ۴-۷، ۱۹۷۴ء ○ کبھو کبھو تو کبھو، ۴-۷، ۱۹۷۴ء ● علی ظہیر، چار نظمیں، ۴-۷، ۱۹۷۴ء
● علی جواد زیدی، قیدی کی لاش (جبار یودیسائی کی موت سے متاثر ہو کر لکھی گئی)، ۶، مارچ ۱۹۶۱ء ○ اندیشہ ہائے دور دراز

۳، ۱۹۵۹ء ● عمیق حنفی، آوازوں کا جنگل، ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ○ سراب اعتماد، ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ○ گمراہ کا گیت، ۱۰-۹،
۱۹۶۱ء ○ آدم نو، ۱۱، ۱۹۶۲ء ○ رات، ۱۱، ۱۹۶۲ء ○ جھوٹا سپنا، ۶، ۱۹۶۱ ○ آج کی ملہار، ۶، ۱۹۶۱ء ●
غلام بھیک نیرنگ، جان شیریں، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● غیاث متین، آسمان کے زوال سے پہلے، ۴-۳، ۱۹۶۷ء ●
فضا کوثری، قطعات، ۶، ۱۹۶۱ء ● قاضی سلیم، پرواز، ۱۱، ۱۹۶۲ء ○ یہ قربتیں یہ فاصلے، ۶، ۱۹۶۱ء ○
آہنگ، ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ○ بندھن، ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ○ چاندنی، ۵، ۱۹۶۰ء ○ مصالحت، ۳، ۱۹۵۹ء ○ ورثہ،
۱، ۱۹۷۱ء ○ کھلونے، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ● قمر جمیل، نیل کا سیلاب، ۱۱، ۱۹۶۲ء ● کاوش بدری، چاندکی سوغات
۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ● کرشن موہن، ناچ، ۴، ۱۹۶۰ء ○ روپ، ۴، ۱۹۶۰ء ● کوثر لدھیانوی، گیت، ۳، ۱۹۵۹ء
● کیدار ناتھ سنہہ، اناگت، ۸-۷، ۱۹۶۱ ● گرلیش چندر، چار نظمیں، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● گوپال متل، ایک نظم
۶، ۱۹۶۱ء ● گوہر نوشاہی، سانپ آکاٹ مجھے، ۱۱، ۱۹۶۲ء ○ سفر درد، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ● مجید امجد، بہار
۸-۷، ۱۹۶۱ ○ ایک صبح، ۲، ۱۹۵۹ء ○ ایک تصویر، ۵، ۱۹۶۰ء ● محب عارفی، احساس خواب، ۱۱، ۱۹۶۲ء
○ شاہ ویزید، ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ○ ازل سے پہلے، ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ○ والد مرحوم کی رحلت پر، ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ●
محبوب خزاں، فاصلے بڑھتے ہی جاتے ہیں، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ دیوداسی، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ ایک نظر، ۸-۷، ۱۹۶۱ء
○ سر رہگذر، ۶، ۱۹۶۱ء ○ رہگذر کے بعد، ۶، ۱۹۶۱ء ○ اتنا حسن کیا کرو گے؟ ۵، ۱۹۶۰ء ○ میں نے کچھ کہا نہیں؟
۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ● م، حسن لطیفی، پودے کا روگ، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● محمد علوی، خواب کا جزیرہ، ۸-۷، ۶۱ء
○ کاگا، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ ابوالہول، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ تنہائی، ۸-۷، ۱۹۶۱ ○ گونگی، ۸-۷، ۱۹۶۲ء ○ آنکھ کھلی تو،
۸-۷، ۱۹۶۲ء ○ آفاق، ۸-۷، ۱۹۶۲ء ○ گلگارین کے نام، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ● محمود ایاز، حسن مطلق، ۱۴-۱۳-۱۲
۱۹۶۳ء ○ اسپتال کا کمرہ، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ ○ کفارہ، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ○ نوحہ، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ ○ پرانی بات،
۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ○ شب چراغ، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ○ ایک تصویر، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ مشت خاک، ۸-۷، ۱۹۶۱ء
○ اے جوئے آب، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ سیل زماں، ۱۰، ۱۹۵۹ ○ جلاوطن، ۴، ۱۹۶۰ء ○ نالہ سرایہ یک عالم کف خاک،
۲، ۱۹۵۹ء ● محمود سعید، پھر ترے کوچہ کو جاتا ہے خیال، ۲، ۱۹۵۹ ○ ایک خط، ۱۰، ۱۹۵۹ء ○ ماں، ۱۰، ۱۹۵۹ء
○ مسیحا، ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ○ کون دیس گئو، ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ● مخمور سعیدی، زندانی، ۵، ۱۹۶۰ء ○ خاک باد
سے پہلے، ۱۰، ۱۹۷۱ ● مسعود علی ذوقی، کامنی، ۸-۷، اکتوبر ۱۹۶۱ ● مصحف اقبال توصیفی، ایک صبح، ۳۰-۲، ۱۹۷۱ء
● مظہر امام، ہجر، ۳، ۱۹۵۹ء ● مغنی تبسم، شبینہ، ۱۰، ۱۹۷۱ء ○ خاک زاد، ۱۴-۱۳-۱۲ (خاص نمبر)، ۱۹۶۳ء ○

حرف باشنیدہ، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء (خاص نمبر) ○ چہرے، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء (خاص نمبر) ● منصور احمد، محبت کا دن، ۸-۷،
اکتوبر ۱۹۶۱ء ● من موہن تلخ، سالگرہ، ۴، جنوری ۱۹۶۰ء ○ فغانِ نیم شبی، ۴، جنوری ۱۹۶۰ء ● منیب الرحمٰن، مکافات
۶، مارچ ۱۹۶۱ء ● میراجی، مجھے گھر یاد آتا ہے، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ حادثہ، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ طالب علم، ۸-۷، ۱۹۶۱ء
○ ساونتی، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● ن۔ م۔ راشد، اسرافیل کی موت، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● نادر کاکوری، گزرے زمانے کی یاد
۸-۷، ۱۹۶۱ء ● نازش انصاری، احتجاج، ۱، ۱۹۷۱ء ● ندا فاضلی، راستے کی منطق، ۱، ۱۹۷۱ء ● نذیر احمد ناجی،
ایک نظم، ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ● نریش کمار شاد، قاشیں، ۱، ۱۹۵۹ء ● نند کشور متل، کالے رنگ کا سنگیت،
۸-۷، ۱۹۶۱ء ● وحید اختر، شاعری، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ رائگاں، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ پرومیتھیس، ۸-۷، ۱۹۶۱ء
○ کھنڈر، آسیب اور پھول، ۴، ۱۹۶۰ء ○ سکوتِ شہرِ آرزو، ۱، ۱۹۵۹ء ○ بن باس، ۶، مارچ ۱۹۶۱ء ○ سورج کی
تلاش، ۶، مارچ ۱۹۶۱ء ○ زکنارِ ما بہ کنارِ ما، ۶، مارچ ۱۹۶۱ء ○ سنگ سار، ۳، ۱۹۵۹ء ○ عدم سے عدم تک،
۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ○ اجنبی، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● وزیر آغا، زندگی، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ طلسم، ۸-۷، ۱۹۶۱ء ○ وحشی،
۸-۷، ۱۹۶۱ء قریب و دور، ۶، ۱۹۶۱ء ● یوسف اعظمی، نیوز ریل، ۷-۴، ۱۹۷۴ء ○ سیال چہروں کے ساگر
۷-۴، ۱۹۷۴ء ○ آذر کا خواب، ۷-۴، ۱۹۷۴ء ○ پھانسی کا دائرہ، ۷-۴، ۱۹۷۴ء۔

غزل:

● آل احمد سرور، ۵، ۱۹۶۰ء ● آنند نرائن ملا، ۵، ۱۹۶۰ء ● اثر لکھنوی، ۴، ۱۹۶۰ء
● احقر کاشی پوری، ۱، ۱۹۵۹ء ● احمد ندیم قاسمی، ۴، ۱۹۶۰ء ● اختر ہوشیار پوری، ۶، ۱۹۶۱ء
● امتیاز علی، ۵، ۱۹۶۰ء ● انجم اعظمی، ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ● انور صابری، ۴، ۱۹۶۰ء ● باقر مہدی، ۲، ۱۹۵۹ء
○ پرانے سوال (غزل مسلسل)، ۱۰، ۱۹۵۹ء ● بشیر بدر، ۵، ۱۹۶۰ء۔ ۴، ۱۹۶۰ء۔ ۴، ۱۹۶۰ء۔ ۴، ۱۹۶۰ء۔ ۶، ۱۹۶۱ء
۱۱، ۱۹۶۲ء۔ ۱۱، ۱۹۶۲ء۔ ۳، ۱۹۵۹ء۔ ۳، ۱۹۵۹ء۔ ۲، ۱۹۵۹ء۔ ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ● پرویز شاہدی
۴، ۱۹۶۰ء ● جاں نثار اختر، ۱، ۱۹۷۱ء۔ ۳، ۱۹۵۹ء ● جعفر شیرازی، ۲، ۱۹۵۹ء۔ ۳، ۱۹۵۹ء ●
جگن ناتھ آزاد، ۳، ۱۹۵۹ء ○ صد سالہ راہم در و شد (غزل مسلسل)، ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ● جلیل حشمی، ۲، ۱۹۵۹ء
۲، ۱۹۵۹ء ● حکیم منظور، ۷-۴، ۱۹۷۴ء ● حمید نسیم، چار غزلیں، ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ● خالد ندیم، ۱، ۱۹۵۹ء
● خلیل الرحمٰن اعظمی، ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء۔ ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ● خلیل رامپوری، ۶، ۱۹۶۱ء ● راج نرائن راز،
۶، ۱۹۶۱ء۔ ۴، ۱۹۶۰ء ● راز امتیاز، ۷-۴، ۱۹۷۴ء ● راز یزدانی، ۳، ۱۹۵۹ء ● زاہدہ زیدی، ۱، ۱۹۷۱ء

● ساحر ہوشیارپوری ۲۰، ۱۹۵۹ء ● ساقی فاروقی ۶۰، ۱۹۶۱ء ● سلام مچھلی شہری (چار قطعات اور غزل)
۷-۴، ۱۹۶۷ء ● سلیم تمنائی ۲۰-۳، ۱۹۵۹ء ● سلیمان ادیب ۴۰، ۱۹۶۰ء ● شاد عارفی ۴۰، ۱۹۶۰ء۔
۲، ۱۹۵۹ء - ۳، ۱۹۵۹ء ● شاذ تمکنت ۱، ۱۹۵۹ء ● شان الحق حقی ۵، ۱۹۶۰ء ● شاہد منصور ۳-۲، ۵۹ء
● شفا گوالیاری ۲، ۱۹۶۰ء ● شفقت تنویر مرزا ۴، ۱۹۶۰ء ● شفیق فاطمہ شعریٰ ۲۰، ۱۹۵۹ء - ۱، ۵۹ء
● شمس الرحمٰن فاروقی ۱۰، ۱۹۷۱ء ● شہادت جعفری ۱، ۱۹۵۹ء ● شہرت بخاری ۲۰، ۱۹۵۹ء - ۵، ۶۰
● شہریار ۶، ۱۹۶۱ء - ۲، ۱۹۶۰ء - ۴، ۱۹۶۰ء ● ضیاء فتح آبادی ۳، ۱۹۵۹ء ● عبدالرحیم نشتر ۷-۴، ۶۴ء
● عبدالمجید حیرت ۲، ۱۹۵۹ء - ۴، ۱۹۶۰ء - ۲، ۱۹۵۹ء ● عزیز حامد مدنی ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ● غلام ربانی
تاباں ۵، ۱۹۶۰ء - ۱، ۱۹۷۱ء ● فراق گورکھپوری ۳، ۱۹۵۹ء ● فرحت کیفی ۷-۴، ۶۴ء ● فضا کوثری
۴، ۱۹۶۰ء - ۲، ۱۹۵۹ء ● قمر جمیل ۱۱، ۱۹۶۲ء ● کاوش بدری ۱، ۱۹۷۱ء ● گوپال متل ۱، ۱۹۷۱ء - ۶، ۱۹۶۱ء
● لطف الرحمٰن ۷-۴، ۱۹۶۷ء - ۱، ۱۹۷۱ء ● متین سروش ۱، ۱۹۵۹ء ● محب عارفی ۱۱، ۱۹۶۲ء
- ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ● محبوب خزاں ۶، ۱۹۶۱ء ● محمود ایاز ۶، ۱۹۶۱ء - ۳، ۱۹۵۹ء - ۱، ۱۹۵۹ء - ۲، ۱۹۵۹ء -
۴، ۱۹۶۰ء ● محمد علوی ۵، ۱۹۶۰ء ● محوی صدیقی ۴، ۱۹۶۰ء ● مخمور سعیدی ۳، ۱۹۵۹ء - ۱، ۱۹۷۱ء ●
مظفر حنفی ۷-۴، ۱۹۶۷ء - ۱، ۱۹۷۱ء ● مظہر امام ۶، ۱۹۶۱ء - ۳، ۱۹۵۹ء ○ آشکیک (غزل مسلسل) ۱۱، ۱۹۶۲ء
● معین احسن جذبی ۴، ۱۹۶۰ء ناصر شہزاد ۱۱، ۱۹۶۲ء ● ندرت کانپوری ۴، ۱۹۶۰ء ● نگار صہبائی،
گیت ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ○ بھجن ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ● نظیر صدیقی، اشعار ۵، ۱۹۶۰ء - ۳، ۱۹۵۹ء - ۲، ۱۹۵۹ء
● ہادی مصطفٰی ۳، ۱۹۵۹ء ● یوسف اعظمی ۷-۴، ۱۹۶۴ء۔

تبصرہ:

● آل احمد سرور ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء ● اخترالایمان ۳، ۱۹۵۹ء ● باقر مہدی ۸-۷، ۱۹۶۱ء۔
۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ● بلراج کومل ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● ثناء اللہ ۲، ۱۹۵۹ء ● رضی اختر شوق ۸-۷، ۱۹۶۱ء
● رفیق خاور ۱۴-۱۳-۱۲، ۳۰ ● ساقی فاروقی ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ● شہریار ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● عالم خوندمیری،
۸-۷، ۱۹۶۱ء ● قمر جمیل ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● مجید امجد ۸-۷، ۱۹۶۱ء ● محمد حسن ۸-۷، ۱۹۶۱ء - ۱، ۱۹۵۹ء
● محمود ایاز ۱، ۱۹۵۹ء - ۵، ۱۹۶۰ء - ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۲ء - ۳، ۱۹۵۹ء - ۲، ۱۹۵۹ء ● محمود سعید،
۱، ۱۹۵۹ء - ۱۴-۱۳-۱۲، ۱۹۶۳ء ● میر ضیاء اللہ ۱۰-۹، ۱۹۶۱ء ● وارث علوی ۷-۴، ۱۹۶۴ء ● وحید اختر

۷-۸، ۱۹۶۱ء ● وزیر آغا، ۷-۸، ۱۹۶۱ء۔

خطوط:

● آل احمد سرور، ۳۰، ۱۹۵۹ء ● اثر لکھنوی، ۳۰، ۱۹۵۹ء ● احمد ندیم قاسمی، ۴، ۱۹۶۰ء
● اختر الایمان، ۴، ۱۹۶۰ء — ۲، ۱۹۵۹ء ● اسلوب احمد انصاری، ۲، ۱۹۵۹ء ● انتظار حسین، ۶، ۱۹۶۱ء
● باقر مہدی، ۲، ۱۹۵۹ء — ۳، ۱۹۵۹ء — ۴، ۱۹۶۰ء ● بشیر بدر، ۳، ۱۹۵۹ء ● بلراج کومل ۹-۱۰، ۱۹۶۱ء
○ ۲ خطوط، ۶، ۱۹۶۱ء — ۱۱، ۱۹۶۲ء ● پریم ناتھ در، ۶، ۱۹۶۱ء ● جذبی، ۲، ۱۹۵۹ء ● جیلانی بانو
۲، ۱۹۵۹ء ● حمید نسیم ۹-۱۰، ۱۹۶۱ء ● خلیل الرحمن اعظمی ۹-۱۰، ۱۹۶۱ء — ۶، ۱۹۶۱ء — ۴، ۱۹۶۰ء
● راجندر سنگھ بیدی، ۲-۳، ۱۹۷۱ء — ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء ● سہیل عظیم آبادی، ۲، ۱۹۵۹ء ● شاد عارفی،
۲، ۱۹۵۹ء ● شاذ تمکنت، ۲، ۱۹۵۹ء ● شفیق فاطمہ شعریٰ، ۲، ۱۹۵۹ء — ۳، ۱۹۵۹ء — ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء
● شمس الرحمن فاروقی، ۲-۳، ۱۹۷۱ء ● شہریار ۹-۱۰، ۱۹۶۱ء ● ضمیر الدین ضمیر ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء
● ضیاء جالندھری، ۹-۱۰، ۱۹۶۱ء ● عبدالمجید حیرت، ۳، ۱۹۵۹ء ● عصمت چغتائی، ۳، ۱۹۵۹ء
● علی جواد زیدی، ۶، ۱۹۶۱ء ● قاضی سلیم ۶، ۱۹۶۱ء ● قرۃ العین حیدر، ۲، ۱۹۵۹ء ● کرشن چندر،
۲، ۱۹۵۹ء — ۴، ۱۹۶۰ء ● گوہر نوشاہی، ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء ● مجتبیٰ حسین ۱۱، ۱۹۶۲ء ● محمد حسن،
۲-۳، ۱۹۷۱ء — ۲، ۱۹۵۹ء ● محمد علوی، ۹-۱۰، ۱۹۶۱ء ● محمود سعید، ۹-۱۰، ۱۹۶۱ء ● مظہر امام،
۳، ۱۹۵۹ء ● مبین النور، ۳، ۱۹۵۹ء ● نظیر صدیقی، ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء ● وارث علوی، ۲-۳، ۱۹۷۱ء
● وحید اختر، ۴، ۱۹۶۰ء — ۲، ۱۹۵۹ء۔

تراجم:

● چندر اکونتس، مارچ، اپریل، ۱۹۶۱ء ● حمید اللہ صدیقی، خاص نمبر ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء ● خیر النساء،
۷-۸، ۱۹۶۱ء — ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء ● رفعت نواز، ۱، ۱۹۵۹ء ● رفیق خاور، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ● شان الحق حقی،
۷-۸، ۱۹۶۱ء ● شفیق فاطمہ شعریٰ، ۶، ۱۹۶۱ء ● ضمیر الدین احمد، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ● محمد اسمٰعیل تابش،
۱، ۱۹۵۹ء ● محمد عمر میمن، ۱۲-۱۳-۱۴، ۱۹۶۳ء ● محمود ایاز، ۱، ۱۹۵۹ء — ۲، ۱۹۵۹ء — ۳، ۱۹۵۹ء — ۵،
۱۹۶۰ء — ۶، ۱۹۶۱ء ● محمود سعید، ۱، ۱۹۵۹ء ● مجید فاروقی، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ● مریم زمانی، ۱۱، ۱۹۶۲ء
● مزاج برنا، ۷-۸، ۱۹۶۱ء ● خلیل مامون، ۷-۸، ۱۹۷۴ء۔

●●

ضمیمہ

پچھلے صفحات میں آپ نے سوغات کے دو ادوار
کا یعنی ۵۹-۶۳ء، ۷۰-۷۳ء کا اشاریہ ملاحظہ فرمایا۔ تیسرے
دور ۱۹۹۱-۱۹۹۳ء کا اشاریہ بنانے کے بجائے، صرف
پانچ پرچوں کا معاملہ تھا، ہم نے ان کی فہرست یہاں
بطور ضمیمہ شامل کردی ہے۔ اب یہ UP TO DATE
ہوگیا ہے۔

سوغات

۱

ستمبر ۱۹۹۱ء

وداع — جبار جمیل
ایک ہی موسم — ساحرہ انور

غزلیں :

• وزیر آغا • ساقی فاروقی • مغنی تبسم
عبدالعزیز خالد • باقر مہدی • عرفان صدیقی
• عبدالسلام المجد • افتخار امام • کاوش بدری •
انیس اشفاق • عبداللہ کمال • مضطر مجاز۔

تین نظمیں ایک تبصرہ

غزال شب کے ساتھ — خلیل مامون
شاعری مت کرو — خلیل مامون
مہاتما گاندھی روڈ پر — خلیل مامون
تبصرہ — مغنی تبسم

مضامین :

اردو عروض کا مطالعہ — مغنی تبسم
معاصرانہ ادبی نظریات — نظیر صدیقی
آفاق نوا - ایک جائزہ — محمود ہاشمی

"اب انہیں ڈھونڈ چراغ رخ زیبا لے کر"
ظ۔ انصاری
ضمیر الدین احمد
عزیز حامد مدنی

"ہوائے دشت سے بوئے رفاقت آتی ہے"

• شمس الرحمن فاروقی • محمود ہاشمی • گوپی چند نارنگ • شمیم حنفی • نیر مسعود • عبدالعزیز خالد • وزیر آغا • باقر مہدی • نظیر صدیقی • مرزا حامد بیگ • کشور ناہید • محمد عمر میمن • قاضی سلیم • ساقی فاروقی۔

تبصرے :

• امیر خسرو کا ہندوی کلام۔ مصنف: گوپی چند نارنگ، تبصرہ نگار: ڈاکٹر قاضی عبدالرحمن • آفاق نوا۔ مصنف: شفیق فاطمہ شعریٰ، تبصرہ نگار: مضطر مجاز • صلاح الدین پرویز کے خطوط اور کنفیشن، تبصرہ نگار: خلیل مامون۔

(۲)

مارچ ۱۹۹۲ء

نقش اول — اداریہ

مضامین :

کچھ عصمت چغتائی کے بارے میں — پطرس مرحوم
منٹو کے افسانوں میں عورت — ڈاکٹر وزیر آغا
قرۃ العین حیدر کے اور دو ناول — شمیم احمد
شعبہ شور انگیز — ابو الکلام قاسمی
قومی ادب — صلاح الدین محمود

خاکے :

سائل دہلوی — جمیل الدین عالی
ضمیرہ - میرے شوہر — ساجدہ ضمیر الدین احمد

خود نوشت

"..... اس آباد خرابے میں" — اختر الایمان

خصوصی گفتگو :

سوغات پہلی کتاب ـــــ ایک گفتگو؛ — شمس الرحمن فاروقی، نیر مسعود، عرفان صدیقی

یاد رفتگان :

ظ۔ انصاری ادیب کے نام

پس ساختیات، گوپی چند نارنگ، موت تہہ سنگ آمدہ

محمود ایاز، گوپی چند نارنگ، نظیر صدیقی، وزیر آغا، قمر رئیس، شمیم حنفی، ساقی فاروقی، اقبال کرشن، چودھری محمد نعیم، جمیل جالبی

ایک نظم تین تبصرے :

جواز — براج کومل
تبصرے — وزیر آغا، اختر الایمان، محمود ایاز

غزلیں

(٣)

ستمبر ١٩٩٢ء

④

مارچ ۱۹۹۴ء

••

بیان ملکیت سہ ماہی خدا بخش لائبریری جرنل اور دیگر تفصیلات
مطابق فارم نمبر ۴، قاعدہ نمبر ۸

۱۔ مقام اشاعت : خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۴

۲۔ وقفہ اشاعت : سہ ماہی

۳،۴۔ پرنٹر و پبلشر کا نام : مصطفیٰ کمال ہاشمی

قومیت : ہندستانی

پتا : اسسٹنٹ لائبریرین، خدا بخش لائبریری، پٹنہ

۵۔ ایڈیٹر کا نام : عابد رضا بیدار

قومیت : ہندستانی

پتا : ڈائرکٹر خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ ۴

۶۔ ملکیت : خدا بخش لائبریری، پٹنہ ۴

میں مصطفیٰ کمال ہاشمی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین کے ساتھ درست ہیں

دستخط پبلشر : مصطفیٰ کمال ہاشمی

یکم فروری ۱۹۹۳ء

مراسلات

ڈاکٹر عبد الرب عرفان

صدر شعبۂ اردو و فارسی
وسنت راؤ نائیک انسٹی ٹیوٹ آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز، ناگپور

جرنل ۷۵ـ۷۷ کے بارے میں

خدا بخش لائبریری جرنل کی تازہ اشاعت (۷۵ـ۷۷) میں "امیر خسرو کے چند غیر مطبوعہ مقطعات" کی تصحیحات مندرجہ ذیل ہیں:

قطعہ ۱/۲ شعر ۱/۲ بسزی ۲/۱۳ ہستیی، ۲/۱۳ دیدن، ۲/۱۷ (ب)، ۲/۱۸ روستائی، ۲/۲۲ خلیو، ۲/۲۶ نہ کرد، ۲/۲۸ موفی، ۲/۴۹ مستیقی۔

ان کی نشاندہی اور تصحیح کی غرض سے ایک مختصر سا خط تحریر کرنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میرے ایک کرمفرمانے چند مصرعوں کے بحور و اوزان سے خارج ہونے کا شبہ ظاہر کرکے مجھے چونکا دیا۔ مقطعات پر دوبارہ نظر ڈالنے پر معلوم ہوا کہ فاضل معترض اُن مصرعوں کی قرأت ان مزاحفات کو نظر انداز کرکے فرما رہے تھے جن کے استعمال سے متعلقہ مصرعوں پر بحر اور وزن سے خارج ہونے کا گمان ہوتا ہے مگر فی الواقع مزاحف ارکان کی تبدیلی کے باعث وزن میں خفیف سے فرق کے باوجود وہ پوری طرح اپنی بحر کے پابند ہیں۔ مختصر سی گفتگو نے فاضل معترض کی غلط فہمی کا تو ازالہ کر دیا۔ لیکن یہ اندیشہ دل میں جاگزیں ہو گیا کہ مبادا جرنل کے قارئین میں بعض ایسے بھی ہوں جو ایک ہی شعر میں مختلف الوزن مصرعے کہنے کی عروضی علت اور اس کی روایت سے جس کا رواج اور جواز فارسی شاعری کے روز اوّل سے آج تک ایران کی ادبی تاریخ کے ہر دَور میں پایا جاتا ہے، ناواقف ہوں اور ان مصرعوں کی صحت پر سوالیہ نشان لگا دیں۔ اسی اندیشے کے تحت تصحیحات کے ساتھ توضیحات کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔

پہلی صدی ہجری کے دوسرے دہے میں عربوں نے ایران فتح کیا۔ ان کے ساتھ عربی کی ادبی اور شعری روایتیں بھی ایران پہنچیں۔ ان میں ان کا عروضی نظام بھی تھا جس کی تشکیل عربی زبان کے مزاج اور اس نحوی ساخت کے تقاضوں کا لحاظ رکھتے ہوئے عمل میں آئی تھی اور اسی وجہ سے وہ گوناگوں مزاحفات سے گرانبار تھا (اور اب بھی ہے)۔ اس میں شاعروں کے لیے ایسے جواز اور مراعات موجود ہیں جن کا وہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور بسا اوقات بحروں کے بعض اصل ارکان کو اسی بحر کے دوسرے مزاحف ارکان سے تبدیل کرکے ایک ہی شعر کے مصرعوں کو مختلف الوزن بنا دیتے ہیں، مثلاً درج ذیل شعر کی اصل بحر "مدید مسدس مقصور" ہے جس کے دوسرے مصرعے کے پہلے رکن میں تبدیلی کی گئی ہے: یا ومیض البرقِ بین الغمام فعلیک لا علیہا السّلام

اس کی تقطیع ملاحظہ فرمائیں:

فاعلاتن فاعلن فاعلات فَعِلاتُ فاعلن فاعلات

یا ومیض برقِ بَی نَل غمام فَعَلَیْکَ لَا عَلَیْ‌هَا سّلام

دوسرے شعر کے پہلے رکن میں "فاعلاتن" کے بجائے "فعلاتُ" لایا گیا ہے جو شکول زحاف ہے۔ اس کا وزن بحر کے نام کے ساتھ "مدید شکول مقصور" ہے۔ عربی میں اس طرح کے مختلف الوزن مصرعوں پر مشتمل اشعار کثرت سے دستیاب ہیں۔

زحافات کی کثرت سے گرانبار ہونے کے باوجود ایرانیوں کو عربی بحروں اور ان کے اوزان میں ترنم اور خوش آہنگی کی ایک کیفیت محسوس ہوئی اور انھوں نے ان بحروں کی موسیقیت کو اپنے مزاج و طبع سے قریب تر پایا۔ چنانچہ مروجہ عصر ہجائی اوزان کو جن میں حروف ہجا کو شمار کیا جاتا تھا' ترک کر کے عربی کے نظام عروض کو اپنا لیا۔ ابتدائی دَور میں ایرانی شاعروں نے بھی عرب شاعروں کے اتباع میں زحافات کی تبدیلی کے جواز کا فائدہ اٹھایا اور ان بحروں میں بھی شعر کہے جو رواں اور مترنم نہیں کہی جا سکتیں۔ مثلاً مجلس اُوزری کا درج ذیل شعر مع تقطیع لاحظ فرمائیں:

ای باد زبہر غریب را درود ی بر از من حبیب را[1]

موزونی طبع اور موسیقیت پسندی کو اس شعر کے بحر اور وزن سے خارج قرار دینے میں' ممکن ہے چنداں تامل نہ ہو لیکن سچائی یہ ہے کہ یہ پوری طرح "بحر قریب" میں ہے۔ پہلے مصرعے کے ارکان "اخرب مکفوف محذوف" ہیں اور دوسرے مصرعے کے "مکفوف مکفوف محذوف"۔ اس کی تقطیع اس طرح کی جائے گی:

مفعولُ ۔ مفاعیلُ ۔ فاع لن مفاعیلُ ۔ مفاعیل ۔ فاع لن

ای باد ۔ زبہر غ(ری) ۔ ریب را درودی ب ۔ بر اُز من ح ۔ بیب را

شعر کی بحر بھی نامانوس ہے اور مصرعے بھی مختلف الوزن ہیں۔

ایرانی شاعری نے اپنے ارتقا کے سفر میں تقریباً دو صدیوں کا زمانی فاصلہ عربی عروض کی رہنمائی میں طے کیا۔ اس دوران کچھ عروضی تجربات کا بھی سراغ ملتا ہے جن کے زیر اثر عربی عروض کی جکڑبندیوں سے حصول آزادی کے امکانات روشن ہوئے۔ وہ بحریں زیب طاق نسیاں کی جانے لگیں جو ترنم اور موسیقیت سے محروم پائی گئیں۔ جو بحریں خوش آہنگ اور ایرانی مزاج و طبع سے قریب تر نظر آئیں انھیں تراش خراش کر متناسب اور سڈول بنا لیا گیا۔ بایں ہمہ بعض بحروں اور ان کے متفرعات میں زحافات کے تبدیل کیے جانے کا جواز برقرار رہا۔ اس قبیل کی چند مقبول اور کثیر الاستعمال بحریں یہ ہیں۔

بحر ہزج مثمن اخرب مکفوف محذوف/مقصور: (مفعولُ مفاعیلُ مفاعیلُ فعولن/فعولان)

اس کے حشو اوّل (مفاعیلُ) کو جو رکن سالم "مفاعیلن" کا مکفوف زحاف ہے' رکن سالم (مفاعیلن) سے بدل دیتے ہیں۔ اس تبدیلی سے دوسرا حشو (مفاعیلُ) بھی اخرب زحاف (مفعولُ) سے بدل جاتا ہے۔ بطور مثال ملک الشعرا بہار کا یہ شعر پیش کیا جاتا ہے:

تا ہست کنار تو پر از لشکر دشمن ہرگز نشود خالی از دل محن من[2]

(مفعولُ مفاعیلُ مفاعیل فعولن مفعولُ مفاعیلن مفعولُ فعولن
تاہست کناری تُ بُرِ زِ شنگ بِ ردشمن ہرگزنَ شودخالی ازدلِم حنی من)

بحر رمل مثمن مخبون محذوف/مقصور : (فعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن / فعلان)

اس بحر کی اصل صورت یہی ہے کہ اس کے صدر وابتدیعنی مصرع اوّل اور مصرع دوم کے پہلے رکن بھی مخبون (فعلاتن) ہوں لیکن شعرا عام طور پر اس کی جگہ سالم رکن (فاعلاتن) لاتے ہیں۔ اس بحر میں تبدیلی زحافات کی درج ذیل صورتیں ہیں:

(۱) پہلا رکن فعلاتن یا فاعلاتن کے بجائے مفعولن۔ مثلاً بہار مشہدی کا یہ شعر:

المو ت از شکم میغ نمایاں چوناںک محدی روی بمندیل بپوشد ز نفر[۲]
مفعولن فعلاتن فعلاتن فعلان فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن
الموتز شکمی می غَ نمایاں چوناک محدی رو یِ بمندی لَ بپوشد زنفر

(۲) دوسرا رکن فعلاتن کے بجائے مفعولن۔ مثلاً ملک الشعرا بہار مشہدی کا یہ شعر:

از بر گیلاں راندیم بدریا و کردید سفر دریا بی گفت و شنود بندر[۳]
فاعلاتن مفعولن فعلاتن فعلان فعلاتن مفعولن فعلاتن فعلن
ازبرائی لارادی مَ بدریا وکِ دید سفری در یابی گف تُ شنودی بندر

(۳) تیسرا رکن فعلاتن کے بجائے مفعولن۔ مثلاً ملک الشعرا بہار کا یہ شعر:

گر سوی چپ متمایل شدی وگر سوی راست گر فرو خفتی وگر جستی چون ضیغم نر[۵]
فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلان فاعلاتن فعلاتن مفعولن فعلن
گرسوی چپ متمایل شدیوگر سُوراس گرفروخف تیوگرجس تی چونمی غم نر

بحر مجتث مثمن مخبون : مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلاتن

یہ مرکب بحر، بحر رجز اور بحر رمل کے سالم ارکان مستفعلن فاعلاتن (دوبار) سے بنی ہے۔ اول الذکر رکن کا مخبون زحاف مفاعلن ہے اور ثانی الذکر کا مخبون زحاف فعلاتن۔ اس میں تغیر زحاف کی یہ صورت ہوتی ہے کہ دوسرے رکن فعلاتن کو مشعث زحاف "مفعولن" سے بدل دیتے ہیں۔ مثلاً شوریدہ شیرازی کا درج ذیل شعر جس نظم سے ماخوذ ہے اس کی اصل بحر مجتث مخبون ہے لیکن اس شعر کے دونوں مصرعوں کے رکن ثانی مخبون (فعلاتن) کے بجائے مشعث (مفعولن) ہیں:

بدین دو گوہر پیرایہ بست شاہد ہستی بدین دو گوہر سرمایہ یافت مخزن امکان[۶]

مفاعلن مفعولن مفاعلن فعِلاتن   مفاعلن مفعولن مفاعلن فعِلاتن

بدی دگو ہرِ پیرا یہ تحا بست شا ہرِ مستی   بدی دگو ہرِ سرما یہ تیا فدغ زنِ امکا

دوسرے مصرعے میں "یافت" کا آخری حرف "ت" ساقط ہے۔

بحر مجتث مثمن مخبون محذوف / مقصور : (مفاعلن فعِلاتن مفاعلن فعِلن / فعِلان)

اس بحر میں بھی زحاف کی تبدیلی کی وہی صورت ہوتی ہے جو بحر مجتث مثمن مخبون کے تحت بیان کی جا چکی ہے۔

بحر مضارع مثمن اخرب مکفوف محذوف / مقصور : (مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلن / فاعلان)

اس بحر کے مزاحف رکن "فاعلاتُ" کو اس کے سالم رکن "فاعلاتن" سے تبدیل کیا جاتا ہے۔ اس عمل سے تیسرا رکن "مفاعیلُ" (مکفوف)، "مفعولُ" (اخرب) سے بدل جاتا ہے۔ ملک الشعرا بہار کے شعر ذیل میں ایسا ہی کیا گیا ہے:

رفتند شیر مردان از مرغزار دیں   وینجا بجز شگالی و خوک و خری نماند

مفعولُ فاعِلاتن مفعول فاعلن   مفعولُ فاعِلاتُ مفاعیلُ فاعِلان

رفتند شیرمردا ازمرغ زارِدی   وی جاب جز شگالِ یُ خوکوخَ ری نماد

بحر منسرح مثمن مطوی منحور : (مفتعِلن فاعلاتُ مفتعِلن فع)

اس بحر کے تیسرے رکن (مفتعلن) کو جو مطوی ہے اس کے سالم رکن (مفعولات) کے مطوی مسکن زحاف (مفعولن) سے بدل دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر رودکی سمرقندی کا شعر پیش کیا جاتا ہے:

مادری را بکرد باید قرباں   بچۂ او را گرفت و کرد بزنداں

مفتعِلن فاعلات مفعولن فع   مفتعِلن فاعِلاتُ مفتعِلن فع

مادرِمی رابکرد بایدقر با   بچۂ او راگرفتُ کردبزن دا

ان کے علاوہ چند نادر الاستعمال بحریں اور ان کے متفرعات بھی ہیں جن میں تبدیلیِ زحاف کا عمل فارسی عروض میں رائج اور جائز ہے۔ ان سب کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔

یہی ترمیم شدہ عروضی روایت فارسی سے اردو میں منتقل ہوئی جس میں مختلف الوزن شعر کہنے کا جواز موجود ہے۔ اس جواز سے ابتدائی دور کے بعض اردو شاعروں نے بھی فایدہ اٹھایا ہے۔ مثلاً شاہ حاتم جن کا درج ذیل شعر بحر رمل مثمن میں ہے اور مصرعوں کے ارکان، سالم مخبون مخبون محذوف مسکن اور سالم مشعث مخبون محذوف ہیں:

ہوش بے کل ہو مرے دل سے نکل جاتا ہے   جبکہ وہ ساغر انکھیاں کا دکھاتا ہے مجھے

فاعِلاتن فعِلاتن فعِلاتن فعْلن   فاعِلاتن مفعولن فعلاتن فعِلن
ہوش بے کل ہو مرے دل سِ نکل جا تا ہے   جبکِ وہ سا غرٗ اٹھیا کِ دکھاتا ہے مجھے

مختلف الوزن اشعار سودا اور مصحفی کے کلام میں بھی خال خال موجود ہیں ۔ اردو میں یہ روایت زیادہ عرصے تک قایم نہ رہ سکی ۔ اردو شاعری نے بہت جلد اس سے دامن چھڑا لیا ۔ لگ بھگ دو صدی سے اردو کا قاری وزن میں خلل پیدا کرنے والے مزاحفات سے پاک سڈول اور متحد الوزن اشعار پڑھتا اور سنتا چلا آرہا ہے اور اس کا اس قدر عادی ہو چکا ہے کہ وزن کا غیر محسوس فرق بھی اس کی موزونی طبع پر گراں گزرتا ہے ۔

اس تناظر میں "امیر خسرو کے غیر مطبوعہ مقطعات" میں مشمول مختلف الوزن مصرعوں کے حامل اشعار کی نشاندہی کی جاتی ہے تاکہ فارسی زبان و ادب کے وہ قاری جو اس عروضی نکتے سے لاعلم ہیں انھیں بحر و وزن سے خارج نہ سمجھ لیں ۔ اشعار قطعہ نمبر اور شعر نمبر کی صراحت کے ساتھ نقل کیے جاتے ہیں:

گر آنچنانی کو گویدت زراست چہ رنجش   در آں نہ ئی کہ ترا گفت از دروغ چہ رنجی (ق۱۳ - ش۲)

یہ شعر بحر مجتث مثمن میں ہے ۔ اس کے معینہ ارکان "مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلاتن" (دو بار) ہیں ۔ لیکن اس شعر کے مصرع اول کا دوسرا رکن "فعلاتن" کے بجائے "مفعولن" ہے جو رکن سالم یعنی فاعلاتن کا مشعث زحاف ہے ۔ اس لحاظ سے دونوں مصرعوں کے ارکان کی صورت اور تقطیع حسب ذیل ہے :

مفاعلن مفعولن مفاعلن فعلاتن   مفاعلن فعِلاتن مفاعلن فعِلاتن
گر آنچنا نی کو گو یدت زرا سِ چہ رنجش   در آنئ کِ ترا گف تَ از درو غ چہ رنجی
(مخبون مشعث مخبون مخبون   مخبون مخبون مخبون مخبون)

پہلے مصرعے میں "راست" کا آخری حرف (ت) ساقط ہے ۔

عروض و ضرب میں زحاف کی تبدیلی کے ساتھ اسی بحر یعنی "مجتث مثمن" میں سات شعر ہیں جن کے مصرعے "مخبون" کے بجائے "مشعث" زحاف لانے کی وجہ سے متحد الوزن نہیں رہے ۔ زحافات کی نوعیت کے لحاظ سے انھیں پانچ شقوں میں درج کیا جاتا ہے:

(الف) بگفت شیریں نتواں چو دفع دشمن کرد   مگوی تلخ کہ زخم زباں کشد جاہل (ق۱۹ - ش۱)

مفاعلن مفعولن مفاعلن فعِلان   مفاعلن فعِلاتن مفاعلن فعْلن
بگفت شی ریں نتوا چو دفعِ دش من کرد   مگوی تل خ کِ زخمی زباکشد جاہل
(مخبون مشعث مخبون مقصور مسکن   مخبون مخبون مخبون محذوف مسکن)

(ب) (۱) گرت میسر نبود رواست دیدن رنج — چو داری آنچہ کوشیدنت نہ برجادست (ق۔ش)

(۲) تو ہیچ دانی کز تو چہ میبرد این عمر — بداند آنکہ خدایش کفایتی دادست (ق۔ش)

(۳) دہندہ آن را احسان شماردو خیاط — گمان مزد برد چون بغیر ملتمس ست (ق۔ش)

مفاعلن مفعولن مفاعلن فعلان — مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلان

(۱) گرت مَیَس سَرنَبُوَد رواس دِی دنِ رنج — چُ داری آ ہَم کوشی دنت نَ بر جادست

(۲) تُ ہیچ دا نی کز تو چِ میبرد ای عمر — بداندا کِ خدایش کفایتی دادست

(۳) دہندآ راحسا شماردو خیاط — گمان مز دَبردچو بغیرِ مل تمست

(مجنون شعث مجنون مقصور مسکن — مخبون مخبون مخبون مقصور مسکن)

شعر (۱) کے مصرع اولیٰ اور شعر (۳) کے مصرع ثانی کے آخری رکن صرف "مقصور" ہیں مسکن نہیں۔ شعر (۱) کے مصرع اول میں "رواست" کا "ت" ساقط ہے

(ج) اگر توانی با منعمان تکبر کن — کہ کبر بر سر درویش جملہ را باشد (ق۔ش)

مفاعلن مفعولن مفاعلن فعلن — مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن

اگرتوا نی بامُن عمانکب برکن — کِ کبربر سردروی شِ جمل را باشد

(مجنون شعث مجنون محذوف مسکن — مخبون مخبون مخبون محذوف مسکن)

(د) بخور بشادی و زافلاس غم مخور کہ بغم — کسی نبندد آن در کہ رزق بگشادست (ق۔ش)

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعِلن — مفاعلن مفعولن مفاعلن فعلان

بخُربشا دِیوزفلا س غم مخر کِ بغم — کسی نبن ددآدر کِ رزق بگ شادست

(مجنون مخبون مجنون محذوف — مجنون شعث مجنون محذوف مسکن)

"زافلاس" میں افلاس کا الف "الف وصل" ہے۔ اس کے سقوط سے "ز" "فلاس" کے ساتھ مل گیا اور "زِفلاس" باقی رہ گیا۔

اس شعر کے مصرع دوم کا رکن دوم "مخبون" کے بجائے "مشعث" ہے۔

(ہ) ہزار چوگان دیدم شکست بریک گوی — کہ گوی مسکیں خود ہمچنان درست بماند (ق۔ش)

مفاعلن مفعولن مفاعلن فعلان — مفاعلن مفعولن مفاعلن فعلان

ہزارچو گا دیدم شکست بر یک گوی — کِ گوئِ مس کی خُد ہم چنا درس تَ بماد

(مجنون مشعث مجنون محذوف مسکن — مجنون مشعث مجنون محذوف)

شعر کے قافیے "بماند" میں نون غنہ تقطیع میں ساقط ہے۔ اس شعر کے دونوں مصرعوں کے دوسرے رکن مخبون (فعلاتن) کے بجائے مشعث (مفعولن) ہیں۔

درج ذیل شعر بحر مضارع مثمن کے متفرعات میں سے ہے۔ اس کے مزاحف ارکان اخرب مکفوف مکفوف محذوف (مفعولُ فاعلاتُ مفاعیلُ فاعلن) ہیں۔ جب اس کے رکن دوم "فاعلاتُ" کو جو فاعلاتن کا مکفوف زحاف ہے رکن سالم (فاعلاتن) سے بدلتے ہیں تو رکن سوم "مفاعیلُ" بھی جو مفاعیلن کا مکفوف رکن ہے اخرب زحاف (مفعولُ) سے بدل جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

خواہی نوای دنیا یا برگ آخرت   برگی ہمی رسان بفقیران بی نوا (ق[۳،۴]-ش[۵])

مفعولُ   <u>فاعلاتن</u>   <u>مفعولُ</u>   فاعلن   مفعولُ   فاعلاتُ   مفاعیلُ   فاعلن

خاہی نَ   وای دنیا   یا برگ   آخرت   برگی ہَ   می رساب   فقیران   بی نوا

(اخرب   سالم   اخرب   محذوف   اخرب   مکفوف   مکفوف   محذوف)

درج ذیل شعر بحر رمل مثمن میں ہے اور اس کے مزاحف ارکان "مخبون مخبون مخبون مقصور" ہیں لیکن شعرا بالعموم پہلا رکن سالم (فاعلاتن) لاتے ہیں۔ اس شعر میں پہلا رکن سالم ہے۔ اس میں مصرع ثانی کا رکن دوم مخبون (فعلاتن) کے بجائے مشعث (مفعولن) لایا گیا ہے:

آنکہ دشوار نمودیش بسر نازکسی   گل نمود اور اخروار مغیلاں بر سر (ق[۶،۷]-ش[۸])

فاعلاتن   فعِلاتن   فعِلاتن   فعلن   فاعلاتن   <u>مفعولن</u>   فعِلاتن   فعلن

آکِ دشوا   رُ نمودی   ش بسرنا   زکسی   گل نمودو   راخروا   رِمغیلا   برسر

(سالم   مخبون   مخبون   محذوف   سالم   مشعث   مخبون   محذوف مسکن)

دوسرے مصرعے میں "او" کا الف (جو الف وصل ہے) ساقط ہو کر نمود کے دال کو واو سے ملاتا ہے ـــــ مصرع اولی کا چوتھا رکن "محذوف" ہے جبکہ مصرع دوم کا چوتھا رکن "محذوف مسکن" ہے۔

حواشی:

۱ تاریخ ادبیات در ایران، جلد اول، دکتر ذبیح اللہ صفا: ص ۳۶۵ ، ۲ برگزیدہ قصاید بہار، سازمان کتابہای پرستو، ۱۳۴۵ھ، خورشیدی: ص ۱۹۶
۳ ایضاً: ص ۲۷۶ ، ۴ ایضاً: ص ۲۰۰ ، ۵ ایضاً: ص ۲۷۶ (مصرع اول کا آخری حرف "ت" ساقط ہے)
۶ سخنوران ایران در عصر حاضر، جلد اول، ڈاکٹر محمد اسحاق، کلکتہ: ص ۱۸۳ ، ۷ برگزیدہ قصاید بہار: ص ۲۳۰ ، ۸ منتخبی از اشعار رودکی سمرقندی، چاپ تہران: ص ۲۹ ، ۹ انتخاب حاتم، مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق، دہلی ۱۹۷۷ء: ص ۱۸۳

خدابخش لائبریری کی چند اہم مطبوعات

مطبوعات اردو • **من موہن کی باتیں** (قرآن مجید کا ترجمہ): مولوی شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی۔ ۱۵ روپے • **صراط مستقیم**: مولانا ترجمہ پروفیسر قمرالدین خان۔ ۲۰ روپے • مولانا ابوالکلام آزاد کا اخبار **پیغام** (مکمل فائل)۔ ۱۰۰ روپے • **قطعات دلدار**: (امیر دوسرے صوفی شاعر شاہ دلدار کا کلام)۔ ۱۵ روپے • **یادگار روزگار**: (تذکرہ کاملان پٹنہ)۔ سید عبدالحسن (۹ حصے ایک جلد میں)۔ ۱۰۰ روپے • **قومی یکجہتی کی روایات**: بشمبر ناتھ پانڈے۔ ۵ روپے • **اورنگ زیب ایک نیا زاویہ نظر**: اوم پرکاش پرشاد (اورنگ زیب عالمگیر کی شخصیت پر لگائے گئے الزامات کو دلائل اور مفصل جواب)۔ ۵ روپے • **داستان میری**: ڈاکٹر اقبال حسین (ہمارے بزرگوں کی پچھلے تہذیبی، سماجی تاریخ)۔ ۳۰ روپے

• **العصر لکھنؤ**: ۱۹۱۴ء (انتخاب و تعارف)۔ ۵۰ روپے • **ادیب** الٰہ آباد ۱۹۱۰-۱۹۱۳ء (انتخاب و تعارف)۔ ۵۰ روپے • **معیار** قاضی عبدالودود کا رسالہ (مکمل فائل) ۱۹۳۶ء۔ ۵۰ روپے • **پنڈت موتی لال نہرو** کا ۱۹۰۷ء کا **خطبہ صدارت**: ۵ روپے • **طلسم ہوشربا کا مقدمہ** (آٹھ جلدیں)۔ ۲۰۰ روپے • **جنید احمد کی آٹوگراف بک**: ۲۰ روپے • **شخصیات و واقعات جنھوں نے مجھے متاثر کیا**: جنید احمد۔ ۵۰ روپے • **تحفۃ السعداء**: خواجہ کلیم اللہ ۱۹۱۶ء (پیشکش بیگم حسین خان شفاء)۔ ۳۰ روپے • **ہندستان کی آزادی میں مسلم خواتین کا حصہ**: ڈاکٹر عابدہ سمیع الدین۔ ۱۰۰ روپے

• **ہندو دھرم: اکبر کے عہد میں**: تصنیف ابوالفضل، ترجمہ رضا علی۔ ۱۰ روپے • **اعمال نامہ**: ایک اہم آپ بیتی: سر رضا علی۔ ۱۰۰ روپے • **شریمد بھگوت گیتا کا گیتا اردو**: جانا کا دعویٰ۔ ۳۰ روپے • **لیلیٰ کے خطوط مجنوں کی ڈائری**: قاضی عبدالغفار۔ ۳۰ روپے • **حکایات لقمان**: البسپس بنیلز۔ ۵۰ روپے • **میرا مذہب**: از محمد علی گردولوی۔ ۳۰ روپے • اہم اور نادر مخطوطات پر خدابخش جنوبی ایشیائی، علاقائی سیمینار ایک مختصر جائزہ ۵ روپے • **گفتنی ناگفتنی**: وحید الدین سلیم ۵ روپے • **ہندوازم گیارہویں صدی میں**: ابوریحان البیرونی۔ ۱۰۰ روپے • **یوگ وسشٹ**: ابوالحسن ترجمہ۔ ۳۰ روپے • **بھگوت گیتا**: ترجمہ محمد اجمل خاں۔ ۲۰ روپے • **اردو لٹریچر**: رسالہ ہندستانی الٰہ آباد ۱۹۳۱-۱۹۴۰ء۔ ۳۰ روپے • **چند ادبی مشاہیر کی تحریریں**: رسالہ ہندستانی الٰہ آباد۔ ۲۰ روپے • **اردو ہندی ہندستانی**: رسالہ ہندستانی الٰہ آباد

• **ہندی لٹریچر**: رسالہ ہندستانی الٰہ آباد (۱۹۳۱-۱۹۴۰ء)۔ ۳۰ روپے • **تاریخ**: رسالہ ہندستانی الٰہ آباد (۱۹۳۱-۱۹۴۰ء)۔ ۳۰ روپے • **سائنس**: رسالہ ہندستانی الٰہ آباد (۱۹۳۱-۱۹۴۰ء)۔ ۳۰ روپے • **جامع الشواہد**: ابوالکلام آزاد۔ ۳۰ روپے • **ہندوؤں کے اوتار**: لالہ کشن سہائے۔ ۳۰ روپے • **مجمع الافکار**: ڈاکٹر ذاکر حسین صدیقی۔ ۲۰ روپے • **محبوب الالباب**: خدابخش۔ ۲۰ روپے • **ڈاکٹر ذاکر حسین**: ذاتی یادیں۔ ۳۰ روپے **کرنل محبوب احمد**: آزاد ہند فوج کی کہانی، سبھاش چندر بوس کی کہانی، میری اپنی کہانی۔ ۵۰ روپے • **پٹنہ کے کتبے**: قیام الدین احمد۔ ۵۰ روپے • **پیر علی ایک ناول**: تقی احمد رشاد۔ ۵۰ روپے • **ہندوؤں کے تہوار**: لالہ کشن سہائے۔ ۳۰ روپے • **اردو رسائل ۱۹۹۲ء میں**۔ ۱۰۰ روپے۔

مطبوعات فارسی • **قطعات حسرت**: ۱۰ روپے • **کنز التواریخ**: شاہ غلام علی (عظیم آباد کی تاریخی تحقیقات)۔ ۱۰ روپے • **مجمع النفائس**: (تذکرہ شعرائے فارسی) سراج الدین علی خان آرزو۔ ۱۵ روپے • **باغ معانی**: تذکرہ شعرائے فارسی نقش علی۔ ۱۵ روپے • **فرہنگ زفان گویا**: مرتبہ پروفیسر نذیر احمد۔ ۵۰ روپے • **دیوان حافظ** (شاہان مغلیہ کے دستی نسخے کی عکسی اشاعت)۔ ۳۰۰ روپے۔

مطبوعات ہندی • **من موہن کی باتیں**: مولوی شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کا ترجمہ قرآن۔ ۱۰ روپے • **دلدار کے دوہے** (۱۸ویں صدی ہجری کے مشہور صوفی شاہ دلدار کا کلام)۔ ۱۰ روپے • **اورنگ زیب: ایک نئی درشٹی**: ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد۔ ۱۵ روپے • **بھارت میں قومی ایکتا کی پرمپرائیں**: بی۔ این۔ پانڈے۔ ۵ روپے • **مولانا آزاد کی یاد میں**: ۱۵ روپے • **اقبال ہندستان اور پاکستان**: پروفیسر سید مسیح احمد۔ ۱۵ روپے • **بھارتیہ راشٹریہ آندولن اور مولانا ابوالکلام آزاد**: ڈاکٹر رفیع احمد۔ ۲۰ روپے • **سامپردائیکتا اور دیش کی ایکتا** (ہندو مسلم فسادات کو کیسے روکا جائے، قومی یکجہتی پر ۲۰ سیاسی سماجی دانشوروں کے مقالات کا مجموعہ)۔ ۱۵ روپے • **خدابخش لائبریری ایک پریچے**: لائبریری پر پہلی کتاب ہے جسے ایک انگریز والیم اسکاٹ... ۱۵ روپے • **پنڈت مدن موہن مالویہ**: سید جمال الدین مودودی۔ ۱۰ روپے • **گاندھی جی اور ہندو مسلم ایکتا**: بشمبر ناتھ پانڈے۔ ۲۰ روپے۔

مطبوعات انگریزی • **ایک مشرقی کتب خانہ**: ۵ روپے • **اسلام اور ہندستانی تہذیب**: بی۔ این۔ پانڈے۔ ۱۵ روپے • **صوفیا کے مکتوبات اور ملفوظات**: پروفیسر سید حسن عسکری۔ ۱۰ روپے • **مجموعہ مقالات**: پروفیسر سید حسن عسکری۔ ۱۰ روپے • **بہار عہد سلطنت اور مغل دور میں**: پروفیسر سید حسن عسکری۔ ۵۰ روپے • **مشرق وسطیٰ**: پروفیسر یوسف علی۔ ۱۰ روپے • **خدابخش**: ۱۰ روپے • **حضرت امیر خسرو**: پروفیسر سید حسن عسکری۔ ۵۰ روپے • **فارسی ادب میں ہندستان کا حصہ**: پروفیسر امیر حسن عابدی۔ ۱۰ روپے • **وہابی تحریک اور دوسرے مقالات**: علی اشرف۔ ۱۵ روپے • **ٹیپو سلطان، حیدر علی، کشمیر**: ڈاکٹر محب الحسن۔ ۱۵ روپے • **خدابخش و رضا لائبریری میں موجود عربی فارسی مخطوطات کے توضیحی کیٹلاگ** (۲۰ جلدیں) قیمت فی جلد ۱۰ روپے • **ہندستان کے صوفیہ**: ڈاکٹر کے۔ اے۔ نظامی۔ ۱۰ روپے • لارڈ ہارڈنگ کے خطوط ۲۰ روپے • **طب یونانی اور الوپیتھی**: ایک تقابلی مطالعہ۔ ۱۰ روپے • اہم اور نادر مخطوطات پر خدابخش جنوبی ایشیائی، علاقائی سیمینار ایک مختصر جائزہ۔ ۵ روپے • **عہد کے تذکرے**: صلاح الدین خدابخش۔ ۱۵ روپے • **ہندو دھرم اورنگ زیب کے عہد میں**: قاضی عبدالغفار عظیم آبادی۔ ۱۰ روپے • **تیمور نامہ**: مصور کی دنیا اور آل تیمور کے خاندان تیموریہ سے متعلق تصاویر۔ ۱۰۰ روپے • **پٹنہ کے کتبے**: سید محمد۔ ۵۰ روپے • **ہندستانی تاریخ و تہذیب اور علوم اسلامیہ کے بارے میں** (جلد اول، انگریزی)۔ ۵۰ روپے۔

13. ibid., p. 126. An incident of how Jinnah kept the *Mullahs* at bay even as late as 1946 has of late come to light in a recent publication (Dr. Afzal Iqbal; *Islamisation of Pakistan*; Idarah-i-Adabiyat-i-Delhi; (1984, p. 25). Veteran League leader and a senior Minister of the martial law administration of Pakistan in 1984, M.A. Haroon has informed the writer that in 1946, once when Jinnah was told that he was being criticised by the *Ulema* for avoiding the expression *Shariah* (Islamic Law) while talking generally of Islam, he retorted sharply, "Whose *Shariah*? Hanafis? Hambalis? Sha'afis? Ma'aliks? Ja'afris? I don't want to get involved. The moment I enter this field, the *Ulema* will take over for they claim to be experts and I certainly don't propose to hand over the field to the *Ulema*. I am aware of their criticism but I don't propose to fall into their trap."
14. op. cit., p. 55. But Chagla probably did not know that Jinnah had deep interest in acting. In fact he had given up his plan of joining public stage in England even after qualifying himself as a Barrister on account of the intervention of his father and enjoyed reciting Shakespeare after a day's hard work as a lawyer and politician (Wolpert; op.cit., p. 14).
15. op. cit., p. 121.
16. 14.6.1981.
17. Vasant T. Kripalani; "Jinnah's Last Legal Battle"; 27.3.1983.

(Source : Qaid-i-Azam: Muhammad Ali Jinnah and the Creation of Pakistan by S.K.Bandopadhaya, New Delhi, 1991)

creator of the theocratic state of Pakistan, is probably one of the very few enigmas of history.

An inquiry into the roots of this unbelievable and yet true fact of history appeared to me very fascinating. Therefore, ever since I read the article by Shiva Rao, a fresh study of Jinnah became almost an obsession with me. The following pages are the result of that pursuit.

References

1. This is erroneous, as Jinnah left the organisation after the Nagpur Congress of 1920.
2. *An Autobiography*; The Bodley Head, London (1955); p. 67.
3. Quoted by Hector Bolitho; *Jinnah*; John Murray, London (1954); p. 197.
4. ibid., p. 161.
5. B. Shiva Rao; *India's Freedom Movement*; Orient Longman (1972).
6. ibid., p. 125. Gandhi also admitted of this to Lord Casey (December 6, 1945) Manserg, N. (Ed.); *The Transfer of Power (T.P.)*, London; Vol. VI; p. 617. Also see Seervi, H.M.; *Partition of India: Legend and Reality*; Bombay (1988); pp. 13-4.
7. ibid., p. 126.
8. Raja of Mahamudabad; *Some Memories*; Quoted by Stanley Wolpert; *Jinnah of Pakistan*; Oxford University Press (1984); p. 79.
9. Ansar Harvani; *Before Freedom and After*; New Delhi (1989); p. 70.
10. This is what M.C. Chagla, his one-time close associate has to say on this topic (*Roses in December*; Bharatiya Vidya Bhavan, Bombay; 1973): "He had hard and harsh things to say about Gandhiji, Nehru and others; but as far as Gokhale and Tilak were concerned, Jinnah had the most profound admiration and respect for them and their views" (p. 14). Chagla has also narrated the story of writing a scathing remark on the circular circulated in the Bombay Bar for honouring Justice Davar for being conferred knighthood. Jinnah commented that the Bar should be ashamed of this proposal as the Judge had convicted Tilak to six years' rigorous imprisonment. He refused to rescind his stand even after the Judge personally talked to him. Such was his independent spirit and regard for Tilak (ibid., p. 15).
11. Jinnah married Rattanbai or Ruttie, the daughter of a Parsi noble, Sir Dinshaw Petit, on 19.4.1918 against the wish of his father-in-law. This inter-communal marriage also indicates his modern and unprejudiced mentality. However, this was his second marriage, his first wedlock being solemnised with Emibai at the age of 16, before he left for England. But she also died early, before the return of Jinnah from England.
12. ibid., p. 125.

Jinnah, reports of the reaction of Jinnah on that occasion: "That was the only time when I found Jinnah betraying some shadow of human weakness: there were actually tears in his eyes."[15] In an article in the *Express Magazine*[16] it is narrated how Jinnah would summon his trusted chauffeur, Mohammed Hanif Azad, at the dead of night and ask him to open the wooden chest containing his dead wife's clothes and look at them as they were spread on the carpet. "He would gaze over them for long with eloquent silence. Then his eyes would moisten."

Jinnah's biographer, Hector Bolitho, has written of Jinnah's love of the company of the young, "a manifestation of the frustrated father instinct in a solitary, ageing man." Citing one incident he says that Jinnah "could not sleep" because, as he told a friend's son and his companion who were his guests, "you are going away tomorrow." Further, his biographer adds, long after Jinnah had become a celebrity, he thought nothing of going through a crowd to a toy shop to buy a rocking horse for a friend's son.

In another article published in the *Express Magazine*[17] the writer narrates how Jinnah, the then outstanding public figure had found time to go to Agra amidst his busy schedule with a view to defending a young man in the court of a City Magistrate, five years after he had given up his lucrative practice in the Bombay High Court. Some remarkable aspects of his personality are revealed from the story told by Vasant Kripalani.

It was in late (October) 1942, when he was being dubbed as anti-Hindu, Jinnah, being persuaded by Kripalani, the son of a Hindu acquaintance from his home-town Karachi, took pity on a Hindu businessman and defended his son in the court, whom the then army and civil officers intended to crush for his not yielding to their pressure for greasing their palms. Jinnah's valet in those days was Bhagwan Dhonde, another Hindu and as reported by Kripalani, the Quaid-i-Azam "was very dependent on him and he was his constant companion." Kripalani adds further that with a view to helping him (Kripalani) Jinnah engaged him as his personal assistant and Kripalani gave up the job subsequently on his own volition.

I am sure many such incidents on the human side of Jinnah could be unearthed. But that is only incidental and not the main topic of this study. That a political leader of Jinnah's stature with his modern mentality, nationalist background and razor-sharp intelligence would become the rallying point of the Muslim separationists and would be the

occasions only. He used to feel more comfortable in Western dress. Gokhale used to say of Jinnah that he was the greatest advocate of Hindu-Muslim unity. Jinnah also had the highest regard for Gokhale and Tilak, and he defended the latter in the court gallantly when Tilak was charged with sedition.[10] Same was the view of Sarojini Naidu about the early phase of Jinnah's political career. It is strange that such a man should propound the Two-nation Theory in the Lahore session of the Muslim League in 1940 and spearhead the movement for Pakistan for the next seven years with utmost diligence to become later on the father of the nation of Pakistan, the sovereign state for the Muslims carved out of India.

Jinnah had scant respect far the Muslim obscurantist sentiments of his time and allowed his wife,[11] devoid of *purdah*, to be present in public places. Had she not become a victim of melancholia, left her husband and died in harness, Mrs. Jinnah might have become one of the leaders amongst the Muslim ladies of India working for modernism. B. Shiva Rao has reported about a conversation of Jinnah with Horniman, the then editor of *Bombay Chronicle*: "... the sect amongst the Muslims to which he belonged believed in the ten Avatars and had much in common with Hindus in their inheritance laws and social customs."[12] And there is nothing unusual in this inasmuch as most of the Muslims in India are converts from Hindus and it is but natural that they will retain some of their old habits and customs even when they have embraced a new faith. Jinnah was so much devoid of religious dogma that in 1924 he could propose in a light vein to Sir Tej Bahadur Sapru: "I think I have a solution for the Hindu-Muslim problem. You destroy your orthodox priestly class and we will destroy our Mullahs and there will be communal peace."[13]

Jinnah the man, as depicted in the contemporary press, appeared to be matter-of-fact, egoistic, haughty, highbrow, a resident of ivory tower and devoid of human sentiments. Even his one-time close associate M.C. Chagla has opined: "I have never come across any man who had less humanity in his character than Jinnah. He was cold and unemotional and apart from law and politics he had no interest."[14] But was he really so? Were there no occasions when he would react as a normal human being, full of sentiments and who wanted to love and be loved? A few facts have come to light recently which prompt us to reconsider alleged image of Jinnah, the cold and aloof person.

Chagla, who had the rare privilege to witness the last rites of Mrs.

year 1969, after I read an articie by the eminent journalist and later on parliamentarian, Shri B. Shiva Rao, in the *Statesman* of Calcutta. The article was later on published in a book.[5] Shiva Rao had intimate relations with the national leaders of his days. He recorded a discussion, which he had with Jinnah in the early twenties as follows: "Gandhi's Non-cooperation movement he considered to be dangerous for the same reason that Mrs. Besant and the Liberals did; and he was particularly apprehensive about the repercussions on Indian Muslims of the Khilafat movement. The enrolment of the ignorant and fanatical Muslims in the movement struck him as extremely unwise."[6] In support of the proposal of Motilal Nehru for a Round Table Conference addressing the rulers in 1925 he stated in the Imperial Legislative Council: "India is not a nation we are told. We were a people when the Great War was going on and an appeal was made to India for blood and money.... We were not a people nor a nation when we ask you for a substantial advance towards responsible government and parliamentary institutions."[7]

As is known, Jinnah, the liberal and constitutionalist, dissociated himself from the Congress after its Nagpur session of 1920 on account of his disagreement with the programme of non-cooperation of Gandhi. In 1925 when the young Raja of Mahamudabad told him that he considered himself a Muslim first, instantaneous was the retort of Jinnah—no, he should consider himself "an Indian first, then a Muslim".[8] That he was nationalist to the core and exhorted for working for Hindu-Muslim unity at least until the middle of thirties, cannot be disputed even by his worst critics.[9]

I had it from a very respected and nonagenarian leader in the field of Gandhian constructive work in West Bengal that in their youth, i.e., in 1915-16, they got the inspiration of nationalism, *inter alia*, from the speeches of Jinnah, which used to be published in pamphlet form by the Nateshan Company of Madras during those days.

An eminent disciple of Dadabhai Naoroji and Phirozshah Mehta, Jinnah was not only an outstanding barrister of his time, he was also modern and up-to-date right from his dress to food-habits, speech, mannerism, and etiquette. He did not care to observe the rituals of the Indian Muslims of his day, like saying of regular prayers (Namaz), growing of beards, etc. In the choice of his food and drinks, he paid scant attention to the prevailing Muslim taboos. Shalwar-Kurta, the dress of the Punjabi Muslims or the so-called Jinnah cap was adopted by him as late as 1937 and those too were put on by him on ceremonial

For me this was indeed a discovery about Jinnah. To the best of my knowledge that speech was not reproduced by the contemporary nationalist papers, which I used to read. Even if it had been, somehow it escaped my eyes. Hansu Kevalramani's quotation of Jinnah prompted me to reconsider my assessment of that leader. I felt, a person holding such views could not be dubbed as communal.

In another instalment of his article Hansu Kevalramani reported that soon after the creation of Pakistan Jinnah tried to have a rapprochement with the Frontier Gandhi, Khan Abdul Ghaffar Khan, as he was feeling suffocated in the company of the persons with whom he was surrounded after he had become the head of the newly created State of Pakistan. But the deteriorating condition of his health from July 1948 onwards leading ultimately to his death on September 11, 1948 did not permit him to fulfil his wish.

Maulana Abul Kalam Azad's *India Wins Freedom* published in 1959 also gave me food for thought regarding the responsibility of partition of India. Maulana Azad is on record that the elections of 1937 in U.P. were fought by the Congress and Muslim League almost jointly with tacit understanding that if the two parties combined got a majority, the League will have its due share in the ministry. But when the time came, U.P. Congress leaders, including Nehru, would not honour the previous commitment and demanded that the League members of legislature should give up their identity to have representation in the cabinet. Naturally the negotiations fell through. Commenting on this episode the Maulana observed: "If the U.P. League's offer of cooperation had been accepted, the Muslim League Party would for all practical purpose have merged in the Congress. Jawaharlal's action gave the Muslim League in U.P. a new lease of life. All students of Indian politics know that it was from U.P. that the League was reorganised. Mr. Jinnah took full advantage of the situation and started an offensive which ultimately led to Pakistan."[4]

Maulana's book is dedicated to his "friend and comrade" Jawaharlal Nehru and was published while he was alive. Nehru did not contradict the observations of Maulana. Nehru committed a similar blunder leading to the final break with Jinnah in 1946 also. However, I shall deal with that important phase of Indian history in some further detail later on.

But my real study of Jinnah began during the Gandhi Centenary

Quit India movement in my humble way, I used to consider Jinnah to be a traitor on account of the attitude of the Muslim League towards the movement. During 1946-47 I was a full-time Congress worker and was a close observer of the great drama on the national scene—achieving of independence along with the partition of the country. The negative role of Jinnah in those historic events led me to consider him as the villain of the piece, like many other compatriots of mine.

I had, however, come across the following observations of Jawaharlal Nehru on Jinnah:

> A few old leaders, however, dropped out of the Congress after Calcutta,[1] and among these a popular and well-known figure was that of Mr. M.A. Jinnah. Sarojini Naidu had called him the 'Ambassador of Hindu-Muslim Unity', and he had been largely responsible in the past for bringing the Muslim League nearer to the Congress.[2]

But I missed the significance of the foregoing remarks, maybe, on account of the emotionally surcharged atmosphere of the early forties: and Jinnah's image with me continued to be that of a reactionary communalist.

It was during the first half of the fifties that I had the opportunity of coming across the "other side" of the personality of Jinnah for the first time. Hansu Kevalramani used to contribute a regular column captioned "Pakistan X-rayed" in those days in the weekly *Vigil* founded by Acharya Kripalani. In one of his articles he quoted the first speech of Jinnah delivered in the Constituent Assembly of Pakistan on the fourth day of his final departure from India in the background of the devastating carnage of both the Hindus and Muslims. In that speech on August 11, 1947, Jinnah said:

> You are free; you are free to go to your temples, you are free to go to your mosques or to any other place of worship in the State of Pakistan. You may belong to any religion or caste or creed—that has nothing to do with the fundamental principle that we are all citizens of one State. Now, I think, we should keep that in front of us as our ideal and you will find that in course of time, Hindus will cease to be Hindus, and Muslims will cease to be Muslims, not in the religious sense, because that is personal faith of each individual, but in the political sense as citizens of the State.[3]

●

Gandhi has been my beacon-light since my youth. And yet I have ventured to undertake this study of Quaid-i-Azam Mohammad Ali Jinnah, his political adversary. I, therefore, owe an explanation to my readers for this seeming "contradiction" of mine.

The main reason lies in the teachings of Gandhi. He was a seeker after truth. In his search for truth he did not hesitate the least to expose his most hidden weaknesses before the public. The readers of his *Autobiography* are aware of the outstanding role of truth in his life. Public figures in general and those in the field of politics in particular, adopt the stance of Caesar's wife and are deeply concerned to maintain that image. Or else, they may lose their popularity. For, popularity and public support are the kingpins in the career of any political leader. Gandhi was probably the only political leader who could declare in the height of the movement initiated by himself that he had committed a "Himalayan blunder" by launching the said movement. Many such instances could be quoted from his life.

The political consciousness of the present writer started taking shape around 1939. The Muslim League and its leader Jinnah were being condemned severely in those days on the various platforms of the Indian National Congress, the body representing the aspiration of that section of Indians who were working for the freedom of the country. The "nationalist press" also did not lag behind in spitting venom against the League and its stalwarts for what it considered to be their 'dog in the manger' policy. Needless to mention that I was also influenced, like other countrymen of mine, by those criticisms. Gradually I began to believe that Jinnah was out-and-out communal and was acting in accordance with the dictates of the British imperialists and for upholding their interests. In fact, in 1942, when I participated in the

On Muhammad Ali Jinnah

Sailesh Kumar Bandopadhaya

"So let our misguided countrymen understand that by their insensate action they are at once denying nation, God and man."

But this is a dismal note on which to end this chapter. So let us lift up our eyes to the heights reached by the spirit of our President. Addressing the Hindu Vishwa Dharma Sammelan, a conference of Hindu religious leaders, Dr Radhakrishnan exhorted them as follows:

"The one fact of our age is the confrontation of different cultures and different religions. Once upon a time we used to have religions working on parallel lines without much influence on one another. Today we are thrown together. The world has become a physical unity. There is nearness and neighbourhood. But it should become an integrated entity.

"How have religions been functioning? When you emphasise the formal aspects of religion, they divide the world. When you emphasise the inner, the deeper spiritual side of religion, they unite the world....

"Anyone who believes in God will not adopt attitudes which we sometimes adopt. We have to scrutinize ourselves, examine ourselves, ask ourselves every day a question whether we are trulv believers in God or merely counterfeit believers...

"I do hope if our religion rids itself of these pernicious practices which in the growth of centuries have come about, ... it will be able to tell people that here is a religion which has allowed peaceful friendly cooperation among all...."

(Source : In Different Saddles by M.R.A.Baig, London, 1967, pp.128-179)

as Mrs. Indira Gandhi; and valiant crusaders such as Mr. Jayaprakash Narayan. Courageous, indeed was 'J.P.'s statement after the terrible communal riots that broke out in Jamshedpur and neighbouring areas in early 1964.

"The recent and recurring outbursts of sudden and cruel violence against Muslim citizens of this country and retaliatory punishment for the acts of Muslim citizens of Pakistan are a matter of the gravest anxiety for every thinking Indian.

"If Indian Hindus kill Indian Muslims for no other reason than that Pakistani Muslims have killed Pakistani Hindus, it is (among other things) a complete vindication of the two-nation theory. It simply means that we affirm in action what we loudly repudiate in words. It should be clear that such a split state of mind can have only one result; gradual undermining of the very basis of our nation.

"Sometimes the current incidents are excused in the name of Hinduism. As a Hindu who is proud of his religion, I cannot think of a greater blasphemy than to clothe these crimes that degrade man with the sanction of 'dharma'. Whatever of 'dharma' is left in the present atmosphere of creeping materialism, benumbed ethical sensibility, pseudo-science and undigested vulgar modernism would surely bleed to death if brother continues to knife brother only because he worships God differently.

"The future of the human race is in unity. Both science and the spirit of man point in that direction. Everything that stands in the way—nation, race even religion (if it is divisive, which true religion cannot be) will have to go. India with her great tradition of universalism, her humanism, was expected to play a significant role in this process of history. But these recent events, portents as they are, threaten to strangle that precious plant of our culture which produced even in the days of decline such beautiful blossoms as Tagore and Gandhi.

But no ambassador, Muslim or non-Muslim, can project his country other than as it is, and as long as communal rioting regularly takes place, and trouble flares up in Kashmir from time to time, we should not be surprised if Muslim countries sympathise and even side with Pakistan when forced to make the choice. Pakistan is the direct result of Congress leaders underestimating the centripetal force of Islam in Indian politics. The position is of course different, but it would be an equal mistake to underrate the basic fraternity of Islam in international relations. There being, except for neighbouring Nepal, no other Hindu-majority country in the world, it is understandable if this tendency is not fully appreciated by leaders brought up in exclusively Hindu culture.

But the writing on the wall during the Indo-Pakistani conflict was legible enough. Only a truly secular India with its Muslim citizens playing their proper part in all spheres of national affairs and activity will be able fully to tap this huge reservoir of international goodwill.

Western and Christian countries are little concerned with our secularism. In fact, apart from getting their support to our case over Kashmir, the point never arises in our relations with them. But they were greatly impressed and pleasantly surprised by the reception the Pope received in Bombay. Let us be very careful that Goa never becomes a "Christian" Kashmir. If there is unrest among the Goan Christians, this, added to the unrest among the Naga and Mizo Christians, might well make the Christian nations vulnerable to Pakistani propaganda.

But however hard and steep may be the path to secularism that we shall reach it is certain as long as India can produce modern *rishis* such as the President, Dr. Radhakrishnan; profound and liberal thinkers such as the* Vice President, Dr. Zakir Hussain; a prime minister as humanist and secular

* This chapter was already in print when Dr. Zakir Hussain was elected President of India. Rightly hailed as a victory for secularism, it would be a mistake to attach to it undue significance. An important battle has certainly been won. But the war has yet to be.

while I entirely agree with the policy of restraint self-imposed by the press in reporting such happenings, I also feel that its purpose would be defeated if it bred complacency in regard to secularism by us deluding ourselves that communal riots do not take place. One cannot cure a disease without recognising its gravity.

For an ambassador to project India as a truly secular state is therefore by no means easy. My term in Iran was regularly punctuated by communal rioting and some really horrible facts were brought to the attention of the Government of Iran by the Pakistan Embassy. I was constantly being asked if the facts were true by the Prime Minister, the Foreign Minister, by journalists and others, and though I could play down the exaggerations, and play up other favourable factors, the fact that riots could take place so often, with such intensity, and with every evidence of planning and organisation, spoke for themselves.

We attach great importance to Afro-Asian countries but we forget how many of them are Muslim in population and therefore susceptible to be emotionally moved by Pakistani propaganda. Apart from Pakistan itself, they are Indonesia, Malaysia, Afghanistan, Turkey, Iran, Saudi Arabia, Kuwait, Iraq, Jordan, Syria, Sudan, Somaliland, U.A.R., Libya, Tunisia, Morocco, Algeria, Mauritania, 50 per cent of Lebanon, and sizable and influential minorities in Nigeria, Senegal, Guinea, Mali and Sierra Leone.

This brings me to the question of appointing Muslim ambassadors in Muslim countries. It is sometimes thought that this goes against our secular policy. It certainly would if we only posted Muslims in these countries. But, as I have already said, secularism to such countries means the extent the Muslims in India receive good and fair treatment. To project this a non-Muslim is obviously at a disadvantage, whereas a Muslim ambassador is by his very presence a living example of secularism in action. I can say from my own experience that this lesson does not escape notice.

communal riots take place and Kashmir remains unsettled. Muslim countries care little whether Kashmir is legally or constitutionally integrated. What matters to them is if it is emotionally integrated; and that a large and influential section of Kashmiris is not most foreign and even objective Indian observers seem to believe. The Indo-Pakistani conflict certainly showed that Kashmiris did not wish to join Pakistan. But that does not automatically mean that we can take for granted their attitude towards India. Fortunately, there are other indications. But a lot of people, too many, remain unconvinced. We must realise that Pakistan has convinced many foreign governments of our inconsistency in accepting the Radcliffe Award in Muslim-majority provinces and not applying the underlying principle to a Muslim-majority state. After all, they argue, the spirit of the agreement was that all Muslim-majority areas, whether province or state, should form Pakistan. This point is easy to counter but such arguments, as also clichés like "self-determination" sound very plausible to foreign ears. The result is that no country, except ourselves, considers that Kashmir is "non-negotiable". But what is important is that few credit our attitude to our policy of secularism.

Muslim countries are no doubt impressed by such facts as there being fifty million Muslims in India, that they occupy high positions, and that all are equal before the law. But what worries them are the periodic communal riots which are given the maximum publicity by the local Pakistan embassies. For instance, Iran's sympathy for Pakistan during the recent hostilities was greatly influenced by all the Irani shops in Poona being looted and burnt just a few days before the war started. Several mosques were burnt and order only restored by the Army being called out and the firmest measures being adopted.

The full story of communal riots has never been told in India, and though a friend who has kept a record has shown me some disconcerting figures I do not intend to tell it. But,

ism as conservatism, ethnic-provincialism and casteism. To overcome all these requires the sustained utilisation of all media of publicity, propaganda and education by Government. In this connection the seminar on "Secularism: its implications for Law and Life in India" held in New Delhi in November, 1965, was most commendable. The inaugural speech by the Chief Justice of India, Mr. P. B. Gajendragadkar, was particularly inspiring. The Education Minister, Mr. Mohamed Currim Chagla, always staunchly secular, also made a notable contribution. Such seminars should take place all over India. The more people think, and even argue, on this subject the better. The one thing we should not do is to take secularism for granted as we have done so much in the past.

If I may strike a personal note, how little alert we are to publicise secularism in action was forcibly brought home to me when I was Ambassador in Iran. When I was leaving, the Gurdwara invested me with a Robe of Honour which is perhaps the highest distinction in the power of Sikhs to give. I asked the Embassy Information Officer to inform Government of the event so that it might be suitably publicised. An ounce of example, after all, is worth a ton of precept. He did so, but no action was taken. I thought it a good opportunity lost.

We must be constantly conscious of the image we project abroad and realise that secularism means different things to different countries. Though many countries regarded the caste system and untouchability with horror and welcomed their abolition few are concerned whether India is secular or Hindu. In fact, many would prefer it to be the latter. That Pakistan is Muslim and India is Hindu is easy to understand. But that Pakistan is Muslim and India is Indian is confusing. It is such over-simplification that partially explains the general lack of understanding of the Kashmir question.

The countries which are really concerned are the so-called Muslim countries which are subjected to sustained Pakistani propaganda. Here we will remain on the defensive as long as

if not impossible, for the Muslims of India to be emotionally integrated into the Hindu majority. Here, the solution does not entirely lie with us. If Pakistan was really sincere about Islam, it would not, for the sake of three million Muslims in Kashmir, jeopardise the happiness of fifty million in India. Sheikh Abdullah might well reflect on the bitter fruits of his policy.

While Tashkent produced a joint declaration which is certainly a big step in the right direction, it also clearly brought out that a joint agreement over Kashmir is still far from possible. None should regret this more than Muslim Indians. At the same time they should fervently hope, as should all Indians, that the acts of commission and omission which took place there do not cancel out each other.

Still another adverse factor is our conservatism. Like the iceberg which floats with nine-tenths below the surface we glory in the fact that a similar proportion of our traditions, culture, and customs lies below the twentieth-century. What is above is looked at askance and condemned as being "Westernised". The great charge against the "westernised", or as I prefer to call him the "twentieth century" Indian is that he is "rootless". Though this state has admitted disadvantages it surely has some virtues also. Our roots today are either regional, caste or communal, and if secularism is our goal, these surely have to be cut and grafts put down into Indian and secular soil. My own experience is that the only truly secular people I know are invariably "modern" Indians, and this, I think, is the greatest justification for "westernisation", "modernisation", "twentieth-century-mindedness", or whatever one may like to call it.

But, unfortunately, being educated is still far from synonymous with being secular. Too many educated Indians, even if not caste-ridden, are still communal and regional-minded.[1]

Indifference and apathy also operate as much against secular-

[1]Professors abound in the R.S.S. and a former Rhodes scholar has been elected to the Lok Sabha by the Jan Sangh.

it has escaped notice. But no great powers of imagination are necessary to conceive the outcry, in Parliament and press, if the Vice-Chancellor of Aligarh had spoken from the platform of a militant Muslim organisation (not that there are any). Innumerable other such cases can be cited. The existence and the toleration of the R.S.S. itself is one.[1] But any manifestation of Muslim communalism, such as the recent incident in Aligarh University, is, very rightly, universally condemned.

Moreover, as Jabalpur and Poona proved, whereas swift and severe retaliation follows any Muslim misdeed, by the very nature of things similar Hindu acts usually pass without protest.

If further proof of this double standard is needed it was well provided by the eulogies pronounced on the death of Dr. Savarkar. One should certainly speak well of the dead, and he was undoubtedly a remarkable man who did remarkable things. But the central fact remains that his ideology was the very negation of secularism. This, however, seemed to worry none of those who held him up as an example and inspiration for Indians to follow. The Muslim may be pardoned if he asks: which Indians?

In the same way as "cold" war can exist in a state of peace, "cold" communalism, full of prejudices, can, and does, exist in a state of secularism. Great harm is done to both country and community by artificial "Muslim leaders" who pretend that it does not, and who are more "appeasers" than secular.

Another factor against secularism is Kashmir. It is constantly said that this State is the symbol of our secularism. It may be, but it is also a barrier. What is necessary for our secularism is not so much the retention of Kashmir as a settlement on Kashmir between India and Pakistan. As long as there is no such settlement, Pakistan will carry on its anti-Hindu policy. And as long as it does, it will be difficult,

[1]The election of the R.S.S. chief for North India as the Mayor of Delhi has raised no critical comment whatsoever from any of those who so carefully scrutinised the secular credentials of Dr. Zakir Hussain.

service officers, lawyers, doctors, teachers, industrialists, businessmen, and even clerks and tradesmen. It will be found that the Muslim participation in gainful occupations would probably come to less than 5 per cent.

In such circumstances, whoever may be to blame and whatever may be the reasons, obviously something more is needed than incessantly reiterating that all are equal before the law, and then leaving things to work out by themselves. This is much like highly industrialised nations advocating free trade to newly-emerged countries trying to build up their economy.

Here is another case, where some measure of enlightened communalism, Government encouraged, will lead to secularism.

The fact is that no Indian who is sure of his own secularism should fear, or be made to fear, to work where he has the most influence and where he can do the most good. Communalism can certainly be considered as diametrically opposed to secularism, but it can also be a half-way house towards it. We should never forget the events that led to the formation of Pakistan. Reservation of seats was certainly in theory against the Congress doctrine. But I sincerely believe that if the Congress leaders had had the realism to agree to joint electorates with reservation of seats, the demand for Pakistan would never have arisen. The communal problem then would have been reduced to giving the Muslims enough confidence to drop even that point. In retrospect, the short-cut to nationalism proved a very long way round.

A factor vitiating secularism is the double standard adopted in many quarters towards Hindu and Muslim communalism. To give an example, the Education Minister, Mr. M. C. Chagla, recently had to issue a circular deploring the appearance of the Vice-Chancellor of a university on the platform of the R.S.S.[1] If anyone criticized the Vice-Chancellor, or praised the action of the Education Minister,

[1]The Rastriya Swayam Sevak Sangh: the Hindu Volunteer Corps dedicated to converting secular India into a Hindu State.

leaders can rise with the necessary moral hold over their co-religionists. Moreover, it is impossible to expect them to listen to non-Muslims on such a purely Islamic matter.

If, therfeore, it is thought, and rightly so, that without a common civil code secularism is impossible, a Government wedded to that policy should not adopt the negative attitude of waiting for the Muslims to come round to this view, but should take positive action to bring them around. This necessitates a Muslim-oriented campaign, sponsored by Government, and utilising Muslim lawyers and public men with the objective of convincing the general Muslim public that secularism and a common civil code is in their own interests, and in no way anti-religious in the true sense of the term. Muslims have to be convinced that secularism means anti-communalism not anti-religion. Only other Muslims are likely to do this.

In the economic field, the Muslims are of course, far too numerous, different and dispersed to be really considered a community in the sense that are Christians, Parsees or Sikhs. They have also their wealthy, middle-class and poor in the same way, if not in the same proportions, as other Indians. But taking them as a whole, their position in society and their standard of living are far too low for them to play any significant role on the Indian stage. To rectify this is far too big a task for themselves, and it is for them to take advantage of the opportunities offered in the rapidly developing India of today. But, in terms of secularism, however socialistic we may imagine ourselves to be, it is a fact of life that economic disparity creates a greater gulf between man and man than social origin. And when one is superimposed upon the other the gulf becomes an abyss. To cross this gulf necessitates a very friendly and helping hand from all those in a position to give it. Few may actually deny this hand, but still fewer think of spontaneously offering it.

How much the helping hand is necessary can easily be judged by glancing down any list of Government servants,

psychological changes, and social, economic and educational efforts by the Muslims. For instance, it was the Muslims who, in the 'fifties, prevented Parliament from passing a civil code applicable to all citizens instead of the Hindu Code Bill. The Muslims obviously cannot have it both ways. They cannot behave as a minority themselves, and then expect the Hindus not to behave as a majority. Surely, it is to their advantage to end the majority-minority mentality; certainly not to perpetuate it. Secularism is meaningless without a common civil code.

The most superficial examination reveals that if the Muslims are backward, and considering them as a whole they are, it is more due to their own failings than to the majority not being as secular as it might be. If therefore the Muslims are to march in the Indian ranks, and not lag behind, they will have to be shaken out of their present fears, lethargy, complexes and medieval thinking. But this can only be done by leaders to whom they will listen, and it must be faced that very few non-Muslims have troubled to gain their confidence. A paradox now occurs. If the onus of putting their house in order rests largely on the Muslims themselves, then any action to achieve that purpose will superficially appear to be "communal".

Perhaps I should give some examples to make my meaning clear. In the social sphere, the need for a Government-inspired Muslim social movement rose when Parliament passed the Hindu Code Bill instead of, as originally intended, a Civil Code Bill governing the personal laws of all Indians of all religions. The Government were of course perfectly correct in not ramming through such comprehensive legislation in the face of Muslim opposition. But they were equally wrong in not doing anything afterwards except declaring that they would wait till the Muslims themselves agreed to such a code. The question arises: who will make them agree? Muslim organisations hardly exist for fear of being labelled "communal", and, in present circumstances, no Muslim

and Muslims firmly stood the Cow. To the Hindus an object of worship—to the Muslims a favourite dish. Thousands were slaughtered daily by Muslim butchers and tens of thousands on Eid days. Cow-slaughter, in fact, played such a disproportionate part in the proceedings of pre-Independence Congress sessions that it assumed an importance next only to the demand for independence. If in spite of all our talk of secularism, and when it is by no stretch of imagination a live issue, disgraceful anti-cow-slaughter demonstrations can take place in New Delhi, as took place on November 7, 1966, the strength of feelings on this subject in the old days can be imagined.

Acquaintanceships may have been many, but friendships few. Through the long centuries, in the closest proximity, no inter-marriages ever took place. No Hindu boy met Muslim girl, or *vice-versa*. A bold glance could lead to bloodshed.

The Muslims, belonging to a catholic religion, of which Hinduism was the exact opposite, and, consequently, more gregarious and cosmopolitan, resented these inhibitions and taboos. But their reactions were not only subjective; they had plenty of positive prejudices of their own. Iconoclasm had always been one of the first acts of Muslim conquering armies, and contempt for the idol-worshipper was always in their subconscious. The word "kaffir" came out readily in moments of heat. They were, more often than not, in the clutches of Hindu money-lenders, and "bania" was too often and too easily applied to Hindus as a whole.

Individually, each nursed his grudges and prejudices; collectively, they assembled apart. The Hindus in the village temples, the Muslims in their mosques. They indeed were side-by-side; but so are the rails of a railway.

Even simple dress played its sinister role. I perhaps cannot do better than quote from a speech I delivered and which was later reproduced in the December 1943 issue of *The Indian Journal of Social Work*. It attracted a gratifying amount of attention and my deliberately provocative words raised the

controversy I had hoped they would and made people think, which was the main object of the exercise:

"Another superficial question about which I hold strong views is the question of dress. I can see no reason why people who need not do it, cling to denominational dress. Let me tell you that I feel much more comfortable talking to a Hindu in trousers than in a dhoti or to a bareheaded Muslim to one wearing a fez. Just think what happens in our minds as we go down any main street. We see two Parsee ladies standing before a shop window; a Borah is standing at the door of his shop; three Hindu clerks are walking along, and so on. As long as this mental census goes on, we cannot help but think on communal lines and communal thinking is the father of communal disharmony. Have you ever seen a photo of the Congress Cabinet? Because they are dressed differently, the two figures that stand out are Dr. Gilder and Mr. Nurie. All this is very unhealthy. Long before we can have a common identity or ideology, we must, at least, have some degree of common appearance and if you ask me to make a list of single factors that will contribute to national union, very high in the list will be a pair of trousers."

The effect of the imposition of separate electorates on such a background is well known and needs no repetition. I might add, however, that nothing contributed to the success of the Muslim League and the establishment of Pakistan more than the fact that, generally speaking, to the politically-minded Hindus and Muslims "nationalism" meant two quite different things. To the Hindus it meant the desire for freedom from British rule, not at all necessarily with any changes in the existing social structure, however petrified it might be. To the Muslims, nationalism meant what is now, too late, understood as secularism. The Hindus formed the overwhelming majority and what the majority thought and desired they

stances it would be strange if the colours did not often clash.

The U.S.S.R. is sometimes cited as a country which permits considerable latitude to its ethnic minorities. But just below the surface of the apparently different identities is an extremely close-knit political and administrative system. Is this the case with India ? Even Ministers in the Union Cabinet sometimes cannot support policies which are opposed to their home state's interests. Being elected from their own states, if they did not act to some extent as state representatives they would endanger their re-election.[1]

It therefore seems that while India is too large for a unitary form of government, at the same time, with our basic ethnic and cultural differences, we cannot afford too great decentralization. It follows that till some political and administrative solution is found a truly composite and secular culture is necessary to act as a centripetal force. To develop this will require much sacrifice, profound re-thinking, and the jettisoning of many ingrained habits, beliefs and inhibitions. But one cannot make an omelette without breaking eggs.

So when we talk glibly of secularism we must be clear as to what it implies, and be prepared to act accordingly. We often speak of positive neutrality as opposed to negative neutrality, between which there is considerable difference. Secularism also can be positive and negative. Negative secularism being what prevails today with each variety of Indian safe in his own different little slot, whereas positive secularism on the other hand implies decommunalising and deprovincialising ourselves. This, even though there will undoubtedly have to be some intermediate stages is, I believe, the secularism towards which we should systematically work and which is quite possible without in any way interfering with religious beliefs.

Moreover, in the Indian context, secularism should not be

[1]This was brought out dramatically in the General Election of 1967. Largely as the result of the Government of India's Hindi policy, not a single Central Minister was re-elected from Madras.

circumstances "Diversity" is surely far the stronger sentiment.[1]

In such a state of affairs appeals are often made to Muslims to integrate themselves into the national stream. But where is the national stream ? In Bombay the Muslims are expected to become Maharashtrians, in Ahmedabad Gujaratis, in Madras Tamilians, and so on. Muslims belong to a religion, and one might say a culture, both of which are inclusive, cosmopolitan, and international. To such an extent, in fact, that they are often accused of finding it difficult to think in terms of nationality. While this is not entirely true, they may perhaps be forgiven if they find it even more difficult to think and act provincially. The biggest minority in India seems to be Indians.

"Hindu-Muslim Unity" and "Unity in Diversity" should therefore give place to "National Integration", intellectually, and what really matters, emotionally. Though I realise that many very eminent people hold strong views to the contrary, trying to rationalise our large-scale tribal difference by slogans such as the former two is surely out of date in the fast shrinking India and the world of today.

There are, it is true, great and obvious advantages in having varied characteristics and cultures. It would certainly be perfect if India could be, as a distinguished Indian recently wrote "...like a bouquet of flowers of different colours, shapes and shades. This bouquet is more beautiful than any one of a single type of flowers, no matter how attractive these may be". Agreed. But who is going to collect the bouquet, and from where ? This inspiring concept presupposes one gardener who can not only gather the flowers according to his choice, but, what is more important, decide the colour, shape and shade of those in each flower-bed. But each of our flower-beds has its own gardener who is more interested in his own flower-bed than in the garden as a whole. In such circum-

[1]This Chapter was already in print when the General Election of February 1967 took place. The influence of caste, creed and community on the pattern of voting vividly brought out the extent our diversity exceeds any theoretic unity.

later became the University. To term this event, however, as it often is, as a "command performance" would not be fair. The British motives were, as will be seen later, certainly mixed; but the address was drafted by Syed Hussein Bilgrami, later Nawab Imad-ul-Mulk, who was my father's immediate predecessor in the India Council and who was far too eminent a personality to act on anybody's behest. The fact was that separate electorates suited both Muslim and British interests.

One of the tragedies of the British was that however much the Muslims might have genuinely needed help, they could not give it without being accused of "divide and rule". The tragedy of the Muslims was that however much they might have genuinely needed help, they could not ask for it without being accused of being communal, loyalist and reactionary.

We have to thank Lady Minto herself for accusing the British of mixed motives. In her book, *India, Minto and Morley—1905-1910*, she quotes:

> "I must send Your Excellency a line to say that a very, very big thing has happened today. A work of statesmanship that will affect India and Indian history for many a long year. It is nothing less than the pulling back of sixty-two millions of people from joining the ranks of the seditious opposition."

It is perfectly true that the exclusiveness inherent in the Hindu caste-system dug a wide gulf between Hindus and Muslims. If, therefore, the British were really actuated by doing what was best for India, they would surely have attempted to narrow this gulf, and certainly not to stratify it by giving it legislative sanction. But it is sheer escapism to blame the British for Pakistan. The faults that led to it lie squarely on Indian shoulders.

I have always considered as positively insulting the theory that the British partitioned India as the climax of their policy of "divide and rule". This implies that our leaders, such as

Mahatma Gandhi, Jawaharlal Nehru, Vallabhbhai Patel, Rajagopalachari, Jinnah and Liaquat Ali Khan were no better than inanimate pieces of chess which the British cunningly moved about until one fine day they woke up to find the game over and Pakistan in being. The Indian leaders were probably more shrewd than their British counterparts and every move of the latter was not only perfectly understood but, where necessary, such as the introduction of separate electorates, could have been counteracted. It was because we were not big enough to agree on joint electorates that Pakistan exists.

It was not so much that the British divided and ruled as that we were divided, and they ruled. In fairness to them it must be said that they never visualised Pakistan, nor were all their actions on behalf of Muslims motivated by malice aforethought. Some, of course, certainly were, and this lends plausibility to a comforting theory which enables us to shift responsibility and feel less guilty.

So Pakistan was created like Eve, from the body of India. By no means inevitable it became so entirely due to our own failings and faults. In fact, as I have already said, things being as they were, it was perhaps for the best for both countries.

But the tragedy about Pakistan, at least from our point of view, is not its establishment, but its structure. In two halves with little in common between each half, and divided by India at its very widest, a common identity is only possible by creating a defensive psychosis. For Pakistan, therefore, anti-Indianism is a political necessity. If this is understood it will also be appreciated that the Kashmir problem is a symptom and not a disease. If it was solved to Pakistan's satisfaction some other problem would have to be invented. This also is understandable, but what is not is why Pakistan should have taken things to the stage of war. This has harmed her much more than India, and though for the reasons I have stated any close relationship between the two countries was extremely remote, the bitterness created by the war has snapped even the

were left very much like a country after a long war which leaves the population denuded of the flower of its manhood. The vast majority of political leaders, army officers, administrators, doctors, engineers, and other professional men migrated to Pakistan to fill the vacuum that was created there. But they left an equally great vacuum behind which will take years to fill. It is the habit of Pakistani leaders to cite the paucity of prominent Muslims in India as proof of an anti-Muslim policy. They overlook the fact that most of India's senior Muslims migrated to Pakistan and, with the best will in the world, the Government of India cannot manufacture senior Muslims. But this does not mean that more could not have been done than has been done.

The good effect of Pakistan is that with the disappearance of the Muslim League, the Muslims have ceased to be the "problem" community, and considered a disruptive force. Moreover, separate electorates no longer stimulate communalism in both communities, and secularism is gradually taking root.

But, amongst Muslims, the hang-over from the past has not yet dissipated and considerable frustration, by no means without cause, still exists. Even the pale shadow of the Muslim League makes its ghostly appearance now and then. The growing strength of the Jan Sangh also increases their fears. It is one of their tragedies that whenever serious lapses in secularism take place, Muslims cannot object without being considered "communal". Caste, however, is illegal and the humiliating Hindu inhibitions and taboos grow less and less. Cooperative societies have replaced the "bania" and widespread education and greater understanding have revealed to the Muslim "Ishwar" behind the idol's form.

In spite of the circumstances in which Pakistan seceded from India one would have thought that the fifty million Muslims in India would have been a bond between the two countries. But, on the contrary, Pakistan has proved their greatest enemy. Even when she expresses her deep concern

few bonds that existed. But the point is if Pakistan has been one unit there is no reason why the two countries should not have been the good neighbours they should be.

It may now be asked: what of the Muslims who remained in India after Pakistan was established? Were they not left high and dry and at the mercy of an even greater Hindu majority? In actual fact approximately fifty million Muslims were left by the founders of Pakistan who, after inciting them to a pitch of frenzy, migrated and left their followers in India to fend for themselves. It speaks volumes for the tolerance and faith of the leaders of the Congress that, without hesitation or bitterness, they took every step to afford equal rights and opportunities for the Muslims left in India who were so intimately connected by blood, marriage and, more often than not, by past political associations and collaboration with those who had insisted on a partition of the country, and had, after migration, become the most vociferous critics, and, as the Indo-Pakistan conflict showed, the enemies of the new India.

The Hindus can indeed be forgiven if they thought that the Muslims had it both ways. In Pakistan they did not allow any non-Muslim to secure any place of honour or responsibility, but in India they claimed their share in the name of secularism and democracy. It required immense courage and greatness of mind for Hindus to convince other Hindus that a Hindu State in India was a bad thing, whereas a Muslim State, which the Congress had accepted, was good.

One of the greatest achievements of Jawaharlalji, the Government of India, and the Congress was that they withstood all the pressures which were exerted on them by powerful elements in the Hindu population—including millions of refugees who were ejected from Pakistan—for the creation of a Hindu State as a rival and effective counterpoise to the theocratic State of Pakistan.

The effect of Pakistan on Muslim Indians was both good and bad. The bad effect, apart from the tensions which were created in India by the act of partition, was that the Muslims

over their treatment she does so as a stick to beat the Hindus and not because she is at all concerned about their welfare. If Pakistan was really so she would appreciate that Muslim Indians are the greatest beneficiaries of secularism and would do everything in her power to help it to take root.

Pakistan's policies render her alleged concern over the plight of the Muslims of Kashmir completely hypocritical. As she asserts so loudly and so often she is determined to "liberate" the Muslims of Kashmir from the "dominance" of "Hindu" India. But for three million Muslims in Kashmir she is prepared to endanger the future of fifty million Muslims in India. One cannot believe that she does not fully realise that a plebiscite in Kashmir may well re-arouse some of the passions of 1947

Moreover, quite apart from the feelings aroused by the recent conflict, the history of Pakistan and the memory of the horrors that followed are too recent for the average Hindu to be sufficiently objective to be anti-Pakistani without being, if only subconsciously, to a certain extent, anti-Muslim. Even if he does not associate Muslim Indians with Pakistan, he certainly associates Hindu Pakistanis with India. It follows, as communal riots have shown, that whatever happens to the Hindu Pakistanis often rebounds on the heads of Muslim Indians. It is the "hostage" theory in reverse. For the sake of the Muslims of India, if for no other reason, Pakistan should take the best care of its minority. But she does exactly the opposite and in fact everything to fan into flame latent Hindu communalism.

Why then does this self-professed Islamic country follow such an anti-Muslim course? It can only be, as has been mentioned earlier, that anti-Indianism is about the only force that keeps the two wings of Pakistan together. And this sentiment could not be kept at fever heat if India was secular. Nor could Islam be in "danger" unless India was branded as militantly Hindu and anti-Muslim. In this policy India's fifty million Muslims are clearly expendable.

SECULARISM

I HAVE talked a lot about communalism and so now, even if I go ahead of my story, let me say something about its opposite—secularism. All that we have gone through, and may still go through, will have been in vain if we have not grasped the lessons taught by Pakistan's creation, the miseries that ensued, and the bitterness that at present exists. This lesson, I believe, is that heterogeneity to the extent it exists in India is a luxury we cannot afford. Few, I think, will contest that we have far too many centrifugal and fissiparous tendencies to be healthy or safe. I, therefore, no longer believe in Hindu-Muslim Unity, or Unity in Diversity, since these concepts assume the permanent stratification of India's various communities and races, with all their basic differences: religious, geographical or ethnic. Moreover, they imply continuous co-existence on the national plane, and co-existence, however peaceful or happy, is a compromise—not a solution.

In regard to Hindu-Muslim Unity, I do not think anyone seriously expects unity between Hinduism and Islam. What is desired is a sense of oneness between Indians of the Hindu faith and Indians of the Muslim faith. If, therefore, we can learn to think of ourselves as Indians, irrespective of what religion we follow, the question of Hindu-Muslim Unity does not arise. Conceived with the best of intentions and representing the political thinking of that period this slogan contributed greatly to the two-nation theory.

Superficially, "Unity in Diversity" sounds reasonable enough, and one might think that the "Unity" counters the "Diversity" and a balance is thereby attained. But is it? The "Unity" is constitutional and intellectual, whereas the "Diversity" is emotional, linguistic and ethnic. In such

or less. Who can say that once they had gained confidence, the Muslims could not have been persuaded to drop even this point ?

Even then all was not lost. After the Muslim League had won the overwhelming majority of the Muslim seats, it seemed to the Muslim leaders that a National Government could only be a Government that represented Hindus and Muslims and that this happy state of affairs would be brought about by Congress-League Coalition Governments. But glorying in newly-found and long-deferred power, and their desire not to share such power rationalised by the British system of government by the majority party, the Congress repeatedly and resolutely rejected such approaches. Who can say for certain that joint responsibility would not have brought about a joint identity ?

It is easy to be wise after the event, but it seems to one that two or three Muslim seats, and the dropping of a purely British parliamentary practiee, would have been a small price to pay for gaining the confidence of the Muslims by associating them with the national effort.

The British would indeed have been a nation of saints incarnate if they had not exploited the situation for their own ends. Arguing once with a Briton he retorted heatedly that it hardly lay in the mouth of a Muslim to criticise separate electorates since it was only that system that had saved the Muslims from being completely swamped by the Hindu mass. There is much force in such an assertion. It is true that separate electorates were introduced by Lord Minto at the request of a delegation of Muslim leaders led by the late Aga Khan. It is also true that, shocked by the force of the anti-partition movement in Bengal, they felt the need for safeguards which separate electorates were designed to be. But anyone who has studied the communal problem knows that the delegation which assembled in Aligarh had its address to the Viceroy approved by a member of the personal staff of Lord Minto, and bv Mr. Beck, the Principal of the Muslim College which

considered as democratic. But the Muslims thought that democracy, in the context of the multi-racial and multi-religious social structure of India, should represent the views of the majority of Hindus and non-Hindus and not only of one community, however large. Indian democracy, in their opinion, should represent the views of the cross-section; not of the largest section.

Through such thinking it came about that the most militant Hindu, provided he was anti-British, was considered a nationalist. But the most freedom-loving Muslim, if he dared to suggest that a heterogeneous country's heterogeneity should be taken into political account, was branded a communalist. In fact, what was Hindu was considered Indian but what was Muslim was Muslim. The result of such difference in thinking was that thousands of perfectly patriotic Muslims were driven to despair, to the Muslim League, and eventually to Pakistan.

I have already referred to separate electorates creating the political-Muslim and the political-Hindu. Though in theory there was no reason why a secular political party could not put up candidates for both the Muslim and general seats, practical politics made it inevitable, and to a great extent logical, that there should be a Muslim political party to contest the Muslim seats. Moreover, the Congress at that period may certainly have been nationalist and patriotic, but it was far from secular. Muslim electorates thus brought into being the Muslim League and it can be too easily assumed that this led inevitably to Pakistan. This, however, is not so. The Muslim leaders of that period, mostly moderates, did not think so far or so extremely. Moreover, the more far-sighted of them, amongst whom Mr. Jinnah was prominent, realised that this system condemned the Muslims to a permanent minority status and thus favoured the strong more than the weak. On at least two occasions, therefore, they were prepared to accept joint electorates, but not having confidence in Hindu secularity, asked for the reservation of seats for Muslims. Such promising negotiations broke down over two or three Muslim seats more

considered only as a matter of religious beliefs or attitudes It should apply even more to our ethnic and provincial identities. It is not enough to be secular religiously; we must be secular nationally.

The fact is that too many of us separate ourselves from our fellow-Indians by out-of-date habits and customs. Positive secularism is fundamentally and essentially a matter of individual emotions, and minds and hearts have to be thrown open on a person-to-person basis. The importance of the person-to-person approach and attitude cannot be over-emphasised. Prejudiced words and acts by unthinking individuals sometimes have remarkably far-reaching and cumulative effects. If everyone of us determined that, within our own sphere, we would think and act Indian, communalism, casteism and provincialism would disappear overnight. In the dark days of the Hitler War the British maintained their morale by slogans such as "It all depends on me". In India one is often led to think that it all depends on someone else.

Much has been said of the secularism manifested during the recent attack by Pakistan, and extravagant statements such as a New India being born are being made. All of us should certainly be proud of the spirit that was generated. Muslims in particular should be gratified, even though constant references to them having "proved" their loyalty proved also the basic suspicion that exists. Moreover, in North India at least, the harassment so many experienced, and the ridiculous rumours about them, spread so widely and believed so readily, did not exactly increase their confidence in the fraternal and secular feelings of their fellow-Indians. But, apart of course from those who actually took part in the war effort, the spirit manifested was surely little more than negative secularism in that due to great vigilance by the authorities, and admirable self-restraint by all elements, the expected communal rioting did not take place. The questions now are: will we advance from negative to positive secularism and the formation of an Indian identity? ; or will we revert to

the *status quo ante bellum*?

Let me not minimise the secularism that was shown. We certainly proved that we can rise to occasions and form a common front. But I would suggest that to act secularly for a short, emotionally-charged period is one thing; to be secular in thought and deed in normal conditions is another. Time alone will show the depth or the superficiality of the secularism manifested. If it proves as deep as we all hope, the conflict will have been a blessing in disguise. But I am frankly cynical about Pakistan-made secularism. It has to be of Indian manufacture.

We therefore cannot by any means take things for granted and much remains to be done by both Government and the people. Government, in fact, can certainly be accused of the sin of omission. By framing a secular constitution it did the right and proper thing that India's circumstances required. But then it sat back and looked on, satisfied and complacent. It ignored that legal provisions by themselves can no more bring about secularism throughout India than prohibition in Bombay. It also ignored that the psychology of a country does not change by itself but has to be changed by carefully thought-out and energetically carried out direction. Such was the case in practically all newly-emerged countries. Pre-communist China had its "New Life Movement", Egypt and other countries "Ministries of National Guidance". It may be true that such movements were used more to serve political purposes than to bring about national evolution. But at least they appreciated that they should do something. But all we did, till the Indo-Pakistani conflict at least, was to insert some high sounding phrases in a bulky Constitution and to leave it more or less at that. In actuality, the Constitution is certainly secular; the Government of India is by and large secular; but, the war notwithstanding, to say India as a whole is secular is gross wishful thinking.

Secularism therefore requires great psychological changes in the thinking and actions of the majority; and even greater

Partition cut the Gordian knot, and in spite of subsequent history has enabled the two countries to forge ahead according to their respective abilities and resources. The migration of the Muslim League has enabled a national government to be formed. Planning on an all-India basis, which is the only basis for national planning, would never have been possible if there had been Muslim League governments in certain states, suspicious and non-cooperative. Hindi could never have been adopted as the national language as long as the Muslim League was there to advocate Urdu. Even the Hindu Mahasabha, the Jan Sangh and the R.S.S. should be grateful to Mr. Jinnah since only after Pakistan does their dream of Hindu revivalism become possible. What has happened therefore is, I firmly believe, best for both countries. (Only the Muslim Indians have, to some extent, fallen between the two stools.)

The disputes and discussions, however, were mainly among the educated and urban leaders. What of the masses? Did they want Pakistan? India is a country primarily of villages and Hindu and Muslim villagers have lived side by side for centuries. Surely over this long period of time bonds had developed between them sufficiently strong to withstand the incitement and agitation of ambitious politicians?

Alas, no; the bonds between the two communities were of a thinness to be almost non-existent. To understand this we have to examine the Hindu and Muslim ways of life and thought. I may say at once that I speak generally; there were, of course, many exceptions, but they prove no more than that they were exceptions. Moreover, I speak of those days, many years ago now, when there were ripening and festering the sores that ejected the poison of communalism after separate electorates were introduced.

The Hindus, by and large, were prisoners of the caste system. This completely separated them socially from the Muslims from whose hands millions of Hindus could not take even a glass of water, let alone share a meal. Moreover, between Hindus

The Hindus were primarily responsible due to the exclusiveness inherent in their social system ; an exclusiveness which placed the Muslim "beyond the pale". In the final analysis, a minority dances to the tune played by the majority. If the majority is secular, so is the minority. If the majority is communal, the minority has to be so in self-defence.

The Muslims could neither forget that they had once ruled India nor forgive the Hindus for outstripping them in all walks of life. Though 95 per cent of them were converts from Hindu stock, they considered themselves as the direct heirs of the glory of the Moghuls and never ceased to bewail and resent their fall from royal estate. As a direct result of this attitude, they sulked in their tents from the fall of the Moghul Empire till Sir Syed Ahmed awoke them by founding Aligarh in 1875. In the meantime, the Hindus, who had no such inhibitions, had got a lead which the Muslims could never catch up. To this, which was entirely their own fault, the Muslims could never reconcile themselves. No Hindu in their eyes was ever more intelligent or more capable than themselves ; he was only more "cunning" or "wily". No Hindu was ever better in business than any Muslim ; it was only his "bania mentality". They thus worked up their frustrations into resentment bordering on hatred.

The British, from the time of Lord Minto, exploited these inherent divisions, and Pakistan, even if unforeseen, was separate electorates in their ultimate form.

Hindus ploughed the ground ; Minto sowed the seed ; Jinnah reaped.

As if the attitudes of the three principal parties were not harmful enough, Hindu and Muslim prejudices fed upon each other progressively. The more the Muslim resented and feared the Hindu, the more he leant on the British ; the more he leant on the British, the more the Hindu resented the Muslim. Like a Greek tragedy the play grew steadily worse till it reached the stage when partition was the least bad alternative before the country.

From the above it seems clear that the Congress claim to represent both communities was more wishful thinking than real. It, therefore, seems probable that the situation that existed before Pakistan was established would have indefinitely continued. In fact, it would have become worse, for separate electorates steadily widened the gulf between the two communities. The League, by its very composition, was communal. And the Congress, despite all its ideals and pretensions, would inevitably have had to become so too. The communalism of the League could not but provoke counter-communalism in the Hindus, and the Congress was having to face the Hindu Mahasabha more and more in fighting the general seats. Since the electorate was universally backward and caste-ridden, the Congress would indeed have had little political sense if it had not put up candidates most likely to win the confidence of the electors. It would have thus been forced to move more and more to the Hindu right since a Hindu communalist elected on the Congress ticket does not automatically become secular. The gulf, therefore, would, in all probability, have grown wider and wider, with the Congress in power and the Muslim League in perpetual and bitter opposition in Hindu-majority provinces, and the opposite case in those with a Muslim majority. Such a situation could well have disintegrated into chaos, anarchy and even civil war, and all the dire predictions of the Churchillian group of British Die-hards would have been justified.

It may well be asked: how did things come to such a sorry pass? Hindus, Muslims and British must all share the blame. Pakistan was by no means a "one-man" achievement and Mr. Jinnah can no more be said to have established Pakistan single-handed than Mr. Churchill can be said to have won the War. Neither would Pakistan have been established, nor the War won, if both had not the undisputed confidence of their supporters. Moreover, instead of any "one-man" show, there was, in fact, a regular symposium in creating the conditions that brought Pakistan into being.

That it need not have done so I have already brought out and may be permitted to repeat: Joint electorates might well have brought into being a truly national and secular party, but the Hindu leaders of the day could not see their way to accept the Muslim terms. Even then, at one stage, coalition governments might quite possibly have succeeded, by common endeavour, in creating an identity of purpose which could have led to a measure of integration. But the Congress had firmly rejected this proposal too and there are no grounds to suppose that they would have changed their attitude. There is also no reason to believe that the Congress would ever have been able to prove their contention that it was a party representative of all communities by winning any substantial Muslim support. The Congress-sponsored Muslim mass contact movement completely failed, and the measure of its failure was vividly shown by the results of the general elections of 1945 and 1946.

In the elections to the Central Legislative Assembly in 1945, the Muslim League won every Muslim seat, the Nationalist Muslims forfeiting their deposits in many instances. In the elections to the Provincial Legislatures, the Muslim League's record was as follows:

Assam	Almost all the Muslim seats
Sind	28 seats, Nationalist Muslims and other groups, 4
NWFP	Muslim League 17 Congress 19
Punjab	75 out of 86 Muslim seats, with 4 Independent Muslims joining the League after the elections
Bihar	34 out of 40 Muslim seats
United Provinces	54 out of 66 Muslim seats
Bombay	All 30 Muslim seats
Madras	All 29 Muslim seats
Central Provinces	13 out of 14 Muslim seats
Orissa	All 4 Muslim seats
Bengal	113 out of 119 Muslim seats

PAKISTAN

As a Muslim Indian with three brothers in Pakistan, who has worked with Mr. Jinnah, and has served the Indian Government, I may be expected to have something to say about the establishment of Pakistan. Many have told, and will tell, a different story. But this is my version.

I read some time ago that well-written book, *The Last Days of the British Raj*, by Leonard Moseley, which gives the impression that the establishment of Pakistan was a fundamental mistake; that it was bulldozed through by Lord Mountbatten with supreme skill; that it was a "one-man" achievement by Mr. Jinnah who died within one year afterwards; and that if partition had only been delayed till then the whole concept of Pakistan would have died soon after him.

I might have shared these views once, for, as I have related in the previous chapter, though I was at that time working closely with Mr. Jinnah I was so fundamentally opposed to the concept of Pakistan that I resigned from the Muslim League the very day the Pakistan Resolution was passed. I was certainly at the time greatly disappointed at finding that Indian nationalism was practically synonymous with Hindu patriotism, but the basic agnostic in me recoiled from the concept of a religious State. Furthermore, I thought it more as an escape than a solution, and, finally, I did not think it would work.

But later experience and reflection has changed my mind. The point is: if the partition had not taken place, would Hindus and Muslims have lived and worked together sufficiently closely to enable India to progress? Not, I think, as long as separate electorates continued to produce two irreconcilable parties, and this sorry state of affairs, as far as one can judge, would probably have continued indefinitely.

ous with a communal majority, formed purely Congress Governments in the provinces, that he turned to Pakistan.

Coalitions, of course, were not enough, and could only have been regarded as the beginning, not the end. But one cannot help feeling that in order to secure Muslim support through coalition governments, the dropping of political theories such as majority-party governments, would have been a small price to pay. It is true that the Interim Government of 1947, which was a coalition, entirely failed. But it was formed after Pakistan had become the creed of the Muslim League. There is no reason why they should not have succeeded when the Muslim League believed in an undivided India.

But irrespective of whatever has happened his presence in an undivided India might well have raised more problems than it solved. Born in the Khoja community, he refused to follow its spiritual head, the Aga Khan; sprung from humble circumstances, with no one of influence to help him, he rose, in the face of the fiercest competition, to the top of the Bombay Bar; a radical young Muslim, he opposed, almost single-handed, the old conservative and loyalist Muslim leaders; dissatisfied and disagreeing with certain aspects of its policies, he resigned from the Congress; elected to the Legislative Assembly, he was always a prominent Leader of the Opposition. Incapable of playing second fiddle to anyone, he could only have been content as leader of his own party and master of his own house. Pakistan alone provided all that his character demanded. If Mr. Jinnah was necessary for the fulfilment of Pakistan, Pakistan was necessary for the fulfilment of Mr. Jinnah.

ment to the Muslims left in India.

By advancing this argument Mr. Jinnah displayed a cynicism that cannot be too strongly condemned. He was far too intelligent not to have realised that his followers in Pakistan, whom he himself had worked up to a state that they refused even to live in India with Hindus, would not have tolerated Hindus in their midst. And if the Congress and the Hindus were even a fraction as anti-Muslim as he himself had made out, they would hardly become less so after seeing their country divided into two. In the result the Hindu minority in Pakistan is either being driven out or converted. In India many more communal riots have taken place and far more Muslims killed than is generally known. There is no means of knowing how many Hindus or Muslims were taken in by the "hostage" theory. But whoever were must be regretting their gullibility.

But such cynicism strengthens rather than weakens my belief that Mr. Jinnah was and remained an agnostic to the end of his life. Separate electorates were introduced for political reasons; a product of these, he was a political-Muslim; the Muslim community became for him an electoral body; the Muslim "nation", his political following; the battle he fought was political—between the Muslim League and the Congress; and Pakistan was his political demand for the only area over which he and the Muslim League could rule. Religion in all this was incidental.

Pakistan, in fact, never came into his thinking till about 1939. I think he was perfectly sincere round about 1934 when he described Hindus and Muslims to me as two arms of the Indian body. When the Congress formed provincial governments in 1936, he expected them to form Congress-League coalitions, which was his concept of Hindu-Muslim unity. It was only when the Congress, wedded to political theories perfectly applicable to Britain, such as majority-party government, and not recognising that in the context of Indian conditions a numerical majority could be synonym-

secular than his address to the Pakistan Constituent Assembly on August 15th, 1947.

> "Every one of you," he declared, "no matter to what community you belong, no matter what your colour, caste or creed is, is first, second and last a citizen of this State, with equal rights, privileges and obligations. . . . While you may belong to one religion or caste or creed, that has nothing to do with the business of the State. We start with the fundamental principle that we are equal citizens of the State. We should keep that in front of us as our ideal. In course of time, Hindus will cease to be Hindus and Muslims will cease to be Muslims; not in the religious sense, because that is the personal faith of each individual, but in the political sense as citizens of the nation."

His sternest critic will concede that this was hardly the inaugural speech of a theological state. One may be permitted to wonder what the relations between the two countries would have been if Kashmir had not risen as a barrier between them. In any case, responsibility for the later situation which led up to actual armed conflict cannot be laid at his door. Whatever he was, he was never a bigot in the religious sense.

But what he did become towards the end was ruthless and cynical. Even if he may have genuinely wished the Hindus in the Muslim-majority provinces to have stayed on in Pakistan, the politician in him did not advance the well-known "hostage" theory purely for their sake. Apart from himself and a mere handful of the more extreme Muslim Leaguers, the Muslims as a whole had never considered Pakistan as more than a bargaining point. When, therefore, they realised that it was actually going to come about, the Muslims in the Hindu-majority provinces were aghast. It was to placate them, and also to ensure their political support, that Mr. Jinnah assured them that the existence of a contented Hindu minority in Pakistan would ensure fair treat-

sidered himself the political leader of the Muslim community, while he thought in terms of undivided India, and of the Muslim nation, when he thought in terms of Pakistan. Islam, as such, came very little into his thinking, and if asked how mere belief in a common faith by people of different ethnic stock could make a nation, he used to reply that America had proved that nationalism was purely subjective. If the Muslims thought themselves a nation, they were a nation, and that was all there was to it.

His opposition was not so much against Hinduism or Hindus as against the Congress which he considered as the political rival of the Muslim League, which, in its turn, he considered as an extension of himself. He, of course, made much out of Hindu-Muslim riots to prove the incapacity of Congress Governments to protect Muslims ; and also expressed fear of Hindu Raj to frighten Muslims into joining the League, but during innumerable conversations with him I can rarely recall him attacking Hindus or Hinduism, as such. His opposition, which later developed into almost hatred, was concentrated against Congress leadership, and if he used to rail against Gandhiji, Jawaharlalji, etc. it was more as Congressmen than as Hindus. He had innumerable Hindu friends.

It must be admitted that at that period the Congress had some regrettable characteristics. Most non-Congressmen, Muslim or non-Muslim, will probably agree that members of the Congress had developed an arrogance which was unfortunate. In fact, the "holier-than-thou" group, which followed Gandhiji, was far less irritating than the "more-patriotic-than-thou" group which gathered round Jawaharlalji, Vallabhbhai Patel, Subhas Chandra Bose, etc.

It would seem that once free from his hated Congress Mr. Jinnah allowed his basic secularism to rise again to the surface. Even the intensely communal birth pangs of Partition do not seem to have killed Mr. Jinnah's basic secularism. It is true, as will be explained later, that his motives were probably mixed, but nothing could be more exemplarily

Rebuffed by the nationalists, among whom was his proper place, opposed to, and by, the Muslim moderates and reactionaries, with whom he had nothing in common, and too fiercely independent to work with the British, he was thrown back on himself. Thus developed the well-known "ego" to which many of his later actions were attributable.

The worst evil of separate electorates was that they created the political-Hindu and the political-Muslim, who were far from synonymous with the religious-Hindu and the religious-Muslim. They divided politics into parliamentary politics, followed by Pandit Motilal Nehru, C. R. Das, Pandit Madan Mohan Malaviya, Mr. Jinnah, etc. and into party politics, such as followed by Jawaharlalji, Sardar Vallabhbhai Patel, Maulana Abul Kalam Azad, and others whose activities were confined to the Congress Party. The Congress, as a party, may have been open to all communities, but, in the parliamentary sphere, election to any legislative body could only be as a Muslim or as a Hindu. Not a Hindu could vote for the most non-communal Muslim, and the most secular Hindus, such as Motilalji, were elected without a single Muslim vote in their favour. Even Congress Muslims had to seek election from purely Muslim constituencies and had to shape their election propaganda accordingly. The same applied to Congress Hindus.

Mr. Jinnah was interested purely in parliamentary politics, and the Muslim League was, in his mind, no more than the instrument for capturing parliamentary power. He may, therefore, have been the virtual creator of the Muslim League, and the founder of Pakistan, but he could be both while still remaining an agnostic. His approach and frame of mind was purely cynical and political, and he used to scoff at those who brought religion into politics. He certainly brought Muslims into politics—but not Islam. Gandhiji, on the other hand, constantly brought Hinduism into politics, and his fast "to death" on the Harijan issue is a case in point.

Mr. Jinnah was a political-Muslim first and last. He con-

vising every detail and rejecting anything that was not of the very best quality.) He became—and one can use no other word—a snob, socially and politically. Socially, he became exclusive, liking to meet only those of his own social level and tastes in drawing-room and clubs. Politically, he became a committee-man, liking to meet only those of his own intellectual level and right-wing opinions round the conference table. He was the exact opposite of the demagogue, and no one could have been more dissimilar to Gandhiji and Jawaharlalji. They, in spite of their charismatic qualities, had to earn their leadership and win their following by speeches, writings and travels all over the country. Mr. Jinnah, on the other hand, sat comfortably in his drawing-room where the Muslim mass-leaders came searching to drag him out. Not knowing Urdu he even avoided public speaking. Socially, he had no time for the common man and, politically, he had no time for the ordinary political worker or minor politician. Yet his following ranged themselves behind him.

Religiously he was, whatever anyone in Pakistan may say, basically secular and agnostic. His most devoted biographer will be hard put to quote him preaching or even advocating religion. I can recall no speech or writing by him extolling the virtues of Islam. If he entered a mosque, and I cannot recall him doing so, it was through political expediency. If he had any dealings with Maulanas, and I cannot recall any, it was as vote-catchers. If he liked me, it was because I was, like him, modern, sophisticated and agnostic.

On more than one occasion he was prepared to accept joint electorates. But in order to make them acceptable to the more conservative Muslims he asked for reservation of seats. Though it was not explicitly stated, this concession might well have been considered as a half-way stage to completely open elections. But for the sake of a couple of seats here and there he was rebuffed. He was deeply hurt, felt let down and gradually became convinced that the Muslims could not expect a fair deal from the Congress.

the only language *banias* can understand?" And what of Mr. Jinnah himself? Much has been written about his "inflexibility of purpose", his "unswerving determination", etc. etc. But as late as the first week of July 1946 he was prepared to accept a Union Centre. It was only in the second week that he finally decided, for reasons that will be seen later, to accept nothing less than Pakistan.

Whatever the truth may be, I have never for a moment regretted my decision to resign. Some time after my resignation Tara and I ran into Mr. and Miss Jinnah He greeted Tara in his usual manner, but he cut me dead. I am sorry my association with him had to end this way. He was not a person of whom one could get in any way fond, but I had, and still have, a deep respect for his integrity. I would not have missed for anything my time with him.

After I resigned, I pondered a lot over how a man with Mr. Jinnah's record of free and independent thinking, religiously and politically, could have become the arch-communalist of them all. To understand this seeming paradox one has to examine the forces that shaped and moulded his personality which, after all, was an amalgam of his basic character, his tendencies, his upbringing and education, his experiences and his reactions to them, and other such factors.

Born in humble circumstances, Mr. Jinnah rose to the top of the legal profession in Bombay by sheer grit, hard work and ability. Professional success brought to him financial opulence and a standard of living and way of life which he adopted as easily as if it had been his birth-right. Having reached the top he now—and this is not to his credit—turned his back on his less fortunate fellows. Nothing but the best was now good enough for him; the best friends, the best clothes, the best hotels, the best clubs. (I was close to him when he was building his new palatial mansion on Malabar Hill and can testify to how he drove his architect and building contractors almost to desperation by personally super-

through this solidarity, to bring about communal peace on a permanent basis. I still believe in these two reasons and if I fall out from the Muslim ranks it is because the first reason is being used for the opposite of the second. I do not believe in solidarity for the purpose of permanent separation .... The issue is now clear before us Muslims. Do we believe in Hindu-Muslim unity or not? If we think it impossible our place is within the League. If we think it possible, our place is outside."

Did I resign from the League too precipitously? I have often asked myself that question. An English civilian, Penderel Moon, who was in the confidence of the Muslim leaders of Punjab, in his book, *Divide and Quit*, writes:

"Privately Jinnah told one or two people in Lahore that this Resolution was a 'tactical move'; and the fact that six years later he was ready to accept something less than absolute partition suggests that in 1940 he was not really irrevocably committed to it. In part, therefore, it may have been at this time a tactical move, designed to wring from Congress concessions which would make partnership more tolerable. Certainly the implications of the Resolution and even the composition of the proposed 'Independent States' and their inter-relations had not at this stage been fully thought out. Some of these matters were clarified later, but Jinnah was never keen to expound the exact nature of Pakistan, and right up till 1947 there was some doubt as to what he would accept as conforming sufficiently to his conceptions."

His conclusion that the Resolution may only have been passed for bargaining purposes conforms with what was said by League friends who returned from Lahore. "Why on earth have you taken the Resolution so seriously?" they chided me, "Don't you know that these Hindus are *banias*, and this is

observed the Direct Action Day. The result was "The Great Calcutta Killing" to which reference will be made later.

Mr. Jinnah left for Lahore about the middle of March. I saw him the day before he left and neither by word nor manner did he give the slightest hint that the Pakistan Resolution was going to be moved. But a few days later, late at night, Frank Moraes phoned. "Why did you not tell me", he asked "about the Pakistan Resolution?" "What Resolution?" I replied, surprised. He read it out to me. I was dumbfounded. But I saw my course clearly. I had joined the League to help as far as I could to bring about unity. But if no unity was possible through the League, I had no place in it. Frank who knew exactly what my ideals and objectives were, and guessing what I must be feeling, asked "what are you going to do now?" "Why, resign of course" I replied spontaneously. But, ever the journalist, Frank said quickly "I suppose you must. But issue a statement giving your reasons and we'll splash it." I got up early next morning and got down to work. As soon as I was satisfied with what I had written, I took it to Frank. He read it several times and thought it expressed my views and approach perfectly. It appeared in the *Times of India* the next day, and in all the local papers the day after. My statement received very wide press notice and several papers wrote appreciative leading articles. Even the Urdu press made little comment; they were too stunned by the Pakistan Resolution and frankly did not know what line to take.

My statement was far too long to be reproduced in full, but I may be permitted to quote the more relevant portions:

> "The sole aim of Muslim politics should be the securing of permanent communal peace. Any advance towards this goal is good politics. Partition assumes permanent communal unity to be impossible and is, therefore, the worst politics....I, therefore, believed the Muslim League necessary for two reasons. To bring about solidarity and,

innocuous. I also realised that no one else round Mr. Jinnah would be able to play down the demonstrations he desired—and played down it must be—or else the enraged majority community might, as had happened so often in the past, take their vengeance. Furthermore, no one could tell what the minority community, incited to feel triumphant and to gloat, might not do. In Hindu-Muslim riots the Muslims had by no means always been on the defensive or the helpless victims.

I, therefore, decided to write the draft. If I felt it would serve the purpose I had in mind, I would take it to Mr. Jinnah; if not, I would ask him to excuse me from this particular task. I now took it to Frank and we went over every word. He fully realised the potential dangers in such a Day and that no chance should be lost in rendering it as harmless as possible. I, therefore, took care to write in sentences such as:

> "Let there be no hartals, processions or any such demonstrations, but let a spirit of humility and a mood of reflection prevail."
>
> "... my appeal emphasises that prayers should be offered for the establishment of truly popular ministries which would do even justice to all communities and interests."

We thought it doubtful if Mr. Jinnah, in his then aggressive mood, would accept the draft, but, if he did, it might just do the trick. Anyway nothing would be lost by trying. He pressed me to take it. I did so and found Mr. Jinnah busy. He asked me to leave it with him, which I did. I next saw it in the press.

I might add as a footnote that, in the event, the Day passed off without an incident. Not a hand was raised, not a stone was thrown. It would be too much to claim that this was due to the wording of the manifesto. But I like to think it helped. The next time Mr. Jinnah ordered the observance of a Day he was not so lucky. In 1946 the Muslim League

were indications of the connivance of local Congressmen, and even officials, but that the Congress Governments were directly involved was far from proved. It could, however, be said, and with justice I think, that understandably reluctant to take drastic action against those who had voted them into power, the Congress Governments had not always restored order as firmly or as quickly as they could perhaps have done.

Secondly, I thought I had the Congress pretty well sized up by then. It was not a political party of individuals with a common political belief, but an independence movement comprising all those who desired, for whatever different reasons, freedom from British rule. Since India was still in many ways a medieval country, it followed that the rank and file of the Congress still had a medieval mentality. They were for the most part caste and provincial-minded, and the Muslims entered very little into their scheme of things. A very large number, and this included the leadership in the lower levels, undoubtedly dreamed of a Hindu Renaissance, but the point was that even they were more pro-Hindu than anti-Muslim as such. The Muslims went by default, and it was not so much the case of what the Congress had done against the Muslims, but what it had not done for the Muslims. The upper echelons, as I well knew by personal acquaintance, such as Gandhiji, Jawaharlalji, Mrs. Naidu, and many others, were incapable of any anti-Muslim act.

Lastly, the millions and millions of Congress supporters had been very proud of their Governments and were extremely upset over them having to resign. For the Muslim League to gloat so ostentatiously over these resignations was indeed adding fat to a fire that might flare into a conflagration.

With such views my first reaction was to decline the assignment. But the thought of what might happen if the already excited majority community was driven to the point of exasperation haunted me. I wondered if I could render such a potentially dangerous situation less dangerous, if not

consider the matter, but made it clear that if I accepted I must be given a free hand. He told me not to worry about that. I conceived the paper as a means of acting as a brake on the Muslim League whose policies and activities were rapidly becoming more and more extreme. Rather than building up Muslims, the sole policy of the League now seemed to be anti-Congress and anti-Hindu. I thought some independent thinking could bring it back on the rails and for this I would need suitable help. I discussed the matter with a young independent-minded Muslim barrister, Sulaiman Seth, and even asked him if he would join me if I accepted. Frank was deeply concerned and strongly counselled refusal. He clearly saw that if I accepted I would have passed beyond the communal point of no return. He was also very sceptical about me being allowed a free hand. If it was a party paper, he argued, it would have to follow the politics of the party irrespective of what they were. After further reflection I refused.

The War broke out in September 1939 and after some abortive negotiations with the Viceroy the Congress Working Committee instructed the Congress provincial governments to give up office. They, therefore, resigned towards the end of November. Someone has said that opportunity is as powerful as purpose, and Mr. Jinnah now displayed his ability to discern and grasp opportunity. With the greatest cynicism he decided to turn the Congress decision to the League's advantage by directing the Muslim League all over India to observe a "Day of Deliverance and Thanksgiving". As was his wont, he asked me to draw up the manifesto. Moreover, beginning now to see through me, he took care to indicate what should be brought out.

This was an assignment that disturbed me greatly. To start with, I thought that this was really going too far. I was aware that a League committee had issued a report, known as the Pirpur Report, on so-called Congress atrocities. It was a dismal record of Hindu-Muslim riots. It was true that there

democratic principles suitable for homogeneous countries were not applicable. A representative government in Britain enjoyed the support of the numerical majority of the people. But in India only a government which enjoyed the support of both Hindus and Muslims could be considered representative. This was all the more necessary, I wrote, since Hinduism and Islam were not religions, as Christians generally understood it, but ways of life with differing social codes. They could even be said to be different cultures. I discussed my draft with Frank and we rounded a phrase or two. I then took it to Mr. Jinnah who accepted it, but made one verbal change. I had written "a Constitution must be evolved that recognises that there are in India two communities who must both share the governance of their common motherland. In evolving such a constitution, the Muslims are ready to cooperate with the British Government, the Congress, or any party so that the present enmities may cease and India may take its place amongst the great nations of the world". He scratched out "communities" and wrote in "nations".

This was sometime between the outbreak of war and the resignation of the Congress Government. It must, therefore, have been about October 1939. It was the first time in my experience that Mr. Jinnah referred to the Muslims as a "nation". But as he had retained "common motherland", I did not for a moment suspect that he was very shortly going to spring the two-nation theory on to a totally unprepared India. Hindu and Muslim. Everyone had of course heard of

was always ready to push anead promising young men and in fact preferred them to those of his own generation. Another great thing about him was that he would never stoop to intrigue or do anything behind anyone's back. One always knew where one stood with him.

With Tara and myself Mr. Jinnah and his sister were always affectionately cordial. He never refused anything I asked of him and readily came wherever I took him. They lunched or dined with us whenever we wished him to meet anybody and his conversation with John Gunther, the author of *Inside Asia*, took place over lunch in our flat at Worli Point. Another such meeting is vividly described by Wilfred Russell in his book *Merchant in a Mirror*.

Supremely confideut of himself, Mr. Jinnah was more a dictator than a leader. The Muslim League Working Committee may have been a committee, but the only work it did was to agree. He presided over it like a general in his mess. Once, Sir Sikander Hayat Khan and a group from Lahore had come to Bombay for one of its meetings. A common friend had asked us to lunch. Throughout the meal Sir Sikander and his friends expanded on some point to which they were fundamentally opposed. "It totally ignored the conditions in Punjab", Sir Sikander declared angrily, "I will never accept it." The meeting was in the afternoon, and next day I asked him if he had won his point. "Well, actually," he said sheepishly, "I did not raise it." A friend who was present told me afterwards he did raise it. "Mr. Jinnah", he began, "I would like to discuss . . . . " Mr. Jinnah turned slowly in his chair and looked at him. Sir Sikander subsided.

I was always amazed by the way he sometimes refused to play up even to his followers. I remember once sitting with him when a servant announced that some Muslims wished to see him. Looking annoyed, he said, "send them in". They came in, simple fellows, and awestruck before the great man huddled in a group shuffling their feet. "Well",

I did so. Instead of seizing the opportunity of winning the support of the influential *Times of India*, Mr. Jinnah sneered at the editorial policy of the paper and answered his questions as if from an uninformed school-boy. Ivor, a touchy Welshman, had always been extremely sympathetic to the Muslim case and was quite unnecessarily antagonised.

I have a feeling that somewhere deep down his conscience pricked him about his communal role, for he was always so much on the defensive. At the height of his fame I arranged for him to speak to the Progressive Group. It was a record attendance and all came eager to hear him. But for no reason whatsoever he sensed a lack of sympathy, and even opposition. Lifting his tall thin frame from the chair, with all his bristles out, he faced the audience as if before a hostile judge. He then lectured more than spoke, and snapped more than answered questions. His departure seemed to be a relief to both speakers and listeners.

Other episodes also come to mind. I recall vividly a wedding in the city at which he and Maulana Shaukat Ali were sat side by side on the same sofa. They disliked each other cordially, and the occasion was both comic and significant of their two characters. Bearded, fat, jolly and an extrovert, the Maulana was relaxed and carried it off by talking loudly to all within range. Clean-shaven, gaunt, sulky and withdrawn, Mr. Jinnah sat silent and tense, and stalked out haughtily at the first opportunity.

But when he wanted he could be charming and considerate too. During some negotiations Gandhiji came down to Bombay to see Mr. Jinnah, and Tara happened to remark that she had never met him. Mr. Jinnah immediately invited her to his house, and when Gandhiji arrived he was met by Mr. Jinnah at the door, and by Miss Jinnah and Tara in the drawing room. Tara wrote up the incident and it was later published in the *Illustrated Weekly* in a series entitled "My Most Memorable Meeting".

I have also seen him perfectly charming with students. He

Commission is being got hold of by the Moslems and may present a report altogether destructive of the Hindu position, thereby securing a solid Moslem support, and leaving Jinnah high and dry."

Even his exit from the Congress, a few years before, was due to the non-cooperation issue and not to any communal reason. Taking up parliamentary work which so eminently suited his talents, he had become, with Sir Purshotamdas Thakurdas as his deputy, the leader of the Independent Party in the Legislative Assembly in Delhi. During my visits there I myself had witnessed his debating skill and had learnt how deeply his integrity and independence of mind were respected by the Government and the Congress alike. Moreover, everybody who read the papers knew of his more recent activities, and the part he had played at the Round Table Conference at which he had held himself rigorously aloof from the "old guard" Muslim politicians who had acted as a group under the leadership of that staunch monarchist and loyalist, the Aga Khan.

With this group the younger generation of Muslims were entirely disgusted. But they were not enraptured with the Congress either which, at that period, only came to life at annual sessions, and during the periodic civil disobedience movements when its main appeal to Muslims was to go to jail. This was hardly enough to catch their imagination. They were ripe for fresh leadership for which Mr. Jinnah seemed the man most qualified. His credentials, so to speak, were impeccable, and his logic seemed to me irrefutable. I placed myself at his disposal.

As a leading barrister Mr. Jinnah had become used to what is known in legal jargon as "devils". These were fledgling barristers developing their knowledge of law and of arguing cases by acting as assistants to senior members of the Bar. He now used me as a sort of political "devil". Though extremely articulate vocally, he had surprisingly little facility

"Who then was our doughtiest opponent in 1906? A distinguished Muslim barrister in Bombay, with a large and prosperous practice, Mr. Mohommed Ali Jinnah...... We had always been on friendly terms, but at this juncture he came out in bitter hostility towards all that I and my friends had done and were trying to do. He was the only well-known Muslim to take up this attitude, but his opposition had nothing mealy-mouth about it; he said that our principle of separate electorates was dividing the nation against itself, and for nearly a quarter of a century he remained our most inflexible critic and opponent."

The person for whom I had the deepest regard, Mrs., Naidu, admired him fervently till the end. At the 1915 Session of the Congress she had recited, in his honour, her poem "Awake". To exemplifv [illegible] emotions he then evoked, I may quote the first verse:

> Waken, O mother! thy children implore thee,
> Who kneel in thy presence to serve and adore thee!
> The night is aflush with a dream of the morrow,
> Why still dost thou sleep in thy bondage of sorrow?
> Awaken and sever the woes that enthral us,
> And hallow our hands for the triumphs that call us!

Even as late as 1928, when the Simon Commission was touring India, Lord Birkenhead, the then Secretary of State, as quoted by his son in his book "F.E.", was writing the following to the Viceroy:

"I should advise Simon to see at all stages important people who are not boycotting the Commission, particularly Moslems and the depressed classes. I should widely advertise all his interviews with representative Moslems. The whole policy is now obvious. It is to terrify the immense Hindu population by the apprehension that the

Contents

1993

Price Rs.75/-

Printer	: Liberty Art Press, 1528, Pataudi House, New Delhi
Publisher	: Mustafa Kamal Hashmi for Khuda Bakhsh Library, Patna (Phone 650109, Tlx. 22-430 KBL IN)
Editor	: Dr. A. R. Bedar
Annual Subscription	: Rs.300/- (Inland) US 60 (Asian Countries) US 120 (Other Countries) Price (this issue) Rs. 75/-.